

# عُمْدَةُ الْفَقِہِ

فَسَّـلُوا  
أَهْلَ الذِّكْرِ لَكُمْ بِحَقِّكُمْ

حَضْرَتُ النَّاسِیْدِ زَوَّارِ حَسِیْنِ شَاہِ صَاحِبِ مَدَنِی











فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ

(رواہ ترمذی وابن ماجہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

(ایک فقیہ (عالم دین) شیطان پر ہزار غیر فقیہ عابدوں سے زیادہ حاوی ہے)

# عُمْدَةُ الْفَقْهِ

حصہ سوم

مشمول بر کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم

مؤلفہ

حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

زوّار اکیڈمی پبلیشنگز

[www.maktabah.org](http://www.maktabah.org)

## جملہ حقوق بہ حق ادارہ محفوظ

سن طباعت: جنوری ۲۰۰۸ء

تعداد: گیارہ سو



**ناشر**

**زوار الیمعہ پبلکیشنز**

اے، ۱۷/۳، ناظم آباد نمبر ۴۔ کراچی۔ فون ۶۶۸۴۷۹۰-۰۲۱



## فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۱	عشر کی فرضیت - سبب فرضیت	۲۲	(۶) مالی نصاب پورے طور پر مالک ہونا	۷	کتاب الزکوۃ
•	کیفیت فرضیت	۲۳	(۷) مالی نصاب کی اصلی حاجتوں کو زائد ہونا	•	دیباچہ
•	شرائط وجوب عشر	۲۶	(۸) مالی نصاب کا دین سے فارغ ہونا	۸	اسلام میں زکوۃ کا نظام اور اس کے محاسن
۱۱۲	مقدار فرض (یعنی نصاب عشر اور فرض عشر)	۳۵	(۹) مالی نصاب بڑھنے والا ہونا	۱۳	زکوۃ حکومت کا ٹیکس نہیں بلکہ عبادت ہے
۱۲۳	کیا سرکاری زمین میں مزارعین پر عشر واجب ہے	۳۵	(۱۰) مال پر سال کا گذرنا	۱۴	مقدار زکوۃ کا تعین
۱۲۳	عشر واجب ہونے کا وقت	۴۹	شرط اداائے زکوۃ	•	زکوۃ کس کس مال پر واجب ہے -
۱۲۵	مسئلہ تعجل فی العشر - عشر کا دین	۵۴	وقت اداائے زکوۃ	•	اموال باطنہ کی زکوۃ
•	شرط اداائے عشر	۵۸	سائمہ (چرند لے جانور) کی زکوۃ کا بیان	•	محاسن زکوۃ
•	عشر کو ساقط کرنے والے امور	۶۰	اونٹوں کی زکوۃ کا بیان	•	اسلام دولت کی مضفاد تقسیم چاہتا ہے
۱۲۶	مصارف زکوۃ کا بیان	۶۳	گائے بیل اور بھینس کی زکوۃ کا بیان	•	زکوۃ کی تفسیر - زکوۃ کا رکن
•	مالی زکوۃ کن لوگوں پر صرف کیا جائے	۶۴	بھیر و بکری کی زکوۃ کا بیان	•	زکوۃ کا حکم
۱۲۷	(۱) فقیر - (۲) مسکین	۶۶	ان جانوروں کے بیان میں جن میں {	•	زکوۃ کی فرضیت کا سبب
۱۲۸	(۳) عامل	•	زکوۃ واجب نہیں ہے	•	زکوۃ فرض ہونے کی شرطیں
۱۳۰	(۴) رقاب	۶۸	سونے اور چاندی کی زکوۃ کا بیان	•	(۱) آزاد ہونا
۱۳۱	(۵) غارم - (۶) فی سبیل اللہ	۷۷	مالی تجارت کی زکوۃ کا بیان	•	(۲) مسلمان ہونا (۳) عقل
۱۳۲	(۷) ابن السبیل	۸۰	متفرق مسائل	•	(۴) بلوغ
۱۳۳	زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ	۹۳	عاشر کا بیان	•	(۵) مال کا مالک ہونا اور مال
۱۳۸	جن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے	۱۰۴	کان اور دینہ کا بیان	•	بقدر نصاب ہونا
۱۵۲	بیت المال کے اقسام اور ان کے مصارف	۱۱۰	عشر یعنی کھیتی اور پھلوں کی زکوۃ کا بیان		



۲۳۳	{ مطلع ابرآورد ہونے کی صورت میں شوال کے چاند کا ثبوت	۱۸۱	{ (۲) فرض غیر معین روزے	۱۵۳	متفرق ضروری مسائل
۲۳۴	{ مطلع صاف ہونے کی حالت میں ہلالی شوال کا ثبوت	۱۸۲	{ (۳) واجب غیر معین روزے	۱۵۸	صدقہ فطر کا بیان
۲۳۸	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۸۳	{ (۴) واجب غیر معین روزے	۱۶۰	صدقہ فطر کی کیفیت
۲۳۹	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۸۴	{ (۵) مسنون روزے	۱۶۵	صدقہ فطر کا حکم
۲۴۰	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۸۵	{ (۶) مستحب روزے	۱۶۶	صدقہ فطر واجب ہونے کی شرائط
۲۴۱	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۸۶	{ (۷) مکروہ تحریمی روزے	۱۶۷	صدقہ فطر واجب ہونے کا سبب اور
۲۴۲	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۸۷	{ (۸) مکروہ تنزیہی روزے	۱۶۸	صدقہ فطر کس کس کی طرف دینا واجب ہے
۲۴۳	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۸۸	{ (۹) روزہ واجب ہونے کا سبب	۱۶۹	صدقہ فطر کے واجب ہونے کا وقت
۲۴۴	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۸۹	{ (۱۰) روزہ کا وقت	۱۷۰	صدقہ فطر ادا کرنے کا وقت
۲۴۵	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۰	{ (۱۱) روزہ کا رکن	۱۷۱	فطرہ کی ادائیگی کا مستحب وقت
۲۴۶	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۱	{ (۱۲) روزہ کی شرطیں	۱۷۲	صدقہ فطر کا رکن
۲۴۷	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۲	{ (۱۳) روزہ کی نیت کا بیان	۱۷۳	صدقہ فطر کی جنس و مقدار
۲۴۸	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۳	{ (۱۴) روزہ کی نیت کا حکم	۱۷۴	صدقہ فطر کے مسارفہ صلیک ادا کی کا طریقہ
۲۴۹	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۴	{ (۱۵) روزہ کی نیت کی تعریف اور	۱۷۵	نوٹ کی شرعی حیثیت اور
۲۵۰	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۵	{ (۱۶) اس کے متعلق مسائل	۱۷۶	اس کے متعلق احکام
۲۵۱	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۶	{ (۱۷) روزہ کی نیت کا وقت	۱۷۷	کتاب الصوم
۲۵۲	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۷	{ (۱۸) نیت میں روزہ کا تعین کرنا	۱۷۸	روزہ کا بیان
۲۵۳	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۸	{ (۱۹) روزہ کی نیت کے متفرق مسائل	۱۷۹	روزہ کی فرضیت
۲۵۴	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۱۹۹	{ (۲۰) یوم الشک کا روزہ	۱۸۰	روزہ کی تعریف
۲۵۵	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۰	{ (۲۱) چاند دیکھنے کا بیان	۱۸۱	روزہ کا حکم
۲۵۶	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۱	{ (۲۲) چاند دیکھنے کا حکم	۱۸۲	روزہ کے مشروع ہونے کی حکمت
۲۵۷	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۲	{ (۲۳) چاند دیکھنے کی دعا	۱۸۳	روزہ کی خوبیاں
۲۵۸	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۳	{ (۲۴) رویت ہلال کا ثبوت	۱۸۴	روزہ کی اقسام
۲۵۹	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۴	{ (۲۵) مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں	۱۸۵	{ (۱) فرض معین روزے
۲۶۰	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۵	{ (۲۶) رمضان کے چاند کا ثبوت	۱۸۶	
۲۶۱	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۶	{ (۲۷) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۱۸۷	
۲۶۲	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۷	{ (۲۸) رمضان کے چاند کا ثبوت	۱۸۸	
۲۶۳	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۸	{ (۲۹) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۱۸۹	
۲۶۴	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۰۹	{ (۳۰) رمضان کے چاند کا ثبوت	۱۹۰	
۲۶۵	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۰	{ (۳۱) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۱۹۱	
۲۶۶	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۱	{ (۳۲) رمضان کے چاند کا ثبوت	۱۹۲	
۲۶۷	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۲	{ (۳۳) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۱۹۳	
۲۶۸	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۳	{ (۳۴) رمضان کے چاند کا ثبوت	۱۹۴	
۲۶۹	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۴	{ (۳۵) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۱۹۵	
۲۷۰	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۵	{ (۳۶) رمضان کے چاند کا ثبوت	۱۹۶	
۲۷۱	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۶	{ (۳۷) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۱۹۷	
۲۷۲	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۷	{ (۳۸) رمضان کے چاند کا ثبوت	۱۹۸	
۲۷۳	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۸	{ (۳۹) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۱۹۹	
۲۷۴	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۱۹	{ (۴۰) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۰۰	
۲۷۵	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۰	{ (۴۱) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۰۱	
۲۷۶	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۱	{ (۴۲) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۰۲	
۲۷۷	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۲	{ (۴۳) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۰۳	
۲۷۸	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۳	{ (۴۴) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۰۴	
۲۷۹	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۴	{ (۴۵) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۰۵	
۲۸۰	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۵	{ (۴۶) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۰۶	
۲۸۱	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۶	{ (۴۷) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۰۷	
۲۸۲	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۷	{ (۴۸) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۰۸	
۲۸۳	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۸	{ (۴۹) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۰۹	
۲۸۴	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۲۹	{ (۵۰) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۱۰	
۲۸۵	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۰	{ (۵۱) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۱۱	
۲۸۶	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۱	{ (۵۲) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۱۲	
۲۸۷	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۲	{ (۵۳) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۱۳	
۲۸۸	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۳	{ (۵۴) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۱۴	
۲۸۹	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۴	{ (۵۵) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۱۵	
۲۹۰	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۵	{ (۵۶) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۱۶	
۲۹۱	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۶	{ (۵۷) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۱۷	
۲۹۲	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۷	{ (۵۸) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۱۸	
۲۹۳	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۸	{ (۵۹) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۱۹	
۲۹۴	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۳۹	{ (۶۰) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۲۰	
۲۹۵	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۴۰	{ (۶۱) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۲۱	
۲۹۶	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۴۱	{ (۶۲) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۲۲	
۲۹۷	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۴۲	{ (۶۳) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۲۳	
۲۹۸	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۴۳	{ (۶۴) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۲۴	
۲۹۹	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۴۴	{ (۶۵) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں	۲۲۵	
۳۰۰	{ عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت	۲۴۵	{ (۶۶) رمضان کے چاند کا ثبوت	۲۲۶	



۳۲۵	(۱۴) جب وقت میں تہجد ہو تو آب پاشی کرنے والے کی گواہی قبول کرنا۔	۳۹۰	(۱) کھانا پینا صرف مہوۃ یا صرف منہ پانی	۲۸۳	(۳) عمدۃ افطار کرنا
	(۱۵) عاریتاً لہو یعنی عندکے گمان سے روزہ توڑ دینا اور پھر اس عذر کا لاحق نہ ہونا۔	۳۱۰	(۲) صرف مہوۃ یا صرف منہ پانی جانا	۲۸۴	(۴) رضامندی
۳۲۶	(۱۵) عاریتاً لہو یعنی عندکے گمان سے روزہ توڑ دینا اور پھر اس عذر کا لاحق نہ ہونا۔	۳۱۳	(۳) روزہ توڑنے والی چیز کا بلا قصد یعنی خطاً صادر ہونا		(۵) اضطراب نہ ہونا
۳۲۸	(۱۵) عاریتاً لہو یعنی عندکے گمان سے روزہ توڑ دینا اور پھر اس عذر کا لاحق نہ ہونا۔	۳۱۵	(۴) عدم رضامندی یعنی اگر وہ پایا جانا		(۶) روزہ دار کے فعل کا پایا جانا
	(۱۱) مرض	۳۱۶	(۵) اضطراب نہ ہونا۔		(۷) روزہ توڑنے کے بعد کسی ایسے عذر کا لاحق نہ ہونا جس سے روزہ نہ رکھا جاسکے
۳۳۰	(۲) سفر		(۶) روزہ دار کے فعل کا پایا جانا لیکن کفار و اجنبی ہونے کی کسی شرط کا منقوض نہ ہونا		(۸) روزہ توڑنے سے پہلے کسی ایسے عذر کا لاحق نہ ہونا جس سے روزہ نہ رکھا جاسکے
۳۳۲	(۳) جبر و اکراہ	۳۱۷	(۷) روزہ توڑنے کے بعد کوئی ایسا عذر لاحق نہ ہونا جس سے روزہ نہ رکھا جاسکے	۲۸۵	(۹) روزہ کا توڑنا رمضان کے
۳۳۴	(۴) حمل	۳۱۸	(۸) روزہ توڑنے کے بعد کوئی ایسا عذر لاحق نہ ہونا جس سے روزہ نہ رکھا جاسکے		ادائی بھول میں سے ہو
	(۵) اضلاع (بندہ پلانا)		(۹) روزہ توڑنے والی چیز کا رمضان کے		(۱۰) رمضان کے ادائی بھول میں نیت
۳۳۶	(۶) بھوک		ادائی بھول میں واقع نہ ہونا		رات کے وقت میں واقع ہونا
	(۷) پیاس	۳۱۹	(۱۰) رمضان کے ادائی بھول میں نیت		(۱۱) روزہ دار کا مکلف ہونا یعنی اس میں
۳۳۸	(۸) جہاد (قتال عند)		رات میں واقع نہ ہونا۔		وجوب و محنت اور ان کی تمام شرطیں پائی جائیں
۳۴۰	(۹) کبر سن (بڑھاپا و ضعف)	۳۲۰	(۱۱) روزہ دار کا مکلف نہ ہونا یعنی		(۱۲) عمدۃ روزہ توڑنا بغیر شہد کے ہو یا
۳۴۱	احکام قدیم		اس میں وجوب اور محنت اور ادائی بھول میں سے کسی شرط کا پایا جانا۔		شب کے ساتھ ہو لیکن وہ شب کا مقام نہ ہو
۳۴۲	(۱۰) حیض	۳۲۱	(۱۲) عمدۃ روزہ توڑنا شہد کے موقع پر		(۱۳) سورج غروب ہونے میں ترقی
	(۱۱) نفاس		شہد کی وجہ سے ہونا		حالت میں افطار کرنا اور تاخیر کرنا
۳۴۹	(۱۲) بیہوشی	۳۲۲	(۱۳) طلوع فجر یا غروب آفتاب میں		(۱۴) وقت میں نہ ہونے کی حالت میں نفی
۳۵۰	(۱۳) جنون		تردد کے وقت سحری یا افطار کرنا اور		کہنے والے کی شہادت پر اعتقاد کرنا
۳۵۳	ضیافت	۳۲۳	شک کی حالت میں تاخیر نہ کرنا۔	۲۸۶	(۱۵) علوی اور یعنی عندکے گمان نہ ہونا۔
۳۵۵	نفل روزہ کے احکام				رمضان کا روزہ توڑ دینے کے



۳۵۵	نذر صیام یک ماہ و چند ماہ	۳۵۷	جن چیزیں جو اعتکاف میں حرام ہیں یا اجماعاً
۳۵۸	دو یا زیادہ دن کے روزوں کی نذر کرنا	۳۵۹	مکہ میں اور جو مکہ نہیں ہیں
۳۵۹	ایک دن کے روزہ کی نذر کرنا	۳۸۲	متفرق مسائل
۳۶۰	متفرق جزئیات نذر	۳۸۳	شب قبلہ صلا کے احکام
۳۶۱	غیر معلق نذر کو ادا کرنے میں تعجل کرنا	۳۸۵	وجہ تسمیہ
۳۶۲	اعتکاف کا بیان	۳۹۰	فضائل لیلة القدر
۳۶۳	اعتکاف کی تفسیر	۳۹۱	لیلة القدر کے تعین کے متعلق اقوال
۳۶۴	اعتکاف کا ثبوت	۳۹۲	علامات لیلة القدر
۳۶۵	اعتکاف کی اقسام	۳۹۳	احکام لیلة القدر
۳۶۶	اعتکاف کا سبب	۳۹۴	تاریخائے لیس، خطا اور ٹیلیفون کے
۳۶۷	اعتکاف کا حکم	۳۹۵	ذریعہ ثبوت ہلال کا حکم
۳۶۸	اعتکاف کا رکن	۳۹۶	رویت ہلال میں ریڈیو وغیرہ
۳۶۹	اعتکاف کی شرطیں	۳۹۷	کی خبر کی مزید تحقیق
۳۷۰	اعتکاف کی خوبیاں	۳۹۸	روزہ میں انجیکشن کا شرعی حکم
۳۷۱	اعتکاف کے آداب	۳۹۹	صیام اربعین (حق) کی حقیقت اور اس کا حکم
۳۷۲	جن چیزوں سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے	۴۰۰	تتمت
۳۷۳	جو ادا جن چیزوں سے فاسد نہیں ہوتا ہے	۴۰۱	

زکوٰۃ کی ادائیگی کے متعلق ایک ضروری مسئلہ

اسوال: کیا زکوٰۃ کے حساب کیلئے قریٰ مہینوں کا حساب ضروری ہے یا انگریزی مہینوں کے حساب سے نکالی جاسکتی ہے اگر کوئی شخص ان انگریزی مہینوں سے حساب لگاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے، بوجہ دور میں سارا حساب انگریزی مہینوں کے قریٰ مہینوں کا کیا دیکھنا بہت مشکل ہے تو اس کی کیا صورت ہے کہ زکوٰۃ صحیح ادا ہو جائے۔

جواب: (مستقول از قلمی قریٰ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) بوندی حال عظیم کراچی: قریٰ مہینوں کا حساب ضروری ہے، اگر قریٰ مہینوں سے حساب کرنے میں کوئی دشواری ہے تو شمسی مہینوں کے حساب سے ادا کریں لیکن چھتیس سال میں ایک سال کی مزید زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا کیونکہ چھتیس سال میں دو دنوں حبابوں میں ایک سال کا فرق پڑ جاتا ہے سیدھی بات یہی ہے کہ زکوٰۃ کا حسب قریٰ مہینوں سے کیل جائے۔

(نوٹ: از تالیف کتاب) اگر بار مجبوری شمسی مہینوں کے حساب سے زکوٰۃ دیں تو ہر سال دشمن کی زکوٰۃ ادا کر دیا کریں اور حساب کچھ زیادہ ہی دیکھا کریں تو بہتر ہے اس طرح سے امید ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کمی نہیں رہے گی۔ جناب مفتی ولی حسن صاحب کوئی مظلہ انجالی جناب قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مظلہ العالی سے زبانانی گفتگو کے ذریعہ یہی معلوم ہوا۔ و اللہ اعلم بالصواب۔



عمدة الفقہ

# کتاب الزکوٰۃ

از

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف :

عمدة الفقہ، زبدۃ الفقہ، عمدة السلوک، حضرت مجدد الف ثانیؒ، انوار معصومیہ، مقامات فضیلت

حیات سعیدیہ اور ریڈیو تقاریر وغیرہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# دیباچہ

الحمد لله الواحد الاحد الصمد المتفرد في ذاته وصفاته فلا مثل له ولا ند له ولم يكن له كفوا احد، الذي نور  
قلوبنا بنور اليقين وشرح صدورنا بقول الحق المبين وامرنا بالاعتصام بالحبل المتين واراد الخیر لمن فقهه في الدين والصلوة و  
السلام على من ارسله رحمة للعالمين وجعله امام المرسلين وخاتم النبيين، ارسله الى الناس كافة بشيرا ونذيرا وادعانا الى الله  
بالحدى وسراجا منيرا وانزل علينا القرآن العظيم هدى للناس وبيئات من الهدى والفرقان واعطاه جوامع الكلم وانطقه  
بالهدى والحكمة سيد الانبياء والمرسلين سيدنا ومولانا محمد بن المصطفى احمد بن المصطفى محمد بن عبد الله الطاهر بن  
احمد بن الهبة المتقين الذين هم مصابيح المحدثين وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين لاسيما الائمة المجتهدين  
خصوصا على افضلهم واعلمهم الامام الاعظم سيدنا ابى حنيفة النعمان بن ثابت واعوانه واتباعه رضي الله تعالى عنهم  
اجمعين ورضوانه صلوة وسلاما دائما آمين ما بنتت نجوم الارضين وكانت النجوم في السماء سابحين - اما بعد -  
مولف كتاب هذا حق الامام فقير حقير لا شئ يمجده ان خاكا زوار حسين بن سيد احمد حسين ترمذى خفي نقشبندى مجددى غفارى  
وغفر له ولوالديه عرض كتابه في كتاب هذا عمدة الفقہ كاحصه اول مشتمل كتاب الايمان وكتاب الطهارة وحصة دوم مشتمل كتاب الصلوة  
ادارة مجتهدى ناظم آباد كراچى سے شائع ہو کر بریہ ناظرین ہو چکے ہے۔ اب حصہ سوم جس میں کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم مفصل و  
جامع طور پر مذکور ہے ادارہ مذکورہ کی جانب سے ہدایت سابق نہایت پاکیزہ خط میں عمدہ و سفید کاغذ پر طبع ہو کر پیش خدمت ہے،  
امید ہے کہ جس طرح حصہ اول و دوم کو ناظرین کی جانب سے شرف قبولیت حاصل ہوا ہے حصہ سوم بھی حوام و خواص میں مقبول ہو کر  
مؤلف و ناشر و معاونین و ناظرین کے لئے حصول سعادت و ایں کا وسیلہ بنے گا، آمین۔

زکوٰۃ کا بیان قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز کے ساتھ مذکور ہے اس لئے اکثر محدثین و فقہائے کرام نے اپنی تصنیفات میں نماز کے  
بعد متصل ہی زکوٰۃ کا بیان درج فرمایا ہے اس کے بعد صفحہ کا بیان درج کیا ہے، کتاب ہذا میں بھی اسی ترتیب کا اختیار کیا گیا ہے۔

جیسا کہ حصہ دوم کے دیباچہ میں ذکر کیا گیا تھا کہ حصہ اول و دوم میں ان کتابوں کا حوالہ نہیں دیا جاسکا جن سے یہ مسائل لئے گئے  
ہیں اداس کی اہمیت کا احساس بعض احباب کے توجہ دلانے سے اس وقت ہوا جبکہ حصہ دوم کا بیشتر حصہ لکھا جا چکا تھا اور اس کتاب  
کا تذکرہ اس وقت شکل تھا اس لئے اس وقت یہی مناسب معلوم ہوا کہ حصہ سوم اداس کے بعد کے حصوں میں حواجیات کا التزام کیا جائے  
اور حصہ اول و دوم کی طرح ثانی کے وقت بتوفیق الہی نظر ثانی کے ساتھ حواجیات کی کمی کا بھی تذکرہ کر دیا جائیگا واللہ اعلم بالصواب



چنانچہ حصہ سوم میں تاخیر مسائل کو رد مؤلف کے ساتھ حاشیہ میں نمبر وار درج کر دیا ہے تاکہ ناظرین کو جب کسی مسئلہ کے متعلق ثبوت و تحقیق و مزید تفصیل کی ضرورت پیش آئے کتب محمولہ کی طرف رجوع کر کے اطمینان کر سکیں، جملہ مسائل و جزئیات کو نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ درج کیا گیا ہے اور مستند مفتی بہ اقوال کی حتی الامکان وضاحت کر دی گئی ہے، اکثر مسائل کی فقہی توجیہات و تعلیلات ساتھ ساتھ درج کر دی گئی ہیں تاکہ اگر عوام متعلقہ فقہی مسئلہ معلوم کر کے مستفید ہو سکیں تو خواص و اہل علم حضرات توجیہ و تعلیل سے استفادہ کرتے ہوئے عقلی و نقلی طور پر مسئلہ کی صحت کا اطمینان کر سکیں، اس لحاظ سے یہ کتاب جس طرح عوام کے لئے مفید ہے اہل علم و خواص کے لئے بھی نہایت مفید ثابت ہوگی بلکہ اندوہاں طالبان علم دین کے لئے اس عام فہم کتاب کا مطالعہ بہت ہی مفید اور ان کے فقہی ذہن کے ارتقا کا باعث ہوگا، حواجیات کے لئے جو ریز استعمال کئے گئے ہیں ان کی تفصیل ذیل کی جدول سے واضح ہے۔

نمبر شمار	رہز	کتاب کا پورا نام	مصنف
۱	بحر	البحر الرائق شرح كنز الدقائق	علامہ شیخ زین الدین الشہیر با بن نجیم قدس سرہ العزیز
۲	منہ	منہا الخالق علی البحر الرائق	علامہ سید محمد امین الشہیر با بن عابد بن شامی قدس سرہ العزیز
۳	نور	نور الایضاح	علامہ شیخ حسن بن علی الشرنبلالی قدس سرہ العزیز
۴	م	مراقی الفلاح	امام و فقیہ شیخ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی قدس سرہ العزیز
۵	ط	طحاوی علی مراقی الفلاح	علامہ الدہر شیخ احمد بن محمد بن سلیم الطحاوی الحنفی قدس سرہ العزیز
۶	در	در المختار	علامہ مولانا محمد علاؤ الدین الحنفی بن شیخ علی حنفی قدس سرہ العزیز
۷	در المنتقی	در المنتقی فی شرح المستقی	ایضاً
۸	ش	رد المحتار علی الدر المختار المعروف بقاوی شامی	علامہ سید محمد امین الشہیر با بن عابد بن شامی قدس سرہ العزیز
۹	مجمع	مجمع الانہر فی شرح منہا	علامہ شیخ عبدالرحمن بن شیخ محمد بن سلیمان المدنی شیخ زاہد قدس سرہ العزیز
۱۰	الہدایہ	الہدایہ	شیخ الاسلام امیر بان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرطانی قدس سرہ العزیز
۱۱	فتح	فتح القدیر	شیخ امام کمال الدین محمد عبدالواحد بن عبدالحمد بن مسعود المعروف بابن ہمام قدس سرہ العزیز
۱۲	بدائع	بدائع الصنائع	امام علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی قدس سرہ العزیز
۱۳	ع	فتاویٰ الہندیہ المعروف بقاوی عالمگیری	مصنف علماء ہند ابی سلطان اویس زبیر عالمگیری شہناشاہ ہند قدس سرہ العزیز
۱۴	اجبار	اجمار علوم الدین	امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی قدس سرہ العزیز
۱۵	التاج	التاج جامع للاصول فی احادیث الرسول	شیخ منصور علی ناصف
۱۶	جمع الفتاویٰ	جمع الفتاویٰ عن جامع الاصول و مجمع الزوائد	امام محمد بن محمد بن سلیمان قدس سرہ العزیز
۱۷	عرف	العرف الشذی علی جامع العربی	علامہ مولانا سید انور شاہ صاحب قدس سرہ العزیز محمد بن مولانا محمد علی صاحب قدس سرہ



۱۸	منظہری	تفسیر مظہری	بہشتی دوزان مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ العزیز
۱۹	غایۃ الاطلاق	غایۃ الاطلاق ترجمہ و شرح علامہ ابو نعیم	مولانا خرم علی صاحب مولانا محمد احسن صدیقی نافوقی قدس سرہ العزیز
۲۰	مظاہر	مظاہر حق ترجمہ و شرح ابو مشکوٰۃ شریف	مولانا قطب الدین صاحب شاہجہاں آبادی قدس سرہ العزیز
۲۱	حیات	حیات الصالحین (فارسی)	محدث و فقیہ جناب مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ العزیز

ان کے علاوہ اردو کی بعض مشہور کتب بہشتی زیور و بہار شریعت و علم الفقه وغیرہ سے بھی بعض مسائل لئے گئے ہیں۔ (مؤلف)

کتاب ہذا کی خصوصیات مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکیں گی تاہم چند خصوصیات درج ذیل ہیں:-

(۱) حسب سابق مسائل کی ترتیب منطقی و نفسیاتی ہے، جہاں تک حاصل ہو سکا ہر مسئلہ کی پوری پوری تفصیل یکجا درج کی گئی ہے ذیلی عنوانات قائم کر کے ان کے متعلق مسائل کو یکجا کر دیا گیا ہے، عبارات کے اغلاق و ابہام کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اکثر مسائل کے ساتھ فقہی تعلیلات و توضیحات بیان کر دی گئی ہیں تاکہ طالبان علم فقہ کے لئے مفید ہو اور علمائے کام تعلیل و توضیح کے ذریعہ مسئلہ کی صحت کا اندازہ کر سکیں، بعض جگہ اختلاف فقہاء بیان کرنے کے بعد مجمع و مفتی یہ قول بیان کر دیا ہے تاکہ ضعیف و غیر مفتی یہ قول اور مجمع و مفتی یہ ہیں نیز جو کے اور بعض جگہ صرف مفتی یہ مجمع قول درج کر کے لکھ دیا ہے کہ اسی پر قوی ہے یا یہی مجمع ہے وغیرہ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے بالمقابل ضعیف قول یا اقوال بھی ہیں۔

(۲) ہر مسئلہ کی جس قدر عبارت جس کتاب سے لی گئی ہے اس کا حوالہ حاشیہ میں دیدیا ہے جہاں کئی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں ان میں پہلی کتاب کی اصل عبارت لی گئی ہے اور دوسری جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان میں بھی وہ مسئلہ قدرے اختلاف عبارت کے ساتھ موجود ہے ایک ہی مسئلہ میں متعدد کتابوں کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ مسئلہ کی صحت میں قوت پیدا ہو جائے جہاں کہیں اصل کتابوں کی عبارتوں میں تغیر و تبدل کی ضرورت محسوس ہوئی معمولی تغیر و تبدل و تصرف سے کام لیا گیا ہے تاکہ مسئلہ پوری طرح ایک ہی جگہ پر واضح ہو جائے اور حوالہ میں بھی تغیر و تصرف و زیادہ و غیر الفاظ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے لیکن اصل مفہوم میں حتی الامکان اپنی طرف سے کوئی تغیر و تصرف نہیں کیا گیا، اگر کئی کتابوں کی عبارت ملا کر مسئلہ ایک جگہ لکھا گیا ہے تو اس کیلئے مستقلاً کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) مسائل حاضرہ پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے مثلاً اگر کسی نوؤں کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی، ہلدی، نٹ فش کی رقم پنکھ کا دھوب کب کر ہے، خدا تار و اتریس و سیلفون و ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ شربت و بیت ہلال کا حکم، روزے کی حالت میں انجیکشن لگوانے کا حکم وغیرہ۔

(۴) اس کتاب میں حسب ذیل عنوانات کے مسائل کا بے شمار ذخیرہ ہے جو ترتیب کی جرت و تفصیل کے اعتبار سے دیگر کتب فقہ سے ممتاز ہے۔ اسلام میں زکوٰۃ کا نظام اور اس کے محاسن، شرائط فرضیت زکوٰۃ، ادائے زکوٰۃ کی شرط یعنی نیت، ماوردائے زکوٰۃ کا وقت، سائے یعنی چونے والے جانوروں کی زکوٰۃ اور حرن سائے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، سونا چاندی و اموال تجارت کی زکوٰۃ، اموال منار کی تفصیل عاشر یعنی راستوں پر محصول وصول کرنے والوں کا بیان، کان آورد فیہ، عشر یعنی زراعت و پھلوں کی زکوٰۃ اور بیوت الاموال، مصائب زکوٰۃ کی ذیلی عنوانات کے تحت تفصیل، صدقۃ الفطر، روزے کے اقسام، روزہ و ہلال، اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں، روزے کے منن و مستحبات



مکروہات، مفسدات صوم کی وہ صورتیں جن سے کفارہ لازم ہوتا ہے پندرہ شرائط و وجوب کفارہ کے تحت درج ہیں اور جن صورتوں میں صرف قضا لازم ہوتی ہے یہ بھی پندرہ شرائط بالمقابل شرائط کفارہ کے تحت درج ہیں تاکہ ذہن میں مفسدات صوم کی ایک فقہی ترتیب مرتب ہو جائے، روزہ توڑ دینے کے کفارہ کا مفصل بیان، عذرات جن سے روزہ نہ رکھنا یا توڑنا مباح ہو جاتا ہے، نقلی روزہ کے احکام، نذر کے روزے، اختلاف اور شب قدر کا بیان۔

غرض کہ کتاب کبیر لحاظ سے جامع بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور کتاب کی تالیف و ترتیب اور عبارت کی تسہیل و تسلیس میں کافی جدوجہد صرف کی گئی ہے مسائل کے سمجھنے میں جہاں کہیں دشواری پیش آئی علمائے کرام کی طرف رجوع کر کے ان کو حل کیا گیا ہے، اس کے باوجود اپنی کوتاہیوں اور غامیوں پر نظر ہے اور اپنی بے ماگی اور کم علمی و کم فہمی کا اقرار ہے اتنی بڑی کتاب میں مجھ جیسے سچیدان نااہل و ناکارہ سے اغلاط کا سرزد ہو جانا ناگزیر ہے اسلئے ناظرین و علمائے کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ کتاب ہذا میں جہاں کہیں اغلاط پائیں انہما کرم بعد تحقیق و مراجعت کتب فن اس خاکسار کو صحیح صورت سے مع حوالہ کتب مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کی اصلاح کی جاسکے اور اگر وہ اغلاط ایسی اور اس قدر ہوں کہ جن کا اصلاح ناممکن برائے طبع اول شائع کرنا فروری ہوا تو وہ بھی شائع کیا جاسکے گا۔

یہ عاجز مخمزی جناب مفتی ولی حسن صاحب ڈوکی مدظلہ العالی و جناب ڈاکٹر مولانا مفتی محمد منظر بقا صاحب مدظلہ العالی و دیگر حضرات کا تہ دل سے شکر گزار ہے کہ کتاب ہذا کی تالیف کے سلسلہ میں مسائل کے حل اور عربی عبارات کے سمجھنے میں اکثر موافق پران حضرات کی امداد شامل حال رہی ہے اور حصہ اول و دوم کے دیباچہ میں یہ عاجز اس امر کے اظہار سے قاصر رہا ہے۔ محمد می و مخمزی جناب پیر محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی ساکن سندھ و سائیں داد کا بھی تہ دل سے شکر گزار ہے کہ انھوں نے جناب مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھی قدس سرہ السامی کی کتاب حیات الصائمین کا نایاب قلمی نسخہ عنایت فرمایا جس سے اس کتاب کی تالیف میں کافی مدد ملی گئی ہے۔ دیگر جن حضرات نے اس کتاب کی طباعت و نشر و اشاعت میں جس قسم کی بھی سعی و معاونت فرمائی ہے ان کا بھی یہ عاجز دل سے شکر گزار ہے اور ان سب حضرات کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے سب کو سعادت و ارین سے مشرف فرمائے اور دونوں جہان میں پورا پورا اجر و ثواب نصیب فرمائے۔ آمین۔

نیز ناظرین یہ بھی خاکسار کی درخواست ہے کہ دعائے خیر کی یاد سے بدم شاد فرماتے رہیں۔

ہر کہ خواند دعا طبع دارم زانکہ من بندہ گنہگارم

خصوصاً ایمان پر خاتمہ باخیر ہونے کی دعا کا ہر وقت ہر مسلمان سے امید وار ہوں، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اللہم ثبت قلبی بنی علی الایمان و توفنا علی الاسلام و ارزقنا شفاعتہ خیر الانام علیہ و علیٰ الیہ افضل الصلوات و اکمل التعمیلات و ادخلنا بجاہ حسنہ علی اللہ علیہ وسلم دارہ دار السلام تبارکت ربنا و تعالیٰ یا ذا الجلال واکرام، ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم و تب علینا انک انت التواب الرحیم و اغفر لنا انک انت الغفور الرحیم، و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین و برحمتک یا ارحم الراحمین ۵



# اسلام میں زکوٰۃ کا نظام اور اس کے محاسن

قرآن میں نظام زکوٰۃ معتمد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ العالی کراچی سے ملغماً اخذ کیا گیا اور آخر میں تھوڑا سا اضافہ کیا گیا ہے، (مؤلف)

اسلام میں زکوٰۃ کا حکم زکوٰۃ ایک مالی فریضہ اور عبادت ہے جو پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی ایک دینی فریضہ کی حیثیت سے جاری رہی ہے، اگرچہ نصاب زکوٰۃ، مقدار زکوٰۃ، مصرف زکوٰۃ کی صورتیں مختلف رہی ہیں مگر اللہ کی راہ میں اپنے مال کا کچھ حصہ خرچ کرنے کی فطرت مشترک سب میں یکساں ہے، صحیح یہی ہے کہ شریعت اسلام میں نماز کے ساتھ ساتھ ہی زکوٰۃ بھی فرض ہوئی ہے، پس قرآن مجید میں اقیما الصلوٰۃ کے ساتھ ہی واؤا الزکوٰۃ کا ذکر بھی بتلاتا ہے خصوصاً ان سورتوں میں جو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا حکم بھی موجود ہے، سورۃ المائدہ جو نزول قرآن کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس میں بھی اقیما الصلوٰۃ واؤا الزکوٰۃ موجود ہے۔ تفسیر منہجی میں ہے کہ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام نازل ہونے سے پہلے صحابہ کرام کی یہی عادت تھی کہ جو کچھ کھاتے اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ سب صدقہ کر دیتے تھے اور ہر شخص اپنی اپنی زکوٰۃ خدا کا کرتا تھا پھر سورۃ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی حذیث اُمّ الیم صَدَقَۃٌ تُطَهِّرُ صَفْوٰتَکُمْ وَتُزْکِیۡہُمْ عَلَیْہِمْ اٰیۃٌ (یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کیجے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور خوب جانتا ہے) اس آیت کے نازل ہونے کے بعد زکوٰۃ وصول کرنا اور اس کے مصرف پر خرچ کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ قرار دیا گیا۔

جہور مفسرین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مستقل حکم ہے جس کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے اموال کی زکوٰۃ و صدقات جمع کرنے اور پھر قرآن کریم کے بتائے ہوئے مصارف میں خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، اکثر مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے، یہاں تک کہ پہلی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں خطاب اگرچہ خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم ناپ کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ آپ کے زمانہ کے ساتھ محدود ہے بلکہ ہر وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام مسلمانوں کا امیر ہوگا اس حکم کا مخاطب اور مامور ہوگا اور اس کے فرائض میں داخل ہوگا کہ مسلمانوں کی زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے پھر اس کے مصرف پر خرچ کرنے کا انتظام کرے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے میں جو یانعین زکوٰۃ پر جہاد کرنے کا واقعہ پیش آیا اس میں بھی زکوٰۃ







## زکوٰۃ حکومت کا ٹیکس نہیں بلکہ عبادت ہے

قرآن کریم کی آیت **خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ**

بھائیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ صدقات کوئی حکومت کا ٹیکس نہیں ہے جو عام حکومتیں نظام حکومت چلانے کے لئے وصول کیا کرتی ہیں بلکہ اس کا مقصد خود اصحاب اموال کو گناہوں سے پاک کرنا ہے اور زکوٰۃ صدقات وصول کرنے سے درحقیقت روزانہ ہوتے ہیں ایک فائدہ خود صاحب مال کا ہے کہ اس کے اندر سے وہ گناہوں سے اور مال کی حرص و محبت سے پرہیز ہونے والی اخلاقی بیماریوں کے جراثیم سے پاک صاف ہو جاتا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ قوم کے اس ضعیف عنصر کی پرورش ہوتی ہے جو خود اپنی ضروریات ہیا کرنے سے مجبور یا قاصر ہے جیسے یتیم بچے، بیوہ عورتیں، ایتام و معذور مرد و عورتیں اور عام فقرا و مساکین وغیرہ، لیکن قرآن حکیم نے لفظ تطہرہم و تزکیہم بھائیوں صرف پہلا فائدہ بیان کرنے پر اقتصار کر کے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ زکوٰۃ صدقات کا اصل مقصد پہلا ہی فائدہ ہے دوسرا فائدہ اس سے ضمنی طور پر حاصل ہو جاتا ہے اسی لئے اگر بالفرض کسی جگہ یا کسی وقت کوئی یتیم، بیوہ، فقیر، مسکین موجود نہ ہو تب بھی اصحاب اموال سے زکوٰۃ کا حکم ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایک مالی حق اور عبادت ہے جیسے نماز و روزہ جماعتی عبادت ہیں، البتہ اس امت کے فقرا و مساکین کے لئے اس کا استعمال جائز کر دیا گیا ہے جو اس امت مرحومہ کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دوسرے انبیاء (علیہم السلام) پر چھ خصوصیتیں حاصل ہیں ان میں سے ایک یہ بھی فرمایا کہ میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے گئے ہیں، (اس سے پہلے امتوں میں تمام اموال غنیمت کو آگ سے جلائے جانے کا دستور تھا) یہی معاملہ دوسرے صدقات واجبہ زکوٰۃ و عشر وغیرہ کا ہے۔

**مقدار زکوٰۃ کا تعین** | قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّا لُكُم مِّنَ الْبَتَالِ وَالْمُحَرَّرِينَ** (یعنی ان کے مالوں میں فقرا و مساکین کے لئے مقررہ حق ہے) اس آیت مبارکہ میں دو باتیں بتلائی گئی ہیں اول یہ کہ زکوٰۃ فقرا و مساکین کا حق ہے ان پر کوئی اختیار یا احسان نہیں ہے دوسرے یہ کہ اس حق کی مقدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے کسی کو اس میں بڑھانے گھٹانے کا حق کسی زمانہ اور کسی حال میں نہیں ہے لیکن اس آیت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ مقدار متعین کیا ہے، جس طرح قرآن کریم نے نماز کے متعلق چند اصولی ہدایتیں دے کر اس کی ادائیگی کی ساری تفصیلات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ فرمادیا اور آپ نے وحی کے ذریعہ سے معلوم کر کے اپنے قول و فعل سے اس کی پوری تفصیلات سمجھائیں اسی طرح زکوٰۃ کے معاملہ کی تمام تفصیلات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمائی گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اتنا اہتمام فرمایا کہ زکوٰۃ کا نصاب اور مقادیر زکوٰۃ کو زبانی بیان کر دینا کافی نہ سمجھا بلکہ تحریر کیا اگر صحابہ کرام کے حوالہ فرمایا اور یہی تحریریں پوری امت کیلئے زکوٰۃ کا قانون بنیں اور پھر نظام زکوٰۃ بھاری فرمایا، صد وصول کرنے کیلئے عاقلین صدقہ کا تقرر فرمایا جو تحریر کردہ ہدایات کے مطابق زکوٰۃ صدقات وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتے اور بیت المال سے ان مصارف پر خرچ کیا جاتا تھا جو سورۃ توبہ کی ایک آیت میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں (مصارف کا بیان اس کتاب میں آگے آئے گا)۔



**زکوٰۃ کس مال میں واجب ہے** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ہر ملک اور ہر مال پر زکوٰۃ عائد نہیں فرمائی بلکہ چند قسم کے اموال کو زکوٰۃ کے لئے مخصوص فرمایا مثلاً سونا، چاندی، اموال تجارت، زرعی زمین کی پیداوار اور معادن و کما ذلک یعنی وہ چیزیں جو زمین کی مختلف کانوں سے نکلتی ہیں یا کوئی قدیم دھنہ اور خزانہ جو زمین سے برآمد ہو، مویشی، ان میں سے اکثر اقسام کے متعلق تو خود قرآن کریم نے تصریح فرمادی ہے مثلاً سونے چاندی کے بارے میں سورہ توبہ کی آیت ۳۵ میں ارشاد: **وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَكَانُوا يُنْفِقُوهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ** اس آیت میں سونے چاندی پر زکوٰۃ فرض ہونا اور اس کے نہ دینے کی صورت میں جہنم کا عذاب ہونا صریح طور پر مذکور ہے اور چونکہ سونے چاندی کے الفاظ عام وارد ہوئے ہیں اس لئے حکم یہ ہے کہ سونا اور چاندی خواہ کسی صورت میں ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ سونے چاندی کے ٹکڑے ہوں یا درہم و دینار و گنتی دروپیہ ہوں یا زیور کی صورت میں ہوں، اموال تجارت اور زرعی زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں اور کانوں و خزانوں سے حاصل ہونے والے اموال کے متعلق زکوٰۃ کا فرض ہونا سورہ بقرہ کی ایک آیت میں بیان فرمایا ہے وہ آیت یہ ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ مِنْ طِبَابَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمَا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنْ الْأَرْضِ** (بقرہ آیت ۲۶۷) یعنی اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے خرچ کر دو (امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں لفظ کسب (کمائی) آیا ہے اور کسب اس چیز کو کہتے ہیں جو محنت و مشقت سے حاصل ہو اس لئے اس لفظ کسب میں وہ مال بھی داخل ہے جو کسی نے اپنی محنت مزدوری کے ذریعہ سے حاصل کیا ہو اور اموال تجارت بھی جن کو محنت و مشقت کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور وہ مال بھی جو میراث میں ملا ہو کیونکہ وہ اگرچہ وارث کی بلا واسطہ کمائی نہیں ہے مگر اس کے مورث کی کمائی ہے جو ایک حیثیت سے اسی کی کمائی کہی جاسکتی ہے اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے زمین سے پیدا کی ہیں ان میں زرعی زمین اور باغات کی پیداوار بھی داخل ہے اور معادن یعنی کانوں سے نکلنے والی سب دھاتیں اور مختلف چیزیں بھی اور وہ دھنہ و خزانہ بھی جو کسی زمین سے برآمد ہو اور زرعی زمین اور باغات اور درختوں کی پیداوار کے متعلق ایک مستقل آیت بھی سورہ انعام میں یہ ہے **وَأُولُوا حَقَّ قَوْلِهِمْ حَصَادِهِ** (یعنی کھیتی اور درختوں کے پھلوں کا حق ان کے کاٹنے کے دن ادا کر دو) قرطبی نے انس بن مالک، ابن عباس، طاؤس اور حسن بصری رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے جو زرعی زمینوں وغیرہ کی پیداوار پر عائد ہوتی ہے اور مویشی (ساتھ جانوروں) پر زکوٰۃ کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مستقل مہمہ میں لکھوا کر حضرت عمرو بن فرم وغیرہ صحابہ کرام کو سپرد فرمایا تھا۔

جن اموال پر زکوٰۃ عائد کی گئی ہے ان میں بھی ایسا نہیں کیا کہ ہر قلیل و کثیر پر زکوٰۃ فرض کر دی جائے بلکہ ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مقدار مقرر فرمائی ہے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں نصاب کہا جاتا ہے مثلاً چاندی کیلئے دو سو درہم نصاب مقرر فرمایا جس کا وزن ہمارے مروجہ اوزان کے اعتبار سے باون تولہ چھ ماشہ پانچ رتی ہوتا ہے اور سونے کے لئے بیس مثقال کا نصاب متعین فرمایا جو ہمارے مروجہ وزن کے اعتبار سے سات تولہ چھ ماشہ ہوتا ہے اور اموال تجارت کا نصاب بھی چونکہ قیمت ہی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اس لئے اس کا نصاب بھی سونے چاندی کا نصاب ہوگا (ہر ایک ذرا اب



کی پوری تفصیل اس کتاب میں آگے آئے گی۔

نظامِ زکوٰۃ کا دوسرا بنیادی قاعدہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ نصاب کا مالک ہونے کے بعد جب تک کسی مال پر سال پورا نہ ہو جائے اس وقت تک اس میں زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی اور سال کے ختم پر جتنا مال اس وقت اس کی ملک میں موجود ہوگا اس کی زکوٰۃ لی جائیگی۔ مقدارِ زکوٰۃ کا تعین عین عقل و حکمت کے مطابق اس اصول پر ہوا ہے کہ جس مال کی تخلیق براہِ راست دستِ قدرت سے ہوئی ہے اور اس کی پیداوار میں انسان کا کوئی دخل نہیں اس میں مقدارِ زکوٰۃ سب سے زیادہ لگی گئی اور پھر جس پیداوار میں انسان کا دخل ہے مگر بہت کم اس میں زکوٰۃ کی مقدار کم کر دی گئی پھر جس کی پیداوار میں جتنا جتنا انسان کا دخل اور محنت برپا ہوئی، تنہا ہی زکوٰۃ کی مقدار کم ہوئی گئی مثلاً معدن، دھنوں اور خزانوں سے برآمد ہونے والی چیزوں کی پیدائش میں انسانی عمل کا کوئی واسطہ نہیں اسلئے ان میں مقدارِ زکوٰۃ سب سے زیادہ یعنی پانچواں حصہ رکھا ہے مالی غنیمت میں بھی پانچواں حصہ بیت المال کا ہے، اس کے بعد دوسرا درجہ زندگی پیداوار کا ہے، جس زمین کی پیداوار صرف بارش کے پانی سے ہے کنوئیں یا نہر کے پانی سے اس کو میراب نہیں کیا جاتا اس کی مقدارِ زکوٰۃ معدن و خزان کی زکوٰۃ سے آدمی یعنی دسواں حصہ کر دیا کیونکہ اس میں انسان کو مل چلائے بیج ڈالنے وغیرہ کا تردد کرتا ہے اور جس زمین کی آبپاشی کسی کنوئیں یا نہر وغیرہ سے کی جائے اس میں انسان کی محنت اور خرچ زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کی زکوٰۃ پہلی قسم کی زمین سے بھی آدمی یعنی بیسواں حصہ کر دی گئی ہے، زمین کے علاوہ غنودہ، زیتون، تجارت وغیرہ کے کسب میں انسانی محنت و عمل کو اس سے بھی زیادہ دخل ہے اس لئے اس کی زکوٰۃ دوسری قسم کی زمین سے بھی آدمی یعنی چالیسواں حصہ کر دی گئی ہے، مویشی کی زکوٰۃ میں بھی اسی طرح کی آسانیوں کے پیش نظر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل ضابطہ لکھوا کر حضرت عمر بن حزم کو دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس بھی یہ تحریر شدہ ضابطہ موجود تھا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ نے اسلام نے ہمیشہ اس کو قانونِ زکوٰۃ قرار دے کر اس پر عمل کیا ہے۔

اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام صرف ان اموال میں کیا تھا جو فقہاء کی اصطلاح میں اموالِ ظاہر کہلاتے ہیں یعنی جن اموال کا معاملہ بالکل کھلا ہوا اور صاف ہے جیسے موطنِ زرعی زمینیں، مویشی، کان کو کوئی گھروں اور صندوقوں میں چھپا کر محفوظ نہیں کر سکتا بلکہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت ہی کی انتظامی مشینری کرتی ہے ایسے اموال کی زکوٰۃ کیلئے یہ قانون بنایا گیا کہ ان کی زکوٰۃ اصحابِ اموال براہِ راست خود ادا کریں بلکہ غالباً حکومت کے حوالہ کریں اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس نے خود ادا کر دی ہے تو اس پر اعتدال کیا جائے کیونکہ اس کو ان اموال کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا حق نہیں تھا، باقی رہے اموالِ باطنہ نقد سونا، چاندی، زیورات وغیرہ ان کے متعلق شرعی قانون نے حکومت کو اس کا مجاز نہیں کیا کہ وہ لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان کے محفوظ سامانوں کی تلاشی لیں اور ان کی زکوٰۃ وصول کریں بلکہ ایسے اموال کی زکوٰۃ خود اصحابِ اموال ہی کے حوالہ کی گئی کہ وہ بطور نقد ادا کریں خواہ بیت المال کو دیدیں یا براہِ راست نقد پر تقسیم کر دیں اور جو بیت المال کو دیں اس میں ان سے یہ محاسبہ ہوتا تھا کہ کتنا مال ہے اس کی کتنی زکوٰۃ ہوتی ہے یہ کس قدر دے رہے ہیں۔ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اموالِ تجارت بھی زیادہ تر ایسے ہی تھے لیکن حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اموالِ تجارت کا محل و نقل مختلف شہروں اور بازاروں میں ہونے لگا اور وہ بھی اموالِ مویشی کی طرح



اموال ظاہرہ کے مثل ہو گئے تو آپ نے شہر کے مختلف علاقوں پر عمال حکومت کی چوکیاں بٹھادیں جو وہاں سے گندنے والے مسلمان  
اجروں سے زکوۃ وصول کریں اور غیر مسلموں سے ان کے مقررہ ضابطوں کے مطابق ٹیکس وصول کریں، اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز  
قدس سرہ نے اپنے زمانے میں اموال تجارت کی زکوۃ وصول کرنے کیلئے شہر کے راستوں پر چوکیاں قائم فرمائیں اور جمہور صحابہ و تابعین نے  
حضرت فاروق اعظم اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما کے اس عمل کو پسند فرمایا، کسی نے اس پر احتجاج نہیں کیا۔ یہ سب تفصیل امام  
ابوبکر صاغ کی کتاب احکام القرآن میں مذکور ہے۔ یہ ہے وہ نظام زکوۃ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ (وخذ من اموالہم  
صدقة الاية) کے حکم کی تعمیل میں قائم فرمایا جس کے مسائل کی تفصیل اس کتاب میں مذکور ہے۔

**محاسن زکوۃ** (۱) زکوۃ ادا کرنے سے ترکیہ و تطہیر یعنی گناہوں اور بُرے اخلاق سے پاکی و صفائی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ  
آیت مذکورہ سے ظاہر ہے (۲) تھوڑی محنت سے بہت بڑا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے (۳) مال و اعمال اخلاق  
میں برکت دہنی حاصل ہوتی ہے (۴) زکوۃ مال بددکن کہ فضلہ زر را چو باغبان یبزد بیشتر دہانگور۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ دینے والوں کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے اور آپ کے بعد ہر خلیفہ و امیر کیلئے سنت  
جاری ہوئی کہ صدقہ ادا کرنے والوں کیلئے دعا کیا کریں اور یہ دعا اطمینان و سکون حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ (۵) زکوۃ و صدقات  
دینے سے مصائب اور بلاؤں سے محفوظ و مامون رہتا ہے اور زکوۃ ادا نہ کرنے سے بارش نہ برسا و قحط سالی وغیرہ مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔  
**اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم چاہتا ہے** اسلام جہاں انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر کے انسان کی قدرتی قوتوں کو ابھرے  
اور ترقی پانے کیلئے پورا پورا موقع فراہم کیا ہے اس کے ساتھ ہی زندگی کے ہر گوشہ

میں دولت کو خزانہ بنانے کی بجائے دولت کی تقسیم پر بھی توجہ دیا ہے، اس نے اس بات کی بالکل نفی کر دی ہے کہ دولت مندی بجائے خود  
کوئی حق ہے، اس نے بے اعتدالانہ سرمایہ داری کی تمام راہیں روک دیں، سود کی ہر شکل کو حرام کر دیا، جوئے کو کسی حال میں جائز نہیں  
رکھا، پھر ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ انسانی زندگی کے اعمالی حصہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کو سب زیادہ نمایاں  
جگہ دی اور ہر کلمے والے فرد کو زکوۃ کا سالانہ حصہ نکالنے پر مجبور کر دیا تاکہ ایسی آمدنی کا ایک مخصوص حصہ دوسروں کے لئے بھی  
ضرور نکالے۔ اس کے علاوہ دولت کی تقسیم کے بہت سے مواقع ہیا فرمائے مثلاً قربانی، فطرہ، ہدیہ، عقیقہ، اعتاق  
(غلام آزاد کرنا) تہذیب و وقف وغیرہ، اگر انفرادی ملکیت تسلیم نہ کی جائے تو زکوۃ، عشر، خراج اور انفاق فی سبیل اللہ کے یہ  
تمام احکام جن کا قرآن و حدیث میں بکثرت ذکر ہے بیکار ہو جائیں اور انسان کی قدرتی قوتیں مضبوط ہو کر نظام عالم کی  
ترقی رک جائے اور اگر انفاق فی سبیل اللہ کے ان مواقع کو بروئے کار نہ لایا جائے تو چند گھرانوں میں افراط زر و سرمایہ داری  
کے غلبہ کے باعث نظام عالم بالکل دھم دھم ہو کر رہ جائے اور دنیا کا امن و سکون برباد ہو کر اس کی حیثیت اجڑے ہوئے  
دیران گھر سے زیادہ شرم ہے۔ انقصہ اسلام نے دولت کی تقسیم کا تمام مذاہب عالم سے بہتر نقشہ پیش کیا ہے جس پر عمل کر کے  
تمام بنی نوع انسان فلاح و برکت حاصل کر سکتی ہے۔ وما علینا الا البلاغ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# کتاب الزکوۃ

## زکوۃ کی تفسیر

زکوۃ لغت میں پاک ہونے اور بڑھنے کو کہتے ہیں۔ اور یہ اپنے ادا کرنے والوں کو گناہوں سے پاک کرتی ہے۔ اللہ پاک نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا: **خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا** (اللہ رسول ہاں کے مالوں میں سے صدقہ وصول کیجئے، اس کے ذریعے سے آپ انہیں پاک اور شہر بنادیں گے) اور شرعاً زکوۃ کے معنی اپنے مخصوص مال کا کسی مخصوص شخص کو مالک بنادینا ہے۔ یعنی اللہ کے لئے اپنے مال کا ایک حصہ جو شرع نے مقرر کیا ہے کسی مسلمان فقیر یا مسکین وغیرہ کو جو زکوۃ کا مصرف ہے دیکر اسے اس طرح مالک کر دینا یا کر اپنا نفع اس سے بالکل منقطع کر لے اور وہ فقیر یا شمی یا ہاشمی کا آزاد کیا ہوا غلام نہ ہو۔ اور زکوۃ مال کا ہاں بیسواں حصہ ہے یا جو اس کے قائم مقام ہے یعنی سائہ جانوروں میں جو حصہ مقرر ہے۔ ان سب کی اور مصارف وغیرہ کی تفصیل آگے آتی ہے۔

## زکوۃ کا رکن

زکوۃ کا رکن تنلیک یعنی مالک بنادینا ہے صرف اباحت نہیں ہے اور اس کی تفصیل مصارف کے بیان میں زکوۃ ادا کرنے کے طریقے کے ساتھ دی گئی ہے، (مؤلف)۔

طہ محمود۔ طہ النور، ۱۳۔ طہ م۔ طہ کنز، ۵۷۔ طہ۔ طہ بحر، ۵۷۔ طہ



## زکوۃ کا حکم

(۱) زکوۃ فرضی محکم قطعی ہے اور اس کی دلیل قرآن کریم کا حکم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، **وَأَوْثَارَ الزَّكَاةِ** (ترجمہ: اور زکوۃ کا کرد) نیز زکوۃ کے بیان میں بکثرت آیات و احادیث وارد ہیں (مؤلف) اس کا منکر کافر ہے اور اس کا مانع قتل کیا جائے گا۔ اور جب سال پورا ہو جائے تو فوراً ادا کرنا واجب ہے۔ عندکے بغیر تاخیر کرے گا تو گنہگار ہوگا اور اس کی شہادت (وجہ فاسق ہونے کے رد کردی جائے گی)۔ اور ایک روایت میں زکوۃ کا واجب ہونا تاخیر کے ساتھ ہے حتیٰ کہ اگر مرتے وقت تک ادا نہ کی تو گنہگار ہوگا (اس سے پہلے تک تاخیر کرنے میں گنہگار نہیں ہوگا، مؤلف) اور پہلا قبل اصح ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور فتح القدیر میں تحقیق کی کہ جو کہ زکوۃ فرض ہے اور اس کا فوراً ادا کرنا واجب ہے پس اس کے ادا کرنے میں بلا ضرورت تاخیر کرنا گناہ ہے اور ہمارے تینوں اماموں سے اس کے فوراً ادا کرنے کا واجب ہونا ثابت ہو چکا ہے یعنی اس کی اصل ادائیگی فرض ہے اور فرض ہونے کے بعد اس کا فوراً ادا کرنا واجب ہے، اس میں تاخیر مکروہ تحریمی ہے، اس حکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاخیر خواہ تصور ہی ہو مثلاً ایک یا دو دن کی ہو تب بھی گناہ ہے۔ اس لئے کہ ان فقہاء نے فوراً ادا ہونے کی تفسیر ممکن ہو سکے کے اول وقت کے ساتھ کی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ آیت الیٰ سال تک تاخیر کرے (۲) اور صحیح یہ ہے کہ زکوۃ کا ذکر نماز کے ذکر کے ساتھ کیا قرآن مجید میں تیس جگہ پر آیا ہے جیسا کہ بعض عالموں نے اس کا شمار کیا ہے۔ (۳) اور انبیاء علیہم السلام پر زکوۃ واجب نہیں ہے، بالاجماع۔ اس لئے کہ یہ بزرگوار اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کسی چیز کو اپنی بلکت نہیں رکھتے تھے اور بلا شک و شبہ یہ حضرات اپنے پاس کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی امانت جانتے تھے، خرچ کرنے کے موقع پر اس کو خرچ کر ڈالتے تھے اور بے موقع خرچ کرنے سے اس کو روکتے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے حق میں جو گناہوں سے آلودہ ہو زکوۃ اس کو پاک کرنے والی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام گناہوں سے پاک و معصوم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے، **وَأَوْثَارَ الزَّكَاةِ وَالزَّكَاةُ مَا دُمْتُ حَيًّا** (ترجمہ: اور مجھ کو وصیت فرمائی ہے نماز اور زکوۃ کے ساتھ جب تک کہ میں زندہ رہوں) تو اس سے مراد نفس کو ان رذائل سے پاک کرنا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے مقامات و شان کے لائق نہیں ہیں یا یہ مراد ہے کہ مجھ کو زکوۃ کے احکام کی تبلیغ کرنے کا حکم ملا ہے اور اس سے زکوۃ الفطر مراد نہیں ہے۔

(۴) زکوۃ روزے کی طرح ہجرت کے دوسرے برس رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے فرض ہوتی ہے۔

## زکوۃ کی فرضیت کا سبب

زکوۃ کے فرض ہونے کا سبب مال ہے اس لئے کہ مال کی نعمت کا شکر واجب ہے اور اسی لئے زکوۃ کی











اصلی کے حکم میں ہے (یعنی جب سے افاقہ ہوگا اس وقت سے سال شروع ہوگا) یہ ظاہر الروایت میں ہے اور یہ امام محمد کا قول ہے اور یہی اصح ہے۔ اور اگر سال کے بعض حصہ میں طاری رہا پھر افاقہ ہو گیا تو امام محمد کے نزدیک اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ اگرچہ وہ افاقہ ایک ساعت کے لئے ہوا ہو۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگر سال کے اکثر حصہ میں افاقہ رہا تو زکوۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ پس اگر نصاب کا مالک ہونے کے بعد سال کے کسی حصہ میں اول یا اخیر میں بہت دنوں کے لئے یا تھوڑے دنوں کے لئے افاقہ ہو گیا تو زکوۃ لازم ہوگی۔ یہ ظاہر الروایت ہے اور یہی اصح ہے۔ اور جس شخص پر بیہوشی طاری ہو اُس کا حکم صحیح کی مانند ہے۔ پس جس شخص پر بیہوشی ہو اُس پر زکوۃ واجب ہوگی اگرچہ کامل ایک سال تک بیہوش رہے۔ معنہ ریم پاگل ناقص العقل کے متعلق وہی حکم ہے جو مجنون کا بیان ہوا یعنی اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے جبکہ پورا سال اسی حالت میں گذرے اور اگر کبھی کبھی اسے افاقہ بھی ہوتا ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہے۔ (۴) بلوغ ایک شرط بالغ ہونا ہے پس نابالغ لڑکے پر زکوۃ فرض نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک عبادت محض ہے اور وہ اس کا مخاطب نہیں ہے۔ لہذا جب بالغ ہو جائے تو بلوغ کے وقت سے سال کے شروع ہونے کا اعتبار ہوگا۔

(۵) مال کا مالک ہونا اور ایک شرط یہ ہے کہ وہ مال کا مالک ہو، اور مال سے مراد ثمن ہونا یعنی درہم و دینار (سکہ رائج الوقت) اور سونا و چاندی اور ان دونوں کے زیورات اور سامانہ یعنی جگہ میں چرنے والے جانور اور سامان تجارت ہے۔ اور نیز یہ کہ مال بقدر نصاب ہو۔

پس اگر مال نصاب کی مقدار سے کم ہوگا تو اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی۔ اور نصاب کی مقدار شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے خود مقرر فرمائی ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے اور یہ زکوۃ کے مقدار معینہ کے ساتھ واجب ہونے پر علامت ہے اور یہ شرط کھیتوں اور پھلوں کی زکوۃ کے علاوہ یعنی مذکورہ بالا مالوں میں ہے۔ کھیتوں اور پھلوں کی زکوۃ میں نصاب کا متعین ہونا اور سال کا گذرنا شرط نہیں ہے جیسا کہ عشر کے بیان میں آگے آئے گا۔ کسی شخص نے دوسو درہم پر ایک سال پورا ہونے کے بعد پانچ درہم زکوۃ کے ایک فقیر کو دیئے یا وکیل کو زکوۃ میں دینے کے لئے دیئے پھر معلوم ہوا کہ اس کے درہموں میں کوئی درہم کھوٹا ہے تو وہ پانچ درہم زکوۃ نہیں ہوں گے کیونکہ نصاب میں کمی ہو گئی۔ اگر فقیر کو دے چکا ہے تو اس سے واپس نہیں لے سکتا اور اگر وکیل نے ابھی ان کو صدقہ نہیں کیا تو واپس لے سکتا ہے۔

(۶) مال نصاب کا پورے ایک شرط یہ ہے کہ بقدر نصاب مال کا پورے طور پر مالک ہو اور پوری ملکیت ہے طور پر مالک ہونا کہ اس مال پر ملکیت اور قبضہ دونوں پائے جائیں اور اگر ملکیت ہو اور قبضہ نہ ہو جیسا کہ غوث کا ہر قبضہ سے پہلے یا قبضہ ہو اور ملکیت نہ ہو جیسا کہ مکاتب اور مقروض کی ملکیت تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

لے بخودش تصرف۔ لے ع۔ لے بحر۔ لے ع۔ لے ش۔ لے ع۔ لے ش۔ لے ع۔ لے دھرم۔ لے ع۔ لے ع۔ لے ش۔ لے ش۔ لے ع۔ لے ع۔



پس مکاتب کی کمائی میں زکوٰۃ نہیں ہے نہ مکاتب پر اور نہ اس کے مالک پر۔ مکاتب پر اس لئے نہیں ہے کہ وہ مال اس کی  
 پوری ملک نہیں ہے کیونکہ اس میں اس وقت تک مالک کا حق لگا ہوا ہے جب تک مال کتابت اس کے ذمہ ہے اور  
 اس کے مالک پر اس مال کی زکوٰۃ اس لئے نہیں ہے کہ مالک کا اس پر قبضہ نہیں ہے پھر اگر وہ مال مکاتب کے کتابت کی مالیت  
 سے عاجز ہونے کی وجہ سے مالک کو دیا جائے یا مکاتب کو بدل کتابت ادا کر دینے کی وجہ سے دیدیا جائے تو اس پر  
 گذرے ہوئے برسوں کی زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ اب نئے برسوں سے سال شروع ہوگا۔ جو مال گم ہو گیا یا دریا میں گر گیا یا کسی  
 نے غصب کر لیا اور اس کے پاس غصب کے گواہ نہ ہوں یا جھگڑ میں دفن کر دیا اور یہ یاد نہ رہا کہ کہاں دفن کیا تھا پس  
 جب یہ اموال اس کو مل گئے تو اس پر اس زمانے کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک وہ نہیں ملے تھے جیسا کہ آگے مال ہزار  
 کے بیان میں آتا ہے اس لئے کہ اگرچہ وہ اس کا مالک ہے لیکن اس کا اس پر قبضہ نہیں ہے اور خریدی ہوئی چیز قبضہ سے  
 پہلے بعض فقہانے کہا کہ نصاب نہیں ہوتی اور صحیح یہ ہے کہ نصاب ہوتی ہے۔ پس جو مال تجارت کے لئے خریدا اور سال  
 بھر تک اس پر قبضہ نہ کیا تو مشتری (خریدار) پر قبضہ سے قبل زکوٰۃ واجب نہیں اور قبضہ کے بعد گذرے ہوئے سال کی  
 زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ اور مالک پر اس غلام کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جو اس نے تجارت کے واسطے مقرر کیا تھا اور  
 پھر وہ بھاگ گیا، کیونکہ اس پر قبضہ نہیں ہے۔ اور اگر شوہر نے اپنی زوجہ سے ہزار درہم پر خلع کیا اور کئی برس تک  
 اس پر قبضہ نہیں کیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور جو مال رہن رکھا ہوا ہے اور مرہن کے قبضہ میں ہے تو اس کی زکوٰۃ نہ ملتی  
 ہے کیونکہ اس پر اس کا قبضہ نہیں ہے اور مرہن پر ہے اس لئے کہ وہ اس کی ملکیت نہیں ہے۔ اور جب وہ مال مرہن لاہن  
 کو واپس کر دیا جائے تو زائد رہن کے گزرنے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اس کے ذمہ نہیں ہے۔ اور غلام ماذون یعنی جس غلام کو  
 اس کے مالک نے تجارت کی اجازت دیدی ہے اگر اس پر اس قدر مرض ہے کہ اس کے کسب پر محیط (گھیرے ہوئے) ہے  
 تو اس غلام کی بابت بالاتفاق کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یعنی نہ غلام پر اور نہ مالک پر اس کے کسب کے ہوئے  
 مال پر قبضہ کرنے سے پہلے زکوٰۃ ہے اور نہ قبضہ کرنے کے بعد قبضہ سے پہلے سالوں کی زکوٰۃ ہے مگر اگر اس پر مرض  
 نہیں ہے تو اس کی کمائی مالک کی ملک ہوگی اور جب سال پورا ہو جائے گا تو مالک پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔  
 بعضوں نے کہا ہے کہ اس کی کمائی لینے سے پہلے زکوٰۃ کا ادا کرنا لازم ہونا چاہئے اور صحیح یہ ہے کہ کمائی کے لینے سے  
 پہلے زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب نہیں یعنی ماذون غلام کی کمائی جب تک ماذون کے قبضہ میں ہے تو نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے  
 غلام کے مالک پر لیکن جب اس کے مالک نے اس کو لے لیا تو صحیح قول کی بنا پر گذشتہ برسوں کی زکوٰۃ بھی مالک ادا کرے۔  
 مسافر پر اپنے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اس لئے کہ وہ اپنے نائب کے ذریعے سے اپنے مال میں تصرف کرنے پر قادر ہے۔ اور  
 اس کو زکوٰۃ کا لینا جائز و حلال ہے باوجود اس کے کہ اس کے اس مال میں جو اس کے شہر میں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

ملہ ش. ملہ ع. ملہ بحر و درودش. ملہ بحر و درودش. ملہ ع. ملہ بحر و درودش. ملہ ش. ملہ ع. ملہ بحر و درودش. ملہ ع.



(۷) مالِ نصاب اس کی

اصلی حاجتوں سے زائد ہونا۔

ایک شرط یہ ہے اس کا مال اصلی حاجتوں سے فارغ یعنی زائد ہو۔ اس لئے کہ جو مال اس کی اصلی حاجتوں میں مشغول ہوگا وہ نہ ہونے کی مانند ہے۔ اور حاجت اصلیہ میں مشغول وہ مال ہے جو انسان کو ہلاک ہونے سے بچاتا ہے یعنی انسان کو زندگی بسر

کرنے میں جس کی ضرورت پڑتی ہے خواہ تحقیقاً ہو جیسا کہ نفقہ یعنی روزمرہ کا خرچہ اور نہ ہونے کے مراد لڑائی کے ہتھیار اور کپڑے جن کی ضرورت سردی و گرمی دہ کرنے کے لئے پڑتی ہے۔ اور اسی طرح حرفہ والوں یعنی پیشہ وروں کے اوزار، خانہ داری کا سامان، سواری کے جانور اور اہل علم کے لئے علمی کتابیں، اس لئے کہ جہالت ان کے نزدیک ہلاکت کی مانند یا نقد پر اس کی طرف محتاج ہو مثلاً قرضہ پس ملاشبہ قرضہ دار اس مالِ نصاب سے جو اس کے قبضہ میں ہے اپنا قرضہ ادا کرنے کی طرف محتاج ہے تاکہ اس قید کو اپنے اوپر سے دور کرے جو اس کے لئے ہلاکت کی مانند ہے کیونکہ وہ دن رات اس میں گھلتا ہے اور قرضخواہ کے ہاتھ سے زلت اٹھاتا ہے اور آگے کو کوئی قرض نہیں دیتا۔ پس رہنے کے گھروں اور پہننے کے کپڑوں اور گھروں کے استعمالی اسباب اور سواری کے جانوروں اور خدمت کے غلاموں اور استعمال کے ہتھیاروں میں زکوۃ نہیں ہے اور اسی طرح اس غلبہ پر جواہل و عیال کے کھانے میں خرچہ ہوگا اور آرائش کے برتنوں پر جبکہ وہ سونے و چاندی کے نہ ہوں زکوۃ نہیں ہے اور اسی طرح جواہرات، موتی، بیاقوت، بلخش اور مرد و غیرہ پر جبکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں زکوۃ نہیں ہے اور اسی طرح اگر خرچ کرنے کے واسطے پیسے خریدے ان میں زکوۃ نہیں ہے اور اسی طرح علمی کتابوں پر جبکہ وہ شخص اہل علم ہے اور دستکاروں کے آلات پر زکوۃ نہیں ہے، اور یہ حکم ان آلات کے متعلق ہے جن آلات سے کام لیا جاتا ہے اور ان کا اثر اس چیز میں باقی نہیں رہتا جس میں ان سے کام لیا جاتا ہے اور اگر اس چیز میں جس میں ان سے کام لیا جاتا ہے ان کا اثر باقی رہے مثلاً رنگ برنگے کسم یا زعفران اس لئے خریدی کہ اجرت لیکر لوگوں کے کپڑے رنگے اور اس ہر ایک سال گزر گیا تو اگر وہ بقدر نصاب ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور یہی حکم ان سب چیزوں میں ہے جن کو ایسا کام کرنے کے واسطے خریدا جس کا اثر اس چیز میں باقی رہے جس میں اس سے کام لیا جاتا ہے مثلاً کپڑے کی دباغت کے لئے خریدا اور اس پر سال گزر گیا تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور اگر اس چیز کا معمول میں یعنی اس چیز میں جس میں اس سے کام لیا جاتا ہے اثر باقی نہ رہے جیسا کہ صابن اور آستان تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ اور جانا چاہئے کہ حرفہ (پیشہ) والوں کے آلات و سامان دو قسم کے ہیں ایک وہ جو کام کرنے کے بعد خود ختم نہ ہو جاتیں یعنی وہ آلات موجود ہیں جیسا کہ بسولہ اور سواہان (ریٹی) اور دوسرے وہ جو خود باقی نہ رہیں اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ چیزیں کہ ان کا کچھ اثر بھی باقی نہ رہے جیسا کہ صابن و آستان دھوئے والے کے لئے یعنی بیچنے والے دوکاندار کے لئے نہیں) اور دوسری وہ چیزیں کہ ان کا اثر باقی رہتا ہے جیسا کہ کسم اور زعفران کپڑا

ملعہ دیکر۔ لکھ بھر۔ لکھ ش و بھر۔ لکھ ع۔ شہ بھر۔



رنگنے کے لئے اور کس اور تیل کھال رنگنے کے لئے پس یہ کل تین قسمیں ہوں۔ پہلی دونوں قسموں میں زکوۃ نہیں ہے اسلئے کہ وہ جو اجرت لیتا ہے وہ اس کے عمل (کام) کے بالمقابل ہے اور تیسری اپنی آخری قسم کم وغیرہ میں زکوۃ ہے جبکہ اس پر سال پورا گزر جائے اس لئے کہ وہ جو کچھ اس میں لیتا ہے وہ اصل چیز یعنی عین کے بالمقابل ہے۔ عطاریوں کی پیشیاں اور ان گھوڑوں اور گدھوں کے لگام جو تجارت کے لئے خریدے گئے ہیں اور ان کی رتیاں وہاں ہیں اور ان کے جموں وغیرہ اگر یہ چیزیں اس غرض سے خریدی ہیں کہ ان چیزوں کے ساتھ فروخ کی جائیں گی تو ان سب میں زکوۃ ہے۔ اور وہ نہیں۔ اور کتابوں میں زکوۃ فرض نہ ہونے کے لئے ان کا اہل ہونے کی قید غیر معیہ ہے اس لئے کہ اگرچہ وہ شخص اہل علم میں سے نہ ہو اور وہ کتابیں تجارت کے لئے نہ ہوں تب بھی ان میں زکوۃ واجب نہیں خواہ وہ بہت زیادہ یعنی بقدر نصاب یا اس سے بھی زیادہ ہوں اس لئے کہ ان میں بڑھنے کی شرط نہیں پائی جاتی البتہ اہل علم کا ذکر مصرف زکوۃ کے حق میں مفید ہے پس اگر اس کے پاس دوسودرہم کے برابر قیمت کی کتابیں ہوں اور اس کو پڑھنے پڑھانے وغیرہ کے لئے ان کتابوں کی ضرورت ہو اور ان کتابوں کے علاوہ اور مال بقدر نصاب نہ ہو تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے لیکن اگر اس کو ان کتابوں کی ضرورت نہیں ہے اور ان کی قیمت دوسودرہم ہے تو اس کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ وجہ اس کے مصرف کے بیان میں آتا ہے مولف) پس بقدر نصاب کتابوں پر بھی زکوۃ واجب نہ ہونے میں ان کا اہل ہونا یا اہل نہ ہونا برابر ہے۔ اور جو بحر الرائق میں کہا ہے کہ اس میں اہل ہونے کی قید مفید ہے یہ اس بنا پر ہے کہ غیر اہل علم (جاہل) کے لئے کتابیں اس کی اصلی ضروریات میں سے نہیں ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کتابوں میں اس شخص پر زکوۃ واجب (یعنی ہر زکوۃ) ہے۔ کہ وہ مال بڑھنے والا ہونا چاہئے خواہ نقد یا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ جب کتابیں تجارت کے لئے نہیں ہیں تو ان کتابوں میں اس شخص پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ پس کتابوں میں زکوۃ واجب نہیں، نہ اہل علم پر اور نہ غیر عالم پر خواہ وہ کتابیں کسی بھی علم کی ہوں اس لئے کہ وہ نہ بڑھنے والا مال ہے اور بیشک کتابوں کے اہل اور غیر اہل میں فرق صرف زکوۃ کا مصرف ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ اور کتابوں کے اہل سے مراد وہ شخص ہے جس کو پڑھنے پڑھانے اور تصحیح کے لئے ان کتابوں کی ضرورت ہو۔ پس جو شخص پڑھنے پڑھانے اور تصحیح کے لئے ان کا محتاج ہو وہ شخص ان کی موجودگی میں فقیر مولے سے باہر نہیں ہوتا۔ یعنی اگر اس کے پاس کوئی اور مال بقدر نصاب نہ ہو تو وہ فقیر ہے اور اس کو زکوۃ لینا جائز و درست ہے۔ اور اس میں کتابوں سے مراد مذہبی کتب فقہ و تفسیر و حدیث ہے۔ اگر اس کے پاس ایک ہی کتاب کے چند نسخے ہوں تو ایک سے زائد جتنے نسخے ہوں وہ حاجتِ اصل میں نہیں ہیں۔ پس اگر وہ زائد نسخے بقدر نصاب یعنی دوسودرہم کی قیمت کے ہوں تو اس شخص کو بھی زکوۃ لینا جائز ہے یہی مختار ہے۔ خواہ ایک ہی کتاب کے زائد نسخے اس قیمت کے ہوں یا متعدد کتابوں کے زائد نسخے مل کر اس قیمت کے ہوں حافظ کے لئے قرآن مجید حاجت

لے ش تصوف و زیادہ عن البحر۔ لے بحر و ش۔ لے بحر تصوف۔ لے منہ عن النہر۔ لے منہ تصوف و تفسیر

اور جو بحر الرائق میں کہا ہے کہ اس میں اہل ہونے کی قید مفید ہے یہ اس بنا پر ہے کہ غیر اہل علم (جاہل) کے لئے کتابیں اس کی اصلی ضروریات میں سے نہیں ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کتابوں میں اس شخص پر زکوۃ واجب (یعنی ہر زکوۃ) ہے۔ کہ وہ مال بڑھنے والا ہونا چاہئے خواہ نقد یا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ جب کتابیں تجارت کے لئے نہیں ہیں تو ان کتابوں میں اس شخص پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ پس کتابوں میں زکوۃ واجب نہیں، نہ اہل علم پر اور نہ غیر عالم پر خواہ وہ کتابیں کسی بھی علم کی ہوں اس لئے کہ وہ نہ بڑھنے والا مال ہے اور بیشک کتابوں کے اہل اور غیر اہل میں فرق صرف زکوۃ کا مصرف ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ اور کتابوں کے اہل سے مراد وہ شخص ہے جس کو پڑھنے پڑھانے اور تصحیح کے لئے ان کتابوں کی ضرورت ہو۔ پس جو شخص پڑھنے پڑھانے اور تصحیح کے لئے ان کا محتاج ہو وہ شخص ان کی موجودگی میں فقیر مولے سے باہر نہیں ہوتا۔ یعنی اگر اس کے پاس کوئی اور مال بقدر نصاب نہ ہو تو وہ فقیر ہے اور اس کو زکوۃ لینا جائز و درست ہے۔ اور اس میں کتابوں سے مراد مذہبی کتب فقہ و تفسیر و حدیث ہے۔ اگر اس کے پاس ایک ہی کتاب کے چند نسخے ہوں تو ایک سے زائد جتنے نسخے ہوں وہ حاجتِ اصل میں نہیں ہیں۔ پس اگر وہ زائد نسخے بقدر نصاب یعنی دوسودرہم کی قیمت کے ہوں تو اس شخص کو بھی زکوۃ لینا جائز ہے یہی مختار ہے۔ خواہ ایک ہی کتاب کے زائد نسخے اس قیمت کے ہوں یا متعدد کتابوں کے زائد نسخے مل کر اس قیمت کے ہوں حافظ کے لئے قرآن مجید حاجت



اصلیہ سے نہیں اور غیر حافظہ کے لئے ایک سے زیادہ نسخے جائز اصلیہ کے علاوہ ہیں طبیب کے لئے طب کی کتابیں حاجت اصلیہ ہیں جبکہ مطالعہ میں رکھتا ہو اور اسے ان کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پڑتی ہو پس وہ زکوٰۃ لینے کی مانع نہیں۔ جیسا کہ پیشہ والوں کے لئے آلات کا حکم ہے۔ نحو و صرف و نجوم و دیوان و کتب اشعار و عروض و تاریخ اور قصص کہانی کی کتابیں حاجت اصلیہ میں نہیں پس اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ صرف و نحو کی کتاب کا ایک نسخہ نصاب کی قیمت میں نہیں لگے گا۔ یعنی حاجت اصلیہ میں سے ہو گا اور اسی طرح اصول فقہ و علم کلام و اخلاق کی کتابیں جیسے احیاء العلوم و کیمیائے سعادت وغیرہما حاجت اصلیہ میں سے ہیں۔ (کفار اور بد مذہبوں کے رد اور اہل سنت و اجماعت کی تائید میں جو کتابیں ہیں وہ حاجت اصلیہ میں سے ہیں اور یہ کفار و بد مذہب کے رد کی کتابیں غیر عالم کو دیکھنا بھی جائز نہیں رکھنے کا تو کیا ذکر ہے) اور غیر اہل کے پاس کتابوں کا بقدر نصاب یا اس کو زکوٰۃ لینے سے محروم کرتا ہے کیونکہ وہ ان کی طرف محتاج نہیں ہے۔ اور ایسی چیزیں کا مالک ہونا جو کسی حاجت اصلیہ میں نہ ہوں اور وہ بقدر نصاب ہیں اس کو زکوٰۃ لینے سے محروم کر دیتا ہے اگرچہ وہ چیز نامی نہ ہو۔

(۸) مال نصاب کا اور ایک شرط مالی نصاب کا دین (قرض) سے فارغ ہونا ہے اس لئے کہ وہ مال اس کے ذمہ دین ہونے کی وجہ سے اس کی حاجت اصلیہ میں مشغول ہے پس وہ نہ ہونے کے حکم میں ہے جیسا کہ وہ پانی جو صرف پیاس کے لئے کافی ہے وہ نہ ہونے کے حکم میں ہے اور امام صاحب کے نزدیک اس کو تنہم جائز ہے اور اس لئے بھی کہ زکوٰۃ اس کے مال پر اس کا قبضہ ثابت ہونے پر لازم آتی ہے پس اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوئی جیسا کہ مکاتیب پر فرض نہیں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ دین ملک میں نقصان کا موجب ہے اور اسی لئے قرض خواہ اس کو بغیر قضاے قاضی اور بغیر رضا مندی قرضدار لے لیتا ہے جبکہ وہ اس کے قرض کی جنس پر زکوٰۃ دین مانع زکوٰۃ سے وہ دین مراد ہے جس کا طلب کرنے والا کوئی بندوں کی طرف سے ہو خواہ وہ دین بندوں کا ہو جیسا کہ قرض اور مولیٰ ہوئی چیز کی قیمت اور تلف کی ہوئی چیزوں کا ضمان یا زخمی کرنے کا تاوان ہو اور قرض چاہے نقد کی قسم سے ہو یا کسی یعنی ناپ کر فروخت ہونے والی یا دینی چیزوں میں سے ہو یا کپڑے ہوں یا جانور ہوں یا غلیم کے عوض میں واجب ہو یا ہو یا عذا قتل کرنے کے عوض میں صلح ہو کر واجب ہو یا ہو اور وہ فی الحال دینا ہو یا کسی قدر مدت کے بعد دینا ہو اور خواہ وہ قرض اللہ کا فرض ہو جیسا کہ زکوٰۃ اور اخراج کا دین۔ بخلاف نذر اور کفارہ اور حج کے دین کے اس لئے کہ ان قرضوں کا طلب کرنے والا کوئی بندہ نہیں، اگرچہ قیامت میں اللہ پاک ان کا مطالبہ کرے گا۔ اور اسی طرح صدقۃ الفطر اور حج تمتع کر لے والے کی صدی اور قربانی کا دین مانع زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور ان سب کی تفصیل اس طرح پہلے ہے۔

نہ ہا و شریعت۔ نہ شر بقرت۔ نہ بحر۔ نہ عہد بنیاد۔ نہ در۔ نہ بحر کش۔

صدقہ فرائض و صدقہ فرائض و صدقہ فرائض



(۱) دین مہجول اور مہجول دونوں کو شامل ہے خواہ وہ اس کی زوجہ کا مہر مہجول ہو جس کی مدت وقت فراق ہو یعنی طلاق یا موت تک ہو پس مہر خواہ مہجول ہو یا مہجول مانع زکوٰۃ ہے اس لئے کہ اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور ظاہر مذہب کے بموجب یہی صحیح ہے۔ بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ مہر مہجول مانع وجوب زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے کہ عادتاً اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا بخلاف مہر مہجول کے۔ اور بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ اگر خاوند ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ مانع زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں اس لئے کہ وہ دین شمار نہیں ہوگا۔ پس اگر کسی شخص پر اس کی عورت کا مہر مہجول ہے اور وہ اس کے ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو وہ خاوند پر زکوٰۃ واجب ہونے کا مانع نہیں قرار دیا جائے گا اس لئے کہ عادت یوں ہے کہ اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا اور یہ قول بھی بہتر ہے۔ یعنی جب تک خاوند مہر مہجول کی ادائیگی کا ارادہ نہ رکھتا ہو وہ وجوب زکوٰۃ کا مانع نہیں ہے ۴ اور صدر الشہید نے کہا کہ دین مہجول کے مانع وجوب زکوٰۃ ہونے کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے اور اس کے مانع ہونے یا نہ ہونے دونوں کے لئے وجہ ہے۔ اور قہستانی نے جو اہر سے یہ زیادہ کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ دین مہجول مانع وجوب زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۲) بیویوں کے نفقے جب تک قاضی کے مقرر کرنے یا آپس کی رضامندی سے دین نہ ہوں وجوب زکوٰۃ کے مانع نہیں یعنی بیوی کا نفقہ قضاۃ قاضی سے یا دونوں کے آپس میں کسی مقررہ مقدار پر راضی ہونے سے لازم ہو جاتا ہے پس ان دونوں میں سے کسی ایک چیز کے پائے جانے سے وہ دین ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر آپس کی صلح یا قاضی کے حکم سے بیوی کا نفقہ خاوند پر دین ہو گیا تو وہ مانع وجوب زکوٰۃ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ جب بیوی کے مالدار ہونے کے باوجود واجب ہوتا ہے تو ایام گذشتہ میں مالدار حاصل ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا نفقہ دیگر اقارب کے نفقہ کی مانند اس کی حاجت کی وجہ سے مشروع نہیں ہوا بلکہ یہ اس کے روکنے کی وجہ سے ہے پس وہ اس کی طرف جو اس کیلئے مقرر کیا گیا ہے رجوع کیے گی اگرچہ وہ اپنے مال سے یا مانگ کر کھاتی رہے ہو۔ اور اگر نفقہ کا مقرر کرنا قاضی کے حکم یا آپس کی رضامندی سے نہیں پایا گیا تو مدت گذرنے پر ساقط ہو جائے گا۔ یعنی شوہر پر اس کا دینا واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ وجوب زکوٰۃ کا مانع بھی نہیں ہوگا (مؤلف)۔ اور اسی طرح عورت کے علاوہ دیگر رشتہ داروں (اولاد و ماں باپ و ذوی الارحام) کا نفقہ جب دین ہو گیا خواہ آپس کی صلح سے ہو یا ہو یا اس پر قاضی کا حکم ہونے سے ہوا ہو وجوب زکوٰۃ کا مانع ہے اور رشتہ داروں کے نفقہ میں ایک قید اور بھی ہے وہ یہ کہ مدت قصوری ہو یعنی ایک ماہ سے کم ہو پس اگر مدت طویل یعنی ایک ماہ یا زیادہ ہو تو وہ ساقط ہو جائے گا اور دین نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس رشتہ دار نے قاضی کے حکم سے قرضہ لیا ہو تو مدت کے طویل ہونے سے بھی ساقط نہیں ہوگا اور وہ اس پر دین ہو جائے گا اور صرف قاضی کا حکم کر دینا

۱۔ دروہر۔ ۲۔ ع۔ ۳۔ بحر مجمع۔ ۴۔ ع۔ ۵۔ حاشیہ ہاء۔ ۶۔ ش۔ ۷۔ بحر معرف۔ ۸۔ ع۔ ۹۔ ہاء۔ ۱۰۔ د۔ ۱۱۔ ش۔ ۱۲۔ معرف۔ ۱۳۔ ع۔ ۱۴۔ بحر معرف۔ ۱۵۔ زیادہ۔



اس کے لئے کافی نہیں جب تک وہ رشتہ دار عملاً وہ قرضہ نہ لے لے پس اگر قاضی کے حکم کے بعد اس نے قرضہ نہیں لیا تب بھی نفقہ اس سے ساقط ہو جائے گا اور اس کے ذمہ دین نہیں ہوگا اس لئے کہ اقارب کا نفقہ ضرورت پیدا کرنے کیلئے واجب ہوتا ہے اسی لئے وہ مالدار ہونے کے ساتھ واجب نہیں ہوتا، اور یہ مالدار ہونا ان رشتہ داروں کو مدت کے گزرنے سے حاصل ہو گیا پس اگرچہ وہ لوگوں سے مانگ کر کھاتے رہے ہوں تب بھی ان کو نفقہ نہیں دلایا جائے گا۔ اس لئے کہ جب انھوں نے مانگا اور لوگوں نے ان کو دیا تو وہ ان کی ملک ہو گیا پس ان کو نفقہ سے استغناء حاصل ہو گیا اور اس نفقہ کا حقدار ہونا ضرورت کے اعتبار سے ہے اس لئے اگر ان کو مقدار کفایت کا نصف حصہ لوگوں نے دیا ہو تو مقدار کفایت کا نصف ساقط ہو جائے گا اور اس کے بعد نصف حصہ میں قرض لینا ان کو صحیح ہوگا۔ اور عبارت مذکورہ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ بیوی کا نفقہ قضاۓ قاضی یا مقررہ مقدار پر آپس کی رضامندی سے خاوند پر مطلقاً دین ہو جاتا ہے پس وہ مدت کے گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا خواہ مدت ایک مہینہ ہو یا زیادہ یا کم ہو اور خواہ قاضی کے حکم سے بیوی نے قرض لیا ہو یا نہ لیا ہو، اور خواہ وہ مالدار ہو یا نہ ہو اس سے خرچ کرے یا مانگ کر خرچ کرے ہاں البتہ اس کا نفقہ مدت گزرنے پر اس وقت ساقط ہو جاتا ہے جبکہ اس نے آپس کی رضامندی سے مقرر کے بغیر یا قاضی کے حکم کے بغیر خرچ کیا ہو اور اس کی مدت ایک ماہ یا زیادہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زوج کے نفقہ کا حکم قضاۓ قاضی سے پہلے مدت طویلہ کے گزرنے کے ساتھ ساقط ہونے کے بارے میں وہی ہے جو رشتہ داروں کے نفقہ کا قضاۓ قاضی کے بعد ہے۔ لیکن رشتہ داروں کا نفقہ آپس کی رضامندی یا قضاۓ قاضی کے بعد اس وقت دین ہوتا ہے جبکہ مدت ایک ماہ سے کم ہو، یا اس رشتہ دار نے قاضی کی اجازت سے قرضہ لیا ہو، اس لئے کہ رشتہ داروں کا نفقہ قضاۓ ساتھ دین نہیں ہوتا بلکہ مدت یعنی ایک ماہ یا زیادہ کے گزرنے پر ساقط ہو جاتا ہے لیکن اگر قاضی کے حکم سے اس نے قرضہ لیا ہو تو مدت طویلہ گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا، یا وہ نفقہ ایک ماہ سے کم کا ہو تو قضاۓ ساتھ دین ہو جاتا ہے اس لئے کہ قاضی قضا جاری کرنے کے ساتھ مامور ہے پس اگر اس میں تھوڑی مدت کو بھی ساقط کر دیا جائے تو قضاۓ قاضی کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لئے کہ اگر ہر گزرتے ہوئے زمانہ کا نفقہ ساقط ہو جائے تو کسی چیز کا بھانا ممکن نہیں ہے۔

(۳) دین خواہ بطریق اصالت ہو یا بطریق کفالت دونوں کو شامل ہے۔ یعنی جو دین کفالت کے طور پر کسی کے ذمہ ہو یعنی وہ خود دیون نہیں مگر دیون کا کفیل ہے تو وہ بھی قرضدار کے اصلی دین کی طرح زکوٰۃ واجب ہونے کا مائع ہے پس اگر کفالت کے روپے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہیں رہتا تو اس کفیل پر زکوٰۃ واجب نہیں (مؤلف) مثلاً کسی شخص کے کسی دوسرے شخص پر ایک ہزار دینم دین ہیں اور ایک تیسرا شخص قرضدار کے حکم سے یا اس کے حکم کے بغیر اس کا کفیل (ضامن) ہو اور اصل مقروض اور ضامن کے پاس ہزار ہزار دینم ہیں اور ان دونوں کے مال پر ایک سال گزر گیا ہے تو ان دونوں

سہ مثنیٰ النفقہ: بتغیر و تصرف و زیادة و تمامہ فیہ۔ سہ بحر۔



میں سے کسی ہزکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک ہزار روپے قرض لئے اور دس آدمیوں نے اس کی کفالت کی ان میں سے ہر کفیل کے پاس ہزار ہزار روپے اس کے گھر میں موجود ہیں اور ان پر سال گزر گیا تو ان میں سے کسی ہزکوۃ واجب نہیں کیونکہ ان سب کا روپیہ دین کفالت میں مشغول ہے اس لئے کہ قرض خواہ کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس سے چاہے اپنا قرضہ وصول کرے۔ پس ان میں سے ہر ایک کے مال میں یہ احتمال ہے کہ وہ مشغول بالکفالت ہو لیکن جب قرض خواہ ان میں سے کسی ایک کو اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے متعین کر دے تو اب صرف اس ایک کفیل کے مال کا دین کفالت میں مشغول ہونا ظاہر ہو گیا اور اس کے مال میں زکوۃ کا واجب نہ ہونا ظاہر ہو گیا، باقی دوسروں کے مال میں نہیں۔ پس اب ان باقی کے مال میں زکوۃ واجب ہوگی کیونکہ اب ان کا مال دین کفالت میں مشغول نہیں ہے غور فرمائیجئے لیکن یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک سے قرضہ وصول کرنے سے پہلے تک ہر ایک کا مال انفرادی حیثیت سے اس کا قرضہ ادا کرنے کا حقدار تھا۔ پس جب اسی حال میں سال گزر گیا تو ان میں سے کسی پر بھی زکوۃ واجب ہونے کا سبب متحقق نہیں ہوا۔

(۴۶) اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کے ہزار درہم غصب کر لئے (چھین لئے) پھر وہی درہم کسی دوسرے شخص نے اس غاصب سے غصب کر کے ہلاک یعنی خرچ کر دیئے اور ان دونوں غاصبوں میں سے ہر ایک کے پاس ہزار ہزار درہم اپنی ملک کے ہیں، اور ان دونوں غاصبوں کے مال پر سال گزر گیا پھر اُس نے ان دونوں کو بری کر دیا تو پہلے غاصب پر اس کے ہزار درہم کی زکوۃ واجب ہوگی دوسرے پر نہیں۔ یعنی وہ اپنے ہزار درہم کی زکوۃ نہیں دے گا۔ اس لئے کہ اگر پہلے غاصب کو ضمان دینا پڑا تو وہ دوسرے غاصب کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور اگر دوسرے غاصب کو ضمان دینا پڑا تو وہ پہلے کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ پس ضمان اس دوسرے پر مقرر ہو گیا اور وہ اس پر دین ہو کر مانع وجوب زکوۃ ہو جائے گا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس نے ان دونوں کو بری نہیں کیا تو حکم اس طرح نہیں ہوگا۔ اور البتہ اگر دوسرے غاصب نے اس غصب کی رقم کو خرچ نہیں کیا اور وہ اس کے پاس باقی ہے تو وہ بھی اپنے ہزار کی زکوۃ ادا کرے گا اس لئے کہ اب وہ ضمان سے سالم (بچی ہوئی) ہے، اور اس کو غصب کی ہوئی رقم کا واپس کرنا لازمی ہے۔

(۵) دین زکوۃ بھی وجوب زکوۃ کا مانع ہے پس اگر چہنے والے جانوروں کی زکوۃ باقی ہو تو وہ ہمارے فقہاء کے نزدیک بلا اختلاف وجوب زکوۃ کی مانع ہے۔ خواہ وہ زکوۃ اس اصل مالِ سامیہ میں ہو اس طرح کہ وہ مالِ باس کے پاس قائم ہو یا نصاب کے ہلاک کر دینے کی وجہ سے زکوۃ اس کے ذمہ باقی ہو، اور اگر سونے چاندی اور تجارت کے مال کی زکوۃ باقی ہو تو اس میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہی حکم ہے جو چرنے والے جانوروں کا ہے۔ پس اگر کسی شخص کے پاس صرف بقدر نصاب مال ہے یعنی دوسو درہم ہیں اور اس پر



دو سال گزر گئے اور اس نے ان دو سالوں کی زکوٰۃ نہیں دی تو اس پر دوسرے سال کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے سال کی زکوٰۃ جو اس کے ذمہ دین ہے نکالنے کی وجہ سے اس کا نصاب ناقص ہو جائے گا۔ اور اگر کسی شخص کے پاس پچیس اونٹ ہیں جن کی اس نے دو سال کی زکوٰۃ نہیں دی تو اس پر پہلے سال میں ایک بنت مخاض یعنی اونٹنی کا مادہ بچہ جو ایک سال کا ہو چکا ہے لازم ہوگا اور دوسرے سال میں چار بکریاں لازم ہوں گی۔ اور اگر کسی کے پاس بقدر نصاب مال ہو اور اس پر سال گزر چکا ہو اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی ہو پھر اس سارے مال کو قصداً ہلاک کر دیا ہو پھر اس کو اس کے علاوہ کوئی اور مال بقدر نصاب حاصل ہو گیا اور اس نے حاصل کئے ہوئے مال پر سال گزر گیا تو چونکہ ہلاک کئے ہوئے مال کی زکوٰۃ پانچ دہم جو اس پر دین ہے اس نے مال کے نصاب میں سے نکالنے پر وہ مال بقدر نصاب باقی نہیں رہتا اس لئے اس نے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے صرف ہلاک کئے ہوئے مال کی زکوٰۃ ادا کرے جو اس کے ذمہ دین ہے اور اگر پہلا مال اس نے قصداً ہلاک نہ کیا ہو بلکہ بلا قصد ہلاک ہو گیا ہو تو پہلے مال کی زکوٰۃ اس سے ساقط ہو جائے گی (اور نیا مال جو حاصل ہو گا اس کا سال اس کے ملنے کے وقت سے شروع ہوگا) اب چونکہ وہ اس کے ذمہ دین نہیں ہے اس لئے اس پر دوسرے یعنی نئے حاصل شدہ مال میں اس کے حاصل ہونے کے وقت سے سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اگر اس نے پہلا مال سال گزرنے سے پہلے قصداً ہلاک کر دیا تھا تب بھی اس پر پہلے سال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے پس وہ اس کے ذمہ دین نہیں ہے اس لئے دوسرے (یعنی نئے) مال کی زکوٰۃ اس پر سال گزرنے پر واجب ہے۔

۶۶) اور خراج کا دین بھی زکوٰۃ کے وجوب کا مانع ہے اس لئے کہ اس کا بھی بندوں کی طرف سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ پس اگر کسی زمین کا خراج کسی کے ذمہ دین ہو تو اس دین خراج کی مقدار مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور یہ حکم اس وقت ہے کہ خراج حق کے طور پر لیا جائے اور خراجی زمین سے غلہ حاصل ہونے کے بعد زکوٰۃ کے مال پر سال پورا ہوا ہو لیکن اگر غلہ حاصل ہونے سے پہلے زکوٰۃ کے مال پر سال پورا ہوتا ہے تو وہ دین خراج مانع زکوٰۃ نہیں ہے اور جو خراج ناحق لیا جائے وہ بھی اس وقت تک وجوب زکوٰۃ کا مانع نہیں ہے جب تک کہ وہ اس دین مالی زکوٰۃ پر سال پورا ہونے سے پہلے دیا جائے (یعنی اگر خراج ناحق مال زکوٰۃ پر سال پورا ہونے سے پہلے لیا جائے تو وہ وجوب زکوٰۃ کا مانع ہو جائے گا اور اگر سال پورا ہونے کے بعد لیا جائے تو وجوب زکوٰۃ کا مانع نہیں ہوگا کیونکہ پہلی صورت میں دین ہو کر نصاب کو ناقص کر دے گا اور دوسری صورت میں سال پورا ہو جانے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ لازم ہونے کے بعد دین ہوا اس لئے وہ مانع وجوب نہیں ہوگا (مؤلف) اور اسی طرح اگر عشر کسی کے ذمہ دین ہو گیا مثلاً صاحب عشر نے عشری غلہ تلف کر دیا تب بھی یہی حکم ہے۔ یعنی اگر عشری زمین میں غلہ پیدا ہوا اور اس نے اس کو ہلاک (تلف) کر دیا

لے بمردش۔ لے بمردش۔ لے بمردش۔ لے بمردش۔ لے بمردش۔ لے بمردش۔



اوداس کے مثل قرض اس کے ذمہ واجب ہو گیا۔ اور یہ عشری غلہ کا تلف کہ دینا درہمیں یعنی مالی زکوٰۃ پر سال پورا ہونے سے پہلے ہوا پھر درہمیں یعنی مالی نصاب زکوٰۃ پر سال پورا ہوا تو اس مالی نصاب پر زکوٰۃ نہیں ملے گی۔ لیکن دین عشر کے واجب ہونے کو نہیں روکتا۔ اس لئے کہ وہ غلہ کے متعلق ہے اور وہ مالی تجارت نہیں ملے گی۔ یعنی دین عشر و غلہ و کفارہ کے وجوب کا مانع نہیں ملے گا۔

(۷) اور یہ سب حکم اس صورت میں ہیں جبکہ دین اس کے ذمہ زکوٰۃ کے واجب ہونے سے پہلے ہوا اور اگر دین زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد (یعنی سال پورا ہونے کے بعد) لاحق ہوا تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ زکوٰۃ اس کے ذمہ ثابت ہو چکی۔ پس اس کے ثابت ہو جانے کے بعد جو دین لاحق ہو گا وہ اس زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرے گا۔

(۸) اور جو دین سال کے درمیان میں عارض ہوا یعنی شروع سال میں قرضہ ادا نہیں تھا پھر دوران سال میں قرض ہو گیا تو وہ امام محمد کے نزدیک مال کے جاتے رہنے کی مانند ہے اور وجوب زکوٰۃ کا مانع ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مانع نہیں کیونکہ وہ بمنزلہ نقصان کے ہے۔ (یعنی اگر نصاب شروع سال میں اور اخیر سال میں پورا ہوا اور سال کے درمیان میں ناقص ہو جائے تو وہ نصاب پورا ہی سمجھا جاتا ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جیسا کہ سال گزرنے کی شرط میں بیان ہو چکا ہے۔ امام ابو یوسف نے دین عارض کو ناقص قرار دیا ہے اور سال پورا ہونے سے پہلے اودال حاصل ہو جانے پر اگر دین نکال کر نصاب پورا ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ کا واجب ہونا قرار دیا ہے اور امام محمد نے دین عارض کو بلا ہلاک ہو جانے کے حکم میں رکھا ہے اور جو مال بلا قصد ہلاک ہو جائے اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور اس کو دوران سال میں نیا مال جس وقت حاصل ہوا اسی وقت سے نیا سال شروع ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے پس امام محمد کے نزدیک دین معترض مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔ مؤلف) پس وہ دین عارض یا تو مستغرق ہوگا یعنی تمام نصاب کے برابر ہوگا یا نصاب کو کم کرنے والا ہوگا یعنی اس مال کو بقدر نصاب نہیں رہے دیگا۔ پھر اگر آخر سال تک وہ نصاب پورا نہ ہو سکے تو بالاتفاق مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔ اور اختلاف کا فائدہ اس وقت نظر آتا ہے اگر جبکہ سال پورا ہونے سے پہلے اس کو اور مال اس قدر حاصل ہو جائے کہ دین نکال کر نصاب پورا ہو جائے مثلاً قرض خواہ نے وہ قرض سال پورا ہونے سے پہلے معاف کر دیا ہو تو اب چونکہ اس کے ذمہ دین نہیں رہا اور مالی نصاب سال پورا ہونے تک پورا ہو گیا ہے تو امام محمد کے نزدیک قرض معاف ہونے کے وقت سے نیا سال شروع ہوگا اور جس سال میں دین عارض ہوا اس کے پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس وقت سے نیا سال شروع نہیں ہوگا بلکہ جس سال میں دین عارض ہوا اس کے پورا ہونے پر اس سال کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی۔ اور اگر قرض خواہ نے وہ قرض سال پورا ہونے سے پہلے معاف نہیں کیا لیکن آخر سال میں نصاب پورا ہو گیا اس طرح کہ نصاب کے علاوہ وہ مال

ملے۔ ملے۔ بمردوش۔ ملے۔ در۔ ملے۔ ر۔ ملے۔ ش۔ ملے۔ ش۔ ملے۔ بمردوش۔



اور مال کا مالک ہو گیا جو دین کو پورا کر دے تب بھی یہی اختلاف جاری ہوگا (مؤلف) اور صاحب بکھرنے امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے اور یہی اوجہ ہے اس لئے کہ جب دین سال کو شروع ہونے سے مانع ہے تو سال کو باقی رکھنے سے بد بجا دینی مانع ہوگا کیونکہ اس مانع کا باقی رہنا اس کی ابتداء سے زیادہ آسان ہے۔ اور بکھرا لائق میں باب زکوٰۃ المال کے آخر میں المجتبیٰ سے نقل کیا ہے کہ دو بلین سال میں دین کا عارض ہونا سال کے حکم کو قطع نہیں کرتا ہے اگرچہ وہ مستغرق ہو۔ اور امام زفر نے کہا کہ قطع کرتا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عدم قطع یعنی عدم منع وجوب زکوٰۃ ہمارے تینوں اماموں کا قول ہے اور امام زفر کا اس میں اختلاف ہے اور بدائع وغیرہ میں بھی اس اختلاف کو امام زفر کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس بنا پر یہ مسئلہ ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک بالاتفاق ہو جاتا ہے کہ دو بلین سال میں عارض ہونے والا دین سال کے حکم کو قطع نہیں کرتا اور اس سال کے تمام ہونے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی واللہ اعلم بالصواب۔ اور اگر قرض سال پورا ہونے کے بعد لاحق ہوا تو اس سے بالاتفاق زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی جیسا کہ ع میں بیان ہوا ہے۔ (مؤلف)

(۹) کسی شخص کے پاس تجارت کے لئے ایک غلام ہے اور اس غلام پر قرضہ ہے تو اس شخص پر اس غلام کی زکوٰۃ اس کے قرضہ کی مقدار رقم پر واجب نہیں ہے۔ پس جو حصہ اس سے زائد ہو اگر وہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس کی زکوٰۃ دے۔  
(۱۰) ایک شخص دیون ہے اور چند نصابوں کا مالک ہے اور ہر نصاب سے دین ادا ہو جاتا ہے تو قضا دین اس نصاب کی طرف لگایا جائے گا جس سے قرض ادا کرنا زیادہ آسان ہو۔ مثلاً کسی شخص کے پاس درہم و دینار روپے و اشرفین اور تجارت کا مال اور چرنے والے جانور ہیں اور اس کے ذمہ دین بھی ہے تو پہلے دین درہم و دینار (نقدی) کی طرف لگایا جائے گا اور باقی چیزوں کی زکوٰۃ دے گا اور اگر نقدی سے دین پورا نہ ہوا تو جو بیچ رہا اس کو سامان تجارت کی طرف لگایا جائے گا اور اگر بھر بھی بیچ گیا تو اب وہ باقی قرضہ چرائی کے جانوروں کی طرف لگایا جائے گا۔ اور اگر چرائی کے جانور جو اس کے پاس ہیں چند مختلف جنس کے ہوں اور ہر جنس بقدر نصاب ہو تو دین اس کی طرف پھیرا جائے گا جس کی زکوٰۃ سب سے کم ہے۔ مثلاً کسی کے پاس چالیس بکریاں اور تیس گائیں اور پانچ اونٹ ہیں تو دین بکریوں یا اونٹوں کی طرف لگایا جائے گا، گائے کی طرف نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ اس مثال میں اگر وہ بکریوں یا اونٹوں کی زکوٰۃ دیکھا تو ایک بکری دینی ہوگی، اور گائے کی زکوٰۃ میں سال بھر کا بچہ اڑے گا، اور ظاہر ہے کہ ایک بکری کا دینا ایک بچہ دینے سے آسان ہے لہذا قرضہ بھی اسی کی طرف لگایا جائے گا۔ اور اگر وہ اس بارے میں بڑبڑہوں تو اسے اختیار ہے جس کی طرف چاہے قرضہ کو لگائے۔ مثلاً اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں اور پانچ اونٹ ہیں چونکہ ان دونوں نصابوں کی زکوٰۃ ایک ایک بکری ہے تو اسے اختیار ہے کہ جسے چاہے دین کے لئے سمجھے اور جس کی چاہے زکوٰۃ دے۔ اور بعض

لے مستفاد من: بخروش۔ لے ش۔ لے مؤلف عن الشافعی و نحو۔ لے بخروش۔ لے ر۔ لے د۔ لے بخروش۔ لے د وغیرہ۔ لے بخروش۔

لے ر وغیرہ۔ لے بخروش۔



نقبا نے کہا کہ دین کو بکریوں کی طرف لگایا جائے تاکہ آئندہ سال بھی اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہو۔ اس لئے کہ جب اس نے بکریوں میں سے ایک بکری زکوٰۃ میں دیدی تو اب اُس کے پاس انتالیس بکریاں رہ جائیں گی۔ پس آئندہ سال ان میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے جبکہ بادشاہ کی طرف سے کوئی زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے والا (یعنی مصدق) آئے اور اگر وہ حاضر نہیں ہے بلکہ صاحب مال خود ادا کرنا چاہتا ہے تو ہر صورت میں اس کو اختیار ہے خواہ وہ دین کو سائمہ کی طرف پھیر دے اور زکوٰۃ درہموں (نقدی) میں سے دیدے اور چاہے تو اس کے برعکس کرے یعنی دین کو درہموں (نقدی) کی طرف لگائے اور زکوٰۃ سائمہ میں سے ادا کرے اس لئے کہ صاحب مال کے حق میں وہ دونوں برابر ہیں۔ اور اختلاف بادشاہ کے مقرر کئے ہوئے صدقہ وصول کرنے والے (مصدق و ساعی) کے بارے میں ہے اور بیشک اس کو یہی حق ہے کہ وہ سائمہ سے زکوٰۃ لے درہموں سے نہ لے پس اسی لئے وہ دین کو درہموں کی طرف لگاتا ہے اور زکوٰۃ سائمہ سے لیتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر مریون (قرضدار) کی ملکیت میں زکوٰۃ کا مال ہو اور اس کے علاوہ خدمت کے غلام اور دزمہ کے استعمال کے کپڑے اور رہنے کے گھر ہوں تو دین پہلے زکوٰۃ کے مال کی طرف لگایا جائے گا اس کے علاوہ دوسرے سامان کی طرف نہیں لگایا جائے گا یعنی وہ دین اس کے لئے مانع و جوب زکوٰۃ ہوگا، مؤلف) اگرچہ وہ دوسرا سامان قرضہ کی جنس سے ہو۔ امام زفر کا اس میں اختلاف ہے۔ پس اگر کسی شخص نے کسی خدمت کے غلام کے مثل مہر پر نکاح کیا اصل غلام خدمت مہر میں دینا مقرر نہیں کیا (یعنی نکاح کے مہر میں خدمت کے غلام کی مثل دینا قبول کیا خدمت کا غلام بعینہ دینا قبول نہیں کیا، مؤلف) اور اس کے پاس دوسودرہم اور ایک خدمت کا غلام ہے تو مہر کا قرضہ دوسودرہم کی طرف پھیرا جائے گا، غلام خدمت کی طرف نہیں کیونکہ زکوٰۃ کے مال کے علاوہ دوسرا مال فاساب حوائج اصلہ میں داخل ہے اور زکوٰۃ کا مال حوائج اصلہ سے نائد ہے پس اس کی طرف دین کا پھیرا جانا زیادہ آسان ہے اور اموال والوں کی اس میں زیادہ رعایت ہے اور اسی لئے دزمہ کے استعمال کے کپڑوں اور خوراک کی طرف نہیں پھیرا جائے گا اگرچہ وہ دین کی جنس سے ہوں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس دوسودرہم ہوں اور خدمت کا غلام ہو اور وہ اس غلام کے مثل مہر پر نکاح کرے اور کچھ گہوڑوں اپنی حاجت کے واسطے قرض لے اور وہ سب چیزیں اس کے پاس ایک سال تک باقی رہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اس لئے کہ دین نقدی اور فارغ مال کی طرف پھیرا جائیگا اور امام زفر نے کہا کہ زکوٰۃ واجب ہوگی اس لئے کہ دین جنس کی طرف پھیرا جائے گا۔ اگر کسی شخص کے پاس ہزار درہم ہیں اور ہزار درہم اس پر قرض بھی ہیں اور اس کا ایک گھر اور ایک غلام ہے جو تجارت کے لئے نہیں ہے اور اس کی قیمت دس ہزار درہم ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں اس لئے کہ قرض اُن ہزار درہم کی طرف پھیرا جائے گا جو اس کے قبضہ میں ہیں اور اس کی حاجت سے زائد ہیں اور نقل و تصرف کے قابل ہیں اور گھر اور غلام خدمت دونوں اس کی حاجت کی چیزیں ہیں پس

لے بحر ش۔ لے ش۔ لے بحر و ش۔ لے بحر ع۔ لے ش۔ لے بحر ع۔











دفع کرنے میں اپنی ذات کے ساتھ فائدہ پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے (یعنی سونا و چاندی بذاتِ خود اس لائق نہیں ہیں کہ انسان کے کھانے پینے پہننے وغیرہ ضروریات میں کام آسکیں بلکہ اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ان سے انسان اپنی ضروریات کی چیزیں خریدتا ہے، مؤلف) پس ان دونوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی، خواہ ان میں تجارت کی نیت کرے یا نہ کرے یا خرچ کرنے کی نیت کرے۔ اور دوسری وہ چیزیں ہیں جو اس لئے تو پیدا نہیں کی گئیں کہ ان سے چیزیں خریدی جائیں مگر ان سے یہ بات بھی حاصل ہوتی ہے وہ فعلی ہیں، (مؤلف) سونے چاندی کے علاوہ سب چیزیں فعلی ہیں (کیونکہ وہ تجارت یا چرائی سے بڑھیں گی، مؤلف) اور ان میں تجارت کی نیت سے یا جانوروں کے چرانے کی نیت سے بڑھنا معتبر ہے اور جب تک تجارت یا جانوروں کی چرائی کی نیت تجارت یا چرائی کے فعل کے ساتھ متصل نہ ہو معتبر نہیں ہے اور تجارت کی نیت کبھی تو صریحاً ہوتی ہے اور کبھی دلالت ہوتی ہے صریحاً ہے کہ تجارت کے عقد (معاملہ) کے وقت یہ نیت کرے کہ یہ مال تجارت کے لئے ہوگا خواہ معاملہ خرید و فروخت کا ہو یا اجارہ کا، اور خواہ اس کے دام نقد ٹھہرائے ہوں یا کچھ اسباب ٹھہرایا ہو، سب اس حکم میں برابر ہے۔ پس اگر یہ نیت کی کہ یہ روزمرہ کے استعمال کے لئے ہے تو وہ تجارت کے لئے نہیں ہوگا اور دلالت نیت یہ ہے کہ اموال عین میں سے کوئی مال عین تجارت کے اسباب کے عوض میں خریدے (یعنی مال تجارت کے بدلے کوئی چیز خریدے) یا جو گھر تجارت کے واسطے ہے اس کو کسی اسباب کے عوض میں کرایہ پر دیدے۔ پس یہ مال عین (اسباب تجارت کے عوض میں خریدی ہوئی چیز) و اسباب مذکور تجارت کے واسطے ہو جائے گا اگرچہ وہ صریحاً تجارت کی نیت ذکرے، لیکن بدائع میں مذکور ہے کہ تجارتی مال کے منافع کے بدلے میں جو مال لیتے ہیں اس میں اختلاف ہے، پس اصل کی کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے کہ اگر تجارت کی نیت ذکرے تب بھی وہ تجارت کے لئے ہے اور جامع سے پایا جاتا ہے کہ نیت پر موقوف ہے پس اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں اور شارح بلخ جامع کی روایت کی تصحیح کرتے تھے اس لئے کہ عین اگرچہ تجارت کیلئے ہو لیکن کبھی اس کے منافع کے بدلے سے منفعت (فائدہ اٹھانے) کا بھی قصد کیا جاتا ہے پس جانور کرایہ پر لیا جاتا ہے تاکہ اس پر خرچ کرے اور گھر عمارت کے لئے بھی لیا جاتا ہے پس اس تردد کی موجودگی میں وہ بغیر نیت کے تجارت کے لئے نہیں ہوگا اور نیت کے ساتھ تجارت کے لئے ہو جائے گا۔ اور اس مسئلہ میں جو مال کے تجارتی ہونے کی قید لگائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ مثلاً سکونت کے لئے ہو تو اس کا بدل تجارت کی نیت کے بغیر تجارت کے لئے نہیں ہوگا اور اگر اس کے بدل میں تجارت کی نیت کر لی تو صحیح ہے اور وہ صریح کی قسم سے ہو جائے گا۔ جاننا چاہئے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے نیت تجارت کے شرط ہونے سے فقہانے اُس مال کو مستثنیٰ کر دیا ہے جو مضارب خرید کرے اس لئے کہ بلاشبہ وہ ہر صورت میں تجارت کیلئے ہوتا ہے خواہ مضارب

لے من بہار شریعت۔ سلف و دگر۔ سلف عن بہار شریعت۔ سلف و دگر و شرف۔ شہ ش۔











(دوم) قرضدار انکاری ہو اور قرضخواہ کے پاس گواہ ہوں، اور اگر کسی کا قرضہ ایسے شخص پر ہو جو اس قرضہ کا انکاری ہو اور قرضخواہ کے لئے اس پر گواہ ہوں تو اس میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک اس پر مطلقاً زکوۃ واجب ہے جبکہ قرضخواہ کے لئے قرضدار پر گواہ ہوں اور یہ اکثر مشائخ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ اگر قرضخواہ کیلئے اس پر عادل گواہ ہوں تو واجب ہے اور اسی طرح اگر گواہ عادل نہ ہوں تو جب تک قاضی اس سے حلف نہ لے لے اس مال پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (پس جب قاضی نے اس سے حلف لے لیا تو اب اس مال پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی مؤلف) اور اگر دیون انکاری ہو اور اس پر گواہ غیر عادل ہوں تو بعض نے کہا کہ اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ واجب ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے اگرچہ اس کیلئے گواہ ہوں (یعنی گواہ ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، مؤلف) اس لئے کہ گواہ بعض اوقات قبول نہیں کئے جاتے (توان کا ہونا نہ ہو برابر ہو یا اور بعض اوقات قاضی اسناد نہیں کرتے اور بعض اوقات اس کو کھینے کسی مانع کی وجہ سے جھگڑے کے ساتھ کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ پس یہ دین ہلاک ہونے والے مال کے حکم میں ہو جائے گا اور تحفہ میں اس کی تصحیح کی گئی ہے جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے اور خانیہ میں بھی اس کی تصحیح کی گئی ہے اور اس کو امام سرخسی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ کتاب الاصل میں انکاری قرضہ کو نہاب قرار نہیں دیا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کیلئے کہ اس کے لئے عادل گواہ ہیں یا نہیں۔ امام سرخسی نے کہا ہے کہ کتاب الاصل کا جواب صحیح ہے کیونکہ ہر قاضی عادل نہیں ہوتا اور ہر گواہ قبول نہیں کیا جاتا اور قاضی کے سامنے پیش ہونا ذلت ہے اور ہر شخص اس ذلت کو اختیار نہیں کرتا۔ اور امام باقانی نے کافی سے وجوب کی تصحیح نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہی معتبر ہے اور فخر الاسلام بھی اسی کی طرف مائل ہوئے ہیں اور اسی لئے ہدایہ اور غرر اور ملتی میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وجوب و عدم وجوب دونوں کی تصحیح میں اختلاف ہے اور حتیٰ امام محمد کے قول کی طرف مائل ہوتے ہیں اور کہا ہے بلکہ ہمارے زمانے میں دیون قرضہ کا اقرار کرتا ہے اور قرضخواہ اس سے چسکا را حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا پس وہ نہ ہونے کی برابر ہے۔ اور اگر قاضی قریں سے واثق تھا تو گزشتہ ایام کی زکوۃ واجب ہوگی۔ اور اب مفتی بہ قول یہ ہے کہ قاضی صرف اپنے علم کی بنا پر فیصلہ نہ دے۔ یعنی قاضی اپنے علم پر اعتماد کرتے ہوئے فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ صحیح نہیں ہوگا پس اگر قاضی کو انکاری قرضہ کا علم ہو اور وہ اس علم کی بنا پر فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ صحیح نہیں ہوگا اور اس پر گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

(سوم) قرضدار کا اقراری ہونا، خواہ وہ قرضدار یا دیوار ہو یا مفلس ہو اور خواہ اس کے مفلس ہونے کا قاضی نے اعلان کر دیا ہو یا نہ کیا ہو اس قرضہ پر زکوۃ واجب ہے مطلقاً۔ پس اگر کسی شخص کا قرضہ ایسے شخص پر ہو جو اقراری ہو،

لے بحروش۔ لے ش زیادۃ تجارت من باب الصرف۔ لے ع۔ لے در مجمع۔ لے ش۔ لے ع۔



خواہ مالدار ہو یا تنگ دست اس پر زکوۃ واجب ہے کیونکہ مالدار ہونے کی صورت میں ابتداءً اس کی وصولی ممکن ہے اور تنگ دست ہونے کی صورت میں حصول کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس کا وصول ہونا ممکن ہے (اس لئے کہ تنگ دست پر قرض ہونا ہلاک ہونے کی مانند نہیں ہے کیونکہ ذریعہ حصول کے تعلق سے اس کی وصولی ممکن ہے) اور اگر قرض ایسے شخص پر ہو جو اقراری ہے اور قاضی نے اس کو مفلس (دیوالیہ) قرار دیا ہو، اور اس کے مفلس ہونے کا حکم مشہور کیا ہو تو اس میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ نصاب ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک قاضی کا اس کو مفلس قرار دینا درست نہیں ہے، پس اس کا مفلس قرار دینا یا نہ دینا برابر ہے اور وہ تنگ دست کے حکم میں ہے جس کا حکم اوپر بیان ہو چکا ہے۔ (پس اس پر گزرے ہوئے سالوں کی زکوۃ واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ عالمگیری سے اوپر بیان ہوا۔ مؤلف) اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک قاضی کے مفلس قرار دینے سے اس کا مفلس ہونا متحقق ہو گیا اور امام ابو یوسفؒ افلاس کے متحقق ہونے میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں پس اس کے مالدار ہونے تک اس قرض کا مطالبہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔ اور زکوۃ واجب ہونے میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں کیونکہ اس میں فقرا کی جانب کی رعایت ہے۔ پس امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ قبضہ کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرے گا۔ اور اگر قاضی نے اس کو مفلس (دیوالیہ) ہونے کا حکم جاری نہیں کیا تو بالاتفاق اس پر زکوۃ واجب ہوگی اس لئے کہ مال آنے جانے والی چیز ہے۔

اور اگر مقرض پوشیدہ اقرار کرتا ہو اور علانیہ میں انکار کرتا ہو تو وہ دین نصاب نہیں ہوگا (یعنی وہ دین محمود شمار ہوگا جس کا حکم اوپر بیان ہو چکا ہے، مؤلف) اور اگر مقرض اقرار کرتا تھا لیکن جب اس کو قاضی کے سامنے لے جایا گیا تو اس نے انکار کر دیا اور اس پر گواہ قائم ہوئے اور کچھ زمانہ گواہوں کے عادل ثابت کرنے میں گزر گیا پھر وہ گواہ عادل ثابت ہوئے تو اس روز سے جب اس نے قاضی کے سامنے انکار کیا گواہوں کے عادل ثابت ہونے تک کی زکوۃ ساقط ہو جائے گی اور اگر قرض کسی حاکم پر ہو اور وہ اس کا اقرار کرتا ہے لیکن وہ اس کو دیتا نہیں ہے اور اس نے اس کا مطالبہ خلیفہ کے دروازے سے کیا ہے اس نے بھی اس کو نہیں دیا تو اس مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے، اور اگر کسی کا قرض دار بھاگ گیا اور وہ اس کی تلاش کرنے یا اس کام کے لئے وکیل کرنے پر قادر ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور اگر اس پر قادر نہیں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

اور مجملہ مال ضمائر کے وہ مال ہے جس کو کسی نے غصب کر لیا ہو اور جس شخص نے غصب کیا ہے اس پر گواہ نہ ہوں۔ پھر کئی سال بعد اس نے غاصب سے واپس لیکر اس پر قبضہ کر لیا ہو تو اس پر گزشتہ ہوئے سالوں کی زکوۃ نہیں ہے اور اگر اس پر گواہ ہوں تو وہ مال ضمائر نہیں ہے پس اس پر غاصب سے واپس قبضہ کر لینے کے بعد

لے جمع۔ لے ہر۔ و بجز زیادہ عن جمع دش۔ لے ع و بجز غیر ہا۔ لے ش۔ ش۔ ش و ع۔ لے در و معن بتصرف۔



گزرے ہوئے سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی سوائے چرنے والے جانوروں کے۔ پس اگر کوئی شخص چرنے والے جانوروں کو غصب کر لے تو اگرچہ غصب کرنے والا غصب کا اقرار بھی کرتا ہو تب بھی ان کے مالک پر زکوۃ واجب نہیں ہے کیونکہ غصب ہونے کے بعد ان کا جنگل میں چرنا یعنی سائٹہ ہونا متحقق نہیں ہے۔ اور حلبی نے کہا کہ یہاں بھی وہی تصحیح جاری ہونی چاہئے جو اس دین محمود کے بارے میں جس پر گواہ ہوں امام محمدؒ کی روایت ہے بیان ہو چکی ہے کہ اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے اس لئے کہ اس میں بعض اوقات گواہ قبول نہیں کئے جاتے اور زکوۃ واجب ہونے کے قول کی بنا پر ظاہر ہے کہ اس کا حکم دین قوی کا ہے پس جب چالیس درہم پر قبضہ ہو جائے گا تب زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔

اور منجملہ مال ضمہ کے وہ مال ہے جس کو ظلم سے لیا گیا ہو۔ یعنی جس مال کو بادشاہ یا کسی اور نے ظلم سے لے لیا ہو۔ مثلاً کسی ظالم نے اس کو حکم دیا ہو کہ وہ اپنا مال لائے پھر وہ مال اس کو چند سال کے بعد واپس مل گیا ہو اور غصب یہ ہے کہ کسی کا مال زبردستی چھین لیا جائے پس غصب میں اور ظلم لینے میں فرق ہے اور یہ غصب کا مسئلہ بیان ہونے کے بعد اسی کا دوبارہ بیان نہیں ہے۔

(۴) اور منجملہ مال ضار کے وہ مال ہے جو کم ہو گیا ہو۔ پھر جب اس کم شدہ مال کو کئی سال کے بعد پایا ہو تو اس میں بھی گزرے ہوئے سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہے۔

(۵) اور منجملہ مال ضار کے وہ ہے جو بھاگ گیا ہو، خواہ وہ جانور ہو یا غلام۔ پس جو تجارت کا غلام کم ہو گیا ہو یا بھاگ گیا ہو اور اس کو سال گزر جانے کے بعد پایا ہو، اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

(۶) اور منجملہ مال ضار کے وہ مال ہے جو دریائے سمندر میں گر گیا ہو، پھر اس کو سال گزر جانے کے بعد نکالا ہو، یا چند سال کے بعد نکالا ہو۔

(۷) اور منجملہ مال ضار کے وہ مال ہے جس کو جنگل میں دفن کیا ہو اور اس کی جگہ بھول گیا ہو۔ یعنی جنگل یا بڑے احاطہ (بڑے گھر) میں دفن کیا ہو مال جس کی جگہ بھول گیا ہو پھر کئی سال کے بعد وہ جگہ یاد آئی ہو تو اس مال میں گزرے ہوئے سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اور اگر مال کسی محفوظ جگہ میں مدفون ہو، مثلاً اپنے گھر میں یا کسی دوسرے کے گھر میں ہو اور اس کی جگہ بھول جائے تو وہ مال ضار میں سے نہیں ہوگا پس وہ نصاب ہوگا۔ اور اگر اپنی ملکیت کی زمین یا باغ میں دفن کیا ہو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ زکوۃ واجب ہوگی کیونکہ اس کے حاصل ہونے کا امکان ہے اس لئے کہ وہ اپنی مملوکہ تمام زمین کو کھود سکتا ہے۔

۱۔ در دوش و بجز در دوش المتشبی بتغیر۔ ۲۔ ثلث بجموع و در دوش۔ ۳۔ جمع۔ ۴۔ ط و ش۔ ۵۔ در دوش۔ ۶۔ ش بتغیر۔ ۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۸۔ در۔ ۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۱۰۔ حاشیہ ہدایہ۔ ۱۱۔ جمع۔ ۱۲۔ بکرم و غیرہ۔ ۱۳۔ جمع۔ ۱۴۔ ش۔ ۱۵۔ بکرم و غیرہ۔ ۱۶۔ ش۔ ۱۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۱۸۔ ش۔ ۱۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۲۰۔ ش۔ ۲۱۔ بکرم و غیرہ۔ ۲۲۔ ش۔ ۲۳۔ بکرم و غیرہ۔ ۲۴۔ ش۔ ۲۵۔ بکرم و غیرہ۔ ۲۶۔ ش۔ ۲۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۲۸۔ ش۔ ۲۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۳۰۔ ش۔ ۳۱۔ بکرم و غیرہ۔ ۳۲۔ ش۔ ۳۳۔ بکرم و غیرہ۔ ۳۴۔ ش۔ ۳۵۔ بکرم و غیرہ۔ ۳۶۔ ش۔ ۳۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۳۸۔ ش۔ ۳۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۴۰۔ ش۔ ۴۱۔ بکرم و غیرہ۔ ۴۲۔ ش۔ ۴۳۔ بکرم و غیرہ۔ ۴۴۔ ش۔ ۴۵۔ بکرم و غیرہ۔ ۴۶۔ ش۔ ۴۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۴۸۔ ش۔ ۴۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۵۰۔ ش۔ ۵۱۔ بکرم و غیرہ۔ ۵۲۔ ش۔ ۵۳۔ بکرم و غیرہ۔ ۵۴۔ ش۔ ۵۵۔ بکرم و غیرہ۔ ۵۶۔ ش۔ ۵۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۵۸۔ ش۔ ۵۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۶۰۔ ش۔ ۶۱۔ بکرم و غیرہ۔ ۶۲۔ ش۔ ۶۳۔ بکرم و غیرہ۔ ۶۴۔ ش۔ ۶۵۔ بکرم و غیرہ۔ ۶۶۔ ش۔ ۶۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۶۸۔ ش۔ ۶۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۷۰۔ ش۔ ۷۱۔ بکرم و غیرہ۔ ۷۲۔ ش۔ ۷۳۔ بکرم و غیرہ۔ ۷۴۔ ش۔ ۷۵۔ بکرم و غیرہ۔ ۷۶۔ ش۔ ۷۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۷۸۔ ش۔ ۷۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۸۰۔ ش۔ ۸۱۔ بکرم و غیرہ۔ ۸۲۔ ش۔ ۸۳۔ بکرم و غیرہ۔ ۸۴۔ ش۔ ۸۵۔ بکرم و غیرہ۔ ۸۶۔ ش۔ ۸۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۸۸۔ ش۔ ۸۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۹۰۔ ش۔ ۹۱۔ بکرم و غیرہ۔ ۹۲۔ ش۔ ۹۳۔ بکرم و غیرہ۔ ۹۴۔ ش۔ ۹۵۔ بکرم و غیرہ۔ ۹۶۔ ش۔ ۹۷۔ بکرم و غیرہ۔ ۹۸۔ ش۔ ۹۹۔ بکرم و غیرہ۔ ۱۰۰۔ ش۔











سوم ضعیف، جو مال کا بدلہ نہیں ہو سکتا یعنی وہ نقدی و سونا چاندی کا قرض نہیں ہے اور نہ سامان تجارت کا قرض ہر اور نہ ہی سامان تجارت کے علاوہ گھر کا اور سامان بچہ کا قرض ہر مؤلف اور یہ یا تو سبہ قرضہ ہے جس کا اپنے فعل کے بغیر مالک ہو گیا ہو اور وہ کسی چیز کا بدلہ نہ ہو جیسے میراث جبکہ وہ کسی وارث کے پاس مثلاً ایک سال مؤخر ہو گئی ہو، مؤلف یا اپنے فعل سے حاصل ہوئی ہو لیکن وہ کسی چیز کا بدلہ نہ ہو جیسے وصیت جبکہ وہ کسی وارث کے پاس مثلاً ایک سال تک مؤخر رہے یا اپنے فعل سے کسی ایسی چیز کے عوض مالک ہو جو مال نہیں ہے جیسے بھروسہ جبکہ وہ خاندان کے پاس ایک سال تک مؤخر رہے مؤلف) — اور عوض خلع جبکہ عورت کے پاس ایک سال تک رہے اور وہ مال جو قتل عمد کی صلح میں حاصل ہو جبکہ وہ قاتل کے پاس مثلاً ایک سال مؤخر ہو جائے اور دیت جبکہ وہ مقتول کے قریبی کے پاس جس کو دیت تقسیم ہوگی یا قاتل کے پاس مثلاً ایک سال رہے پھر اس پر خونبھا کا حقدار قبضہ کرے اور کتابت کا بدل اور سعایت کا بدل مثلاً کسی غلام کا بعض حصہ آزاد کر دیا گیا اور باقی بعض حصہ کے لئے وہ کوشش کرتا رہے اور اس کوشش (سعایت) کا بدل اس غلام کے پاس مثلاً سال بھر رہے پھر مالک اس پر قبضہ کرے تو ان سب صورتوں میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس وقت تک زکوۃ نہیں ہے جب تک کہ وہ اس میں سے بقدر نصاب (دوسرے نمبر پر) پڑا یا اس سے بڑا مقام پر قبضہ نہ کر لے اور پھر قبضہ کے بعد ایک سال نہ گزر جائے (پس بقدر نصاب قبضہ کرنے کے بعد جب اس پر سال گزر جائے گا تب زکوۃ واجب ہوگی مؤلف) لیکن اگر اس کے پاس پہلے سے بقدر نصاب مال ہو تو جو کچھ قرضے میں وصول ہوا اس کو نصاب میں شامل کر کے کل کی زکوۃ نصاب مذکور کا سال پورا ہونے کے بعد ادا کرنی واجب ہے۔ قرضہ کے وصول شدہ مال کے قبضہ کے وقت سے سال شروع نہیں ہوگا بلکہ اور یہ سب احکام اس وقت ہیں جبکہ اس کے پاس مال دین کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو پس اگر قبضہ کئے ہوئے مال دین کے علاوہ اور مال بھی پہلے سے اس کے پاس ہے تو قبضہ میں آیا ہوا مال دین مال مستفاد ہوگا اور پہلے مال کے ساتھ ملایا جائے گا اور پھر سب کی زکوۃ پہلے مال کمال کے حساب سے کی جائے گی جیسا کہ محیط میں ہے اور یہ اس بارے میں صریح ہے کہ وصول شدہ مال کو اس مال کے ساتھ ملا کر پہلے سے اس کے پاس موجود ہے دین کی تسویل قسموں کو شامل ہے اور صرف دین ضعیف کے ساتھ اس کا بیان کرنا جیسا کہ اکثر کتب فقہ میں ہے شاید اس لئے ہے تاکہ یہ اس کے علاوہ دوسری دفعوں قسموں متوسط و قوی کے ساتھ ملانے پر بطریق اولیٰ دلالت کرے، اس لئے کہ دین ضعیف میں سے جقدر پر قبضہ ہوا اس پر زکوۃ واجب ہونے کے لئے اس کا بقدر نصاب ہونا اس پر قبضہ کے بعد سال کا گذرنا شرط ہے اور جب اس رقم کے ساتھ ملایا جائے جو اس کے پاس پہلے سے ہے تو نئے سال کا پورا ہونا شرط نہیں رہتا بلکہ پہلے والے مال کا سال پورا ہونے پر ان دفعوں مالوں کی زکوۃ واجب ہو جاتی ہے پس جس قرضہ میں نئے سال کا پورا ہونا شرط نہیں ہے اس کی وصول شدہ رقم پہلے مال میں بطریق اولیٰ ملائی جائیگی، غور کیجئے۔

سہ بحر و مستحق و درختار سہ سہ زیادہ عن موطا سہ ش سہ ش بغیر و تصرف۔



















## شرط ادا سے زکوۃ

(۱) زکوۃ ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ زکوۃ دیتے وقت متصل ہی زکوۃ دینے کی نیت کرے یا جو کچھ زکوۃ اس کے ذمہ واجب ہے اس کو اپنے مال سے نکال کر علیحدہ کرتے وقت متصل ہی زکوۃ دینے کی نیت کرے یا خواہ کل زکوۃ واجبہ کے علیحدہ کرتے وقت متصل ہی یا اس کا بعض حصہ علیحدہ کرے کہ متصل اس حصہ کی نیت کی ہو یا اور جبکہ مال زکوۃ دیتے وقت ایسی حالت میں ہو کہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ تو یہ مال کس مسلمان میں دیتا ہے تو وہ بلا سوچے زکوۃ بتا دیتا تو یہ بھی اس کی نیت ہے یا اور بیشک زکوۃ کا مال اپنے مال سے علیحدہ نکالتے وقت نیت کر لینا کافی ہے اس لئے کہ زکوۃ کا مستحق کو دینا متفرق وقتوں میں ہوتا ہے پس ہر دفعہ دیتے وقت نیت کا حاضر کرنا باعث حرج ہے پس دفع حرج کے لئے شرع نے زکوۃ علیحدہ کرتے وقت کی نیت کر کافی قرار دیدیا۔ اور اگر یہ نیت کی کہ زکوۃ ادا کرتا ہوں اور اپنے مال میں سے کچھ بھی علیحدہ نہ کیا اور اس کے بعد آخر مال تک تھوڑا تھوڑا دیتا رہا اور اس کے دیتے وقت نیت حاضر نہیں تھی تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ اور اگر یہ کہہ لیا کہ آخر سال تک جو کچھ دوں گا وہ زکوۃ ہے تو یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ ان صورتوں میں زکوۃ ادا کرتے وقت یا اپنے مال سے علیحدہ کرتے وقت نیت متصل نہیں پائی گئی۔ پس جب مال پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگئی تو خواہ اب وہ ایک ہی دفعہ تمام زکوۃ ادا کرے یا اپنے مال سے تمام زکوۃ علیحدہ کر کے الگ رکھ لے اور علیحدہ کرتے وقت میں زکوۃ دینے کی نیت کر لے پھر متفرق وقتوں میں مستحقین کو دینا رہے اور اب دیتے وقت خواہ نیت کرے یا نہ کرے تو درست ہے یا تمام زکوۃ کی رقم اپنے مال سے زکوۃ کی نیت سے علیحدہ نہ کرے لیکن سال کے دوران میں مختلف وقتوں میں زکوۃ کی نیت سے مستحقین کو تھوڑا تھوڑا دیتا رہے تو جائز و درست ہے اور اگر بغیر نیت زکوۃ دیکر زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ (مؤلف)

(۲) زکوۃ کو اپنے مال سے علیحدہ کر دینے سے مالدار زکوۃ سے بری الذمہ نہیں ہوگا بلکہ بری ہونے کیلئے فقیر و دینا ضروری ہے۔ پس اگر زکوۃ کا مال علیحدہ کرنے کے بعد فقیر ہو دیتے سے پہلے ضائع ہو گیا تو وہ زکوۃ اس کے ذمہ ہے اور نہیں ہوگی اور اگر وہ مر گیا تو اس میں وراثت جاری ہوگی لیکن اگر ساعی یعنی حکومت کی طرف سے زکوۃ وصول کرنے والے آدمی کے وصول کر لینے کے بعد اس کے پاس سے ضائع ہوگئی تو وہ زکوۃ ادا ہو جائے گی اس لئے کہ ساعی کا ہاتھ فقرا کا ہاتھ ہے۔

(۳) ادا کرتے وقت یا علیحدہ کرنے کے وقت نیت کا متصل ہونا خواہ صمی ہو تب بھی ادا ہو جائے گی۔ مثلاً اگر زکوۃ کسی فقیر کو بغیر نیت کے دیدی پھر اس مال کو زکوۃ میں دینے کی نیت کر لی تو اگر وہ مال فقیر کے ہاتھ میں قائم ہے تو زکوۃ ادا ہوگئی ورنہ نہیں۔ پس نیت کا متصل ہونا حقیقی و حکمی دونوں کو شامل ہے۔ حقیقی اتصال تو ظاہری ہے اور حکمی اتصال کی مثال یہ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ کسی فقیر کی بغیر نیت کے زکوۃ کی رقم دی پھر نیت کی

لے کتر در در۔ سعادہ ک۔ ر۔ سہ عروش۔ سہ ر۔ سہ بحر۔ سہ بحر۔ سہ در و م تصرف۔







کچھ حصہ صدقہ کر دیا تو اس صدقہ کئے ہوئے حصہ کی زکوۃ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ساقط نہیں ہوگی پس متکثر ہوئے مال سے بخلاف امام محمدؒ کے کہ ان کے نزدیک صدقہ کئے ہوئے حصہ کی زکوۃ ساقط ہو جائے گی اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایسی ہی روایت ہے اور یہی اشیہ ہے۔ اور یہی ارنج ہے جیسا کہ مخطاوی میں ہے۔

(۸) اور صدقہ کر دینے کا حکم عام ہے عین یعنی موجودہ چیز اور دین دونوں کو شامل ہے۔ پس اگر کسی فقیر پر اس کا قرض تھا اور وہ اس نے اس کو معاف کر دیا تو یہ معاف کر دینا صحیح ہے اور اتنے حصہ کی زکوۃ اس سے ساقط ہو جائیگی خواہ اس معاف کرنے میں زکوۃ کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اس لئے کہ وہ بمنزلہ ہلاک کے ہے اور اگر قصود اس قرض صحت کیا تو صرف اس قدر حصہ کی زکوۃ ساقط ہو جائے گی جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور باقی کی زکوۃ ساقط نہیں ہوگی۔ اگرچہ اس کے دینے میں باقی کی زکوۃ دینے کی نیت کی ہو۔ لیکن اگر باقی دین قبضہ کرنے کے ساتھ عین میں جائیگا تو یہ عین کی زکوۃ دین سے ادا کرنے والا ہوگا اور عین (۹) اور اگر وہ شخص جس پر قرض ہے غنی ہو اور وہ قرض اس کو سال پورا ہونے کے بعد مہرہ کر دیا تو اس مہرہ کے ہونے کی زکوۃ کی مقدار کا ضامن ہوگا اور یہی اصح ہے اس لئے کہ اس نے وجوب زکوۃ کے بعد اس مال کو ہلاک کیا ہے یہ

۱۰) اور اگر کسی فقیر کو یہ حکم کیا کہ دوسرے شخص پر جو میرا قرض ہے وہ وصول کر لے اور اس میں اس مال کی زکوۃ کی نیت کی جو اس کے پاس موجود ہے تو جائز ہے۔ یعنی بعد قبضہ ادا ہوگئی (مؤلف) اس لئے کہ فقیر عین پر قبضہ کرتا ہے تو عین کی زکوۃ عین سے ہوئی۔ اگر کسی فقیر کو اپنا قرضہ مہرہ کر دیا اور اس سے اپنے دوسرے قرض کی زکوۃ کی نیت کی جو کسی دوسرے شخص پر ہے یا اس مال کی زکوۃ کی نیت کی جو اس کے پاس ہے تو جائز نہیں۔ مثلاً اگر کسی آدمی کے کسی غریب پر دس روپے قرض ہیں اور اس کے دوسرے مال کی زکوۃ بھی دس روپے یا اس سے زیادہ ہے اس نے اس فقیر کو اپنا قرضہ دس روپے زکوۃ کی نیت سے معاف کر دیا تو زکوۃ ادا نہ ہوگی البتہ اس کی ترکیب یہ ہے کہ اس کو اپنے پاس سے دس روپے زکوۃ کی نیت سے دیدے زکوۃ ادا ہو جائے گی، اب یہی روپہ اپنے قرضہ میں اس سے لے لینا درست ہے۔ آگے بھی قریب ہی اس کی مزید تفصیل آتی ہے۔ (مؤلف)۔ اور اس میں اہل یہ ہے کہ عین اور دین کی زکوۃ عین سے دینا جائز ہے اور عین کی زکوۃ اور ایسے قرض کی زکوۃ جو غریب وصول ہو جائے گا دین سے ادا کرنا یعنی دین اس میں لگا دینا جائز نہیں اور ایسے دین کی زکوۃ جو وصول نہ ہوگا دین سے ادا کرنا یعنی دین کو اس میں لگا دینا جائز ہے۔ اور دین سے مراد وہ مال زکوۃ ہے جو دوسرے کے ذمہ ثابت ہو۔ اور عین سے یہ مراد ہے کہ وہ مال اس کی ملک میں قائم ہو یعنی جس پر ملک اور قبضہ دونوں ملتے جائیں (مؤلف) نقد ہو یا اسباب تو اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں اس لئے کہ زکوۃ دو حال سے خالی نہیں یا دین ہوگی یا عین۔ اور جس مال کی زکوۃ دینی منظور ہے وہ بھی یا دین ہوگا یا عین لیکن چونکہ مال دین دو طرح کا ہو سکتا ہے ایک وہ ہے کہ قبضہ میں نہ آئے زکوۃ کے ساتھ ساقط ہو جائے۔ دوسرا وہ زکوۃ کے بعد اس کے قبضہ کرنے کا استحقاق رہے تو اب پانچ صورتیں ہو گئیں جن میں سے تین صورتیں ادا درست ہے: اول زکوۃ دین کا اس مال دین سے ادا کرنا جو کہ اس کے ساتھ ساقط ہو جائے جس کی مثال اوپر گذری یعنی دیون مفلس کو تمام نصاب معاف کر دینا۔

لعمریہ۔ لعمریہ دس دیکر۔ لعمریہ دس دیکر۔ لعمریہ دس دیکر۔ لعمریہ دس دیکر۔ لعمریہ دس دیکر۔ لعمریہ دس دیکر۔ لعمریہ دس دیکر۔ لعمریہ دس دیکر۔ لعمریہ دس دیکر۔ لعمریہ دس دیکر۔



دوم زکوٰۃ عین کا مال عین سے ادا کرنا مثلاً نقد یا اسباب بقدر نصاب ہے اس میں سے مقدار واجب نقد پیدا تو ادا درست ہے۔ سوم مال دین کی زکوٰۃ مال عین یعنی حاضر نقد سے ادا کرنا مثلاً ایک شخص دو سو روپے کا مالک ہے مگر کسی کو قرض دے رکھے ہیں تو ان کی زکوٰۃ میں پہلے روپے اپنے پاس سے دیدیئے تو اب ادائیگی درست ہے اور دو صد توں ہیں ادائیگی ناجائز ہے ان میں سے اول یہ ہے کہ مال عین (حاضر) کی زکوٰۃ میں مال دین کو دینا جیسا کہ اس مال کو جو اس کے مقروض کے ذمہ دین ہے اپنے پاس موجود مال کی زکوٰۃ بنانا مثلاً ایک شخص کے پاس آٹھ سو روپے موجود ہیں ان کی زکوٰۃ میں روپے ہوئی اور اس کے بیس روپے کسی مفلس پر آتے ہیں تو ان روپوں کو اس مال موجود کی زکوٰۃ میں بھرا کر دینا جائز نہیں بخلاف اس کے اگر کسی فقیر کو یہ حکم کیا کہ میرا قرضہ جو دوسرے شخص پر ہے وہ وصول کر لے اور اس میں اس مال کی زکوٰۃ کی نیت کی جو اس کے پاس موجود ہے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ جب فقیر نے اس دین پر قبضہ کر لیا تو وہ عین ہو گیا اور یہ عین کی زکوٰۃ عین سے ادا کرنا ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ دوم اس مال دین کی زکوٰۃ جو غریب وصول ہو جائے مال دین سے ادا کرنا جیسا کہ پہلے بحر الرائق وغیرہ سے بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر فقیر کو بعض مال نصاب جو اس کے ذمہ دین تھا معاف کر دیا اور اس میں باقی کی زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کی تو ادا درست نہیں ہو گا اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ باقی قبضہ کر لینے سے عین ہو گیا تو وہ عین کی زکوٰۃ دین سے ادا کرنے والا ہو جو درست نہیں ہے مثلاً حامد کے ڈیڑھ سو روپے محمود کے ذمہ قرض ہیں حامد نے اس کو پچاس روپے معاف کر دیئے تو ان پچاس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئی لیکن اگر یہ نیت کہ گاہ کہ سو جو باقی رہے ان کی زکوٰۃ بھی اپنی پچاس میں آجائے تو یہ درست نہ ہو گا کیونکہ جب تو اس کے قبضہ میں آئیں گے تو عین ہو جائیں گے اور عین کی زکوٰۃ دین سے درست نہیں ہے اور مال عین (موجود) کی زکوٰۃ کو اس دین سے جو کسی فقیر پر ہے ادا کرنے کی تدبیر ہے کہ اپنے قرضدار محتاج کو اپنی زکوٰۃ مال عین سے ادا کرے پھر اس زکوٰۃ کی رقم کو اپنے قرض کے عوض میں اس سے لے لے اور اگر وہ دیون نہ دے تو ہاتھ بڑھا کر چھین لے کیونکہ اس کو اپنے حق کی جنس پر کامیابی حاصل ہے اور جب قرض خواہ قرضدار کی کوئی چیز اپنے حق کی جنس سے پالے تو زبردستی دیا سکتا ہے اور ہم دینار مسئلہ ظفر میں جنس واحد میں پھر اگر محتاج مزاحمت کرے تو اس کو قاضی کے پاس لیجائے تاکہ وہ اس سے دلائے تو اس صورت میں اس کا اس قدر قرض بھی وصول ہو جائے گا اور مال کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور یہ تدبیر دوسرے حیلوں سے افضل ہے اس لئے کہ یہ طریقہ قرضدار کو قرض سے بری کر دینے کا ذریعہ ہے بلکہ اور اس خوف سے کہ وہ فقیر اس کو نہیں دے گا بچنے کا حیلہ اشتباہ میں یہ راجح ہے کہ قرضدار زکوٰۃ وصول کرنے اور پھر اس کی طرف سے قرضہ ادا کرنے کے لئے قرض خواہ کے خادم کو وکیل بنا دے پس جب وہ وکیل زکوٰۃ پر قبضہ کر لے گا تو اس کے مؤکل (یعنی اس فقیر دیون) کی ملک ہو جائے گا اور وہ زکوٰۃ دینے والا اس مال کو اس مؤکل (فقیر دیون) کی غیر موجودگی میں وکیل کے سپرد کرے تاکہ وہ مؤکل اس وکیل کو مال زکوٰۃ قبضہ کر لینے کے بعد قرضہ میں دینے سے پہلے اپنا قرض ادا کرنے کی وکالت سے نہ ہٹا دے، اور اگر اس قرض خواہ کا اس قرضہ میں کوئی شریک ہو اور اس کو ڈر ہے کہ وہ اس فقیر کی مقبوضہ رقم

لے لے۔ یہ غیۃ الاوطار۔ صفحہ مددش۔



میں اس کو شریک نہ بنالے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ قرض خواہ دین کو صدقہ کر دے اور قرضدار اس مقبوضہ رقم کو دان کے لئے ہبہ کر دے۔ پس اب اس میں وہ سا جھی قرض خواہ شریک نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) اور اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ اگر میں اس گھر میں داخل ہوا تو اللہ کے واسطے اپنے ذمہ یہ واجب کرتا ہوں کہ یہ سو درہم صدقہ دیں گا۔ پھر وہ اس مکان میں داخل ہوا اور داخل ہوتے وقت یہ نیت کی کہ وہ سو درہم زکوٰۃ میں دیتا ہوں تو وہ زکوٰۃ سے ادا نہ ہوں گے بلکہ

(۱۲) اگر کسی کے پاس امانت رکھی تھی اور وہ ایمین کے پاس منانے ہو گئی اور اس کا مالک فقیر تھا۔ پس اُس ایمین نے اس جھگڑے کو دور کرنے کے لئے اس امانت کی قیمت اس کے مالک کو دیدی اور اس میں زکوٰۃ کی نیت کر لی تو زکوٰۃ داہنیں ہو گئی۔

(۱۳) زکوٰۃ کو اعلان و اظہار سے دینا افضل ہے بخلاف نفلی صدقہ کے جس پر جب کوئی شخص زکوٰۃ دینے کا ارادہ کرے تو فقہانے کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ اعلان و اظہار سے دے اور صدقہ نقل میں افضل یہ ہے کہ پوشیدہ (چھپا کر) دے۔  
(۱۴) اگر کسی شخص نے پانچ درہم فقیر کو دیئے اور اس میں زکوٰۃ اور نفلی صدقہ دونوں کی اٹھاسی نیت کی تو امام ابو یوسف کے نزدیک زکوٰۃ سے واقع ہوں گے اور امام محمد کے نزدیک نفلی صدقہ سے ہوں گے۔

(۱۴) اگر کسی شخص نے پانچ درہم فقیر کو دیئے اور اس میں زکوٰۃ اور نفلی صدقہ دونوں کی اسکی نیت کی تو امام ابو یوسف کے نزدیک زکوٰۃ سے واقع ہوں گے اور امام محمد کے نزدیک نفلی صدقہ سے ہوں گے یہ

(۱۵) اور اصح قول کے بموجب زکوٰۃ لینے والے کو اس بات کا علم ہونا کہ یہ زکوٰۃ ہے شرط نہیں ہے (بلکہ صرف دینے والے کی نیت ہونا کافی ہے۔ مؤلف) پس اگر کسی شخص نے کسی مسکین کو کچھ درہم بہہ یا قرض کے نام سے دیے اور ان میں زکوٰۃ کی نیت کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور یہی اصرح ہے۔ شہادہ اگر زکوٰۃ کی رقم اپنے رشتے داروں کے بچوں کو (یعنی سمجھدار بچوں کو) عید وغیرہ کی تقریب سے دی یا خوشخبری لانے والے یا نیا پھل ہدیہ لانے والے کو دی تو جائز ہے مگر جبکہ معاوضہ کی تصریح کر دی تو زکوٰۃ سے درست نہیں ہوگا اور اگر استاد نے اپنے نائب کو زکوٰۃ دی تو اگر وہ اس طرح کام کرتا ہو کہ اگر وہ رقم اس کو نہ دی جائے تب بھی وہ کام کرے تو درست ہے ورنہ نہیں۔ اس لئے کہ دیا ہوا بمنزلہ عوض کے ہو جانا ہے اور نیا پھل ہدیہ لانے والا بھی اسی طرح ہے پس اس میں بھی نیت کا اعتبار ہونا چاہئے یعنی عوض کی نیت نہیں ہونی چاہئے۔ بعض محتاج ضرورت مند زکوٰۃ کا رومیہ نہیں لینا چاہتے انھیں زکوٰۃ کہہ کر دیا جائیگا تو نہیں لیں گے لہذا زکوٰۃ کا نہ کہے بچوں کی مٹھائی یا عیدی یا ہدیہ وغیرہ کہہ کر دیدے۔ یہ مسئلہ مصارف زکوٰۃ کے بیان میں زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ کے عنوان میں ۹ کے تحت قدرے مزید تفصیل سے درج ہے۔ مؤلف)

۱۶) اور زکوٰۃ کا اپنے مالی عین (حاضر مال) سے ادا کرنا بھی شرط نہیں ہے۔ پس اگر کسی دوسرے آدمی کو کہہ دیا کہ وہ اس کی زکوٰۃ ادا کر دے تو اس کے ادا کرنے سے ادا ہو جائے گی لیکن اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی زکوٰۃ اس کے حکم کے بغیر ادا کر دی پھر اس کو اطلاع مل گئی اور اس نے اس کو جائز قرار دے دیا یعنی تسلیم کر لیا تو یہ رقم زکوٰۃ میں ادا نہیں ہوگی۔

(۱۷) کسی شخص کے ذمہ زکوٰۃ بھی ہے اور دین بھی اور اس کے پاس صرف اتنا مال ہے کہ ان دونوں میں سے







ایک بکری زکوٰۃ میں دیدی اور اس حال میں سال پورا ہوا کہ اب اس کے پاس انتالیس بکریاں ہیں پس اگر وہ فقیر کو دی تھی تو وہ نفلی صدقہ ہوگی زکوٰۃ نہیں ہوگی اور اگر وہ اس وقت تک ساعی (صدقہ وصول کرنے والے) کے قبضہ میں موجود ہو تو اس کا زکوٰۃ میں طاقع ہونا صحیح اور مختار ہے۔ اور اگر سال گزرنے کے بعد فقیر کو دی اور اس کی ادائیگی کی وجہ سے اب نصاب ناقص ہو گیا تو جائز ہے کیونکہ اب زکوٰۃ اس پر واجب ہو چکی ہے۔ سو ہم یہ کہ اس دہیاں میں اصل نصاب فوت نہ ہو جائے یہ یعنی نصاب درمیان سال میں منقطع نہ ہو جائے یہ پس اگر نصاب تکمیل کے وقت کامل ہو پھر تمام مال ہلاک ہو گیا تو جو کچھ اس نے تعبلاً دیا ہے وہ نفلی صدقہ ہو گیا زکوٰۃ نہ ہوگی۔ شہ یعنی اگر کسی نے وقت سے پہلے زکوٰۃ دی اور وہ صاحب نصاب ہے پھر وہ تمام مال نصاب ہلاک ہو گیا پھر کچھ اور مال حاصل ہوا اور سال نصاب پر پورا ہوا تو وہ تعبلاً دیا ہو جائز نہیں ہے بخلاف اس صورت کے کہ کچھ مال اس کے قبضہ میں باقی رہا ہو یعنی کل مال ہلاک نہ ہوا ہو بلکہ بعض حصہ ہلاک ہوا ہو مثلاً اگر کسی نے دو سو درہم میں سے پانچ درہم پیشگی زکوٰۃ میں دیدیئے پھر سب ہلاک ہو گئے مگر ایک درہم باقی رہ گیا پھر اس کو اور مال حاصل ہو گیا اور دو سو درہم پر سال پورا ہوا تو وہ پیشگی دیا ہوا زکوٰۃ میں جائز ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر تمام رقم ہلاک ہو گئی کچھ بھی باقی نہ رہا پھر اور مال حاصل ہوا اور سال کے ختم پر نصاب کامل ہو گیا تو پیشگی دیا ہوا زکوٰۃ میں جائز نہیں ہوگا۔

(۳) ایک سال سے زیادہ کی زکوٰۃ پیشگی دیدینا جائز ہے بوجہ سبب موجود ہونے کے مثلاً اور وہ سبب نصاب نامی کا مالک ہونا ہے پس ایک یا زیادہ یعنی چند برس کی زکوٰۃ پیشگی دیدینا جائز ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس تین سو درہم ہیں اور اس نے ان میں سے دو سو درہم کی زکوٰۃ بیس سال کے لئے سو درہم دیدیئے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس چار سو درہم ہیں اور اس کو یہ گمان ہوا کہ اس کے پاس پانچ سو درہم ہیں اور اس نے پانچ سو درہم کی زکوٰۃ ادا کی اس کے بعد معلوم ہوا تو اس کو جائز ہے کہ اس زیادتی کو دوسرے سال کی زکوٰۃ میں محسوب کرے اس لئے کہ اس کو یہ زیادتی پیشگی زکوٰۃ میں لگانا ممکن ہے۔ پس فقہا کا یہ کہنا کہ جس نصاب کی پیشگی زکوٰۃ دی ہے اس کو اسی سال میں اس نصاب کا مالک ہو جانا شرط ہے تو اس شرط سے یہ بات مستثنیٰ ہے کہ غلطی سے کسی مال کی پیشگی زکوٰۃ یہ گمان کرتے ہوئے دیدیئے کہ وہ مال اس کی ملک میں ہے۔

(۴) جس طرح ایک نصاب کا مالک ہونے کے بعد وقت سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے اسی طرح بہت سے نصابوں میں بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ پہلا نصاب ہی وجوب زکوٰۃ کا سبب ہونے میں اصل ہے اور اس سے زائد یعنی دوسرا نصاب اس کا تابع ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی کے پاس تین سو درہم ہیں اس نے ان میں سے سو درہم دو سو درہم موجودہ نصاب اور انیس غیر موجود نصابوں کی زکوٰۃ میں جو اس کو اسی سال میں حاصل ہوں گے دیکھے پھر وہ انیس دیگر نصاب اسی سال میں اس کو حاصل ہو گئے تو یہ زکوٰۃ صحیح ہو گئی اور اگر وہ غیر موجود نصاب اسی سال میں

الله ش دبحر الله بحر الله ع الله بحر ش الله ع الله بحر كد ش زيادة الله ع الله بحر ش تصرف الله ش  
الله بحر ش و ع الله بحر الله ع الله بحر ش



موجود نہیں ہوئے بلکہ آئندہ سال میں حاصل ہوئے تو ان کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ضروری ہے اور وہ سو درہم پیشگی زکوٰۃ  
موجودہ نصاب یعنی دو سو درہم کی پس برس کے لئے ہو جائے گی جیسا کہ پہلے (۲۳) میں مثال بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح  
اگر کسی کے پاس پانچ حاملہ اونٹنیاں ہیں پس اس نے دو بکریاں پیشگی زکوٰۃ میں دیدیں یعنی ایک بکری ان پانچ اونٹنیوں  
کی ادائیگ بکری ان کے پانچ بچوں کی جوانی کے پیٹ میں ہیں۔ پس ان پانچوں اونٹنیوں نے سال پورا ہونے  
سے پہلے پانچ بچے جنہے تو یہ پیشگی زکوٰۃ ان کی طرف سے کافی دجائز ہے اور اگر وہ اونٹنیاں آئندہ سال حاملہ ہوں گی  
اور ان کے آئندہ سال پیدا ہونے والے بچوں کی پیشگی زکوٰۃ دیدی تو یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ آئندہ سال حاملہ ہوں  
والی اونٹنیوں میں تعمیل جائز نہیں ہے اور پیشگی ادا کرنا تعمیل والے سال میں نہیں پایا گیا پس وہ آئندہ سال میں پھر  
والوں کی تعمیل کی نیت سے جائز نہیں ہے اور جائز نہ ہونے کی نفی سے مطلقاً نفی مراد نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس  
مال کی جو اس کی ملک میں موجود ہے دوسرے سال کی زکوٰۃ میں واقع ہو جائے گا اور وہ چند سال کی پیشگی زکوٰۃ  
کہلائے گی اس لئے کہ ایک ہی جنس میں تعین لغو ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص نے دو ہزار درہم کی زکوٰۃ پیشگی  
دیدى اور اس کے پاس ایک ہزار درہم موجود ہیں اور اس نے یوں کہا کہ اگر مجھ کو یہ سال پورا ہونے سے پہلے اور  
ایک ہزار درہم مل گئے تو یہ پیشگی زکوٰۃ ان دو ہزار درہم کی ہے ورنہ اسی ایک ہزار درہم کی زکوٰۃ دوسرے سال  
کی پیشگی ہے تو یہ جائز ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی کے پاس ایک ہزار سفید درہم اور ایک ہزار سیاہ درہم ہیں پس اس نے  
پچیس درہم سفید درہم کی پیشگی زکوٰۃ میں دیئے پھر سفید درہم سال پورا ہونے سے پہلے ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد  
سال پورا ہوا تو اس پر سیاہ درہم کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے یعنی جو زکوٰۃ سفید درہم کی پیشگی دی تھی وہ سیاہ درہم  
کی واقع ہو جائے گی اور اگر شکل اس کے برعکس ہو تب حکم بھی اسی طرح برعکس ہو گا اور اسی طرح اگر کسی نے  
دیناروں کی پیشگی زکوٰۃ دی اور اس کے پاس درہم بھی ہیں پھر دینار ہلاک ہو گئے تو پیشگی دی ہوئی زکوٰۃ درہم سے  
قیمت کا اعتبار کر کے ادا ہو جائے گی اور اسی طرح اس کے برعکس میں ادا ہو جائے گی یہ

اور اسی طرح اگر کسی کے پاس دو نصاب ہیں ایک سونے کا اور دوسرا چاندی کا اور ان میں سے ایک کی زکوٰۃ  
وقت سے پہلے دیدی تو وہ دونوں سے ادا ہو جائے گی اس لئے کہ جنس کے ایک ہونے کے سبب سے تعین کا اعتبار  
نہیں ہے اور جنس کے ایک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے حساب میں دونوں کو ملا لیا جاتا ہے اور اگر ان دونوں  
نصابوں میں سے ایک نصاب ہلاک ہو گیا تو اس صورت میں دوسرا نصاب متعین ہو جائے گا اور وہ اُسی کی زکوٰۃ ہوگی  
اور اسی طرح اگر کسی کے پاس دو سو درہم ہیں اور اس نے ہزار درہم کی زکوٰۃ پیشگی دیدی اس کے بعد کچھ اور  
مال مل گیا یا نفع ہوا اور ہزار پورے ہو گئے پھر سال پورا ہوا تو اس کے پاس ہزار درہم پورے تھے تو یہ پیشگی زکوٰۃ دینا  
جائز ہو گئے اور اس کے ذمہ سے ہزار درہم کی زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اگر اس سال میں کچھ اور حاصل نہ ہوا اور پھر سال پورا  
ہونے کے بعد اور مال ملا تو جو پیشگی دے چکا ہے وہ اس کی زکوٰۃ نہ ہوگی۔ پس جب نیا مال ملنے کے وقت سے

لے جو وہ بھرت۔ لے ۴۔ لے بحر۔ لے ۵۔



سال تمام ہو جائے اس کی زکوۃ دینا واجب ہوگا۔ یہ کسی نصابوں کی پیشگی زکوۃ ادا کرنے کے لئے جنس واحد ہونے کی قید کی اس لئے اگر کوئی شخص مختلف جنس کے حیوانوں کے بہت سے نصابوں کا مالک ہو اور ان میں سے بعض کی زکوۃ اس نے وقت سے پہلے دیدی پھر جس کی زکوۃ دی تھی وہ مال ہلاک ہو گیا تو اور جو نصاب باقی ہیں وہ زکوۃ ان کی طرف سے ادا نہیں ہوگی۔ مثلاً اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ اور چالیس بکریاں ہیں پس اس نے ان دونوں کے نصابوں میں سے ایک کی زکوۃ میں ایک بکری دیدی پھر وہ نصاب ہلاک ہو گیا تو یہ بکری دوسرے نصاب کی زکوۃ سے ادا نہیں ہوگی اور اگر دونوں نصابوں میں سے ایک نصاب عین (موجود) ہو اسد سدا دین (قرض) ہو اور اس نے مال عین کی زکوۃ دیدی پھر وہ مال سال پورا ہونے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو یہ زکوۃ مال دین سے ادا ہو جائے گی اور اگر سال گزرنے کے بعد ہلاک ہو تو اسی نصاب سے واقع ہوگی جس سے دی گئی ہے اور دنیا و دھرم (اشرفیاں روپے) اور سامان تجارت جنس واحد میں دہل ضم کی وجہ سے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(۵) اسی طرح زراعت کے عشر میں بھی تعجیل یعنی اگنے کے بعد غلہ حاصل ہونے سے پہلے ادا کرنا جائز ہے یا ٹر پھل کے عشر میں پھل نکلنے کے بعد سے بڑا ہونے سے پہلے تک تعجیل جائز ہے اس لئے کہ یہ تعجیل بھی سبب موجود ہونے کے بعد ہے۔ زراعت اور پھل کا حاصل ہونا ہی ادا کے عشر کا وقت ہے اور کاشت کرنے کے بعد اگنے سے پہلے یا درخت لگانے کے بعد پھل نکلنے سے پہلے عشر کی تعجیل یعنی پیشگی عشر ادا کر دینے میں اختلاف ہے پس امام محمد کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اور یہی اظہر ہے کیونکہ یہ ظاہر الروایت ہے کاشت کرنے یا پودے لگانے سے پہلے بالاتفاق تعجیل جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ وجود سبب سے پہلے ہے جیسا کہ اگر مال کے نصاب کا مالک ہونے سے پہلے زکوۃ پیشگی دیدی تو جائز نہیں ہے۔

(۶) اگر وقت سے پہلے کسی فقیر کو زکوۃ دیدی اور سال پورا ہونے سے پہلے وہ فقیر مالدار ہو گیا یا مر گیا ہو گیا تو جو کچھ اس کو زکوۃ دی ہے جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ زکوۃ ادا کرنے کے وقت اس کا مصرف تھا پس اس کو دینا صحیح ہو گیا اور ان عارضات کی وجہ سے اس کا مصرف ہونا ختم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ فقیر کو دینے کے وقت مصرف کے صحیح ہونے کا اعتبار ہے۔

(۷) ہمارے اصحاب نے کہا کہ جس شخص پر زکوۃ ہے جب وہ مر جائے تو زکوۃ اس کی موت سے ساقط ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کے ترکہ سے نہیں لی جائے گی لیکن اگر اس نے وصیت کی ہو تو تہائی ترکہ میں سے ادا کی جائیگی اور اگر اس کے صب وارث اجازت دیدیں تو کل ترکہ میں سے ادا کی جائے گی۔

(۸) اگر کسی شخص نے اپنے مال کی زکوۃ نہیں دی تھی یہاں تک کہ وہ بیمار ہو گیا تو اب وارثوں سے پوشیدہ زکوۃ دے اور اگر اس کے پاس کچھ مال نہیں ہے اور زکوۃ دینے کے لئے قرض لینے کا ارادہ کرے تو اگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ مرض لیکر زکوۃ ادا کر دے گا اور پھر اس قرض کے ادا کرنے میں کوشش کرے گا تو ادا کرے گا۔ تو اس کے لئے

لے بکرہ ع۔ لے بکرہ ع۔ لے بکرہ ع۔ لے بکرہ ع۔ لے بکرہ ع۔ لے بکرہ ع۔ لے بکرہ ع۔ لے بکرہ ع۔ لے بکرہ ع۔ لے بکرہ ع۔







بار برداری یا سواری یا گوشت کے لئے چرایا ہے تو ان میں ہرگز زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر تجارت کے لئے ہے تو ان میں تجارت کے مال کی زکوٰۃ ہے یا ان کو دودھ اور نسل بڑھانے کے لئے چرایا ہے تو ان میں جانوروں کی زکوٰۃ ہے جس کا اس باب میں تفصیلی بیان ہے۔ اور خصوصاً عرصہ گھر پر گھاس کھلانے سے سائہ ہی رہتے ہیں اور اس سے بچنا ممکن بھی نہیں ہے۔ پس اگر سال کے بعض حصے میں جنگل میں چرایا اور کچھ حصہ میں اپنے پاس سے چارہ کھلایا تو اگر نصف سے زیادہ سال چرایا ہے تو چرنے والوں کا حکم ہوگا ورنہ نہیں۔ پندرہ سال کے اکثر حصہ کی قید سے معلوم ہو گیا کہ اگر ان کو نصف سال اپنے پاس سے چارہ کھلایا ہے تو وہ سائہ نہیں ہوں گے پس ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ سبب میں رہتی چرائی کا ہونے میں شک واقع ہو گیا۔ اور اگر ان کو تجارت کے لئے خریدا پھر ان کو سائہ بنا دیا یعنی سائہ کی نیت سے جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑ دیا تو جس وقت اس نیت سے ان کو چرنے کے لئے چھوڑا ہے اس وقت سے سال کا اعتبار ہوگا۔ لے لے کہ تجارت کی زکوٰۃ کا سال ان کو سائہ بنا دینے سے باطل ہو جاتا ہے کیونکہ سائہ کی زکوٰۃ اور تجارت کی زکوٰۃ مقدار اور سبب کے لحاظ سے دو مختلف چیزیں ہیں پس ایک کا سال دوسرے پر بنا نہیں کیا جائے گا۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس تجارت کے مویشی ہیں چند روز کے بعد اس نے ان کو دودھ اور نسل کے لئے چرنے کو چھوڑ دیا تو اب زکوٰۃ کا سال چرائی کے دن سے شروع ہوگا پہلے دن اس سال کے حساب میں نہیں لگیں گے کیونکہ زکوٰۃ مال تجارت کی مقدار چالیسواں حصہ ہے اور سوائم کی زکوٰۃ جائز دینا پڑتا ہے اور دونوں زکوٰۃوں کا سبب بھی مختلف ہے کہ تجارت میں نصاب مالی کا مالک ہونا سبب ہے اور سوائم میں معین تعداد کا مالک ہونا پڑتا ہے۔ اور اگر سوائم کو سال کے اندر یا سال پورا ہونے سے ایک دن یا کچھ دیر پہلے اسی جنس کے عوض یا غیر جنس یا نقد و عوض کے عوض بیچ دیا اور اس کے پاس کوئی اور نصاب نہیں ہے تو وہ اس مال پر نئے سرے سے دوسرا سال شروع کرے۔ لیکن اگر اس کے پاس کوئی اور دوسرا نصاب ہے تو یہ سائہ کی قیمت اس میں ملائی جائے گی اور سب کی اکثر زکوٰۃ نئی رقم پر نیا سال شروع کئے بغیر یعنی اسی پہلے حساب سے سال پیدا ہونے پر دی جائے گی جیسا کہ جوہرہ میں ہے کہ اگر کسی نے مویشی سال پورا ہونے سے پہلے دوسروں یا دوسرے مویشی کے عوض بیچ دیا تو اس کی قیمت بالاجملہ اس کی جنس کی طرف ملائی جائے گی یعنی درہم درہم میں اور مویشی مویشیوں میں ملائے جائیں گے اور اگر مویشی تجارت کے لئے تھے اور ان کو چھ مہینے یا اس سے زیادہ دن چرایا تو وہ سائہ کے حکم میں نہیں ہوں گے لیکن اگر تجارت کی نیت ختم کر کے سائہ کی نیت کر کے چرنے والے بنائے تو چرنے والے ہو جائیں گے جس طرح تجارت کے غلام کو اگر یہ مادہ کر لیا کہ کئی برس تک خدمت کے لئے رکھے پس اس سے خدمت لینے کے زمانے میں بھی وہ مال تجارت ہی ہے لیکن جب یہ نیت کرے کہ اس کو تجارت کے مال سے نکال کر خدمت کے لئے مقرر کرے تو اب تجارتی مال نہ رہے گا اور اگر چرائی کے جانوروں کے مالک نے یہ مادہ کر لیا کہ ان جانوروں سے کام لے گا اور ان کو اپنے پاس سے حاش کھلائے گا لیکن ایسا نہیں کیا اور سال گزر گیا تو ان پر چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ ہوگی۔

لے بحر نہ بحر نہ ع۔ لے بحر نہ بحر نہ ع۔ لے بحر نہ بحر نہ ع۔ لے بحر نہ بحر نہ ع۔ لے بحر نہ بحر نہ ع۔ لے بحر نہ بحر نہ ع۔



وقف کے مویشیوں میں اور ان گھوڑوں میں جو فی سبیل اللہ کر دیئے گئے ہوں بسبب مالک نہ ہونے کے زکوۃ نہیں ہے۔  
 اور فی سبیل اللہ کئے ہوئے وہ ہیں جن کو اس کام کے لئے وقف یا وصیت کے ذریعہ مخصوص کر دیا ہو کہ ان پر سوار ہو کر  
 اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں گے اور یہ تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک گھوڑوں میں  
 بالکل زکوۃ نہیں ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ اور اندہ ہے اور پاؤں کئے ہوئے جانوروں میں زکوۃ نہیں ہے  
 اس لئے کہ وہ سائے نہیں۔ اور اندر سے مویشی میں دو دواہتیں ہیں اور صاحبین کے نزدیک واجب ہے جیسا کہ اگر تندرست  
 جانور میں کوئی اندھا جانور ہو تو اس پر بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے جس جانور میں جنگل میں چرنا  
 متحقق ہو اس میں زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں ہے۔ اور اونٹوں کی زکوۃ میں اونٹنی یعنی مونٹ اونٹ دینا واجب ہے اور مونٹ  
 کے علاوہ جائز نہیں اور اگر مذکر دینا چاہے تو قیمت کے اعتبار سے مونٹ کی قیمت کے برابر کا دینا جائز ہے اور بکریوں اور  
 گایوں کی زکوۃ سے مذکر و مونٹ دونوں لئے جائیں گے اس لئے کہ شاة (بکری) کا لفظ مذکر و مونٹ دونوں کو شامل ہے  
 بخلاف ایل (اونٹ) کے کہ اس میں بنت مخاض اور بنت لبون دینے کے الفاظ حدیث میں آئے ہیں۔  
 (فائدہ) جاننا چاہئے کہ زکوۃ سوائے اونٹ اور گائے اور بکریوں کے کسی اور سائے میں واجب نہیں ہے اور ان  
 تینوں جنسوں کے نصاب کی تفصیل علیحدہ علیحدہ درج ذیل ہے۔ (مؤلف)

## اونٹوں کی زکوۃ کا بیان

اونٹوں کا نصاب پانچ اونٹ ہیں۔ خواہ نہ ہوں یا مادہ اور چھوٹے ہوں یا بڑے لیکن سب چھوٹے نہ ہوں یعنی چھوٹے  
 اونٹوں پر بڑوں کے ساتھ ملا کر زکوۃ واجب ہے۔ پس چھوٹا کچھ تعداد میں شمار کیا جائے گا لیکن زکوۃ میں نہیں لیا جائے گا  
 کم سے کم عمر جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے چرنے والے اونٹوں میں امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے قول کے مطابق  
 یہ ہے کہ دوسرا سال شروع ہو چکا ہو۔ اور برابر ہے کہ وہ اونٹ پالترا اونٹ و اونٹنی سے پیدا ہوئے ہوں یا پالترا و وحشی  
 سے ہوں جبکہ ان کی ماں پالترا ہو۔ اور بختی اور عربی اونٹوں کا حکم بھی برابر ہے اور بختی دو کوہان والے اونٹ کو کہتے ہیں  
 اور یہ وہ اونٹ ہے جو عربی اور عجمی کے ملاپ سے پیدا ہو۔ سخت نصرے اس طرح یہ نسل حاصل کی تھی اس لئے اس کی  
 طرف منسوب ہے۔ اور اندھا اور بیمار اور لنگڑا اونٹ بھی نصاب کی تعداد کے حساب میں آئے گا لیکن زکوۃ میں نہیں لیا  
 جائے گا۔ اور اس اونٹنی کو جو اپنے بچے کو پالتی ہے اور جو کھانے کے واسطے تیار کی جائے اور حاملہ اونٹنی کو اور نر اونٹ  
 کو اور چرنے والوں میں سے عمدہ اونٹوں کو زکوۃ میں نہ لیں گے۔ درمیان کی کو لیں گے۔ تیلہ اور موٹے اور ڈبلے اونٹ بھی اس حکم میں  
 برابر ہیں لیکن فقہانے کہا ہے کہ جب کسی کے پاس پانچ ڈبلے اونٹ ہوں تو ان میں ایک بکری اپنی جیسی واجب ہے۔  
 اور اگر ایسا ہو کہ جس عمر کی اونٹنی زکوۃ میں واجب ہے وہی موجود نہ ہو تو اس سے اعلیٰ دیدے اور واجب کی قیمت سے

لے در۔ لے ش۔ لے ش درع۔ لے ر۔ لے ش۔ لے ع فی سبیل اللہ۔ لے در۔ لے ش۔ لے ع۔ لے بکر۔ لے بکر۔ لے بکر۔  
 لے ش۔ لے ع۔ لے بکر۔ لے بکر۔ لے بکر۔ لے بکر۔ لے بکر۔ لے بکر۔ لے بکر۔ لے بکر۔



جس قدر زیادتی ہو واپس لے لے یا اس سے کم مرتبہ کی دے اور واجب قیمت سے جتنی کم ہو وہ بھی ادا کرے اور چارے فقہانے کسی چیز سے اس کا اندازہ مقرر نہیں کیا اس لئے کہ یہ مختلف وقتوں میں ہنگام اور سستا ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے لہذا اس کی قیمت دے لیکن پہلی صورت میں جو شخص صدقہ وصول کرنے کے لئے مقرر ہے اس کو اختیار ہے کہ واجب سے زیادہ مرتبہ کی اونٹنی نہ لے بلکہ جس قسم کی اونٹنی واجب ہے اسی قسم کی طلب کرے یا قیمت مانگے اس لئے کہ وہ بیع ہے اور بیع میں جبر نہیں (یعنی اس میں مصدق کا راضی ہونا شرط ہے اور یہی صحیح ہے) اور دوسری صورت میں مصدق کو مجبور کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر مالک نے مصدق و جانور کے درمیان قبضہ کے لئے روک روک کر دی تو مصدق اس پر قابض شمار ہوگا اس لئے کہ وہ بیع نہیں ہے (جو یہ جبر کے منافی ہوتی ہے) بلکہ زکوۃ کو بطور قیمت ادا کرنا ہے۔ لہذا اور پانچ اونٹوں سے کم پر زکوۃ نہیں ہے لہذا اور بچیس سے کم میں ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہوگی۔ لہذا۔ اور بکری ایسی ہونی چاہئے جس کو ایک سال پورا ہو گیا ہو اور دوسرا سال شروع ہوا ہو خواہ تھوڑا ہی زیادہ مثلاً ایک دن ہی اور ہوا ہو خواہ اور وہ مذکر ہو یا مؤنث، جائز ہے لہذا اور جب بچیس اونٹ پورے ہو جائیں تو ان میں ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کو دوسرا سال شروع ہوا ہو سنیتیں تک یہی حکم ہے لہذا اور اس میں مؤنث کی قید ہے اس لئے کہ ابن مخاض وغیرہ مذکر اونٹ کا زکوۃ میں دینا جائز نہیں مگر مؤنث کی قیمت کے ساتھ حساب کر کے دینا جائز ہے اور بچیس سے کم تعداد میں چونکہ بکریاں دی جاتی ہیں تو ان کا مذکر یا مؤنث ہونا جائز ہے جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے اور درمیانہ درجہ کا لیا جانا واجب ہے لہذا پس جب چھتیس پورے ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کو تیسرا سال شروع ہو سنیتا لیس تک یہی حکم ہے لہذا پس جب چھیالیس پورے ہو جائیں تو ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کو چوتھا سال شروع ہوا ہو ساٹھ تک یہی حکم ہے اور جب آٹھ ہو جائیں تو ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کو پانچواں سال شروع ہو پچھتر تک یہی حکم ہے اور جب چھیتر ہو جائیں تو ایسی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی جن کو تیسرا سال شروع ہو، نوے تک یہی حکم ہے اور جب اکیانوے ہو جائیں تو ایسی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی جن کو چوتھا سال شروع ہوا ہو ایک سو بیس تک یہی حکم ہے (اور بنت مخاض عربی میں اس کو کہتے ہیں جس کو ایک سال پورا ہو چکا ہو اور بنت لبون جس کو دو سال پورے ہو چکے ہوں اور حقہ جس کو تین سال پورے ہو چکے ہوں اور جذعہ جس کو چار سال پورے ہو چکے ہوں اور فقہانے انہی چار عمروں پر اتھا کیلئے اسلئے کہ ان کے علاوہ عمر والی اونٹنی ثلاثی و سدیس اور باذل کو زکوۃ میں کوئی دخل نہیں ہے، بخلاف قربانی کے اور فقہانے کہا ہے کہ یہ چاروں عمریں حسن و خوبی اور دودھ اور نسل حاصل کرنے اور قوت کے اعتبار سے اونٹ کی انتہائی عمریں ہیں اور اس سے زیادہ عمر ہونا تنزل و رجوع ہے اور اصل اس بارے میں یہ ہے کہ یہ احکام توفیقی ہیں یعنی شارع علیہ السلام کے فرمان پر موقوف ہیں) پھر از سر نو زکوۃ کا حساب کیا جائے یعنی ایک سو بیس پر جو زیادتی

۱۰ ش۔ ۱۱ ش۔ ۱۲ ش۔ ۱۳ ش۔ ۱۴ ش۔ ۱۵ ش۔ ۱۶ ش۔ ۱۷ ش۔ ۱۸ ش۔ ۱۹ ش۔ ۲۰ ش۔ ۲۱ ش۔ ۲۲ ش۔ ۲۳ ش۔ ۲۴ ش۔ ۲۵ ش۔ ۲۶ ش۔ ۲۷ ش۔ ۲۸ ش۔ ۲۹ ش۔ ۳۰ ش۔ ۳۱ ش۔ ۳۲ ش۔ ۳۳ ش۔ ۳۴ ش۔ ۳۵ ش۔ ۳۶ ش۔ ۳۷ ش۔ ۳۸ ش۔ ۳۹ ش۔ ۴۰ ش۔ ۴۱ ش۔ ۴۲ ش۔ ۴۳ ش۔ ۴۴ ش۔ ۴۵ ش۔ ۴۶ ش۔ ۴۷ ش۔ ۴۸ ش۔ ۴۹ ش۔ ۵۰ ش۔ ۵۱ ش۔ ۵۲ ش۔ ۵۳ ش۔ ۵۴ ش۔ ۵۵ ش۔ ۵۶ ش۔ ۵۷ ش۔ ۵۸ ش۔ ۵۹ ش۔ ۶۰ ش۔ ۶۱ ش۔ ۶۲ ش۔ ۶۳ ش۔ ۶۴ ش۔ ۶۵ ش۔ ۶۶ ش۔ ۶۷ ش۔ ۶۸ ش۔ ۶۹ ش۔ ۷۰ ش۔ ۷۱ ش۔ ۷۲ ش۔ ۷۳ ش۔ ۷۴ ش۔ ۷۵ ش۔ ۷۶ ش۔ ۷۷ ش۔ ۷۸ ش۔ ۷۹ ش۔ ۸۰ ش۔ ۸۱ ش۔ ۸۲ ش۔ ۸۳ ش۔ ۸۴ ش۔ ۸۵ ش۔ ۸۶ ش۔ ۸۷ ش۔ ۸۸ ش۔ ۸۹ ش۔ ۹۰ ش۔ ۹۱ ش۔ ۹۲ ش۔ ۹۳ ش۔ ۹۴ ش۔ ۹۵ ش۔ ۹۶ ش۔ ۹۷ ش۔ ۹۸ ش۔ ۹۹ ش۔ ۱۰۰ ش۔ ۱۰۱ ش۔ ۱۰۲ ش۔ ۱۰۳ ش۔ ۱۰۴ ش۔ ۱۰۵ ش۔ ۱۰۶ ش۔ ۱۰۷ ش۔ ۱۰۸ ش۔ ۱۰۹ ش۔ ۱۱۰ ش۔ ۱۱۱ ش۔ ۱۱۲ ش۔ ۱۱۳ ش۔ ۱۱۴ ش۔ ۱۱۵ ش۔ ۱۱۶ ش۔ ۱۱۷ ش۔ ۱۱۸ ش۔ ۱۱۹ ش۔ ۱۲۰ ش۔ ۱۲۱ ش۔ ۱۲۲ ش۔ ۱۲۳ ش۔ ۱۲۴ ش۔ ۱۲۵ ش۔ ۱۲۶ ش۔ ۱۲۷ ش۔ ۱۲۸ ش۔ ۱۲۹ ش۔ ۱۳۰ ش۔ ۱۳۱ ش۔ ۱۳۲ ش۔ ۱۳۳ ش۔ ۱۳۴ ش۔ ۱۳۵ ش۔ ۱۳۶ ش۔ ۱۳۷ ش۔ ۱۳۸ ش۔ ۱۳۹ ش۔ ۱۴۰ ش۔ ۱۴۱ ش۔ ۱۴۲ ش۔ ۱۴۳ ش۔ ۱۴۴ ش۔ ۱۴۵ ش۔ ۱۴۶ ش۔ ۱۴۷ ش۔ ۱۴۸ ش۔ ۱۴۹ ش۔ ۱۵۰ ش۔ ۱۵۱ ش۔ ۱۵۲ ش۔ ۱۵۳ ش۔ ۱۵۴ ش۔ ۱۵۵ ش۔ ۱۵۶ ش۔ ۱۵۷ ش۔ ۱۵۸ ش۔ ۱۵۹ ش۔ ۱۶۰ ش۔ ۱۶۱ ش۔ ۱۶۲ ش۔ ۱۶۳ ش۔ ۱۶۴ ش۔ ۱۶۵ ش۔ ۱۶۶ ش۔ ۱۶۷ ش۔ ۱۶۸ ش۔ ۱۶۹ ش۔ ۱۷۰ ش۔ ۱۷۱ ش۔ ۱۷۲ ش۔ ۱۷۳ ش۔ ۱۷۴ ش۔ ۱۷۵ ش۔ ۱۷۶ ش۔ ۱۷۷ ش۔ ۱۷۸ ش۔ ۱۷۹ ش۔ ۱۸۰ ش۔ ۱۸۱ ش۔ ۱۸۲ ش۔ ۱۸۳ ش۔ ۱۸۴ ش۔ ۱۸۵ ش۔ ۱۸۶ ش۔ ۱۸۷ ش۔ ۱۸۸ ش۔ ۱۸۹ ش۔ ۱۹۰ ش۔ ۱۹۱ ش۔ ۱۹۲ ش۔ ۱۹۳ ش۔ ۱۹۴ ش۔ ۱۹۵ ش۔ ۱۹۶ ش۔ ۱۹۷ ش۔ ۱۹۸ ش۔ ۱۹۹ ش۔ ۲۰۰ ش۔ ۲۰۱ ش۔ ۲۰۲ ش۔ ۲۰۳ ش۔ ۲۰۴ ش۔ ۲۰۵ ش۔ ۲۰۶ ش۔ ۲۰۷ ش۔ ۲۰۸ ش۔ ۲۰۹ ش۔ ۲۱۰ ش۔ ۲۱۱ ش۔ ۲۱۲ ش۔ ۲۱۳ ش۔ ۲۱۴ ش۔ ۲۱۵ ش۔ ۲۱۶ ش۔ ۲۱۷ ش۔ ۲۱۸ ش۔ ۲۱۹ ش۔ ۲۲۰ ش۔ ۲۲۱ ش۔ ۲۲۲ ش۔ ۲۲۳ ش۔ ۲۲۴ ش۔ ۲۲۵ ش۔ ۲۲۶ ش۔ ۲۲۷ ش۔ ۲۲۸ ش۔ ۲۲۹ ش۔ ۲۳۰ ش۔ ۲۳۱ ش۔ ۲۳۲ ش۔ ۲۳۳ ش۔ ۲۳۴ ش۔ ۲۳۵ ش۔ ۲۳۶ ش۔ ۲۳۷ ش۔ ۲۳۸ ش۔ ۲۳۹ ش۔ ۲۴۰ ش۔ ۲۴۱ ش۔ ۲۴۲ ش۔ ۲۴۳ ش۔ ۲۴۴ ش۔ ۲۴۵ ش۔ ۲۴۶ ش۔ ۲۴۷ ش۔ ۲۴۸ ش۔ ۲۴۹ ش۔ ۲۵۰ ش۔ ۲۵۱ ش۔ ۲۵۲ ش۔ ۲۵۳ ش۔ ۲۵۴ ش۔ ۲۵۵ ش۔ ۲۵۶ ش۔ ۲۵۷ ش۔ ۲۵۸ ش۔ ۲۵۹ ش۔ ۲۶۰ ش۔ ۲۶۱ ش۔ ۲۶۲ ش۔ ۲۶۳ ش۔ ۲۶۴ ش۔ ۲۶۵ ش۔ ۲۶۶ ش۔ ۲۶۷ ش۔ ۲۶۸ ش۔ ۲۶۹ ش۔ ۲۷۰ ش۔ ۲۷۱ ش۔ ۲۷۲ ش۔ ۲۷۳ ش۔ ۲۷۴ ش۔ ۲۷۵ ش۔ ۲۷۶ ش۔ ۲۷۷ ش۔ ۲۷۸ ش۔ ۲۷۹ ش۔ ۲۸۰ ش۔ ۲۸۱ ش۔ ۲۸۲ ش۔ ۲۸۳ ش۔ ۲۸۴ ش۔ ۲۸۵ ش۔ ۲۸۶ ش۔ ۲۸۷ ش۔ ۲۸۸ ش۔ ۲۸۹ ش۔ ۲۹۰ ش۔ ۲۹۱ ش۔ ۲۹۲ ش۔ ۲۹۳ ش۔ ۲۹۴ ش۔ ۲۹۵ ش۔ ۲۹۶ ش۔ ۲۹۷ ش۔ ۲۹۸ ش۔ ۲۹۹ ش۔ ۳۰۰ ش۔ ۳۰۱ ش۔ ۳۰۲ ش۔ ۳۰۳ ش۔ ۳۰۴ ش۔ ۳۰۵ ش۔ ۳۰۶ ش۔ ۳۰۷ ش۔ ۳۰۸ ش۔ ۳۰۹ ش۔ ۳۱۰ ش۔ ۳۱۱ ش۔ ۳۱۲ ش۔ ۳۱۳ ش۔ ۳۱۴ ش۔ ۳۱۵ ش۔ ۳۱۶ ش۔ ۳۱۷ ش۔ ۳۱۸ ش۔ ۳۱۹ ش۔ ۳۲۰ ش۔ ۳۲۱ ش۔ ۳۲۲ ش۔ ۳۲۳ ش۔ ۳۲۴ ش۔ ۳۲۵ ش۔ ۳۲۶ ش۔ ۳۲۷ ش۔ ۳۲۸ ش۔ ۳۲۹ ش۔ ۳۳۰ ش۔ ۳۳۱ ش۔ ۳۳۲ ش۔ ۳۳۳ ش۔ ۳۳۴ ش۔ ۳۳۵ ش۔ ۳۳۶ ش۔ ۳۳۷ ش۔ ۳۳۸ ش۔ ۳۳۹ ش۔ ۳۴۰ ش۔ ۳۴۱ ش۔ ۳۴۲ ش۔ ۳۴۳ ش۔ ۳۴۴ ش۔ ۳۴۵ ش۔ ۳۴۶ ش۔ ۳۴۷ ش۔ ۳۴۸ ش۔ ۳۴۹ ش۔ ۳۵۰ ش۔ ۳۵۱ ش۔ ۳۵۲ ش۔ ۳۵۳ ش۔ ۳۵۴ ش۔ ۳۵۵ ش۔ ۳۵۶ ش۔ ۳۵۷ ش۔ ۳۵۸ ش۔ ۳۵۹ ش۔ ۳۶۰ ش۔ ۳۶۱ ش۔ ۳۶۲ ش۔ ۳۶۳ ش۔ ۳۶۴ ش۔ ۳۶۵ ش۔ ۳۶۶ ش۔ ۳۶۷ ش۔ ۳۶۸ ش۔ ۳۶۹ ش۔ ۳۷۰ ش۔ ۳۷۱ ش۔ ۳۷۲ ش۔ ۳۷۳ ش۔ ۳۷۴ ش۔ ۳۷۵ ش۔ ۳۷۶ ش۔ ۳۷۷ ش۔ ۳۷۸ ش۔ ۳۷۹ ش۔ ۳۸۰ ش۔ ۳۸۱ ش۔ ۳۸۲ ش۔ ۳۸۳ ش۔ ۳۸۴ ش۔ ۳۸۵ ش۔ ۳۸۶ ش۔ ۳۸۷ ش۔ ۳۸۸ ش۔ ۳۸۹ ش۔ ۳۹۰ ش۔ ۳۹۱ ش۔ ۳۹۲ ش۔ ۳۹۳ ش۔ ۳۹۴ ش۔ ۳۹۵ ش۔ ۳۹۶ ش۔ ۳۹۷ ش۔ ۳۹۸ ش۔ ۳۹۹ ش۔ ۴۰۰ ش۔ ۴۰۱ ش۔ ۴۰۲ ش۔ ۴۰۳ ش۔ ۴۰۴ ش۔ ۴۰۵ ش۔ ۴۰۶ ش۔ ۴۰۷ ش۔ ۴۰۸ ش۔ ۴۰۹ ش۔ ۴۱۰ ش۔ ۴۱۱ ش۔ ۴۱۲ ش۔ ۴۱۳ ش۔ ۴۱۴ ش۔ ۴۱۵ ش۔ ۴۱۶ ش۔ ۴۱۷ ش۔ ۴۱۸ ش۔ ۴۱۹ ش۔ ۴۲۰ ش۔ ۴۲۱ ش۔ ۴۲۲ ش۔ ۴۲۳ ش۔ ۴۲۴ ش۔ ۴۲۵ ش۔ ۴۲۶ ش۔ ۴۲۷ ش۔ ۴۲۸ ش۔ ۴۲۹ ش۔ ۴۳۰ ش۔ ۴۳۱ ش۔ ۴۳۲ ش۔ ۴۳۳ ش۔ ۴۳۴ ش۔ ۴۳۵ ش۔ ۴۳۶ ش۔ ۴۳۷ ش۔ ۴۳۸ ش۔ ۴۳۹ ش۔ ۴۴۰ ش۔ ۴۴۱ ش۔ ۴۴۲ ش۔ ۴۴۳ ش۔ ۴۴۴ ش۔ ۴۴۵ ش۔ ۴۴۶ ش۔ ۴۴۷ ش۔ ۴۴۸ ش۔ ۴۴۹ ش۔ ۴۵۰ ش۔ ۴۵۱ ش۔ ۴۵۲ ش۔ ۴۵۳ ش۔ ۴۵۴ ش۔ ۴۵۵ ش۔ ۴۵۶ ش۔ ۴۵۷ ش۔ ۴۵۸ ش۔ ۴۵۹ ش۔ ۴۶۰ ش۔ ۴۶۱ ش۔ ۴۶۲ ش۔ ۴۶۳ ش۔ ۴۶۴ ش۔ ۴۶۵ ش۔ ۴۶۶ ش۔ ۴۶۷ ش۔ ۴۶۸ ش۔ ۴۶۹ ش۔ ۴۷۰ ش۔ ۴۷۱ ش۔ ۴۷۲ ش۔ ۴۷۳ ش۔ ۴۷۴ ش۔ ۴۷۵ ش۔ ۴۷۶ ش۔ ۴۷۷ ش۔ ۴۷۸ ش۔ ۴۷۹ ش۔ ۴۸۰ ش۔ ۴۸۱ ش۔ ۴۸۲ ش۔ ۴۸۳ ش۔ ۴۸۴ ش۔ ۴۸۵ ش۔ ۴۸۶ ش۔ ۴۸۷ ش۔ ۴۸۸ ش۔ ۴۸۹ ش۔ ۴۹۰ ش۔ ۴۹۱ ش۔ ۴۹۲ ش۔ ۴۹۳ ش۔ ۴۹۴ ش۔ ۴۹۵ ش۔ ۴۹۶ ش۔ ۴۹۷ ش۔ ۴۹۸ ش۔ ۴۹۹ ش۔ ۵۰۰ ش۔ ۵۰۱ ش۔ ۵۰۲ ش۔ ۵۰۳ ش۔ ۵۰۴ ش۔ ۵۰۵ ش۔ ۵۰۶ ش۔ ۵۰۷ ش۔ ۵۰۸ ش۔ ۵۰۹ ش۔ ۵۱۰ ش۔ ۵۱۱ ش۔ ۵۱۲ ش۔ ۵۱۳ ش۔ ۵۱۴ ش۔ ۵۱۵ ش۔ ۵۱۶ ش۔ ۵۱۷ ش۔ ۵۱۸ ش۔ ۵۱۹ ش۔ ۵۲۰ ش۔ ۵۲۱ ش۔ ۵۲۲ ش۔ ۵۲۳ ش۔ ۵۲۴ ش۔ ۵۲۵ ش۔ ۵۲۶ ش۔ ۵۲۷ ش۔ ۵۲۸ ش۔ ۵۲۹ ش۔ ۵۳۰ ش۔ ۵۳۱ ش۔ ۵۳۲ ش۔ ۵۳۳ ش۔ ۵۳۴ ش۔ ۵۳۵ ش۔ ۵۳۶ ش۔ ۵۳۷ ش۔ ۵۳۸ ش۔ ۵۳۹ ش۔ ۵۴۰ ش۔ ۵۴۱ ش۔ ۵۴۲ ش۔ ۵۴۳ ش۔ ۵۴۴ ش۔ ۵۴۵ ش۔ ۵۴۶ ش۔ ۵۴۷ ش۔ ۵۴۸ ش۔ ۵۴۹ ش۔ ۵۵۰ ش۔ ۵۵۱ ش۔ ۵۵۲ ش۔ ۵۵۳ ش۔ ۵۵۴ ش۔ ۵۵۵ ش۔ ۵۵۶ ش۔ ۵۵۷ ش۔ ۵۵۸ ش۔ ۵۵۹ ش۔ ۵۶۰ ش۔ ۵۶۱ ش۔ ۵۶۲ ش۔ ۵۶۳ ش۔ ۵۶۴ ش۔ ۵۶۵ ش۔ ۵۶۶ ش۔ ۵۶۷ ش۔ ۵۶۸ ش۔ ۵۶۹ ش۔ ۵۷۰ ش۔ ۵۷۱ ش۔ ۵۷۲ ش۔ ۵۷۳ ش۔ ۵۷۴ ش۔ ۵۷۵ ش۔ ۵۷۶ ش۔ ۵۷۷ ش۔ ۵۷۸ ش۔ ۵۷۹ ش۔ ۵۸۰ ش۔ ۵۸۱ ش۔ ۵۸۲ ش۔ ۵۸۳ ش۔ ۵۸۴ ش۔ ۵۸۵ ش۔ ۵۸۶ ش۔ ۵۸۷ ش۔ ۵۸۸ ش۔ ۵۸۹ ش۔ ۵۹۰ ش۔ ۵۹۱ ش۔ ۵۹۲ ش۔ ۵۹۳ ش۔ ۵۹۴ ش۔ ۵۹۵ ش۔ ۵۹۶ ش۔ ۵۹۷ ش۔ ۵۹۸ ش۔ ۵۹۹ ش۔ ۶۰۰ ش۔ ۶۰۱ ش۔ ۶۰۲ ش۔ ۶۰۳ ش۔ ۶۰۴ ش۔ ۶۰۵ ش۔ ۶۰۶ ش۔ ۶۰۷ ش۔ ۶۰۸ ش۔ ۶۰۹ ش۔ ۶۱۰ ش۔ ۶۱۱ ش۔ ۶۱۲ ش۔ ۶۱۳ ش۔ ۶۱۴ ش۔ ۶۱۵ ش۔ ۶۱۶ ش۔ ۶۱۷ ش۔ ۶۱۸ ش۔ ۶۱۹ ش۔ ۶۲۰ ش۔ ۶۲۱ ش۔ ۶۲۲ ش۔ ۶۲۳ ش۔ ۶۲۴ ش۔ ۶۲۵ ش۔ ۶۲۶ ش۔ ۶۲۷ ش۔ ۶۲۸ ش۔ ۶۲۹ ش۔ ۶۳۰ ش۔ ۶۳۱ ش۔ ۶۳۲ ش۔ ۶۳۳ ش۔ ۶۳۴ ش۔ ۶۳۵ ش۔ ۶۳۶ ش۔ ۶۳۷ ش۔ ۶۳۸ ش۔ ۶۳۹ ش۔ ۶۴۰ ش۔ ۶۴۱ ش۔ ۶۴۲ ش۔ ۶۴۳ ش۔ ۶۴۴ ش۔ ۶۴۵ ش۔ ۶۴۶ ش۔ ۶۴۷ ش۔ ۶۴۸ ش۔ ۶۴۹ ش۔ ۶۵۰ ش۔ ۶۵۱ ش۔ ۶۵۲ ش۔ ۶۵۳ ش۔ ۶۵۴ ش۔ ۶۵۵ ش۔ ۶۵۶ ش۔ ۶۵۷ ش۔ ۶۵۸ ش۔ ۶۵۹ ش۔ ۶۶۰ ش۔ ۶۶۱ ش۔ ۶۶۲ ش۔ ۶۶۳ ش۔ ۶۶۴ ش۔ ۶۶۵ ش۔ ۶۶۶ ش۔ ۶۶۷ ش۔ ۶۶۸ ش۔ ۶۶۹ ش۔ ۶۷۰ ش۔ ۶۷۱ ش۔ ۶۷۲ ش۔ ۶۷۳ ش۔ ۶۷۴ ش۔ ۶۷۵ ش۔ ۶۷۶ ش۔ ۶۷۷ ش۔ ۶۷۸ ش۔ ۶۷۹ ش۔ ۶۸۰ ش۔ ۶۸۱ ش۔ ۶۸۲ ش۔ ۶۸۳ ش۔ ۶۸۴ ش۔ ۶۸۵ ش۔ ۶۸۶ ش۔ ۶۸۷ ش۔ ۶۸۸ ش۔ ۶۸۹ ش۔ ۶۹۰ ش۔ ۶۹۱ ش۔ ۶۹۲ ش۔ ۶۹۳ ش۔ ۶۹۴ ش۔ ۶۹۵ ش۔ ۶۹۶ ش۔ ۶۹۷ ش۔ ۶۹۸ ش۔ ۶۹۹ ش۔ ۷۰۰ ش۔ ۷۰۱ ش۔ ۷۰۲ ش۔ ۷۰۳ ش۔ ۷۰۴ ش۔ ۷۰۵ ش۔ ۷۰۶ ش۔ ۷۰۷ ش۔ ۷۰۸ ش۔ ۷۰۹ ش۔ ۷۱۰ ش۔ ۷۱۱ ش۔ ۷۱۲ ش۔ ۷۱۳ ش۔ ۷۱۴ ش۔ ۷۱۵ ش۔ ۷۱۶ ش۔ ۷۱۷ ش۔ ۷۱۸ ش۔ ۷۱۹ ش۔ ۷۲۰ ش۔ ۷۲۱ ش۔ ۷۲۲ ش۔ ۷۲۳ ش۔ ۷۲۴ ش۔ ۷۲۵ ش۔ ۷۲۶ ش۔ ۷۲۷ ش۔ ۷۲۸ ش۔ ۷۲۹ ش۔ ۷۳۰ ش۔ ۷۳۱ ش۔ ۷۳۲ ش۔ ۷۳۳ ش۔ ۷۳۴ ش۔ ۷۳۵ ش۔ ۷۳۶ ش۔ ۷۳۷ ش۔ ۷۳۸ ش۔ ۷۳۹ ش۔ ۷۴۰ ش۔ ۷۴۱ ش۔ ۷۴۲ ش۔ ۷۴۳ ش۔ ۷۴۴ ش۔ ۷۴۵ ش۔ ۷۴۶ ش۔ ۷۴۷ ش۔ ۷۴۸ ش۔ ۷۴۹ ش۔ ۷۵۰ ش۔ ۷۵۱ ش۔ ۷۵۲ ش۔ ۷۵۳ ش۔ ۷۵۴ ش۔ ۷۵۵ ش۔ ۷۵۶ ش۔ ۷۵۷ ش۔ ۷۵۸ ش۔ ۷۵۹ ش۔ ۷۶۰ ش۔ ۷۶۱ ش۔ ۷۶۲ ش۔ ۷۶۳ ش۔ ۷۶۴ ش۔ ۷۶۵ ش۔ ۷۶۶ ش۔ ۷۶۷ ش۔ ۷۶۸ ش۔ ۷۶۹ ش۔ ۷۷۰ ش۔ ۷۷۱ ش۔ ۷۷۲ ش۔ ۷۷۳ ش۔ ۷۷۴ ش۔ ۷۷۵ ش۔ ۷۷۶ ش۔ ۷۷۷ ش۔ ۷۷۸ ش۔ ۷۷۹ ش۔ ۷۸۰ ش۔ ۷۸۱ ش۔ ۷۸۲ ش۔ ۷۸۳ ش۔ ۷۸۴ ش۔ ۷۸۵ ش۔ ۷۸۶ ش۔ ۷۸۷ ش۔ ۷۸۸ ش۔ ۷۸۹ ش۔ ۷۹۰ ش۔ ۷۹۱ ش۔ ۷۹۲ ش۔ ۷۹۳ ش۔ ۷۹۴ ش۔ ۷۹۵ ش۔ ۷۹۶ ش۔ ۷۹۷ ش۔ ۷۹۸ ش۔ ۷۹۹ ش۔ ۸۰۰ ش۔ ۸۰۱ ش۔ ۸۰۲ ش۔ ۸۰۳ ش۔ ۸۰۴ ش۔ ۸۰۵ ش۔ ۸۰۶ ش۔ ۸۰۷ ش۔ ۸۰۸ ش۔ ۸۰۹ ش۔ ۸۱۰ ش۔ ۸۱۱ ش۔ ۸۱۲ ش۔ ۸۱۳ ش۔ ۸۱۴ ش۔ ۸۱۵ ش۔ ۸۱۶ ش۔ ۸۱۷ ش۔ ۸۱۸ ش۔ ۸۱۹ ش۔ ۸۲۰ ش۔ ۸۲۱ ش۔ ۸۲۲ ش۔ ۸۲۳ ش۔ ۸۲۴ ش۔ ۸۲۵ ش۔ ۸۲۶ ش۔ ۸۲۷ ش۔ ۸۲۸ ش۔ ۸۲۹ ش۔ ۸۳۰ ش۔ ۸۳۱ ش۔ ۸۳۲ ش۔ ۸۳۳ ش۔ ۸۳۴ ش۔ ۸۳۵ ش۔ ۸۳۶ ش۔ ۸۳۷ ش۔ ۸۳۸ ش۔ ۸۳۹ ش۔ ۸۴۰ ش۔ ۸۴۱ ش۔ ۸۴۲ ش۔ ۸۴۳ ش۔ ۸۴۴ ش۔ ۸۴۵ ش۔ ۸۴۶ ش۔ ۸۴۷ ش۔ ۸۴۸ ش۔ ۸۴۹ ش۔ ۸۵۰ ش۔ ۸۵۱ ش۔ ۸۵۲ ش۔ ۸۵۳ ش۔ ۸۵۴ ش۔ ۸۵۵ ش۔ ۸۵۶ ش۔ ۸۵۷ ش۔ ۸۵۸ ش۔ ۸۵۹ ش۔ ۸۶۰ ش۔ ۸۶۱ ش۔ ۸۶۲ ش۔ ۸۶۳ ش۔ ۸۶۴ ش۔ ۸۶۵ ش۔ ۸۶۶ ش۔ ۸۶۷ ش۔ ۸۶۸ ش۔ ۸۶۹ ش۔ ۸۷۰ ش۔ ۸۷۱ ش۔ ۸۷۲ ش۔ ۸۷۳ ش۔ ۸۷۴ ش۔ ۸۷۵ ش۔ ۸۷۶ ش۔ ۸۷۷ ش۔ ۸۷۸ ش۔ ۸۷۹ ش۔ ۸۸۰ ش۔ ۸۸۱ ش۔ ۸۸۲ ش۔ ۸۸۳ ش۔ ۸۸۴ ش۔ ۸۸۵ ش۔ ۸۸۶ ش۔ ۸۸۷ ش۔ ۸۸۸ ش۔ ۸۸۹ ش۔ ۸۹۰ ش۔ ۸۹۱ ش۔ ۸۹۲ ش۔ ۸۹۳ ش۔ ۸۹۴ ش۔ ۸۹۵ ش۔ ۸۹۶ ش۔ ۸۹۷ ش۔ ۸۹۸ ش۔ ۸۹۹ ش۔ ۹۰۰ ش۔ ۹۰۱ ش۔ ۹۰۲ ش۔ ۹۰۳ ش۔ ۹۰۴ ش۔ ۹۰۵ ش۔ ۹۰۶ ش۔ ۹۰۷ ش۔ ۹۰۸ ش۔ ۹۰۹ ش۔ ۹۱۰ ش۔ ۹۱۱ ش۔ ۹۱۲ ش۔ ۹۱۳ ش۔ ۹۱۴ ش۔ ۹۱۵ ش۔ ۹۱۶ ش۔ ۹۱۷ ش۔ ۹۱۸ ش۔ ۹۱۹ ش۔ ۹۲۰ ش۔ ۹۲۱ ش۔ ۹۲۲ ش۔ ۹۲۳ ش۔ ۹۲۴ ش۔ ۹۲۵ ش۔ ۹۲۶ ش۔ ۹۲۷ ش۔ ۹۲۸ ش۔ ۹۲۹ ش۔ ۹۳۰ ش۔ ۹۳۱ ش۔ ۹۳۲ ش۔ ۹۳۳ ش۔ ۹۳۴ ش۔ ۹۳۵ ش۔ ۹۳۶ ش۔ ۹۳۷ ش۔ ۹۳۸ ش۔ ۹۳۹ ش۔ ۹۴۰ ش۔ ۹۴۱ ش۔ ۹۴۲ ش۔ ۹۴۳ ش۔ ۹۴۴ ش۔ ۹۴۵ ش۔ ۹۴۶ ش۔ ۹۴۷ ش۔ ۹۴۸ ش۔ ۹۴۹ ش۔ ۹۵۰ ش۔ ۹۵۱ ش۔ ۹۵۲ ش۔ ۹۵۳ ش۔ ۹۵۴ ش۔ ۹۵۵ ش۔ ۹۵۶ ش۔ ۹۵۷ ش۔ ۹۵۸ ش۔ ۹۵۹ ش۔ ۹۶۰ ش۔ ۹۶۱ ش۔ ۹۶۲ ش۔ ۹۶۳ ش۔ ۹۶۴ ش۔ ۹۶۵ ش۔ ۹۶۶ ش۔ ۹۶۷ ش۔ ۹۶۸ ش۔ ۹۶۹ ش۔ ۹۷۰ ش۔ ۹۷۱ ش۔ ۹۷۲ ش۔ ۹۷۳ ش۔ ۹۷۴ ش۔ ۹۷۵ ش۔ ۹۷۶ ش۔ ۹۷۷ ش۔ ۹۷۸ ش۔ ۹۷۹ ش۔ ۹۸۰ ش۔ ۹۸۱ ش۔ ۹۸۲ ش۔ ۹۸۳ ش۔ ۹۸۴ ش۔ ۹۸۵ ش۔ ۹۸۶ ش۔ ۹۸۷ ش۔ ۹۸۸ ش۔ ۹۸۹ ش۔ ۹۹۰ ش۔ ۹۹۱ ش۔ ۹۹۲ ش۔ ۹۹۳ ش۔ ۹۹۴ ش۔ ۹۹۵ ش۔ ۹۹۶ ش۔ ۹۹۷ ش۔ ۹۹۸ ش۔ ۹۹۹ ش۔ ۱۰۰۰ ش۔







## گائے بیل اور بھینس کی زکوۃ کا بیان

اس بیان کو بکری پر مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ ضخامت میں اونٹ کے قریب ہے حتیٰ کہ یہ بدنہ میں شامل ہے۔  
تیس سے کم گائے بیلوں میں زکوۃ نہیں ہے پس جب تیس گائے بیل چرنے والے ہوں تو اس میں ایک گائے کا بچہ زیادہ دے جس کو دوسرا سال شروع ہوئے خواہ وہ گائے یا بیل وحشی بیل اور پالندہ گائے سے پیدا ہوا ہو، بخلاف اس کے اگر وہ پالتو بیل اور وحشی گائے سے پیدا ہوا ہو تو یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس بیل میں ماں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ پھر اس کی زیادتی پر چالیس تک کچھ نہیں اور جب چالیس پورے ہو جائیں تو ایک بیل یا گائے ایسی دے جس کو تیسرا سال شروع ہو اور جب چالیس سے زیادتی ہو جائے تو اس زیادتی میں اسی کے حساب سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہوتا ہے گا ساٹھ تک یہی حکم ہے۔ یعنی چالیس پر جو زیادتی ہوگی تو اس کے حساب سے واجب ہوگا۔ اور یہ زیادتی معاف نہیں ہوگی ساٹھ تک۔ پس اگر ایک زیادہ ہوگا تو اس پر تیسرے سال کی گائے یا بیل کا چالیسواں حصہ واجب ہوگا اور اگر دو زیادہ ہوں تو بیسواں حصہ واجب ہوگا اور اصل کی روایت یہی ہے۔ اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ چالیس سے اور ساٹھ تک کی زیادتی میں کچھ واجب نہیں ہے اور یہی مختار اور ظاہر الروایت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پھر جب ساٹھ ہو جائیں گے تو دو بیل یا دو گائیں دوسرے برس کی واجب ہوں گی (کیونکہ ساٹھ میں تیس تیس کے دو نصاب ہیں، مؤلف) اور ساٹھ کے بعد چالیس چالیس اور تیس تیس کا حساب کیا جائے گا اور ہر چالیس میں ایک گائے یا بیل تیسرے برس کا واجب ہوگا اور ہر تیس میں ایک گائے یا بیل دوسرے سال کا واجب ہوگا پس ہر دس کے بعد واجب بدلتا رہے گا۔ پس ستر میں ایک گائے یا بیل تیسرے سال کا اور ایک دوسرے سال کا اور اسی میں دو گائے یا بیل تیسرے سال کے اور نوے میں تین گائے یا بیل دوسرے سال کے اور سو میں ایک گائے یا بیل تیسرے سال کا اور دو گائے یا بیل دوسرے سال کے واجب ہوں گے۔ اور اگر ایسا حساب ہو کہ تیسرے اور دوسرے سال کے گائے بیل دونوں سے حساب صحیح ہو تو اس کو اختیار ہے کہ دونوں میں چلے جو نسا دیدے۔ یعنی جب تین سال اور دو سال والے گائے یا بیل متداخل ہوں اس طرح پر کہ تعداد اتنی ہو کہ خواہ تیسرے سال والے زکوۃ میں دے یا دوسرے سال والے دے تو ہر طرح حساب صحیح ہو جاتا ہو تو اس کو اختیار ہے کہ جو نسا چاہے دیدے۔ مثلاً ایک سو بیس ہوں تو اس کو اختیار ہے کہ اگر چلے تو تین گائے یا بیل تیسرے سال کے دے اور اگر چاہے تو چار گائے یا بیل دوسرے سال کے دے۔ اور حکم اسی طرح جاری رہے گا پس دو سو چالیس میں آٹھ دوسرے سال کی گائے یا بیل یا چھ تیسرے سال کی گائے یا بیل دے گا۔ اور بھینس اور بھینے کا حکم گائے بیل کی طرح ہے اس لئے کہ وہ بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ پس وہ زکوۃ و قربانی اور سود کے مسائل میں گائے بیل کی مانند ہے اور اس کو ملا کر گائے بیل کا نصاب پورا کیا جائے گا۔ اور اس میں گائے بیل کے حساب سے زکوۃ واجب

سہ ہجروش۔ سہ و غیرہ۔ سہ دروش۔ سہ غ۔ سہ بحر۔ سہ ش۔ سہ ع۔ سہ بحر۔ سہ ش۔ سہ ع۔ سہ دروش۔ سہ ش۔  
سہ ع۔ سہ ش۔ سہ ع۔ سہ دروش۔ سہ غ۔ سہ بحر۔ سہ ش۔ سہ ع۔ سہ بحر۔ سہ ش۔ سہ ع۔ سہ دروش۔ سہ ش۔



ہوگی۔ یعنی جب دونوں ملے جلے ہوں تو نصاب کو پورا کرنے کے لئے دونوں کو ملا لینا واجب ہے (مثلاً میں گائے ہوں اور دس بھینسیں تو دونوں کو ملا کر تیس کا نصاب پورا کر لیں گے) پھر اگر ایک قسم دوسری قسم سے زیادہ ہو تو جو تعداد میں زیادہ ہوں زکوۃ میں وہی جانور لیا جائے گا (جیسا کہ مثال مذکور میں گائے زیادہ ہیں تو گائے لی جائیں گی بکریوں اور اگر زیادہ نہ ہوں یعنی برابر ہوں تو اختیار ہے چاہے جس میں سے ادا کر دے لیکن اعلیٰ میں سے، دینی اور دنی میں سے اعلیٰ لے لیں <sup>۱</sup> اور زکوۃ اس حکم میں برابر ہیں۔ یعنی گائے بیل کی زکوۃ میں اور اسی طرح بکریوں کی زکوۃ میں نمونہ کا دیا جانا ضروری و مقرر نہیں ہے بخلاف اونٹوں کی زکوۃ کے، اس لئے کہ ان دونوں جنسوں کے زکوۃ میں کوئی فضیلت شمار نہیں کی جاتی بخلاف اونٹوں کے <sup>۲</sup> اور گائے بیل کی زکوۃ میں افضل یہ ہے کہ دوسرے سال کا نر یا مادہ دیا جائے اور گائے بیل میں سے کم سے کم عمر جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے قول کے بموجب یہ ہے کہ دوسرا سال شروع ہوا ہو۔ <sup>۳</sup>

## بھیر و بکری کی زکوۃ کا بیان

بھیریں اور بکریاں جو چرنے والی ہوں تو ان میں چالیس سے کم میں زکوۃ نہیں ہے اور جب چالیس چرنے والی ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ایک بکری واجب ہوگی، ایک سو بیس تک یہی حکم ہے اور جب اس پر ایک زیادہ ہو جائے یعنی ایک سو اکیس ہو جائیں تو دو بکریاں واجب ہیں، دو سو تک یہی حکم ہے اور اس پر زیادتی ہو یعنی دو سو ایک ہو جائیں تو تین بکریاں واجب ہیں پھر جب چار سو پوری ہو جائیں تو چار بکریاں واجب ہوں گی۔ پھر ہر سینکڑہ میں ایک بکری ہوگی <sup>۴</sup> جتنی تک بھی بڑھتی جائیں <sup>۵</sup> بلا حرج۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکتوب گرامی میں اسی طرح بیان وارد ہوا ہے اور اسی پر اجماع منعقد ہوا ہے۔ <sup>۶</sup> اور ایک نصاب سے دوسرے اوپر والے نصاب کے درمیان جو تعداد ہے وہ معاف ہے اس زمانہ پر کوئی زکوۃ واجب نہیں ہے۔ پس مثلاً چالیس سے اوپر ایک سو بیس سے نیچے تک جتنی زائد بکریاں ہوں اس میں کچھ نہیں بشرطیکہ مالک ایک ہی ہو اور اگر تین برابر حصہ کے مالک ہیں تو تین بکریاں لی جائیں گی یعنی ہر شخص سے ایک بکری <sup>۷</sup> اور جو چیزیں مجتمع ہوں ان کو زکوۃ میں جدا جدا نہ کریں اور جو جدا جدا ہوں ان کو جمع نہ کریں۔ <sup>۸</sup> پس اگر کسی شخص کے پاس اسی بکریاں ہیں تو ان میں ایک بکری واجب ہوگی اور ان کو جدا جدا کر کے اس طرح حساب نہیں کریں گے کہ اگر وہ دو آدمیوں کے پاس ہوتیں تو دو بکریاں واجب ہوتیں اور اگر دو شخصوں کے پاس اسی بکریاں ہوں تو دو بکریاں واجب ہوں گی اور ان کو جمع کر کے اس طرح حساب نہیں کریں گے کہ اگر وہ ایک شخص کے پاس ہوتیں تو ایک بکری واجب ہوتی <sup>۹</sup> اور اسی طرح اگر کسی شخص کی ایک سو بیس بکریاں ہیں تو ایک ہی بکری واجب ہوگی اور ساعی (صدقہ وصول کرنے والا) کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کو جدا جدا نصاب

۱۔ بحر۔ ۲۔ بحر۔ ۳۔ بحر۔ ۴۔ بحر۔ ۵۔ بحر۔ ۶۔ بحر۔ ۷۔ بحر۔ ۸۔ بحر۔ ۹۔ بحر۔ ۱۰۔ بحر۔ ۱۱۔ بحر۔ ۱۲۔ بحر۔ ۱۳۔ بحر۔ ۱۴۔ بحر۔ ۱۵۔ بحر۔ ۱۶۔ بحر۔ ۱۷۔ بحر۔ ۱۸۔ بحر۔ ۱۹۔ بحر۔ ۲۰۔ بحر۔ ۲۱۔ بحر۔ ۲۲۔ بحر۔ ۲۳۔ بحر۔ ۲۴۔ بحر۔ ۲۵۔ بحر۔ ۲۶۔ بحر۔ ۲۷۔ بحر۔ ۲۸۔ بحر۔ ۲۹۔ بحر۔ ۳۰۔ بحر۔ ۳۱۔ بحر۔ ۳۲۔ بحر۔ ۳۳۔ بحر۔ ۳۴۔ بحر۔ ۳۵۔ بحر۔ ۳۶۔ بحر۔ ۳۷۔ بحر۔ ۳۸۔ بحر۔ ۳۹۔ بحر۔ ۴۰۔ بحر۔ ۴۱۔ بحر۔ ۴۲۔ بحر۔ ۴۳۔ بحر۔ ۴۴۔ بحر۔ ۴۵۔ بحر۔ ۴۶۔ بحر۔ ۴۷۔ بحر۔ ۴۸۔ بحر۔ ۴۹۔ بحر۔ ۵۰۔ بحر۔ ۵۱۔ بحر۔ ۵۲۔ بحر۔ ۵۳۔ بحر۔ ۵۴۔ بحر۔ ۵۵۔ بحر۔ ۵۶۔ بحر۔ ۵۷۔ بحر۔ ۵۸۔ بحر۔ ۵۹۔ بحر۔ ۶۰۔ بحر۔ ۶۱۔ بحر۔ ۶۲۔ بحر۔ ۶۳۔ بحر۔ ۶۴۔ بحر۔ ۶۵۔ بحر۔ ۶۶۔ بحر۔ ۶۷۔ بحر۔ ۶۸۔ بحر۔ ۶۹۔ بحر۔ ۷۰۔ بحر۔ ۷۱۔ بحر۔ ۷۲۔ بحر۔ ۷۳۔ بحر۔ ۷۴۔ بحر۔ ۷۵۔ بحر۔ ۷۶۔ بحر۔ ۷۷۔ بحر۔ ۷۸۔ بحر۔ ۷۹۔ بحر۔ ۸۰۔ بحر۔ ۸۱۔ بحر۔ ۸۲۔ بحر۔ ۸۳۔ بحر۔ ۸۴۔ بحر۔ ۸۵۔ بحر۔ ۸۶۔ بحر۔ ۸۷۔ بحر۔ ۸۸۔ بحر۔ ۸۹۔ بحر۔ ۹۰۔ بحر۔ ۹۱۔ بحر۔ ۹۲۔ بحر۔ ۹۳۔ بحر۔ ۹۴۔ بحر۔ ۹۵۔ بحر۔ ۹۶۔ بحر۔ ۹۷۔ بحر۔ ۹۸۔ بحر۔ ۹۹۔ بحر۔ ۱۰۰۔ بحر۔







## اُن جانوروں کے بیان میں جن میں زکوۃ واجب نہیں

(۱) گھوڑوں پر زکوۃ واجب نہیں ہے اور یہ قول صاحبین کا ہے اور فتویٰ کے لئے یہی مختار ہے۔ لیکن اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہے پس اگر گھوڑے تجارت کے لئے ہوں تو ان کا حکم تجارت کے مال کا ہے جب ان کی قیمت بقدر نصاب ہوگی تب اُن پر زکوۃ واجب ہوگی خواہ وہ جنگل میں چرتے ہوں یا اپنے پاس سے چارہ کھلایا جاتا ہو۔ یعنی ان میں بالاتفاق تجارت کے مال کی زکوۃ واجب ہوگی خواہ وہ سائے ہوں یا گھر گھاس کھانے والے ہوں اس لئے کہ وہ سامان تجارت میں شامل ہیں۔

(۲) اور گدھے اور خیر اور مینے اور سکمائے ہوئے کتوں پر زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب تجارت کے واسطے ہوں گے۔ اس لئے کہ اب وہ سامان تجارت سے ہیں۔ اور اس وقت زکوۃ قیمت کے اعتبار سے دی جائے گی جیسا کہ تجارتی مالوں کا حکم ہے۔ اور اگر یہ جانور تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان میں بالاجماع زکوۃ واجب نہیں ہے خواہ سائے ہوں۔

(۳) اور سائے کے بچوں میں زکوۃ واجب نہیں ہے خواہ وہ بچے بکری کے ہوں یا اونٹ یا گائے کے ہوں، اور قول امام ابو حنیفہؒ کا آخری قول ہے اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان ہی میں کا ایک بچہ واجب ہوگا۔ اور اس مسئلہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی شخص کے پاس بڑے سائے جانور بقدر نصاب ہوں پس بچہ مثلاً چھ مہینے گزر جائیں اور جانور بچے دیں پھر وہ مائیں سب مرجائیں اور ان کی اولاد بقدر نصاب باقی رہے پھر وہ سال پورا ہو جائے اور وہ ابھی بچے ہوں تو امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ رحمہما اللہ کے نزدیک ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک انہی میں سے ایک بچہ دنیا واجب ہوگا اور طرفین کا قول صحیح ہے اور نصاب سے مراد بچس اونٹ اور تیس گائے بیل اور چالیس بکریاں ہیں اور اگر بچس اونٹوں سے کم ہوں تو پھر ان میں بالاتفاق کچھ واجب نہیں ہے اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ نے ان میں ایک بچہ انہی میں کا واجب کیا ہے اور یہ اتنی مقدار سے کم ہیں نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ اُن بچوں کے ساتھ بڑا جانور ایک بھی نہ ہو پس اگر ان کے ساتھ ایک بھی پوری عمر کا ہوگا تو یہ سب بچے نصاب پورا ہونے میں اس کے تابع ہو جائیں گے یعنی ان سب کی تعداد ملا کر نصاب منعقد ہو جائے گا مگر زکوۃ میں بچے نہیں دیئے جائیں گے۔ پس ایسی صورت میں بالاجماع زکوۃ واجب ہوگی۔ سلاہ اس لئے کہ چھوٹے بڑوں کے تابع ہیں مثلاً کسی کے پاس انتالیس بکریوں کے سال سے کم عمر کے بچے اور ایک پوری

سلاہ ع۔ ع۔ بحر و ش۔ سلاہ ع۔ در۔ ع۔ بحر۔ ع۔ در و غیرہ بتغیر۔ ع۔ ع۔ وغیرہ۔ ع۔ بحر۔ ع۔ بحر و ش۔ بحر و ش۔



عمر کی یعنی سال بھر یا زیادہ کی بکری ہے تو وہ پوری عمر کی بکری لی جائے گی اور اسی طرح اونٹوں اور گائے  
 بیلوں میں سمجھ لیجئے۔ اور اگر وہ پوری عمر کی بکری درمیانی یا ناقص ہو تو یہی واجب ہوگی، اور اگر اعلیٰ درجے کی ہو تو درمیانی بکری  
 واجب ہوگی یہ یعنی کسی شخص کے پاس بکریوں کے انتالیس بچے ہیں اور ایک پوری عمر کی بکری ہے پس اگر وہ بکری اوسط  
 درجہ کی ہو تو وہی لی جائے گی اور اگر اول درجہ کی ہو تو وہی نہیں لی جائے گی بلکہ صاحب مال اوسط درجہ کی بکری دیگا  
 اور اگر وہ بکری اوسط سے کم درجہ کی ہو تو پھر یہی واجب ہوگی۔ اور اسی طرح کسی آدمی کے پاس اونٹوں کے چوبیس  
 بچے اور ایک دوسرے سال کی موٹی یا اوسط درجے کی اونٹنی ہے اور اسی طرح اگر کسی کے پاس انٹیس بچے ہیں اور  
 ایک دوسرے یا تیسرے سال کی گائے ہے تب بھی وہی حکم ہے جو بکریوں کا بیان ہوا ہے اور چھوٹوں اور بڑوں کو ملانے  
 کی حالت میں جس اصل کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ بڑوں میں وہ عدد واجب موجود ہو اور اگر زکوۃ واجب متعدد ہو  
 (یعنی کسی جانور واجب ہوں، مؤلف) تو صرف بڑے ہی دیئے جائیں اور چھوٹوں سے ملا کر پورا کرنے کی ضرورت نہیں۔  
 (یعنی اگر بڑوں سے زکوۃ پوری نہ ہوتی ہو تو صرف بڑے ہی جو موجود ہیں واجب ہوں گے اور باقی ساقط ہو جائیں گے چھوٹے  
 ملا کر تعداد پوری نہیں کریں گے، مؤلف)۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ و امام محمد کے قول میں ہے، امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف  
 ہے مثلاً کسی کے پاس دوسنہ بکریاں (پوری عمر والی) اور ایک سوانیس بکری کے بچے ہوں تو اس صورت میں بالاتفاق  
 دوسنہ واجب ہوں گی اور اگر ایک سنہ اور ایک سو بیس بچے ہوں تو طرفین کے نزدیک ایک سنہ لازم آتی ہے اور  
 امام ابو یوسف کے نزدیک ایک سنہ اور ایک بچہ اور اسی طرح اگر کسی کے پاس انسٹھ گائے کے بچے اور ایک دوسرے  
 سال کی گائے ہو تو ایک دوسرے سال کی گائے ہی لی جائیگی یہ طرفین کے نزدیک کافی ہوگی اس لئے کہ اس میں اور  
 اس کے علاوہ پوری گائے کوئی نہیں ہے جو زکوۃ واجب میں جائز ہوتی اور امام ابو یوسف نے کہا کہ ایک  
 دوسرے سال کی گائے اور اس کے ساتھ ایک بچہ لیا جائے گا وہ اس بڑے کا ہلاک ہو جانا زکوۃ کو ساقط  
 کر دیتا ہے یعنی اگر وہ بڑا جانور سال کے بعد ہلاک ہو جائے تو طرفین کے نزدیک زکوۃ ساقط ہو جائے گی تہ  
 اس لئے کہ ان کے نزدیک چھوٹے بڑوں کے تابع تھے اور امام ابو یوسف کے نزدیک باقی (یعنی بچوں) میں  
 حصہ لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ بڑے کے مرنے سے ایک جزو یعنی چالیسواں حصہ ساقط ہو گیا اور اگر سب بچے ہلاک  
 ہو گئے اور صرف بڑی بکری رہ گئی تو اس بکری کا بچہ حصہ زکوۃ لی جائیگی۔

(۴) جو جانور کام کرتے ہیں یا ان پر بوجھ لاداجاتا ہے یا گھر پر چارہ کھلایا جاتا ہے ان پر زکوۃ نہیں ہے بلکہ  
 یعنی جب تک کہ گھر پر چارہ کھانے والے تجارت کے لئے نہ ہوں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حواہل و عواہل و علقہ و علقہ

۱۔ بحر و مل مع۔ ۲۔ در۔ ۳۔ بحر۔ ۴۔ بحر و غیرہ۔ ۵۔ بحر۔ ۶۔ در۔ ۷۔ بحر و مل مع۔ ۸۔ بحر۔ ۹۔ بحر۔ ۱۰۔ بحر۔ ۱۱۔ بحر۔ ۱۲۔ بحر۔ ۱۳۔ بحر۔ ۱۴۔ بحر۔ ۱۵۔ بحر۔ ۱۶۔ بحر۔ ۱۷۔ بحر۔ ۱۸۔ بحر۔ ۱۹۔ بحر۔ ۲۰۔ بحر۔ ۲۱۔ بحر۔ ۲۲۔ بحر۔ ۲۳۔ بحر۔ ۲۴۔ بحر۔ ۲۵۔ بحر۔ ۲۶۔ بحر۔ ۲۷۔ بحر۔ ۲۸۔ بحر۔ ۲۹۔ بحر۔ ۳۰۔ بحر۔ ۳۱۔ بحر۔ ۳۲۔ بحر۔ ۳۳۔ بحر۔ ۳۴۔ بحر۔ ۳۵۔ بحر۔ ۳۶۔ بحر۔ ۳۷۔ بحر۔ ۳۸۔ بحر۔ ۳۹۔ بحر۔ ۴۰۔ بحر۔ ۴۱۔ بحر۔ ۴۲۔ بحر۔ ۴۳۔ بحر۔ ۴۴۔ بحر۔ ۴۵۔ بحر۔ ۴۶۔ بحر۔ ۴۷۔ بحر۔ ۴۸۔ بحر۔ ۴۹۔ بحر۔ ۵۰۔ بحر۔ ۵۱۔ بحر۔ ۵۲۔ بحر۔ ۵۳۔ بحر۔ ۵۴۔ بحر۔ ۵۵۔ بحر۔ ۵۶۔ بحر۔ ۵۷۔ بحر۔ ۵۸۔ بحر۔ ۵۹۔ بحر۔ ۶۰۔ بحر۔ ۶۱۔ بحر۔ ۶۲۔ بحر۔ ۶۳۔ بحر۔ ۶۴۔ بحر۔ ۶۵۔ بحر۔ ۶۶۔ بحر۔ ۶۷۔ بحر۔ ۶۸۔ بحر۔ ۶۹۔ بحر۔ ۷۰۔ بحر۔ ۷۱۔ بحر۔ ۷۲۔ بحر۔ ۷۳۔ بحر۔ ۷۴۔ بحر۔ ۷۵۔ بحر۔ ۷۶۔ بحر۔ ۷۷۔ بحر۔ ۷۸۔ بحر۔ ۷۹۔ بحر۔ ۸۰۔ بحر۔ ۸۱۔ بحر۔ ۸۲۔ بحر۔ ۸۳۔ بحر۔ ۸۴۔ بحر۔ ۸۵۔ بحر۔ ۸۶۔ بحر۔ ۸۷۔ بحر۔ ۸۸۔ بحر۔ ۸۹۔ بحر۔ ۹۰۔ بحر۔ ۹۱۔ بحر۔ ۹۲۔ بحر۔ ۹۳۔ بحر۔ ۹۴۔ بحر۔ ۹۵۔ بحر۔ ۹۶۔ بحر۔ ۹۷۔ بحر۔ ۹۸۔ بحر۔ ۹۹۔ بحر۔ ۱۰۰۔ بحر۔







اس کو اس پر محمول کیا جائے کہ جو کچھ نقدی اپنے سال بھر کے خرچ کے لئے رکھی ہوئی ہے پس جب اس پر سال گزر جائے اور  
 اور خرچ کرنے کے بعد اس کے پاس مقدار نصاب بچ جائے تو اس باقی ماندہ پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ اس کو بھی آئندہ  
 سال خرچ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس لئے کہ سال پیدا ہونے پر اب وہ اس کی اس سال کی اہل ضروریات میں مصرف نہیں ہوتا  
 (۲) اور سونے اور چاندی کے نصاب میں ادا اور جو بزدلوں کے لحاظ سے وزن کا اعتبار ہے ان کی قیمت کا  
 اعتبار نہیں ہے۔ ادا کے لحاظ سے وزن کا اعتبار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ زکوٰۃ میں دیا جائے (اگر اسی جنس سے دیا جائے  
 تو) وہ وزن میں قدر واجب کے برابر ہو، اور امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔  
 پس اگر مثلاً سودہ پہ بھر چاندی کے زیور کو فروخت کرنا چاہیں تو پچاس روپیہ کو فروخت ہوگا تو اس کی زکوٰۃ چاندی کے وزن  
 کے موافق دینی چاہئے قیمت کا لحاظ نہ ہوگا پس سودہ پہ بھر چاندی کے زیور وغیرہ میں اڑھائی تولہ چاندی دینا چاہئے خواہ  
 زیور وغیرہ سے دے یا چاندی کی ٹلی دے یا چاندی کا روپیہ دے اگر رائج ہو یا اڑھائی تولہ چاندی کی قیمت بانٹار کے  
 نرخ سے یا مثلاً پانچ کھرے درہموں کے عوض پانچ کھوٹے درہم دیئے جن کی قیمت چار کھرے درہموں کے برابر تھی تو ان  
 دونوں ناموں کے نزدیک جائز ہے اور مکروہ ہے اور اگر پانچ کھوٹے درہموں کے عوض چار کھرے درہم دیئے جن کی قیمت  
 پانچ کھوٹے درہموں کے برابر ہے تو جائز نہیں بلکہ اور اگر کسی کے پاس چاندی کا بریق (چھال، لٹا وغیرہ برتن) ہو جس کا وزن  
 دو سو درہم کے برابر ہو اور بنوائی کی اجرت لگا کر اس کی قیمت تین سو درہم ہے تو اگر اس کی زکوٰۃ میں چاندی دے تو اس کا  
 چالیسواں حصہ اس کا چالیسواں حصہ ایسی پانچ درہم چاندی ہوگی جس کی قیمت ساڑھے سات درہم کے برابر ہو اور  
 اگر ایسی پانچ درہم چاندی دے جس کی قیمت پانچ درہم ہے تو جائز ہے اور اگر زکوٰۃ میں اس سے دوسری جنس دے تو  
 بالاجماع قیمت کا اعتبار ہوگا شہ حتیٰ کہ اگر اس بریق کی زکوٰۃ میں اتنا سونا دیا جس کی قیمت پانچ درہم کے برابر ہو تو ان  
 سب کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ خلاف جنس کے ساتھ مقابلہ کے وقت عمرگی کی قیمت لگائی جاتی ہے پس  
 اگر قیمت ادا کی تو قدر مستحق سے واقع ہوگی بلکہ (عمرگی و بناوٹ کے اعتبار سے اس کی قیمت یعنی تین سو درہم کی زکوٰۃ  
 ساڑھے سات درہم واجب ہوتے ہیں پس جب دوسری جنس سے زکوٰۃ دی تو اب اس قیمت کے اعتبار سے ساڑھے سات  
 درہم قیمت کا سونا دینا چاہئے تھا جب پانچ درہم کا سونا دیدیا تو یہ قدر مستحق سے واقع ہو کر اب اس کو باقی اڑھائی درہم کا  
 سونا اور ادا کرنا چاہئے۔ (مولف) اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ جب سونے کے زیور کی زکوٰۃ روپیہ یا چاندی سے ادا کی جائے  
 یا چاندی کے زیور کی زکوٰۃ سونے سے ادا کی جائے یا چاندی کے علاوہ کسی اور جنس سے ادا کی جائے تو اس زیور کی بنوائی  
 یعنی گھرائی کی اجرت بھی لگا کر مجموعہ کو اس زیور کی قیمت قرار دی جلتے اور اب اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں  
 واجب ہوگا البتہ اگر کہیں یہ عرف کچھ زیور کی نہ ہو ورنہ مستحق کے وقت بنوائی نہ لگاتے ہوں وہاں اس کو نہ لگائیں گے  
 بلکہ جس قدر سونا یا چاندی اس زیور میں ہو اسی کی قیمت لگائی جائے گی۔ ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ اگر سنا یا صرف  
 سے زیور خریدیں تو وہ بنوائی لگا لکے اور اگر اس کے ہاتھ بیچیں تو نہیں لگاتے اس بنا پر قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے







ہوتا چلا آتا ہے۔ اور اسی پر علماء کا جم غفیر اور جمہور کی کثرت ہے اور متقدمین و متاخرین کی کتابوں میں اسی کے مطابق ہے۔ پس شرعی درہم ستر توجہ کا ہوا اور شرعی مثقال سو توجہ کا ہے اور درہم کے سات حصوں میں سے تین حصے (۱۲۱) ادبہم کی برابر ہے۔ (سونے کی نصاب ۲۰ مثقال یعنی ۱۲۱ تولہ وزن ہندوستان اور نصاب چاندی ہندوستان میں ۱۲۱ تولہ جس کے ۱۲۱ روپے بحساب فی روپیہ ۱۱ ۱/۲ ماشہ اور ۵۶ روپیہ بحساب ۱۱ ۱/۲ ماشہ فی روپیہ اور ۵۲ ۱/۲ روپیہ یعنی چونکہ روپے دو آنے آٹھ پائی تقریباً بحساب ۱۲ ۱/۲ ماشہ ایک رتی یعنی تین رتی کم ۱۲ ماشہ فی روپیہ جو وزن سکہ شاہی رائج الوقت کا ہے یہ سب اس وقت ہے جبکہ روپیہ میں چاندی غالب ہو اور اگر چاندی مغلوب ہو یا بالکل نہ ہو تو ۱۲ تولہ چاندی کی قیمت لگا کر روپیوں کا نصاب مقرر کیا جائے گا جیسا کہ آجکل ایسا ہی ہے (مؤلف)

(۴) کھوٹ ملے سونے اور چاندی کا حکم: اگر چاندی میں کھوٹ ملے اور چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر سونے میں کھوٹ ملا ہو اور سونا غالب ہو تو سونے کے حکم میں ہے اور اگر ان دونوں میں کھوٹ غالب ہو تو اسباب تجارت کی مانند اس کی قیمت کی جائے بشرطیکہ اس میں تجارت کی نیت کی ہو۔ یعنی اگر درہموں (اور روپوں) میں کھوٹ ملا ہو اور اگر چاندی غالب ہو تو وہ خالص درہموں (اور روپیوں) یعنی چاندی کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ کھوٹ اس میں نہ ہونے کے حکم میں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ درہم تھوڑے کھوٹ سے خالی نہیں ہوتے کیونکہ اس کے بغیر وہ ٹھپائی میں نہیں آتے پس غلبہ کو ان میں فاصل قرار دیا گیا ہے اور سونے کا حکم بھی اسی کی مانند ہے۔ اور اگر کھوٹ غالب ہو تو اس پر چاندی کا حکم نہیں ہوگا جیسا کہ کھوٹ درہم ہوتے ہیں ان میں دیکھا جائے گا کہ اگر وہ رائج ہوں یا ان میں تجارت کی نیت کی ہو تو ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ پس اگر ان کی قیمت کم مرتبہ کے درہموں کے ایسے نصاب کو پہنچے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور کم مرتبہ کے درہم وہ ہیں جن میں ملاوٹ ہو اور چاندی غالب ہو، اور ان میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو اور اگر ان کی قیمت ایسے نصاب کو نہ پہنچے تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تغیر مساوی کے ساتھ ہونی چاہیے یعنی اگر کھوٹ اور چاندی مساوی ہوں تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اس لئے اس میں زکوٰۃ کا واجب ہونا ہی مختار ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے (مؤلف) اور اگر ان کھوٹے درہموں کا رواج نہ ہو اور ان میں تجارت کی نیت بھی نہ کی ہو تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے لیکن اگر وہ بہت ہوں اور ان میں جب قدر چاندی ہے وہ دو سو درہم کی ہو اور وہ اس ملاوٹ سے جدا ہو سکتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر دو سو درہم سے کم ہو اور اس کے پاس ایک کوئی نقدی سونا یا چاندی یا تجارت کا اسباب ہو جس کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یعنی اگر کھوٹ غالب ہو لیکن چاندی اس سے جدا ہو سکتی ہو تو جب نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر جدا نہ ہو سکتی ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے کہ چاندی اس میں ختم (ملاک) ہو چکی ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

له بحر. له ش. ۳۰ در ۱۵ فایه الاطارچه در تصرف. ۱۵ بخروج. ۲۵ بحر. ۲۵ ش. ۹۰ بخروج. ۱۵ ش. ۱۰۰ ع. ۱۰۰ در ۱۵ ش. ۱۰۰ ع. ۱۰۰



اگر وہ چاندی کھوٹ سے الگ ہو سکتی ہو اور وہ الگ کر کے نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے یا کم ہو مگر اس کے پاس پہلے سے اس قدر سونا یا چاندی یا اسباب تجارت ہے کہ اس کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے، یا وہ کھوٹے درہم سکے رائج الوقت ہوں تو ان صورتوں میں زکوۃ واجب ہو جائے گی۔ خواہ اس میں تجارت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس لئے کہ جب چاندی ملے ہوئے کھوٹے درہموں سے چاندی الگ ہو کر نصاب کی مقدار کو پہنچ گئی تو اس میں خالص چاندی کی زکوۃ واجب ہو گئی اور اصل سونے چاندی میں تجارت کی نیت کا ہونا ضروری نہیں ہے اور یہی حکم سکے رائج الوقت کا ہے کہ اس میں بھی نیت تجارت کی ضرورت نہیں ہے پس ان دونوں صورتوں کے علاوہ باقی میں نیت تجارت کا ہونا شرط ہے۔ ملاوٹ کے سونے کا بھی وہی حکم ہے جو ملاوٹ کی چاندی کا بیان ہوا ہے اور اگر ملاوٹ چاندی یا سونے کے برابر ہو تو اس میں اختلاف ہے اور مختار ہے کہ احتیاطاً زکوۃ واجب ہوگی۔ اور اسی طرح اس کی بیع بغیر وزن کے جائز نہیں ہے۔ تاکہ ہدف سود لازم نہ آئے۔ اور اگر سونا چاندی میں ملا ہوا ہو تو اگر چاندی مغلوب ہو اور سونا غالب ہو خواہ وزن کے اعتبار سے غالب ہو یا قیمت کے اعتبار سے تو وہ سب سونے کے حکم میں ہے اس لئے کہ سونا زیادہ قیمتی و اعلیٰ اور زیادہ عزیز ہے اور اگر چاندی غالب ہو لیکن سونا اپنے نصاب کو پہنچ جائے تو بھی وہ کل سونے کے حکم میں ہے اور کل میں سونے کی زکوۃ واجب ہوگی اور اگر سونا نصاب کو نہ پہنچے اور چاندی نصاب کو پہنچ جائے تو کل میں چاندی کی زکوۃ واجب ہوگی۔ لیکن جب چاندی نصاب کو پہنچے اور سونا نصاب سے کم ہو تو اس میں چاندی کی زکوۃ کا لازم آنا اس وقت ہے جبکہ مخلوط سونا قیمت میں چاندی سے کم ہو ورنہ کل کی زکوۃ سونے کی واجب ہوگی۔ اور جانا چاہئے کہ سونا اور چاندی کے آپس میں مخلوط ہونے کی بارہ صورتیں مرتب ہوتی ہیں جن میں سے دو صورتیں متمنع ہیں ایک یہ کہ سونا غالب ہو اور صرف چاندی نصاب کو پہنچے، دوسری یہ کہ سونا چاندی دونوں برابر ہوں اور فقط چاندی نصاب کو پہنچے یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں ہیں کیونکہ سونا بہت قیمتی چیز ہے باقی دس صورتیں ممکن ہیں، ان سب کے احکام ذیل کے جدول سے معلوم کریں۔

(۱) سونا غالب اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا۔	(۵) چاندی غالب اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا۔	(۹) دونوں برابر ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا
(۲) سونا غالب اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا	(۶) چاندی غالب اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا	(۱۰) دونوں برابر اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا
(۳) سونا غالب اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے	(۷) چاندی غالب اور فقط چاندی بقدر نصاب حکم چاندی کا	(۱۱) دونوں برابر اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن
(۴) سونا غالب اور دونوں میں کوئی بقدر نصاب نہیں اس میں زکوۃ نہیں ہوگی۔	(۸) چاندی غالب اور دونوں میں کوئی بقدر نصاب نہیں اس میں زکوۃ نہیں	(۱۲) دونوں برابر اور کوئی بقدر نصاب نہیں اس میں زکوۃ نہیں

لے شے بمصرۃ۔ لے بمصرۃ۔ لے بمصرۃ۔ لے بمصرۃ۔ لے بمصرۃ۔ لے بمصرۃ۔ لے بمصرۃ۔ لے بمصرۃ۔











حساب سے زکوٰۃ واجب کرتے ہیں، پس ان کے نزدیک ملائے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا، لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک دیکھا جائے گا کہ اگر ان دونوں میں کی زیادتیاں چار مثقال اور چالیس درہم کو پہنچ جاتی ہیں تو حکم اسی طرح ہے یعنی نہیں ملائیں گے اور اگر چار مثقال اور چالیس درہم سے کم ہوں تو ایک زیادتی کو دوسری زیادتی میں ملا تا واجب نہ ہو تاکہ چار مثقال یا چالیس درہم پورے ہو جائیں اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک کسور میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۷) اور مال تجارت کی قیمت سونے چاندی کے ساتھ اور سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے حساب سے ملائیں گے پس اول یعنی مال تجارت کو سونے چاندی کے ساتھ اس لئے ملائیں گے کہ ان سب میں زکوٰۃ کا وجوب باعتبار تجارت کے ہے اگرچہ وہ اعداد کی جہت سے جدا جدا ہیں یعنی یہ سب تجارت کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سونے و چاندی کو پیدا کیا اور ان دونوں کو تجارت کے لئے بنایا پس یہ دونوں وضع کے اعتبار سے تجارت کے لئے ہوئے (یعنی یہ پیدا ہی تجارت کے لئے کئے گئے ہیں) اور مال تجارت کو بندہ نے تجارت کے لئے بنالیا پس یہ مال جبل یعنی بندہ کے بنالینے کے اعتبار سے تجارت کے لئے ہو گیا اس لئے کہ مال و اسباب میں جب تک بندہ تجارت کے لئے نیت نہ کرے اس وقت تک وہ تجارت کے لئے نہیں ہوتا بخلاف دونوں نقدیوں کے کہ ان میں خواہ تجارت کی نیت کرے یا نہ کرے یہ ہر حال میں تجارت کے لئے ہیں۔ اور ثانی یعنی سونے کو چاندی کے ساتھ اس لئے ملائیں گے کہ دونوں ٹن ہونے کے اعتبار سے ایک ہی جنس ہیں اس وجہ سے یہ سب بنم ہو گیا اور ایک نقدی کا دوسری نقدی سے قیمت کے اعتبار سے ملایا جاتا امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا اور امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی ہے پس اگر ایک نقدی مثلاً چاندی اپنے نصاب کی پیم (تین چوتھائی) ہے اور سونا اپنے نصاب کا پیم (ایک چوتھائی) ہے تو ملا کر نصاب پورا کریں گے یا ہر ایک نصف نصف ہے یا ایک دو تہائی (پچ) ہے اور دوسرا ایک تہائی (د) ہے تو ملا کر نصاب پورا کریں گے ہر جزو سے اس کے حساب کے مطابق زکوٰۃ نکالیں گے۔ پس اگر کسی کے پاس سودیم ہوں اور دس دینار ہوں جن کی قیمت ایک سو چالیس درہم ہو تو امام صاحب کے نزدیک چھ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی اور صاحبین کے نزدیک ہر آدمی سے نصاب کا چالیسواں حصہ نکالا جائیگا۔ اس لئے کہ وہ ایک پورا نصاب ہے، جن کا نصف سونا ہے اور نصف چاندی ہے۔ پس دس دینار جن کی قیمت ایک سو چالیس درہم ہے کی زکوٰۃ ان میں سے ایک چوتھائی دینار ہے جس کی قیمت ساڑھے تین درہم ہے پس جب اس کی قیمت زکوٰۃ میں دینے کا ارادہ کرے تو صاحبین کے نزدیک بھی چھ درہم ہی واجب ہوں گے۔ اور اسی طرح اگر اس کے پاس ڈیڑھ سودیم ہوں اور پانچ دینار ایسے ہوں جن کی قیمت پچاس درہم ہو، تو اس میں بالاجماع زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پانچ یا پندرہ دینار اور پچاس درہم ہوں تو بالاجماع ملائیں گے۔ اور اگر اس کے پاس ڈیڑھ سودیم اور پانچ دینار ہوں اور ان پانچ دینار کی قیمت پچاس درہم ہے

۱۰ من الحیا والبدانۃ نصفاً۔ ۱۱ نزدیم ربع۔ ۱۲ بحرۃ درۃ ش۔ ۱۳ ش۔ ۱۴ ش۔ ۱۵ ش۔ ۱۶ ش۔ ۱۷ بحرۃ ش۔ ۱۸ ش۔ ۱۹ بحرۃ ش۔ ۲۰ ش۔ ۲۱ بحرۃ ش۔ ۲۲ ش۔ ۲۳ بحرۃ ش۔ ۲۴ ش۔ ۲۵ بحرۃ ش۔ ۲۶ ش۔ ۲۷ بحرۃ ش۔ ۲۸ ش۔ ۲۹ بحرۃ ش۔ ۳۰ ش۔ ۳۱ بحرۃ ش۔ ۳۲ ش۔ ۳۳ بحرۃ ش۔ ۳۴ ش۔ ۳۵ بحرۃ ش۔ ۳۶ ش۔ ۳۷ بحرۃ ش۔ ۳۸ ش۔ ۳۹ بحرۃ ش۔ ۴۰ ش۔ ۴۱ بحرۃ ش۔ ۴۲ ش۔ ۴۳ بحرۃ ش۔ ۴۴ ش۔ ۴۵ بحرۃ ش۔ ۴۶ ش۔ ۴۷ بحرۃ ش۔ ۴۸ ش۔ ۴۹ بحرۃ ش۔ ۵۰ ش۔ ۵۱ بحرۃ ش۔ ۵۲ ش۔ ۵۳ بحرۃ ش۔ ۵۴ ش۔ ۵۵ بحرۃ ش۔ ۵۶ ش۔ ۵۷ بحرۃ ش۔ ۵۸ ش۔ ۵۹ بحرۃ ش۔ ۶۰ ش۔ ۶۱ بحرۃ ش۔ ۶۲ ش۔ ۶۳ بحرۃ ش۔ ۶۴ ش۔ ۶۵ بحرۃ ش۔ ۶۶ ش۔ ۶۷ بحرۃ ش۔ ۶۸ ش۔ ۶۹ بحرۃ ش۔ ۷۰ ش۔ ۷۱ بحرۃ ش۔ ۷۲ ش۔ ۷۳ بحرۃ ش۔ ۷۴ ش۔ ۷۵ بحرۃ ش۔ ۷۶ ش۔ ۷۷ بحرۃ ش۔ ۷۸ ش۔ ۷۹ بحرۃ ش۔ ۸۰ ش۔ ۸۱ بحرۃ ش۔ ۸۲ ش۔ ۸۳ بحرۃ ش۔ ۸۴ ش۔ ۸۵ بحرۃ ش۔ ۸۶ ش۔ ۸۷ بحرۃ ش۔ ۸۸ ش۔ ۸۹ بحرۃ ش۔ ۹۰ ش۔ ۹۱ بحرۃ ش۔ ۹۲ ش۔ ۹۳ بحرۃ ش۔ ۹۴ ش۔ ۹۵ بحرۃ ش۔ ۹۶ ش۔ ۹۷ بحرۃ ش۔ ۹۸ ش۔ ۹۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۰ ش۔ ۱۰۱ بحرۃ ش۔ ۱۰۲ ش۔ ۱۰۳ بحرۃ ش۔ ۱۰۴ ش۔ ۱۰۵ بحرۃ ش۔ ۱۰۶ ش۔ ۱۰۷ بحرۃ ش۔ ۱۰۸ ش۔ ۱۰۹ بحرۃ ش۔ ۱۱۰ ش۔ ۱۱۱ بحرۃ ش۔ ۱۱۲ ش۔ ۱۱۳ بحرۃ ش۔ ۱۱۴ ش۔ ۱۱۵ بحرۃ ش۔ ۱۱۶ ش۔ ۱۱۷ بحرۃ ش۔ ۱۱۸ ش۔ ۱۱۹ بحرۃ ش۔ ۱۲۰ ش۔ ۱۲۱ بحرۃ ش۔ ۱۲۲ ش۔ ۱۲۳ بحرۃ ش۔ ۱۲۴ ش۔ ۱۲۵ بحرۃ ش۔ ۱۲۶ ش۔ ۱۲۷ بحرۃ ش۔ ۱۲۸ ش۔ ۱۲۹ بحرۃ ش۔ ۱۳۰ ش۔ ۱۳۱ بحرۃ ش۔ ۱۳۲ ش۔ ۱۳۳ بحرۃ ش۔ ۱۳۴ ش۔ ۱۳۵ بحرۃ ش۔ ۱۳۶ ش۔ ۱۳۷ بحرۃ ش۔ ۱۳۸ ش۔ ۱۳۹ بحرۃ ش۔ ۱۴۰ ش۔ ۱۴۱ بحرۃ ش۔ ۱۴۲ ش۔ ۱۴۳ بحرۃ ش۔ ۱۴۴ ش۔ ۱۴۵ بحرۃ ش۔ ۱۴۶ ش۔ ۱۴۷ بحرۃ ش۔ ۱۴۸ ش۔ ۱۴۹ بحرۃ ش۔ ۱۵۰ ش۔ ۱۵۱ بحرۃ ش۔ ۱۵۲ ش۔ ۱۵۳ بحرۃ ش۔ ۱۵۴ ش۔ ۱۵۵ بحرۃ ش۔ ۱۵۶ ش۔ ۱۵۷ بحرۃ ش۔ ۱۵۸ ش۔ ۱۵۹ بحرۃ ش۔ ۱۶۰ ش۔ ۱۶۱ بحرۃ ش۔ ۱۶۲ ش۔ ۱۶۳ بحرۃ ش۔ ۱۶۴ ش۔ ۱۶۵ بحرۃ ش۔ ۱۶۶ ش۔ ۱۶۷ بحرۃ ش۔ ۱۶۸ ش۔ ۱۶۹ بحرۃ ش۔ ۱۷۰ ش۔ ۱۷۱ بحرۃ ش۔ ۱۷۲ ش۔ ۱۷۳ بحرۃ ش۔ ۱۷۴ ش۔ ۱۷۵ بحرۃ ش۔ ۱۷۶ ش۔ ۱۷۷ بحرۃ ش۔ ۱۷۸ ش۔ ۱۷۹ بحرۃ ش۔ ۱۸۰ ش۔ ۱۸۱ بحرۃ ش۔ ۱۸۲ ش۔ ۱۸۳ بحرۃ ش۔ ۱۸۴ ش۔ ۱۸۵ بحرۃ ش۔ ۱۸۶ ش۔ ۱۸۷ بحرۃ ش۔ ۱۸۸ ش۔ ۱۸۹ بحرۃ ش۔ ۱۹۰ ش۔ ۱۹۱ بحرۃ ش۔ ۱۹۲ ش۔ ۱۹۳ بحرۃ ش۔ ۱۹۴ ش۔ ۱۹۵ بحرۃ ش۔ ۱۹۶ ش۔ ۱۹۷ بحرۃ ش۔ ۱۹۸ ش۔ ۱۹۹ بحرۃ ش۔ ۲۰۰ ش۔ ۲۰۱ بحرۃ ش۔ ۲۰۲ ش۔ ۲۰۳ بحرۃ ش۔ ۲۰۴ ش۔ ۲۰۵ بحرۃ ش۔ ۲۰۶ ش۔ ۲۰۷ بحرۃ ش۔ ۲۰۸ ش۔ ۲۰۹ بحرۃ ش۔ ۲۱۰ ش۔ ۲۱۱ بحرۃ ش۔ ۲۱۲ ش۔ ۲۱۳ بحرۃ ش۔ ۲۱۴ ش۔ ۲۱۵ بحرۃ ش۔ ۲۱۶ ش۔ ۲۱۷ بحرۃ ش۔ ۲۱۸ ش۔ ۲۱۹ بحرۃ ش۔ ۲۲۰ ش۔ ۲۲۱ بحرۃ ش۔ ۲۲۲ ش۔ ۲۲۳ بحرۃ ش۔ ۲۲۴ ش۔ ۲۲۵ بحرۃ ش۔ ۲۲۶ ش۔ ۲۲۷ بحرۃ ش۔ ۲۲۸ ش۔ ۲۲۹ بحرۃ ش۔ ۲۳۰ ش۔ ۲۳۱ بحرۃ ش۔ ۲۳۲ ش۔ ۲۳۳ بحرۃ ش۔ ۲۳۴ ش۔ ۲۳۵ بحرۃ ش۔ ۲۳۶ ش۔ ۲۳۷ بحرۃ ش۔ ۲۳۸ ش۔ ۲۳۹ بحرۃ ش۔ ۲۴۰ ش۔ ۲۴۱ بحرۃ ش۔ ۲۴۲ ش۔ ۲۴۳ بحرۃ ش۔ ۲۴۴ ش۔ ۲۴۵ بحرۃ ش۔ ۲۴۶ ش۔ ۲۴۷ بحرۃ ش۔ ۲۴۸ ش۔ ۲۴۹ بحرۃ ش۔ ۲۵۰ ش۔ ۲۵۱ بحرۃ ش۔ ۲۵۲ ش۔ ۲۵۳ بحرۃ ش۔ ۲۵۴ ش۔ ۲۵۵ بحرۃ ش۔ ۲۵۶ ش۔ ۲۵۷ بحرۃ ش۔ ۲۵۸ ش۔ ۲۵۹ بحرۃ ش۔ ۲۶۰ ش۔ ۲۶۱ بحرۃ ش۔ ۲۶۲ ش۔ ۲۶۳ بحرۃ ش۔ ۲۶۴ ش۔ ۲۶۵ بحرۃ ش۔ ۲۶۶ ش۔ ۲۶۷ بحرۃ ش۔ ۲۶۸ ش۔ ۲۶۹ بحرۃ ش۔ ۲۷۰ ش۔ ۲۷۱ بحرۃ ش۔ ۲۷۲ ش۔ ۲۷۳ بحرۃ ش۔ ۲۷۴ ش۔ ۲۷۵ بحرۃ ش۔ ۲۷۶ ش۔ ۲۷۷ بحرۃ ش۔ ۲۷۸ ش۔ ۲۷۹ بحرۃ ش۔ ۲۸۰ ش۔ ۲۸۱ بحرۃ ش۔ ۲۸۲ ش۔ ۲۸۳ بحرۃ ش۔ ۲۸۴ ش۔ ۲۸۵ بحرۃ ش۔ ۲۸۶ ش۔ ۲۸۷ بحرۃ ش۔ ۲۸۸ ش۔ ۲۸۹ بحرۃ ش۔ ۲۹۰ ش۔ ۲۹۱ بحرۃ ش۔ ۲۹۲ ش۔ ۲۹۳ بحرۃ ش۔ ۲۹۴ ش۔ ۲۹۵ بحرۃ ش۔ ۲۹۶ ش۔ ۲۹۷ بحرۃ ش۔ ۲۹۸ ش۔ ۲۹۹ بحرۃ ش۔ ۳۰۰ ش۔ ۳۰۱ بحرۃ ش۔ ۳۰۲ ش۔ ۳۰۳ بحرۃ ش۔ ۳۰۴ ش۔ ۳۰۵ بحرۃ ش۔ ۳۰۶ ش۔ ۳۰۷ بحرۃ ش۔ ۳۰۸ ش۔ ۳۰۹ بحرۃ ش۔ ۳۱۰ ش۔ ۳۱۱ بحرۃ ش۔ ۳۱۲ ش۔ ۳۱۳ بحرۃ ش۔ ۳۱۴ ش۔ ۳۱۵ بحرۃ ش۔ ۳۱۶ ش۔ ۳۱۷ بحرۃ ش۔ ۳۱۸ ش۔ ۳۱۹ بحرۃ ش۔ ۳۲۰ ش۔ ۳۲۱ بحرۃ ش۔ ۳۲۲ ش۔ ۳۲۳ بحرۃ ش۔ ۳۲۴ ش۔ ۳۲۵ بحرۃ ش۔ ۳۲۶ ش۔ ۳۲۷ بحرۃ ش۔ ۳۲۸ ش۔ ۳۲۹ بحرۃ ش۔ ۳۳۰ ش۔ ۳۳۱ بحرۃ ش۔ ۳۳۲ ش۔ ۳۳۳ بحرۃ ش۔ ۳۳۴ ش۔ ۳۳۵ بحرۃ ش۔ ۳۳۶ ش۔ ۳۳۷ بحرۃ ش۔ ۳۳۸ ش۔ ۳۳۹ بحرۃ ش۔ ۳۴۰ ش۔ ۳۴۱ بحرۃ ش۔ ۳۴۲ ش۔ ۳۴۳ بحرۃ ش۔ ۳۴۴ ش۔ ۳۴۵ بحرۃ ش۔ ۳۴۶ ش۔ ۳۴۷ بحرۃ ش۔ ۳۴۸ ش۔ ۳۴۹ بحرۃ ش۔ ۳۵۰ ش۔ ۳۵۱ بحرۃ ش۔ ۳۵۲ ش۔ ۳۵۳ بحرۃ ش۔ ۳۵۴ ش۔ ۳۵۵ بحرۃ ش۔ ۳۵۶ ش۔ ۳۵۷ بحرۃ ش۔ ۳۵۸ ش۔ ۳۵۹ بحرۃ ش۔ ۳۶۰ ش۔ ۳۶۱ بحرۃ ش۔ ۳۶۲ ش۔ ۳۶۳ بحرۃ ش۔ ۳۶۴ ش۔ ۳۶۵ بحرۃ ش۔ ۳۶۶ ش۔ ۳۶۷ بحرۃ ش۔ ۳۶۸ ش۔ ۳۶۹ بحرۃ ش۔ ۳۷۰ ش۔ ۳۷۱ بحرۃ ش۔ ۳۷۲ ش۔ ۳۷۳ بحرۃ ش۔ ۳۷۴ ش۔ ۳۷۵ بحرۃ ش۔ ۳۷۶ ش۔ ۳۷۷ بحرۃ ش۔ ۳۷۸ ش۔ ۳۷۹ بحرۃ ش۔ ۳۸۰ ش۔ ۳۸۱ بحرۃ ش۔ ۳۸۲ ش۔ ۳۸۳ بحرۃ ش۔ ۳۸۴ ش۔ ۳۸۵ بحرۃ ش۔ ۳۸۶ ش۔ ۳۸۷ بحرۃ ش۔ ۳۸۸ ش۔ ۳۸۹ بحرۃ ش۔ ۳۹۰ ش۔ ۳۹۱ بحرۃ ش۔ ۳۹۲ ش۔ ۳۹۳ بحرۃ ش۔ ۳۹۴ ش۔ ۳۹۵ بحرۃ ش۔ ۳۹۶ ش۔ ۳۹۷ بحرۃ ش۔ ۳۹۸ ش۔ ۳۹۹ بحرۃ ش۔ ۴۰۰ ش۔ ۴۰۱ بحرۃ ش۔ ۴۰۲ ش۔ ۴۰۳ بحرۃ ش۔ ۴۰۴ ش۔ ۴۰۵ بحرۃ ش۔ ۴۰۶ ش۔ ۴۰۷ بحرۃ ش۔ ۴۰۸ ش۔ ۴۰۹ بحرۃ ش۔ ۴۱۰ ش۔ ۴۱۱ بحرۃ ش۔ ۴۱۲ ش۔ ۴۱۳ بحرۃ ش۔ ۴۱۴ ش۔ ۴۱۵ بحرۃ ش۔ ۴۱۶ ش۔ ۴۱۷ بحرۃ ش۔ ۴۱۸ ش۔ ۴۱۹ بحرۃ ش۔ ۴۲۰ ش۔ ۴۲۱ بحرۃ ش۔ ۴۲۲ ش۔ ۴۲۳ بحرۃ ش۔ ۴۲۴ ش۔ ۴۲۵ بحرۃ ش۔ ۴۲۶ ش۔ ۴۲۷ بحرۃ ش۔ ۴۲۸ ش۔ ۴۲۹ بحرۃ ش۔ ۴۳۰ ش۔ ۴۳۱ بحرۃ ش۔ ۴۳۲ ش۔ ۴۳۳ بحرۃ ش۔ ۴۳۴ ش۔ ۴۳۵ بحرۃ ش۔ ۴۳۶ ش۔ ۴۳۷ بحرۃ ش۔ ۴۳۸ ش۔ ۴۳۹ بحرۃ ش۔ ۴۴۰ ش۔ ۴۴۱ بحرۃ ش۔ ۴۴۲ ش۔ ۴۴۳ بحرۃ ش۔ ۴۴۴ ش۔ ۴۴۵ بحرۃ ش۔ ۴۴۶ ش۔ ۴۴۷ بحرۃ ش۔ ۴۴۸ ش۔ ۴۴۹ بحرۃ ش۔ ۴۵۰ ش۔ ۴۵۱ بحرۃ ش۔ ۴۵۲ ش۔ ۴۵۳ بحرۃ ش۔ ۴۵۴ ش۔ ۴۵۵ بحرۃ ش۔ ۴۵۶ ش۔ ۴۵۷ بحرۃ ش۔ ۴۵۸ ش۔ ۴۵۹ بحرۃ ش۔ ۴۶۰ ش۔ ۴۶۱ بحرۃ ش۔ ۴۶۲ ش۔ ۴۶۳ بحرۃ ش۔ ۴۶۴ ش۔ ۴۶۵ بحرۃ ش۔ ۴۶۶ ش۔ ۴۶۷ بحرۃ ش۔ ۴۶۸ ش۔ ۴۶۹ بحرۃ ش۔ ۴۷۰ ش۔ ۴۷۱ بحرۃ ش۔ ۴۷۲ ش۔ ۴۷۳ بحرۃ ش۔ ۴۷۴ ش۔ ۴۷۵ بحرۃ ش۔ ۴۷۶ ش۔ ۴۷۷ بحرۃ ش۔ ۴۷۸ ش۔ ۴۷۹ بحرۃ ش۔ ۴۸۰ ش۔ ۴۸۱ بحرۃ ش۔ ۴۸۲ ش۔ ۴۸۳ بحرۃ ش۔ ۴۸۴ ش۔ ۴۸۵ بحرۃ ش۔ ۴۸۶ ش۔ ۴۸۷ بحرۃ ش۔ ۴۸۸ ش۔ ۴۸۹ بحرۃ ش۔ ۴۹۰ ش۔ ۴۹۱ بحرۃ ش۔ ۴۹۲ ش۔ ۴۹۳ بحرۃ ش۔ ۴۹۴ ش۔ ۴۹۵ بحرۃ ش۔ ۴۹۶ ش۔ ۴۹۷ بحرۃ ش۔ ۴۹۸ ش۔ ۴۹۹ بحرۃ ش۔ ۵۰۰ ش۔ ۵۰۱ بحرۃ ش۔ ۵۰۲ ش۔ ۵۰۳ بحرۃ ش۔ ۵۰۴ ش۔ ۵۰۵ بحرۃ ش۔ ۵۰۶ ش۔ ۵۰۷ بحرۃ ش۔ ۵۰۸ ش۔ ۵۰۹ بحرۃ ش۔ ۵۱۰ ش۔ ۵۱۱ بحرۃ ش۔ ۵۱۲ ش۔ ۵۱۳ بحرۃ ش۔ ۵۱۴ ش۔ ۵۱۵ بحرۃ ش۔ ۵۱۶ ش۔ ۵۱۷ بحرۃ ش۔ ۵۱۸ ش۔ ۵۱۹ بحرۃ ش۔ ۵۲۰ ش۔ ۵۲۱ بحرۃ ش۔ ۵۲۲ ش۔ ۵۲۳ بحرۃ ش۔ ۵۲۴ ش۔ ۵۲۵ بحرۃ ش۔ ۵۲۶ ش۔ ۵۲۷ بحرۃ ش۔ ۵۲۸ ش۔ ۵۲۹ بحرۃ ش۔ ۵۳۰ ش۔ ۵۳۱ بحرۃ ش۔ ۵۳۲ ش۔ ۵۳۳ بحرۃ ش۔ ۵۳۴ ش۔ ۵۳۵ بحرۃ ش۔ ۵۳۶ ش۔ ۵۳۷ بحرۃ ش۔ ۵۳۸ ش۔ ۵۳۹ بحرۃ ش۔ ۵۴۰ ش۔ ۵۴۱ بحرۃ ش۔ ۵۴۲ ش۔ ۵۴۳ بحرۃ ش۔ ۵۴۴ ش۔ ۵۴۵ بحرۃ ش۔ ۵۴۶ ش۔ ۵۴۷ بحرۃ ش۔ ۵۴۸ ش۔ ۵۴۹ بحرۃ ش۔ ۵۵۰ ش۔ ۵۵۱ بحرۃ ش۔ ۵۵۲ ش۔ ۵۵۳ بحرۃ ش۔ ۵۵۴ ش۔ ۵۵۵ بحرۃ ش۔ ۵۵۶ ش۔ ۵۵۷ بحرۃ ش۔ ۵۵۸ ش۔ ۵۵۹ بحرۃ ش۔ ۵۶۰ ش۔ ۵۶۱ بحرۃ ش۔ ۵۶۲ ش۔ ۵۶۳ بحرۃ ش۔ ۵۶۴ ش۔ ۵۶۵ بحرۃ ش۔ ۵۶۶ ش۔ ۵۶۷ بحرۃ ش۔ ۵۶۸ ش۔ ۵۶۹ بحرۃ ش۔ ۵۷۰ ش۔ ۵۷۱ بحرۃ ش۔ ۵۷۲ ش۔ ۵۷۳ بحرۃ ش۔ ۵۷۴ ش۔ ۵۷۵ بحرۃ ش۔ ۵۷۶ ش۔ ۵۷۷ بحرۃ ش۔ ۵۷۸ ش۔ ۵۷۹ بحرۃ ش۔ ۵۸۰ ش۔ ۵۸۱ بحرۃ ش۔ ۵۸۲ ش۔ ۵۸۳ بحرۃ ش۔ ۵۸۴ ش۔ ۵۸۵ بحرۃ ش۔ ۵۸۶ ش۔ ۵۸۷ بحرۃ ش۔ ۵۸۸ ش۔ ۵۸۹ بحرۃ ش۔ ۵۹۰ ش۔ ۵۹۱ بحرۃ ش۔ ۵۹۲ ش۔ ۵۹۳ بحرۃ ش۔ ۵۹۴ ش۔ ۵۹۵ بحرۃ ش۔ ۵۹۶ ش۔ ۵۹۷ بحرۃ ش۔ ۵۹۸ ش۔ ۵۹۹ بحرۃ ش۔ ۶۰۰ ش۔ ۶۰۱ بحرۃ ش۔ ۶۰۲ ش۔ ۶۰۳ بحرۃ ش۔ ۶۰۴ ش۔ ۶۰۵ بحرۃ ش۔ ۶۰۶ ش۔ ۶۰۷ بحرۃ ش۔ ۶۰۸ ش۔ ۶۰۹ بحرۃ ش۔ ۶۱۰ ش۔ ۶۱۱ بحرۃ ش۔ ۶۱۲ ش۔ ۶۱۳ بحرۃ ش۔ ۶۱۴ ش۔ ۶۱۵ بحرۃ ش۔ ۶۱۶ ش۔ ۶۱۷ بحرۃ ش۔ ۶۱۸ ش۔ ۶۱۹ بحرۃ ش۔ ۶۲۰ ش۔ ۶۲۱ بحرۃ ش۔ ۶۲۲ ش۔ ۶۲۳ بحرۃ ش۔ ۶۲۴ ش۔ ۶۲۵ بحرۃ ش۔ ۶۲۶ ش۔ ۶۲۷ بحرۃ ش۔ ۶۲۸ ش۔ ۶۲۹ بحرۃ ش۔ ۶۳۰ ش۔ ۶۳۱ بحرۃ ش۔ ۶۳۲ ش۔ ۶۳۳ بحرۃ ش۔ ۶۳۴ ش۔ ۶۳۵ بحرۃ ش۔ ۶۳۶ ش۔ ۶۳۷ بحرۃ ش۔ ۶۳۸ ش۔ ۶۳۹ بحرۃ ش۔ ۶۴۰ ش۔ ۶۴۱ بحرۃ ش۔ ۶۴۲ ش۔ ۶۴۳ بحرۃ ش۔ ۶۴۴ ش۔ ۶۴۵ بحرۃ ش۔ ۶۴۶ ش۔ ۶۴۷ بحرۃ ش۔ ۶۴۸ ش۔ ۶۴۹ بحرۃ ش۔ ۶۵۰ ش۔ ۶۵۱ بحرۃ ش۔ ۶۵۲ ش۔ ۶۵۳ بحرۃ ش۔ ۶۵۴ ش۔ ۶۵۵ بحرۃ ش۔ ۶۵۶ ش۔ ۶۵۷ بحرۃ ش۔ ۶۵۸ ش۔ ۶۵۹ بحرۃ ش۔ ۶۶۰ ش۔ ۶۶۱ بحرۃ ش۔ ۶۶۲ ش۔ ۶۶۳ بحرۃ ش۔ ۶۶۴ ش۔ ۶۶۵ بحرۃ ش۔ ۶۶۶ ش۔ ۶۶۷ بحرۃ ش۔ ۶۶۸ ش۔ ۶۶۹ بحرۃ ش۔ ۶۷۰ ش۔ ۶۷۱ بحرۃ ش۔ ۶۷۲ ش۔ ۶۷۳ بحرۃ ش۔ ۶۷۴ ش۔ ۶۷۵ بحرۃ ش۔ ۶۷۶ ش۔ ۶۷۷ بحرۃ ش۔ ۶۷۸ ش۔ ۶۷۹ بحرۃ ش۔ ۶۸۰ ش۔ ۶۸۱ بحرۃ ش۔ ۶۸۲ ش۔ ۶۸۳ بحرۃ ش۔ ۶۸۴ ش۔ ۶۸۵ بحرۃ ش۔ ۶۸۶ ش۔ ۶۸۷ بحرۃ ش۔ ۶۸۸ ش۔ ۶۸۹ بحرۃ ش۔ ۶۹۰ ش۔ ۶۹۱ بحرۃ ش۔ ۶۹۲ ش۔ ۶۹۳ بحرۃ ش۔ ۶۹۴ ش۔ ۶۹۵ بحرۃ ش۔ ۶۹۶ ش۔ ۶۹۷ بحرۃ ش۔ ۶۹۸ ش۔ ۶۹۹ بحرۃ ش۔ ۷۰۰ ش۔ ۷۰۱ بحرۃ ش۔ ۷۰۲ ش۔ ۷۰۳ بحرۃ ش۔ ۷۰۴ ش۔ ۷۰۵ بحرۃ ش۔ ۷۰۶ ش۔ ۷۰۷ بحرۃ ش۔ ۷۰۸ ش۔ ۷۰۹ بحرۃ ش۔ ۷۱۰ ش۔ ۷۱۱ بحرۃ ش۔ ۷۱۲ ش۔ ۷۱۳ بحرۃ ش۔ ۷۱۴ ش۔ ۷۱۵ بحرۃ ش۔ ۷۱۶ ش۔ ۷۱۷ بحرۃ ش۔ ۷۱۸ ش۔ ۷۱۹ بحرۃ ش۔ ۷۲۰ ش۔ ۷۲۱ بحرۃ ش۔ ۷۲۲ ش۔ ۷۲۳ بحرۃ ش۔ ۷۲۴ ش۔ ۷۲۵ بحرۃ ش۔ ۷۲۶ ش۔ ۷۲۷ بحرۃ ش۔ ۷۲۸ ش۔ ۷۲۹ بحرۃ ش۔ ۷۳۰ ش۔ ۷۳۱ بحرۃ ش۔ ۷۳۲ ش۔ ۷۳۳ بحرۃ ش۔ ۷۳۴ ش۔ ۷۳۵ بحرۃ ش۔ ۷۳۶ ش۔ ۷۳۷ بحرۃ ش۔ ۷۳۸ ش۔ ۷۳۹ بحرۃ ش۔ ۷۴۰ ش۔ ۷۴۱ بحرۃ ش۔ ۷۴۲ ش۔ ۷۴۳ بحرۃ ش۔ ۷۴۴ ش۔ ۷۴۵ بحرۃ ش۔ ۷۴۶ ش۔ ۷۴۷ بحرۃ ش۔ ۷۴۸ ش۔ ۷۴۹ بحرۃ ش۔ ۷۵۰ ش۔ ۷۵۱ بحرۃ ش۔ ۷۵۲ ش۔ ۷۵۳ بحرۃ ش۔ ۷۵۴ ش۔ ۷۵۵ بحرۃ ش۔ ۷۵۶ ش۔ ۷۵۷ بحرۃ ش۔ ۷۵۸ ش۔ ۷۵۹ بحرۃ ش۔ ۷۶۰ ش۔ ۷۶۱ بحرۃ ش۔ ۷۶۲ ش۔ ۷۶۳ بحرۃ ش۔ ۷۶۴ ش۔ ۷۶۵ بحرۃ ش۔ ۷۶۶ ش۔ ۷۶۷ بحرۃ ش۔ ۷۶۸ ش۔ ۷۶۹ بحرۃ ش۔ ۷۷۰ ش۔ ۷۷۱ بحرۃ ش۔ ۷۷۲ ش۔ ۷۷۳ بحرۃ ش۔ ۷۷۴ ش۔ ۷۷۵ بحرۃ ش۔ ۷۷۶ ش۔ ۷۷۷ بحرۃ ش۔ ۷۷۸ ش۔ ۷۷۹ بحرۃ ش۔ ۷۸۰ ش۔ ۷۸۱ بحرۃ ش۔ ۷۸۲ ش۔ ۷۸۳ بحرۃ ش۔ ۷۸۴ ش۔ ۷۸۵ بحرۃ ش۔ ۷۸۶ ش۔ ۷۸۷ بحرۃ ش۔ ۷۸۸ ش۔ ۷۸۹ بحرۃ ش۔ ۷۹۰ ش۔ ۷۹۱ بحرۃ ش۔ ۷۹۲ ش۔ ۷۹۳ بحرۃ ش۔ ۷۹۴ ش۔ ۷۹۵ بحرۃ ش۔ ۷۹۶ ش۔ ۷۹۷ بحرۃ ش۔ ۷۹۸ ش۔ ۷۹۹ بحرۃ ش۔ ۸۰۰ ش۔ ۸۰۱ بحرۃ ش۔ ۸۰۲ ش۔ ۸۰۳ بحرۃ ش۔ ۸۰۴ ش۔ ۸۰۵ بحرۃ ش۔ ۸۰۶ ش۔ ۸۰۷ بحرۃ ش۔ ۸۰۸ ش۔ ۸۰۹ بحرۃ ش۔ ۸۱۰ ش۔ ۸۱۱ بحرۃ ش۔ ۸۱۲ ش۔ ۸۱۳ بحرۃ ش۔ ۸۱۴ ش۔ ۸۱۵ بحرۃ ش۔ ۸۱۶ ش۔ ۸۱۷ بحرۃ ش۔ ۸۱۸ ش۔ ۸۱۹ بحرۃ ش۔ ۸۲۰ ش۔ ۸۲۱ بحرۃ ش۔ ۸۲۲ ش۔ ۸۲۳ بحرۃ ش۔ ۸۲۴ ش۔ ۸۲۵ بحرۃ ش۔ ۸۲۶ ش۔ ۸۲۷ بحرۃ ش۔ ۸۲۸ ش۔ ۸۲۹ بحرۃ ش۔ ۸۳۰ ش۔ ۸۳۱ بحرۃ ش۔ ۸۳۲ ش۔ ۸۳۳ بحرۃ ش۔ ۸۳۴ ش۔ ۸۳۵ بحرۃ ش۔ ۸۳۶ ش۔ ۸۳۷ بحرۃ ش۔ ۸۳۸ ش۔ ۸۳۹ بحرۃ ش۔ ۸۴۰ ش۔ ۸۴۱ بحرۃ ش۔ ۸۴۲ ش۔ ۸۴۳ بحرۃ ش۔ ۸۴۴ ش۔ ۸۴۵ بحرۃ ش۔ ۸۴۶ ش۔ ۸۴۷ بحرۃ ش۔ ۸۴۸ ش۔ ۸۴۹ بحرۃ ش۔ ۸۵۰ ش۔ ۸۵۱ بحرۃ ش۔ ۸۵۲ ش۔ ۸۵۳ بحرۃ ش۔ ۸۵۴ ش۔ ۸۵۵ بحرۃ ش۔ ۸۵۶ ش۔ ۸۵۷ بحرۃ ش۔ ۸۵۸ ش۔ ۸۵۹ بحرۃ ش۔ ۸۶۰ ش۔ ۸۶۱ بحرۃ ش۔ ۸۶۲ ش۔ ۸۶۳ بحرۃ ش۔ ۸۶۴ ش۔ ۸۶۵ بحرۃ ش۔ ۸۶۶ ش۔ ۸۶۷ بحرۃ ش۔ ۸۶۸ ش۔ ۸۶۹ بحرۃ ش۔ ۸۷۰ ش۔ ۸۷۱ بحرۃ ش۔ ۸۷۲ ش۔ ۸۷۳ بحرۃ ش۔ ۸۷۴ ش۔ ۸۷۵ بحرۃ ش۔ ۸۷۶ ش۔ ۸۷۷ بحرۃ ش۔ ۸۷۸ ش۔ ۸۷۹ بحرۃ ش۔ ۸۸۰ ش۔ ۸۸۱ بحرۃ ش۔ ۸۸۲ ش۔ ۸۸۳ بحرۃ ش۔ ۸۸۴ ش۔ ۸۸۵ بحرۃ ش۔ ۸۸۶ ش۔ ۸۸۷ بحرۃ ش۔ ۸۸۸ ش۔ ۸۸۹ بحرۃ ش۔ ۸۹۰ ش۔ ۸۹۱ بحرۃ ش۔ ۸۹۲ ش۔ ۸۹۳ بحرۃ ش۔ ۸۹۴ ش۔ ۸۹۵ بحرۃ ش۔ ۸۹۶ ش۔ ۸۹۷ بحرۃ ش۔ ۸۹۸ ش۔ ۸۹۹ بحرۃ ش۔ ۹۰۰ ش۔ ۹۰۱ بحرۃ ش۔ ۹۰۲ ش۔ ۹۰۳ بحرۃ ش۔ ۹۰۴ ش۔ ۹۰۵ بحرۃ ش۔ ۹۰۶ ش۔ ۹۰۷ بحرۃ ش۔ ۹۰۸ ش۔ ۹۰۹ بحرۃ ش۔ ۹۱۰ ش۔ ۹۱۱ بحرۃ ش۔ ۹۱۲ ش۔ ۹۱۳ بحرۃ ش۔ ۹۱۴ ش۔ ۹۱۵ بحرۃ ش۔ ۹۱۶ ش۔ ۹۱۷ بحرۃ ش۔ ۹۱۸ ش۔ ۹۱۹ بحرۃ ش۔ ۹۲۰ ش۔ ۹۲۱ بحرۃ ش۔ ۹۲۲ ش۔ ۹۲۳ بحرۃ ش۔ ۹۲۴ ش۔ ۹۲۵ بحرۃ ش۔ ۹۲۶ ش۔ ۹۲۷ بحرۃ ش۔ ۹۲۸ ش۔ ۹۲۹ بحرۃ ش۔ ۹۳۰ ش۔ ۹۳۱ بحرۃ ش۔ ۹۳۲ ش۔ ۹۳۳ بحرۃ ش۔ ۹۳۴ ش۔ ۹۳۵ بحرۃ ش۔ ۹۳۶ ش۔ ۹۳۷ بحرۃ ش۔ ۹۳۸ ش۔ ۹۳۹ بحرۃ ش۔ ۹۴۰ ش۔ ۹۴۱ بحرۃ ش۔ ۹۴۲ ش۔ ۹۴۳ بحرۃ ش۔ ۹۴۴ ش۔ ۹۴۵ بحرۃ ش۔ ۹۴۶ ش۔ ۹۴۷ بحرۃ ش۔ ۹۴۸ ش۔ ۹۴۹ بحرۃ ش۔ ۹۵۰ ش۔ ۹۵۱ بحرۃ ش۔ ۹۵۲ ش۔ ۹۵۳ بحرۃ ش۔ ۹۵۴ ش۔ ۹۵۵ بحرۃ ش۔ ۹۵۶ ش۔ ۹۵۷ بحرۃ ش۔ ۹۵۸ ش۔ ۹۵۹ بحرۃ ش۔ ۹۶۰ ش۔ ۹۶۱ بحرۃ ش۔ ۹۶۲ ش۔ ۹۶۳ بحرۃ ش۔ ۹۶۴ ش۔ ۹۶۵ بحرۃ ش۔ ۹۶۶ ش۔ ۹۶۷ بحرۃ ش۔ ۹۶۸ ش۔ ۹۶۹ بحرۃ ش۔ ۹۷۰ ش۔ ۹۷۱ بحرۃ ش۔ ۹۷۲ ش۔ ۹۷۳ بحرۃ ش۔ ۹۷۴ ش۔ ۹۷۵ بحرۃ ش۔ ۹۷۶ ش۔ ۹۷۷ بحرۃ ش۔ ۹۷۸ ش۔ ۹۷۹ بحرۃ ش۔ ۹۸۰ ش۔ ۹۸۱ بحرۃ ش۔ ۹۸۲ ش۔ ۹۸۳ بحرۃ ش۔ ۹۸۴ ش۔ ۹۸۵ بحرۃ ش۔ ۹۸۶ ش۔ ۹۸۷ بحرۃ ش۔ ۹۸۸ ش۔ ۹۸۹ بحرۃ ش۔ ۹۹۰ ش۔ ۹۹۱ بحرۃ ش۔ ۹۹۲ ش۔ ۹۹۳ بحرۃ ش۔ ۹۹۴ ش۔ ۹۹۵ بحرۃ ش۔ ۹۹۶ ش۔ ۹۹۷ بحرۃ ش۔ ۹۹۸ ش۔ ۹۹۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۰۰ ش۔ ۱۰۰۱ بحرۃ ش۔ ۱۰۰۲ ش۔ ۱۰۰۳ بحرۃ ش۔ ۱۰۰۴ ش۔ ۱۰۰۵ بحرۃ ش۔ ۱۰۰۶ ش۔ ۱۰۰۷ بحرۃ ش۔ ۱۰۰۸ ش۔ ۱۰۰۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۱۰ ش۔ ۱۰۱۱ بحرۃ ش۔ ۱۰۱۲ ش۔ ۱۰۱۳ بحرۃ ش۔ ۱۰۱۴ ش۔ ۱۰۱۵ بحرۃ ش۔ ۱۰۱۶ ش۔ ۱۰۱۷ بحرۃ ش۔ ۱۰۱۸ ش۔ ۱۰۱۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۲۰ ش۔ ۱۰۲۱ بحرۃ ش۔ ۱۰۲۲ ش۔ ۱۰۲۳ بحرۃ ش۔ ۱۰۲۴ ش۔ ۱۰۲۵ بحرۃ ش۔ ۱۰۲۶ ش۔ ۱۰۲۷ بحرۃ ش۔ ۱۰۲۸ ش۔ ۱۰۲۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۳۰ ش۔ ۱۰۳۱ بحرۃ ش۔ ۱۰۳۲ ش۔ ۱۰۳۳ بحرۃ ش۔ ۱۰۳۴ ش۔ ۱۰۳۵ بحرۃ ش۔ ۱۰۳۶ ش۔ ۱۰۳۷ بحرۃ ش۔ ۱۰۳۸ ش۔ ۱۰۳۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۴۰ ش۔ ۱۰۴۱ بحرۃ ش۔ ۱۰۴۲ ش۔ ۱۰۴۳ بحرۃ ش۔ ۱۰۴۴ ش۔ ۱۰۴۵ بحرۃ ش۔ ۱۰۴۶ ش۔ ۱۰۴۷ بحرۃ ش۔ ۱۰۴۸ ش۔ ۱۰۴۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۵۰ ش۔ ۱۰۵۱ بحرۃ ش۔ ۱۰۵۲ ش۔ ۱۰۵۳ بحرۃ ش۔ ۱۰۵۴ ش۔ ۱۰۵۵ بحرۃ ش۔ ۱۰۵۶ ش۔ ۱۰۵۷ بحرۃ ش۔ ۱۰۵۸ ش۔ ۱۰۵۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۶۰ ش۔ ۱۰۶۱ بحرۃ ش۔ ۱۰۶۲ ش۔ ۱۰۶۳ بحرۃ ش۔ ۱۰۶۴ ش۔ ۱۰۶۵ بحرۃ ش۔ ۱۰۶۶ ش۔ ۱۰۶۷ بحرۃ ش۔ ۱۰۶۸ ش۔ ۱۰۶۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۷۰ ش۔ ۱۰۷۱ بحرۃ ش۔ ۱۰۷۲ ش۔ ۱۰۷۳ بحرۃ ش۔ ۱۰۷۴ ش۔ ۱۰۷۵ بحرۃ ش۔ ۱۰۷۶ ش۔ ۱۰۷۷ بحرۃ ش۔ ۱۰۷۸ ش۔ ۱۰۷۹ بحرۃ ش۔ ۱۰۸۰ ش۔ ۱۰۸



بلکہ ہو یا اس کے پاس سود درہم اصدس دینار ہوں جن کی قیمت سود درہم سے کم ہے تو صاحبین کے نزدیک اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ واجب نہیں ہوگی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ملائی جائے گی اور اقل کو اکثر کی طرف ملایا جائے گا اس لئے کہ اقل اکثر کے تابع ہے پس اس سے نصاب پورا نہیں ہوتا۔ اور بعض نے کہا کہ ان کے نزدیک بھی واجب ہوگی اور یہی صحیح ہے اور اکثر کو اقل کی طرف ملایا جائے گا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجزاء کے پورا ہونے کا امام صاحب کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ دونوں نقدیوں میں سے ایک دوسری کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملائی جائے گی اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ خواہ اقل کو اکثر کے ساتھ ملایا جائے یا اکثر کو اقل کے ساتھ ملایا جائے۔ (یعنی دونوں میں سے جس صورت میں قیمت لگا کر نصاب پورا ہو جائے گا زکوۃ واجب ہو جائے گی۔ مؤلف) اس لئے کہ اگرچہ دیناروں کی قیمت کے اعتبار سے درہموں کا نصاب پورا ہونا ممکن نہیں ہے لیکن دیناروں کا نصاب درہموں کی قیمت کے اعتبار سے پورا ہونا ممکن ہے پس مثال اول میں ڈیڑھ سود درہم کی قیمت پندرہ دینار ہو جائے گی اور مثال ثانی میں سود درہم کی قیمت دس دینار ہو جائے گی پس احتیاطاً زکوۃ کے وجوب کے لئے اس طرح نصاب پورا کیا جائے گا۔ اور اکثر کو اقل کی طرف ملانے کے متعلق بدلے میں امام صاحب سے روایت ہے کہ فرمایا اگر کسی آدمی کے پاس پچانوے درہم اور ایک ایسا دینار ہو جس کی قیمت پانچ درہم ہوں تو اس پر زکوۃ واجب ہے اور یہ اس لئے ہے کہ چاندی (درہم) کی سولے (دینار) سے قیمت لگائی جائے گی اور ان درہموں میں سے ہر پانچ درہم کا ایک دینار ہوگا (پس پچانوے درہم کے انیس دینار ہوئے اور ایک دینار اس کے پاس ہے کل بیس دینار ہو کر نصاب دینار پورا ہو گیا۔ مؤلف)۔ اور اگر کسی شخص کے پاس سود درہم اور پانچ مثقال سونا ہو جس کی قیمت سود درہم ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر زکوۃ واجب ہے صاحبین کا اس میں خلاف ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ ان دونوں میں مقدار (وزن) کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں، یہاں تک کہ زیور یا برتن وغیرہ بنے ہوئے ہیں اگر اس کا وزن دو سود درہم سے کم ہو اور اگرچہ اس کی قیمت دو سود درہم سے زیادہ ہو زکوۃ واجب نہیں ہے اور امام صاحب کہتے ہیں کہ ان کو ہم جنس ہونے کی وجہ سے ملایا جاتا ہے اور یہ مجالست قیمت سے متحقق ہوتی ہے صورت سے نہیں پس قیمت سے ہی ملایا جائے گا۔

(۷) پھر جانا چاہئے کہ دونوں نقدیوں (سونا و چاندی) کو قیمت لگا کر آپس میں ملانا اس وقت واجب ہے جبکہ اس کے پاس دونوں جنسیں موجود ہوں لیکن اگر صرف ایک ہی جنس مثلاً صرف سونا یا صرف چاندی ہو تو قیمت کا اعتبار نہیں ہے بالاجمال اس لئے کہ انفرادی حالت میں وجوب داد دونوں کے لئے اس کا وزن معتبر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا پس اگر کسی کے پاس چاندی کا ٹونا وغیرہ کوئی برتن ہو جس کا وزن سود درہم ہو اور اس کی قیمت بناوٹ کی وجہ سے دو سود درہم ہو تو اس میں قیمت کے اعتبار سے زکوۃ واجب نہیں ہوگی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس لئے کہ اموالِ رباعیہ اور بناوٹ کی انفرادی حالت میں کوئی قیمت نہیں ہے اور اپنی جنس کے ساتھ مقابلہ کے وقت بھی کوئی قیمت نہیں ہے یہ لے بھروسہ دے۔ لے بھر زیادہ۔ لے ش۔ دھو لے بھروسہ دے۔ لے بھر۔ لے ش۔ لے بھروسہ۔







مثلاً اگر روپیہ زیادہ مروج ہوا شرعی اسفند نہ چلتی ہو تو نصاب معلوم کرنے کے لئے روپیہ سے قیمت لگائی جائے گی بلکہ اور دونوں سے نصاب پورا ہونے میں اختیار کا حکم صرف اس وقت جبکہ دونوں سے قیمت برابر ہوتی ہو اور اگر مختلف ہو تو جو زیادہ النفع ہے اس سے قیمت لگائی جائے گی۔ پس اگر سونے چاندی میں سے ایک کے ساتھ قیمت نصاب اور اس کا پانچواں حصہ ہوتی ہو اور دوسرے کے ساتھ قیمت کرنے سے کم ہوتی ہو تو قیمت اس کے ساتھ لگائی جائیگی جس سے فقیروں کو زیادہ نفع ہو مثلاً اگر درہم ہوں کے ساتھ قیمت کریں تو دو سو چالیس درہم ہوں اور دینار کے ساتھ تیس دینار ہوں تو درہم ہوں کے ساتھ قیمت کریں گے کیونکہ اس میں چھ درہم لازم ہوں گے بخلاف دینار کے ان میں نصف دینار واجب ہے جو کہ پانچ درہم کے برابر ہے اور اگر دیناروں سے قیمت لگانے میں چوبیس دینار ہوں اور درہم ہوں سے لگانے میں ایک سو چھتیس درہم ہوں تو دیناروں کے ساتھ قیمت لگائیں گے کیونکہ نصاب دیناروں کے حساب سے چھ درہم لازم ہوں گے اور درہم ہوں کے حساب سے پانچ درہم ہوں گے۔

(۵) اور اسباب کا مالک اس شہر کے نرخ کے بموجب اسباب کی قیمت لگائے جہاں وہ مال موجود ہو پس اگر غلام تجارت کے لئے دوسرے شہر کو بھیجا پھر سال پورا ہوا تو اس کی قیمت کا حساب اسی شہر کے بموجب ہوگا جس میں اب وہ غلام ہے اور اگر جنگل میں ہو تو اس شہر کی قیمت کا حساب لگایا جائے گا جو وہاں سے سب سے زیادہ قریب ہو۔ یہی اولیٰ ہے اور تبیین میں ہے کہ اگر جنگل میں ہو تو اس شہر کے بموجب قیمت لگائی جائیگی جس کی طرف وہ جارہا ہو۔

(۶) پھر امام ابو حنیفہ کے نزدیک وجوب کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ جیسا کہ سوائم میں ہے۔ پس اگر کسی کے پاس دو سو قفیز گہوں تجارت کے واسطے ہوں جنگی قیمت دو سو درہم ہے پھر سال تمام ہوا امان کی قیمت زیادہ ہوگئی تو اگر زکوۃ میں گہوں دینا چاہے تو پانچ قفیز دے اور اگر قیمت دینا چاہے تو اب اس قیمت سے حساب کیا جائے گا جو زکوۃ کے واجب ہونے کے وقت تھی اس لئے کہ یا اصل چیز زکوۃ میں دینا واجب ہے یا اس کی قیمت دینا واجب ہے اور اسی واسطے صدقہ وصول کرنے والے ہراس کے قبول کرنے میں جبر کیا جائے گا اور صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ جس روز زکوۃ ادا کرتا ہے اس روز کی قیمت کا اعتبار ہے اور یہی حکم ان سب چیزوں کی زکوۃ کا ہے جن کا حساب پیمانہ یا وزن یا گنتی سے ہوتا ہے اور اگر ان کی ذات میں قیمت کی نیادتی ہوگئی تو بالاجملہ قیمت کا اعتبار اس زمانے سے کیا جائے گا جب زکوۃ واجب ہوئی اس لئے کہ سال کے بعد جو زیادتی ہو اس کے ملانے کا حکم نہیں ہے اور اگر ذات میں نقصان ہو گیا مثلاً بھیگ گئے تو بالاجملہ زکوۃ ادا کرتے وقت جو قیمت ہے اس کا اعتبار ہوگا۔

(۷) اگر تجارت کے مال مختلف جنس کے ہوں تو بعض کو بعض سے ملائیں گے، یا قوت، موتیوں اور خواہرات میں زکوۃ

لے مائشہ غایت الاطراف شمسہ درمہ شمسہ الخمرہ مائشہ غایت الاطراف شمسہ بحرہ شمسہ بحرہ۔

مثلاً طوبیٰ بنک ہوئی۔







چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدیا جائے یا کسی دوسری جنس سے اس کی قیمت کے برابر مال ادا کر دیا جائے تو جائز و درست ہے پس جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اگر اس کی زکوٰۃ اس کے خلاف جنس یعنی کسی اور جنس سے ادا کرے تو بالاجماع یہ حکم ہے کہ قید واجب کی قیمت لگا کر دے اور اگر اسی جنس سے زکوٰۃ دے اور وہ ان چیزوں میں سے ہو جن میں ربو جاری نہیں ہوتا تب بھی حکم ہے اور اگر وہ جنس ایسی ہو جس میں ربو جاری ہوتا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ مقدار کا اعتبار ہو گا قیمت کا نہ ہو گا۔ امام محمدؒ کے نزدیک مقدار اور قیمت میں سے جو فقراء کے لئے زیادہ فائدہ ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا پس اگر کسی شخص نے پانچ قفیز عمدہ گیہوں کے بدلے میں پانچ قفیز ریگیہوں دیئے تو امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں یہاں تک کہ مقدار واجب کی پوری قیمت ادا کرے اور شیخین کے نزدیک جائز ہے اور یہ اس وقت ہی جبکہ تمام مال عمدہ ہو اور اس کی زکوٰۃ اسی جنس کے ردی سے ادا کرے اور اگر اس جنس کے علاوہ دوسری جنس سے زکوٰۃ ادا کرے تو بالاتفاق قیمت معتبر ہے۔ اور اگر پانچ قفیز ریگیہوں کے بدلے میں اسی جنس کے پانچ قفیز عمدہ کے دیئے تو بالاتفاق جائز ہے بنا بر خلاف مخزن ج کے اس کی پوری تفصیل شرح درالبحار و شرح الجمع میں ہے۔

## متفرق مسائل

(۱) اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کے ادا کرنے میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ زکوٰۃ دی ہے یا نہیں دی، تو احتیاطاً دوبارہ زکوٰۃ دے۔ اگر کسی شخص کو شک ہو کہ جو زکوٰۃ اس پر واجب ہے وہ سب ادا کر دی یا نہیں مثلاً وہ متفرق طور پر ادا کرتا رہا اور اس کو یاد دو حساب میں نہیں رکھا گیا تو اس کو اس زکوٰۃ کا دوبارہ ادا کرنا لازمی ہے اس کو چاہئے کہ وہ تحری (اُکل) کرے کہ کس قدر ادا کر دی ہے پس جو قدر اس کے ظن غالب میں آئے کہ ادا کر دی ہے اس قدر اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئی باقی ادا کرے اور اگر اس کے گمان غالب میں کچھ بھی متاثر نہ ہو تو ادا کرے واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) اگر عاقل و بالغ میں دو شخص شریک ہوں تو ان سے زکوٰۃ اس طرح لی جائے گی جیسے شریک نہ ہونے کی صورت میں لی جاتی۔ پس اگر ان میں سے ہر ایک کا حصہ بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ واجب نہ ہوگی۔ یعنی نصاب مشترک میں جب کہ مال شراکت اور ایک کا مال دوسرے کے مال میں ملانے کے باعث نصاب کی مقدار کو پہنچتا ہو اور ہر ایک کا مال جدا جدا نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو ان میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ خواہ ان دونوں کی شرکت اس طرح ہو کہ ہر ایک شخص دوسرے کا وکیل ہو کفیل نہ ہو یعنی شرکت عنان ہو یا اس طرح ہو کہ ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہو اور کفیل بھی یعنی شرکت مفاد نہ ہو یا اس طرح کی شرکت ہو کہ وہ مال دونوں کو وراثت میں ملا ہو یعنی شرکت یلک بالارث ہو یا اور کسی طرح وہ دونوں اس کے مالک ہو گئے ہوں خواہ وہ سب ایک ہی چراگاہ میں ہوں یا مختلف چراگاہوں میں ہوں۔ پس اگر ان میں سے ایک کا حصہ بقدر نصاب ہو اور دوسرے کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی جس کا حصہ بقدر نصاب ہے دوسرے پر واجب نہ ہوگی اور اگر















نہیں ہے اور نہ میں معراج سے منقول ہے کہ اگر ان میں اوسط درجہ کی نہ ہو تو اس سے افضل کا اعتبار کیا جائے گا تاکہ واجب اپنی مقدار کے مطابق ہو۔ اور اگر زکوٰۃ کے مال سامنے میں مصدق اس عمر کا سامنے نہ پائے، تو مالک باعتبار صفت یا عمر کے ادنیٰ درجہ کا مع زیادتی کے (یعنی جس جانور کو دے رہا ہے اس کی قیمت سے واجب جانور کی قیمت جس قدر زیادہ ہو وہ بھی اس جانور کے ساتھ ادا کرے) مصدق کو جبراً ادا کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ ادائے قیمت ہے بیع نہیں ہے یا لمحاظ صفت یا عمر اعلیٰ درجہ کا ادا کرے اور زیادتی اس سے واپس لے لے بغیر جبر کے اس لئے اس صورت میں مصدق مشتری (خریدار) ہے پس اس کی رضا مندی ضروری ہے یہی صحیح ہے یا مالک قیمت ادا کرے۔ اور اس کی تفصیل اوٹوں کی زکوٰۃ کے بیان میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں (مؤلف) اور اگر تین موٹی بکریاں چار اوسط بکریوں کے بدلے میں دے تو جائز ہے بخلاف مثلی کے یہاں بنت مخاض کے عوض بنت لبون کا کچھ حصہ دے تو جائز ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

(۷) اور اس تعداد میں جو عفو ہے زکوٰۃ نہیں ہے اور عفو وہ تعداد ہے جو تمام قسم کے مالوں میں دو نصابوں کے درمیان ہو پس امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک زکوٰۃ نصاب میں ہوتی ہے اور اس زیادتی میں نہیں ہوتی جو دو نصابوں کے درمیان ہو پس وہ معاف ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ عفو امام ابو حنیفہ کے نزدیک تمام قسم کے مالوں میں ہے اور صاحبین کے نزدیک صرف سامنے جانوروں میں ہوتی ہے۔ یعنی صاحبین نے عفو کو سامنے کے ساتھ خاص کیا ہے نقدی میں نہیں۔ اس لئے کہ نقدی میں جو دو سو درہم سے زیادہ ہو صاحبین کے نزدیک وہ معاف نہیں ہے۔ بلکہ کل مال کا چالیسواں حصہ لازم آتا ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر دو سو درہم پر زیادتی ہو تو جب تک وہ چالیس درہم نہ ہو جائیں عفو (معاف) میں اور جب چالیس درہم کی زیادتی ہو جائے تو ایک درہم لازم آئے گا یعنی چھ درہم زکوٰۃ دیئے جائیں گے۔ الغرض درہم کی کسر امام صاحب کے نزدیک معاف ہے جیسا کہ مزید تفصیل نقدی کی زکوٰۃ کے بیان میں آچکی ہے۔

(۸) اور زکوٰۃ واجب ہو جانے یعنی سال پورا گذرنے کے بعد اگر نصاب ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ ساقط ہو جاتی ہے۔ پس اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد تمام مال ہلاک ہو گیا تو تمام مال کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اگر کچھ مال ہلاک ہو گیا تو صاحب سے اسی قدر مال کی زکوٰۃ ساقط ہوگی۔ یعنی اگر نصاب کا کچھ حصہ ہلاک ہو گیا تو جس قدر حصہ ہلاک ہوا ہے اسی قدر حصہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگی۔ اگر زکوٰۃ کی ادائیگی میں بہت تاخیر کر دی یہاں تک کہ مال ہلاک ہو گیا یا امام یا ساعی نے اس سے زکوٰۃ طلب کی اور مال والے نے انکار کیا یہاں تک کہ مال ہلاک ہو گیا تو صحیح یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ ساقط ہوگی۔ یعنی اب اس پر کوئی ضمان نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اور اسی پر عام فقہاء ہیں۔ اور جو مال ہلاک ہوا ہے وہ پہلے عفو کی طرف لگایا جائے گا پھر اس نصاب کی طرف جو اس کے متصل ہے پھر اسی طرح اس نصاب کی طرف جو اس کے نیچے متصل ہے۔ اس لئے کہ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک زکوٰۃ نصاب میں ہوتی ہے عفو (زیادتی) میں نہیں یہاں تک کہ اگر عفو ہلاک ہو جائے اور نصاب باقی نہ جائے تو زکوٰۃ کی کل مقدار واجب باقی رہے گی اس لئے کہ عفو

لے بخروش۔ ۱۰ ش۔ ۱۱ درویش تصرفاً۔ ۱۲ درویش۔ ۱۳ ش۔ ۱۴ ع۔ ۱۵ در۔ ۱۶ بخروش مع۔ ۱۷ بحر۔ ۱۸ ش۔ ۱۹ بخروش۔ ۲۰ ش۔ ۲۱ ع۔ ۲۲ بحر۔ ۲۳ ع۔ ۲۴ بحر۔ ۲۵ ع۔ ۲۶ بحر۔ ۲۷ ع۔ ۲۸ بحر۔ ۲۹ ع۔ ۳۰ بحر۔ ۳۱ ع۔ ۳۲ بحر۔ ۳۳ ع۔ ۳۴ بحر۔ ۳۵ ع۔ ۳۶ بحر۔ ۳۷ ع۔ ۳۸ بحر۔ ۳۹ ع۔ ۴۰ بحر۔ ۴۱ ع۔ ۴۲ بحر۔ ۴۳ ع۔ ۴۴ بحر۔ ۴۵ ع۔ ۴۶ بحر۔ ۴۷ ع۔ ۴۸ بحر۔ ۴۹ ع۔ ۵۰ بحر۔ ۵۱ ع۔ ۵۲ بحر۔ ۵۳ ع۔ ۵۴ بحر۔ ۵۵ ع۔ ۵۶ بحر۔ ۵۷ ع۔ ۵۸ بحر۔ ۵۹ ع۔ ۶۰ بحر۔ ۶۱ ع۔ ۶۲ بحر۔ ۶۳ ع۔ ۶۴ بحر۔ ۶۵ ع۔ ۶۶ بحر۔ ۶۷ ع۔ ۶۸ بحر۔ ۶۹ ع۔ ۷۰ بحر۔ ۷۱ ع۔ ۷۲ بحر۔ ۷۳ ع۔ ۷۴ بحر۔ ۷۵ ع۔ ۷۶ بحر۔ ۷۷ ع۔ ۷۸ بحر۔ ۷۹ ع۔ ۸۰ بحر۔ ۸۱ ع۔ ۸۲ بحر۔ ۸۳ ع۔ ۸۴ بحر۔ ۸۵ ع۔ ۸۶ بحر۔ ۸۷ ع۔ ۸۸ بحر۔ ۸۹ ع۔ ۹۰ بحر۔ ۹۱ ع۔ ۹۲ بحر۔ ۹۳ ع۔ ۹۴ بحر۔ ۹۵ ع۔ ۹۶ بحر۔ ۹۷ ع۔ ۹۸ بحر۔ ۹۹ ع۔ ۱۰۰ بحر۔ ۱۰۱ ع۔ ۱۰۲ بحر۔ ۱۰۳ ع۔ ۱۰۴ بحر۔ ۱۰۵ ع۔ ۱۰۶ بحر۔ ۱۰۷ ع۔ ۱۰۸ بحر۔ ۱۰۹ ع۔ ۱۱۰ بحر۔ ۱۱۱ ع۔ ۱۱۲ بحر۔ ۱۱۳ ع۔ ۱۱۴ بحر۔ ۱۱۵ ع۔ ۱۱۶ بحر۔ ۱۱۷ ع۔ ۱۱۸ بحر۔ ۱۱۹ ع۔ ۱۲۰ بحر۔ ۱۲۱ ع۔ ۱۲۲ بحر۔ ۱۲۳ ع۔ ۱۲۴ بحر۔ ۱۲۵ ع۔ ۱۲۶ بحر۔ ۱۲۷ ع۔ ۱۲۸ بحر۔ ۱۲۹ ع۔ ۱۳۰ بحر۔ ۱۳۱ ع۔ ۱۳۲ بحر۔ ۱۳۳ ع۔ ۱۳۴ بحر۔ ۱۳۵ ع۔ ۱۳۶ بحر۔ ۱۳۷ ع۔ ۱۳۸ بحر۔ ۱۳۹ ع۔ ۱۴۰ بحر۔ ۱۴۱ ع۔ ۱۴۲ بحر۔ ۱۴۳ ع۔ ۱۴۴ بحر۔ ۱۴۵ ع۔ ۱۴۶ بحر۔ ۱۴۷ ع۔ ۱۴۸ بحر۔ ۱۴۹ ع۔ ۱۵۰ بحر۔ ۱۵۱ ع۔ ۱۵۲ بحر۔ ۱۵۳ ع۔ ۱۵۴ بحر۔ ۱۵۵ ع۔ ۱۵۶ بحر۔ ۱۵۷ ع۔ ۱۵۸ بحر۔ ۱۵۹ ع۔ ۱۶۰ بحر۔ ۱۶۱ ع۔ ۱۶۲ بحر۔ ۱۶۳ ع۔ ۱۶۴ بحر۔ ۱۶۵ ع۔ ۱۶۶ بحر۔ ۱۶۷ ع۔ ۱۶۸ بحر۔ ۱۶۹ ع۔ ۱۷۰ بحر۔ ۱۷۱ ع۔ ۱۷۲ بحر۔ ۱۷۳ ع۔ ۱۷۴ بحر۔ ۱۷۵ ع۔ ۱۷۶ بحر۔ ۱۷۷ ع۔ ۱۷۸ بحر۔ ۱۷۹ ع۔ ۱۸۰ بحر۔ ۱۸۱ ع۔ ۱۸۲ بحر۔ ۱۸۳ ع۔ ۱۸۴ بحر۔ ۱۸۵ ع۔ ۱۸۶ بحر۔ ۱۸۷ ع۔ ۱۸۸ بحر۔ ۱۸۹ ع۔ ۱۹۰ بحر۔ ۱۹۱ ع۔ ۱۹۲ بحر۔ ۱۹۳ ع۔ ۱۹۴ بحر۔ ۱۹۵ ع۔ ۱۹۶ بحر۔ ۱۹۷ ع۔ ۱۹۸ بحر۔ ۱۹۹ ع۔ ۲۰۰ بحر۔ ۲۰۱ ع۔ ۲۰۲ بحر۔ ۲۰۳ ع۔ ۲۰۴ بحر۔ ۲۰۵ ع۔ ۲۰۶ بحر۔ ۲۰۷ ع۔ ۲۰۸ بحر۔ ۲۰۹ ع۔ ۲۱۰ بحر۔ ۲۱۱ ع۔ ۲۱۲ بحر۔ ۲۱۳ ع۔ ۲۱۴ بحر۔ ۲۱۵ ع۔ ۲۱۶ بحر۔ ۲۱۷ ع۔ ۲۱۸ بحر۔ ۲۱۹ ع۔ ۲۲۰ بحر۔ ۲۲۱ ع۔ ۲۲۲ بحر۔ ۲۲۳ ع۔ ۲۲۴ بحر۔ ۲۲۵ ع۔ ۲۲۶ بحر۔ ۲۲۷ ع۔ ۲۲۸ بحر۔ ۲۲۹ ع۔ ۲۳۰ بحر۔ ۲۳۱ ع۔ ۲۳۲ بحر۔ ۲۳۳ ع۔ ۲۳۴ بحر۔ ۲۳۵ ع۔ ۲۳۶ بحر۔ ۲۳۷ ع۔ ۲۳۸ بحر۔ ۲۳۹ ع۔ ۲۴۰ بحر۔ ۲۴۱ ع۔ ۲۴۲ بحر۔ ۲۴۳ ع۔ ۲۴۴ بحر۔ ۲۴۵ ع۔ ۲۴۶ بحر۔ ۲۴۷ ع۔ ۲۴۸ بحر۔ ۲۴۹ ع۔ ۲۵۰ بحر۔ ۲۵۱ ع۔ ۲۵۲ بحر۔ ۲۵۳ ع۔ ۲۵۴ بحر۔ ۲۵۵ ع۔ ۲۵۶ بحر۔ ۲۵۷ ع۔ ۲۵۸ بحر۔ ۲۵۹ ع۔ ۲۶۰ بحر۔ ۲۶۱ ع۔ ۲۶۲ بحر۔ ۲۶۳ ع۔ ۲۶۴ بحر۔ ۲۶۵ ع۔ ۲۶۶ بحر۔ ۲۶۷ ع۔ ۲۶۸ بحر۔ ۲۶۹ ع۔ ۲۷۰ بحر۔ ۲۷۱ ع۔ ۲۷۲ بحر۔ ۲۷۳ ع۔ ۲۷۴ بحر۔ ۲۷۵ ع۔ ۲۷۶ بحر۔ ۲۷۷ ع۔ ۲۷۸ بحر۔ ۲۷۹ ع۔ ۲۸۰ بحر۔ ۲۸۱ ع۔ ۲۸۲ بحر۔ ۲۸۳ ع۔ ۲۸۴ بحر۔ ۲۸۵ ع۔ ۲۸۶ بحر۔ ۲۸۷ ع۔ ۲۸۸ بحر۔ ۲۸۹ ع۔ ۲۹۰ بحر۔ ۲۹۱ ع۔ ۲۹۲ بحر۔ ۲۹۳ ع۔ ۲۹۴ بحر۔ ۲۹۵ ع۔ ۲۹۶ بحر۔ ۲۹۷ ع۔ ۲۹۸ بحر۔ ۲۹۹ ع۔ ۳۰۰ بحر۔ ۳۰۱ ع۔ ۳۰۲ بحر۔ ۳۰۳ ع۔ ۳۰۴ بحر۔ ۳۰۵ ع۔ ۳۰۶ بحر۔ ۳۰۷ ع۔ ۳۰۸ بحر۔ ۳۰۹ ع۔ ۳۱۰ بحر۔ ۳۱۱ ع۔ ۳۱۲ بحر۔ ۳۱۳ ع۔ ۳۱۴ بحر۔ ۳۱۵ ع۔ ۳۱۶ بحر۔ ۳۱۷ ع۔ ۳۱۸ بحر۔ ۳۱۹ ع۔ ۳۲۰ بحر۔ ۳۲۱ ع۔ ۳۲۲ بحر۔ ۳۲۳ ع۔ ۳۲۴ بحر۔ ۳۲۵ ع۔ ۳۲۶ بحر۔ ۳۲۷ ع۔ ۳۲۸ بحر۔ ۳۲۹ ع۔ ۳۳۰ بحر۔ ۳۳۱ ع۔ ۳۳۲ بحر۔ ۳۳۳ ع۔ ۳۳۴ بحر۔ ۳۳۵ ع۔ ۳۳۶ بحر۔ ۳۳۷ ع۔ ۳۳۸ بحر۔ ۳۳۹ ع۔ ۳۴۰ بحر۔ ۳۴۱ ع۔ ۳۴۲ بحر۔ ۳۴۳ ع۔ ۳۴۴ بحر۔ ۳۴۵ ع۔ ۳۴۶ بحر۔ ۳۴۷ ع۔ ۳۴۸ بحر۔ ۳۴۹ ع۔ ۳۵۰ بحر۔ ۳۵۱ ع۔ ۳۵۲ بحر۔ ۳۵۳ ع۔ ۳۵۴ بحر۔ ۳۵۵ ع۔ ۳۵۶ بحر۔ ۳۵۷ ع۔ ۳۵۸ بحر۔ ۳۵۹ ع۔ ۳۶۰ بحر۔ ۳۶۱ ع۔ ۳۶۲ بحر۔ ۳۶۳ ع۔ ۳۶۴ بحر۔ ۳۶۵ ع۔ ۳۶۶ بحر۔ ۳۶۷ ع۔ ۳۶۸ بحر۔ ۳۶۹ ع۔ ۳۷۰ بحر۔ ۳۷۱ ع۔ ۳۷۲ بحر۔ ۳۷۳ ع۔ ۳۷۴ بحر۔ ۳۷۵ ع۔ ۳۷۶ بحر۔ ۳۷۷ ع۔ ۳۷۸ بحر۔ ۳۷۹ ع۔ ۳۸۰ بحر۔ ۳۸۱ ع۔ ۳۸۲ بحر۔ ۳۸۳ ع۔ ۳۸۴ بحر۔ ۳۸۵ ع۔ ۳۸۶ بحر۔ ۳۸۷ ع۔ ۳۸۸ بحر۔ ۳۸۹ ع۔ ۳۹۰ بحر۔ ۳۹۱ ع۔ ۳۹۲ بحر۔ ۳۹۳ ع۔ ۳۹۴ بحر۔ ۳۹۵ ع۔ ۳۹۶ بحر۔ ۳۹۷ ع۔ ۳۹۸ بحر۔ ۳۹۹ ع۔ ۴۰۰ بحر۔ ۴۰۱ ع۔ ۴۰۲ بحر۔ ۴۰۳ ع۔ ۴۰۴ بحر۔ ۴۰۵ ع۔ ۴۰۶ بحر۔ ۴۰۷ ع۔ ۴۰۸ بحر۔ ۴۰۹ ع۔ ۴۱۰ بحر۔ ۴۱۱ ع۔ ۴۱۲ بحر۔ ۴۱۳ ع۔ ۴۱۴ بحر۔ ۴۱۵ ع۔ ۴۱۶ بحر۔ ۴۱۷ ع۔ ۴۱۸ بحر۔ ۴۱۹ ع۔ ۴۲۰ بحر۔ ۴۲۱ ع۔ ۴۲۲ بحر۔ ۴۲۳ ع۔ ۴۲۴ بحر۔ ۴۲۵ ع۔ ۴۲۶ بحر۔ ۴۲۷ ع۔ ۴۲۸ بحر۔ ۴۲۹ ع۔ ۴۳۰ بحر۔ ۴۳۱ ع۔ ۴۳۲ بحر۔ ۴۳۳ ع۔ ۴۳۴ بحر۔ ۴۳۵ ع۔ ۴۳۶ بحر۔ ۴۳۷ ع۔ ۴۳۸ بحر۔ ۴۳۹ ع۔ ۴۴۰ بحر۔ ۴۴۱ ع۔ ۴۴۲ بحر۔ ۴۴۳ ع۔ ۴۴۴ بحر۔ ۴۴۵ ع۔ ۴۴۶ بحر۔ ۴۴۷ ع۔ ۴۴۸ بحر۔ ۴۴۹ ع۔ ۴۵۰ بحر۔ ۴۵۱ ع۔ ۴۵۲ بحر۔ ۴۵۳ ع۔ ۴۵۴ بحر۔ ۴۵۵ ع۔ ۴۵۶ بحر۔ ۴۵۷ ع۔ ۴۵۸ بحر۔ ۴۵۹ ع۔ ۴۶۰ بحر۔ ۴۶۱ ع۔ ۴۶۲ بحر۔ ۴۶۳ ع۔ ۴۶۴ بحر۔ ۴۶۵ ع۔ ۴۶۶ بحر۔ ۴۶۷ ع۔ ۴۶۸ بحر۔ ۴۶۹ ع۔ ۴۷۰ بحر۔ ۴۷۱ ع۔ ۴۷۲ بحر۔ ۴۷۳ ع۔ ۴۷۴ بحر۔ ۴۷۵ ع۔ ۴۷۶ بحر۔ ۴۷۷ ع۔ ۴۷۸ بحر۔ ۴۷۹ ع۔ ۴۸۰ بحر۔ ۴۸۱ ع۔ ۴۸۲ بحر۔ ۴۸۳ ع۔ ۴۸۴ بحر۔ ۴۸۵ ع۔ ۴۸۶ بحر۔ ۴۸۷ ع۔ ۴۸۸ بحر۔ ۴۸۹ ع۔ ۴۹۰ بحر۔ ۴۹۱ ع۔ ۴۹۲ بحر۔ ۴۹۳ ع۔ ۴۹۴ بحر۔ ۴۹۵ ع۔ ۴۹۶ بحر۔ ۴۹۷ ع۔ ۴۹۸ بحر۔ ۴۹۹ ع۔ ۵۰۰ بحر۔ ۵۰۱ ع۔ ۵۰۲ بحر۔ ۵۰۳ ع۔ ۵۰۴ بحر۔ ۵۰۵ ع۔ ۵۰۶ بحر۔ ۵۰۷ ع۔ ۵۰۸ بحر۔ ۵۰۹ ع۔ ۵۱۰ بحر۔ ۵۱۱ ع۔ ۵۱۲ بحر۔ ۵۱۳ ع۔ ۵۱۴ بحر۔ ۵۱۵ ع۔ ۵۱۶ بحر۔ ۵۱۷ ع۔ ۵۱۸ بحر۔ ۵۱۹ ع۔ ۵۲۰ بحر۔ ۵۲۱ ع۔ ۵۲۲ بحر۔ ۵۲۳ ع۔ ۵۲۴ بحر۔ ۵۲۵ ع۔ ۵۲۶ بحر۔ ۵۲۷ ع۔ ۵۲۸ بحر۔ ۵۲۹ ع۔ ۵۳۰ بحر۔ ۵۳۱ ع۔ ۵۳۲ بحر۔ ۵۳۳ ع۔ ۵۳۴ بحر۔ ۵۳۵ ع۔ ۵۳۶ بحر۔ ۵۳۷ ع۔ ۵۳۸ بحر۔ ۵۳۹ ع۔ ۵۴۰ بحر۔ ۵۴۱ ع۔ ۵۴۲ بحر۔ ۵۴۳ ع۔ ۵۴۴ بحر۔ ۵۴۵ ع۔ ۵۴۶ بحر۔ ۵۴۷ ع۔ ۵۴۸ بحر۔ ۵۴۹ ع۔ ۵۵۰ بحر۔ ۵۵۱ ع۔ ۵۵۲ بحر۔ ۵۵۳ ع۔ ۵۵۴ بحر۔ ۵۵۵ ع۔ ۵۵۶ بحر۔ ۵۵۷ ع۔ ۵۵۸ بحر۔ ۵۵۹ ع۔ ۵۶۰ بحر۔ ۵۶۱ ع۔ ۵۶۲ بحر۔ ۵۶۳ ع۔ ۵۶۴ بحر۔ ۵۶۵ ع۔ ۵۶۶ بحر۔ ۵۶۷ ع۔ ۵۶۸ بحر۔ ۵۶۹ ع۔ ۵۷۰ بحر۔ ۵۷۱ ع۔ ۵۷۲ بحر۔ ۵۷۳ ع۔ ۵۷۴ بحر۔ ۵۷۵ ع۔ ۵۷۶ بحر۔ ۵۷۷ ع۔ ۵۷۸ بحر۔ ۵۷۹ ع۔ ۵۸۰ بحر۔ ۵۸۱ ع۔ ۵۸۲ بحر۔ ۵۸۳ ع۔ ۵۸۴ بحر۔ ۵۸۵ ع۔ ۵۸۶ بحر۔ ۵۸۷ ع۔ ۵۸۸ بحر۔ ۵۸۹ ع۔ ۵۹۰ بحر۔ ۵۹۱ ع۔ ۵۹۲ بحر۔ ۵۹۳ ع۔ ۵۹۴ بحر۔ ۵۹۵ ع۔ ۵۹۶ بحر۔ ۵۹۷ ع۔ ۵۹۸ بحر۔ ۵۹۹ ع۔ ۶۰۰ بحر۔ ۶۰۱ ع۔ ۶۰۲ بحر۔ ۶۰۳ ع۔ ۶۰۴ بحر۔ ۶۰۵ ع۔ ۶۰۶ بحر۔ ۶۰۷ ع۔ ۶۰۸ بحر۔ ۶۰۹ ع۔ ۶۱۰ بحر۔ ۶۱۱ ع۔ ۶۱۲ بحر۔ ۶۱۳ ع۔ ۶۱۴ بحر۔ ۶۱۵ ع۔ ۶۱۶ بحر۔ ۶۱۷ ع۔ ۶۱۸ بحر۔ ۶۱۹ ع۔ ۶۲۰ بحر۔ ۶۲۱ ع۔ ۶۲۲ بحر۔ ۶۲۳ ع۔ ۶۲۴ بحر۔ ۶۲۵ ع۔ ۶۲۶ بحر۔ ۶۲۷ ع۔ ۶۲۸ بحر۔ ۶۲۹ ع۔ ۶۳۰ بحر۔ ۶۳۱ ع۔ ۶۳۲ بحر۔ ۶۳۳ ع۔ ۶۳۴ بحر۔ ۶۳۵ ع۔ ۶۳۶ بحر۔ ۶۳۷ ع۔ ۶۳۸ بحر۔ ۶۳۹ ع۔ ۶۴۰ بحر۔ ۶۴۱ ع۔ ۶۴۲ بحر۔ ۶۴۳ ع۔ ۶۴۴ بحر۔ ۶۴۵ ع۔ ۶۴۶ بحر۔ ۶۴۷ ع۔ ۶۴۸ بحر۔ ۶۴۹ ع۔ ۶۵۰ بحر۔ ۶۵۱ ع۔ ۶۵۲ بحر۔ ۶۵۳ ع۔ ۶۵۴ بحر۔ ۶۵۵ ع۔ ۶۵۶ بحر۔ ۶۵۷ ع۔ ۶۵۸ بحر۔ ۶۵۹ ع۔ ۶۶۰ بحر۔ ۶۶۱ ع۔ ۶۶۲ بحر۔ ۶۶۳ ع۔ ۶۶۴ بحر۔ ۶۶۵ ع۔ ۶۶۶ بحر۔ ۶۶۷ ع۔ ۶۶۸ بحر۔ ۶۶۹ ع۔ ۶۷۰ بحر۔ ۶۷۱ ع۔ ۶۷۲ بحر۔ ۶۷۳ ع۔ ۶۷۴ بحر۔ ۶۷۵ ع۔ ۶۷۶ بحر۔ ۶۷۷ ع۔ ۶۷۸ بحر۔ ۶۷۹ ع۔ ۶۸۰ بحر۔ ۶۸۱ ع۔ ۶۸۲ بحر۔ ۶۸۳ ع۔ ۶۸۴ بحر۔ ۶۸۵ ع۔ ۶۸۶ بحر۔ ۶۸۷ ع۔ ۶۸۸ بحر۔ ۶۸۹ ع۔ ۶۹۰ بحر۔ ۶۹۱ ع۔ ۶۹۲ بحر۔ ۶۹۳ ع۔ ۶۹۴ بحر۔ ۶۹۵ ع۔ ۶۹۶ بحر۔ ۶۹۷ ع۔ ۶۹۸ بحر۔ ۶۹۹ ع۔ ۷۰۰ بحر۔ ۷۰۱ ع۔ ۷۰۲ بحر۔ ۷۰۳ ع۔ ۷۰۴ بحر۔ ۷۰۵ ع۔ ۷۰۶ بحر۔ ۷۰۷ ع۔ ۷۰۸ بحر۔ ۷۰۹ ع۔ ۷۱۰ بحر۔ ۷۱۱ ع۔ ۷۱۲ بحر۔ ۷۱۳ ع۔ ۷۱۴ بحر۔ ۷۱۵ ع۔ ۷۱۶ بحر۔ ۷۱۷ ع۔ ۷۱۸ بحر۔ ۷۱۹ ع۔ ۷۲۰ بحر۔ ۷۲۱ ع۔ ۷۲۲ بحر۔ ۷۲۳ ع۔ ۷۲۴ بحر۔ ۷۲۵ ع۔ ۷۲۶ بحر۔ ۷۲۷ ع۔ ۷۲۸ بحر۔ ۷۲۹ ع۔ ۷۳۰ بحر۔ ۷۳۱ ع۔ ۷۳۲ بحر۔ ۷۳۳ ع۔ ۷۳۴ بحر۔ ۷۳۵ ع۔ ۷۳۶ بحر۔ ۷۳۷ ع۔ ۷۳۸ بحر۔ ۷۳۹ ع۔ ۷۴۰ بحر۔ ۷۴۱ ع۔ ۷۴۲ بحر۔ ۷۴۳ ع۔ ۷۴۴ بحر۔ ۷۴۵ ع۔ ۷۴۶ بحر۔ ۷۴۷ ع۔ ۷۴۸ بحر۔ ۷۴۹ ع۔ ۷۵۰ بحر۔ ۷۵۱ ع۔ ۷۵۲ بحر۔ ۷۵۳ ع۔ ۷۵۴ بحر۔ ۷۵۵ ع۔ ۷۵۶ بحر۔ ۷۵۷ ع۔ ۷۵۸ بحر۔ ۷۵۹ ع۔ ۷۶۰ بحر۔ ۷۶۱ ع۔ ۷۶۲ بحر۔ ۷۶۳ ع۔ ۷۶۴ بحر۔ ۷۶۵ ع۔ ۷۶۶ بحر۔ ۷۶۷ ع۔ ۷۶۸ بحر۔ ۷۶۹ ع۔ ۷۷۰ بحر۔ ۷۷۱ ع۔ ۷۷۲ بحر۔ ۷۷۳ ع۔ ۷۷۴ بحر۔ ۷۷۵ ع۔ ۷۷۶ بحر۔ ۷۷۷ ع۔ ۷۷۸ بحر۔ ۷۷۹ ع۔ ۷۸۰ بحر۔ ۷۸۱ ع۔ ۷۸۲ بحر۔ ۷۸۳ ع۔ ۷۸۴ بحر۔ ۷۸۵ ع۔ ۷۸۶ بحر۔ ۷۸۷ ع۔ ۷۸۸ بحر۔ ۷۸۹ ع۔ ۷۹۰ بحر۔ ۷۹۱ ع۔ ۷۹۲ بحر۔ ۷۹۳ ع۔ ۷۹۴ بحر۔ ۷۹۵ ع۔ ۷۹۶ بحر۔ ۷۹۷ ع۔ ۷۹۸ بحر۔ ۷۹۹ ع۔ ۸۰۰ بحر۔ ۸۰۱ ع۔ ۸۰۲ بحر۔ ۸۰۳ ع۔ ۸۰۴ بحر۔ ۸۰۵ ع۔ ۸۰۶ بحر۔ ۸۰۷ ع۔ ۸۰۸ بحر۔ ۸۰۹ ع۔ ۸۱۰ بحر۔ ۸۱۱ ع۔ ۸۱۲ بحر۔ ۸۱۳ ع۔ ۸۱۴ بحر۔ ۸۱۵ ع۔ ۸۱۶ بحر۔ ۸۱۷ ع۔ ۸۱۸ بحر۔ ۸۱۹ ع۔ ۸۲۰ بحر۔ ۸۲۱ ع۔ ۸۲۲ بحر۔ ۸۲۳ ع۔ ۸۲۴ بحر۔ ۸۲۵ ع۔ ۸۲۶ بحر۔ ۸۲۷ ع۔ ۸۲۸ بحر۔ ۸۲۹ ع۔ ۸۳۰ بحر۔ ۸۳۱ ع۔ ۸۳۲ بحر۔ ۸۳۳ ع۔ ۸۳۴ بحر۔ ۸۳۵ ع۔ ۸۳۶ بحر۔ ۸۳۷ ع۔ ۸۳۸ بحر۔ ۸۳۹ ع۔ ۸۴۰ بحر۔ ۸۴۱ ع۔ ۸۴۲ بحر۔ ۸۴۳ ع۔ ۸۴۴ بحر۔ ۸۴۵ ع۔ ۸۴۶ بحر۔ ۸۴۷ ع۔ ۸۴۸ بحر۔ ۸۴۹ ع۔ ۸۵۰ بحر۔ ۸۵۱ ع۔ ۸۵۲ بحر۔ ۸۵۳ ع۔ ۸۵۴ بحر۔ ۸۵۵ ع۔ ۸۵۶ بحر۔ ۸۵۷ ع۔ ۸۵۸ بحر۔ ۸۵۹ ع۔ ۸۶۰ بحر۔ ۸۶۱ ع۔ ۸۶۲ بحر۔ ۸۶۳ ع۔ ۸۶۴ بحر۔ ۸۶۵ ع۔ ۸۶۶ بحر۔ ۸۶۷ ع۔ ۸۶۸ بحر۔ ۸۶۹ ع۔ ۸۷۰ بحر۔ ۸۷۱ ع۔ ۸۷۲ بحر۔ ۸۷۳ ع۔ ۸۷۴ بحر۔ ۸۷۵ ع۔ ۸۷۶ بحر۔ ۸۷۷ ع۔ ۸۷۸ بحر۔ ۸۷۹ ع۔ ۸۸۰ بحر۔ ۸۸۱ ع۔ ۸۸۲ بحر۔ ۸۸۳ ع۔ ۸۸۴ بحر۔ ۸۸۵ ع۔ ۸۸۶ بحر۔ ۸۸۷ ع۔ ۸۸۸ بحر۔ ۸۸۹ ع۔ ۸۹۰ بحر۔ ۸۹۱ ع۔ ۸۹۲ بحر۔ ۸۹۳ ع۔ ۸۹۴ بحر۔ ۸۹۵ ع۔ ۸۹۶ بحر۔ ۸۹۷ ع۔ ۸۹۸ بحر۔ ۸۹۹ ع۔ ۹۰۰ بحر۔ ۹۰۱ ع۔ ۹۰۲ بحر۔ ۹۰۳ ع۔ ۹۰۴ بحر۔ ۹۰۵ ع۔ ۹۰۶ بحر۔ ۹۰۷ ع۔ ۹۰۸ بحر۔ ۹۰۹ ع۔ ۹۱۰ بحر۔ ۹۱۱ ع۔ ۹۱۲ بحر۔ ۹۱۳ ع۔ ۹۱۴ بحر۔ ۹۱۵ ع۔ ۹۱۶ بحر۔ ۹۱۷ ع۔ ۹۱۸ بحر۔ ۹۱۹ ع۔ ۹۲۰ بحر۔ ۹۲۱ ع۔ ۹۲۲ بحر۔ ۹۲۳ ع۔ ۹۲۴ بحر۔ ۹۲۵ ع۔ ۹۲۶ بحر۔ ۹۲۷ ع۔ ۹۲۸ بحر۔ ۹۲۹ ع۔ ۹۳۰ بحر۔ ۹۳۱ ع۔ ۹۳۲ بحر۔ ۹۳۳ ع۔ ۹۳۴ بحر۔ ۹۳۵ ع۔ ۹۳۶ بحر۔ ۹۳۷ ع۔ ۹۳۸ بحر۔ ۹۳۹ ع۔ ۹۴۰ بحر۔ ۹۴۱ ع۔ ۹۴۲ بحر۔ ۹۴۳ ع۔ ۹۴۴ بحر۔ ۹۴۵ ع۔ ۹۴۶ بحر۔ ۹۴۷ ع۔ ۹۴۸ بحر۔ ۹۴۹ ع۔ ۹۵۰ بحر۔ ۹۵۱ ع۔ ۹۵۲ بحر۔ ۹۵۳ ع۔ ۹۵۴ بحر۔ ۹۵۵ ع۔ ۹۵۶ بحر۔ ۹۵۷ ع۔ ۹۵۸ بحر۔ ۹۵۹ ع۔ ۹۶۰ بحر۔ ۹۶۱ ع۔ ۹۶۲ بحر۔ ۹۶۳ ع۔ ۹۶۴ بحر۔ ۹۶۵ ع۔ ۹۶۶ بحر۔ ۹۶۷ ع۔ ۹۶۸ بحر۔ ۹۶۹ ع۔ ۹۷۰ بحر۔ ۹۷۱ ع۔ ۹۷۲ بحر۔ ۹۷۳ ع۔ ۹۷۴ بحر۔ ۹۷۵ ع۔ ۹۷۶ بحر۔ ۹۷۷ ع۔ ۹۷۸ بحر۔ ۹۷۹ ع۔ ۹۸۰ بحر۔ ۹۸۱ ع۔ ۹۸۲ بحر۔ ۹۸۳ ع۔ ۹۸۴ بحر۔ ۹۸۵ ع۔ ۹۸۶ بحر۔ ۹۸۷ ع۔ ۹۸۸ بحر۔ ۹۸۹ ع۔ ۹۹۰ بحر۔ ۹۹۱ ع۔ ۹۹۲ بحر۔ ۹۹۳ ع۔ ۹۹۴ بحر۔ ۹۹۵ ع۔ ۹۹۶ بحر۔ ۹۹۷ ع۔ ۹۹۸ بحر۔ ۹۹۹ ع۔ ۱۰۰۰ بحر۔ ۱۰۰۱ ع۔ ۱۰۰۲ بحر۔ ۱۰۰۳ ع۔ ۱۰۰۴ بحر۔ ۱۰۰۵ ع۔ ۱۰۰۶ بحر۔ ۱۰۰۷ ع۔ ۱۰۰۸ بحر۔ ۱۰۰۹ ع۔ ۱۰۱۰ بحر۔ ۱۰۱۱ ع۔ ۱۰۱۲ بحر۔ ۱۰۱۳ ع۔ ۱۰۱۴ بحر۔ ۱۰۱۵ ع۔ ۱۰۱۶ بحر۔ ۱۰۱۷ ع۔ ۱۰۱۸ بحر۔ ۱۰۱۹ ع۔ ۱۰۲۰ بحر۔ ۱۰۲۱ ع۔ ۱۰۲۲ بحر۔ ۱۰۲۳ ع۔ ۱۰۲۴ بحر۔ ۱۰۲۵ ع۔ ۱۰۲۶ بحر۔ ۱۰۲۷ ع۔ ۱۰۲۸ بحر۔ ۱۰۲۹ ع۔ ۱۰۳۰ بحر۔ ۱۰۳۱ ع۔ ۱۰۳۲ بحر۔ ۱۰۳۳ ع۔ ۱۰۳۴ بحر۔ ۱۰۳۵ ع۔ ۱۰۳۶ بحر۔ ۱۰۳۷ ع۔ ۱۰۳۸ بحر۔ ۱۰۳۹ ع۔ ۱۰۴۰ بحر۔ ۱۰۴۱ ع۔ ۱۰۴۲ بحر۔ ۱۰۴۳ ع۔ ۱۰۴۴ بحر۔ ۱۰۴۵ ع۔ ۱۰۴۶ بحر۔ ۱۰۴۷ ع۔ ۱۰۴۸ بحر۔ ۱۰۴۹ ع۔ ۱۰۵۰ بحر۔ ۱۰۵۱ ع۔ ۱۰۵۲ بحر۔ ۱۰۵۳ ع۔ ۱۰۵۴ بحر۔ ۱۰۵۵ ع۔ ۱۰۵۶ بحر۔ ۱۰۵۷ ع۔ ۱۰۵۸ بحر۔ ۱۰۵۹ ع۔ ۱۰۶۰ بحر۔ ۱۰۶۱ ع۔ ۱۰۶۲ بحر۔ ۱۰۶۳ ع۔ ۱۰۶۴ بحر۔ ۱۰۶۵ ع۔ ۱۰۶۶ بحر۔ ۱۰۶۷ ع۔ ۱۰۶۸ بحر۔ ۱۰۶۹ ع۔ ۱۰۷۰ بحر۔ ۱۰۷۱ ع۔ ۱۰۷۲ بحر۔ ۱۰۷۳ ع۔ ۱۰۷۴ بحر۔ ۱۰۷۵ ع۔ ۱۰۷۶ بحر۔ ۱۰۷۷ ع۔ ۱۰۷۸ بحر۔ ۱۰۷۹ ع۔ ۱۰۸۰ بحر۔ ۱۰۸۱ ع۔ ۱۰۸۲ بحر۔ ۱۰۸۳ ع۔ ۱۰۸۴ بحر۔ ۱۰۸۵ ع۔ ۱۰۸۶ بحر۔ ۱۰۸۷ ع۔ ۱۰۸۸ بحر۔ ۱۰۸۹ ع۔ ۱۰۹۰ بحر۔ ۱۰۹۱ ع۔ ۱۰۹۲ بحر۔ ۱۰۹۳ ع۔ ۱۰۹۴ بحر۔ ۱۰۹۵ ع۔ ۱۰۹۶ بحر۔ ۱۰۹۷ ع۔ ۱۰۹۸ بحر۔ ۱۰۹۹ ع۔ ۱۱۰۰ بحر۔ ۱۱۰۱ ع۔ ۱۱۰۲ بحر۔ ۱۱۰۳ ع۔ ۱۱۰۴ بحر۔ ۱۱۰۵ ع۔ ۱۱۰۶ بحر۔ ۱۱۰۷ ع۔ ۱۱۰۸ بحر۔ ۱۱۰۹ ع۔ ۱۱۱۰ بحر۔ ۱۱۱۱ ع۔ ۱۱۱۲ بحر۔ ۱۱۱۳ ع۔ ۱۱۱۴ بحر۔ ۱۱۱۵ ع۔ ۱۱۱۶ بحر۔ ۱۱۱۷ ع۔ ۱۱۱۸ بحر۔ ۱۱۱۹ ع۔ ۱۱۲۰ بحر۔ ۱۱۲۱ ع۔ ۱۱۲۲ بحر۔ ۱۱۲۳ ع۔ ۱۱۲۴ بحر۔ ۱۱۲۵ ع۔ ۱۱۲۶ بحر۔ ۱۱۲۷ ع۔ ۱۱۲۸ بحر۔ ۱۱۲۹ ع۔ ۱۱۳۰ بحر۔ ۱۱۳۱ ع۔ ۱۱۳۲ بحر۔ ۱۱۳۳ ع۔ ۱۱۳۴ بحر۔ ۱۱۳۵ ع۔ ۱۱۳۶ بحر۔ ۱۱۳۷ ع۔ ۱۱۳۸ بحر۔ ۱۱۳۹ ع۔ ۱۱۴۰ بحر۔ ۱۱۴۱ ع۔ ۱۱۴۲ بحر۔ ۱۱۴۳ ع۔ ۱۱۴۴ بحر۔ ۱۱۴۵ ع۔ ۱۱۴۶ بحر۔ ۱۱۴۷ ع۔ ۱۱۴۸ بحر۔ ۱۱۴۹ ع۔ ۱۱۵۰ بحر۔ ۱۱۵۱ ع۔ ۱۱۵۲ بحر۔ ۱۱۵۳ ع۔ ۱۱۵۴ بحر۔ ۱۱۵۵ ع۔ ۱۱۵۶ بحر۔ ۱۱۵۷ ع۔ ۱۱۵۸ بحر۔ ۱۱۵۹ ع۔ ۱۱۶۰ بحر۔ ۱۱۶۱ ع۔ ۱۱۶۲ بحر۔ ۱۱۶۳ ع۔ ۱۱۶۴ بحر۔ ۱۱۶۵ ع۔ ۱۱۶۶ بحر۔ ۱۱۶۷ ع۔ ۱۱۶۸ بحر۔ ۱۱۶۹ ع۔ ۱۱۷۰ بحر۔ ۱۱۷۱ ع۔ ۱۱۷۲ بحر۔ ۱۱۷۳ ع۔ ۱۱۷۴ بحر۔ ۱۱۷۵ ع۔ ۱۱۷۶ بحر۔ ۱۱۷۷ ع۔ ۱۱۷۸ بحر۔ ۱۱۷۹ ع۔ ۱۱۸۰ بحر۔ ۱۱۸۱ ع۔ ۱۱۸۲ بحر۔ ۱۱۸۳ ع۔ ۱۱۸۴ بحر۔ ۱۱۸۵ ع۔ ۱۱۸۶ بحر۔ ۱۱۸۷ ع۔ ۱۱۸۸ بحر۔ ۱۱۸۹ ع۔ ۱۱۹۰ بحر۔ ۱۱۹۱ ع۔ ۱۱۹۲ بحر۔ ۱۱۹۳ ع۔ ۱۱۹۴ بحر۔ ۱۱۹۵ ع۔ ۱۱۹۶ بحر۔ ۱۱۹۷ ع۔ ۱۱۹۸ بحر۔ ۱۱۹۹ ع۔ ۱۲۰۰ بحر۔ ۱۲۰۱ ع۔ ۱۲۰۲ بحر۔ ۱۲۰۳ ع۔ ۱۲۰۴ بحر۔ ۱۲۰۵ ع۔ ۱۲۰۶ بحر۔ ۱۲۰۷ ع۔ ۱۲۰۸ بحر۔ ۱۲۰۹ ع۔ ۱۲۱۰ بحر۔ ۱۲۱۱ ع



نصاب کے تابع ہے (مثلاً ایک شخص کے پاس نو اونٹ ہیں ان میں سے چار ہلاک ہو گئے تو شیخین کے نزدیک ایک بکری پوری لازم آئے گی اور امام محمد کے نزدیک ایک بکری کا  $\frac{1}{5}$  حصہ لازم آئے گا اور  $\frac{1}{4}$  حصہ ساقط ہو جائے گا۔ یہ اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر کچھ مال ہلاک ہو جائے تو جو مال ہلاک ہو گیا ہے پہلے عفو (زیادتی) کی طرف لگایا جائیگا اس کے بعد آخر کے نصاب کی طرف لگایا جائے گا پھر اس سے متصل نیچے کی طرف کے نصاب میں اور اسی طرح آخر تک حساب ہوگا۔ مثلاً اگر کسی کے پاس تین نصاب اور کچھ زائد ہے جو کہ جو تھے نصاب کو نہیں پہنچتا پھر اس میں سے کچھ ہلاک ہو گیا تو وہ اولاً عفو سے سمجھا جائیگا پس اگر وہ ہلاک شدہ مال اسی قدر تھا جتنی کہ وہ زیادتی (عفو) ہے تو وہی تین نصابوں کی زکوۃ پوری پوری اس کے ذمہ واجب رہے گی اور اگر ہلاک شدہ مال عفو سے زیادہ ہے تو جو نصاب اس عفو سے متصل ہے باقی ہلاک شدہ کو اس کی طرف لگایا جائے گا یعنی تیسرے نصاب کی طرف لگایا جائے گا اور دو نصابوں کی زکوۃ اس پر واجب رہ جائیگی اور اگر ہلاک ہونے والا تیسرے نصاب سے بھی زائد ہے تو دوسرے نصاب کی طرف لگایا جائے گا اور اسی طرح اگر اس سے نیچے تو پہلے نصاب کی طرف لگایا جائے گا اور اس بیان کا منشا یہ ہے کہ جب نصاب ناقض ہو جائے تو اس سے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور باقی کی زکوۃ اس کی مقدار کے حساب سے دیگا۔ غور فرمائیجئے پھر جانتا چاہئے کہ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہلاک شدہ مال پہلے عفو کی طرف پھرنے کے بعد اگر زچ جائے تو تمام نصابوں کی طرف مشترک طور پر پھیرا جائے گا اور امام محمد کے نزدیک عفو اور نصابوں کی طرف پھیرا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک ان دونوں کے ساتھ زکوۃ کا تعلق ہے۔ پس اگر سال گزرنے کے بعد انشی بکریوں میں سے چالیس ہلاک ہو گئیں تو شیخین کے نزدیک ایک پوری بکری واجب ہوگی اور امام محمد کے نزدیک ادھی بکری واجب ہوگی۔ اور اگر چالیس اونٹوں میں سے پندرہ اونٹ ہلاک ہو گئے تو (امام صاحب کے نزدیک، مؤلف) ایک دوسرے سال کی اونٹنی واجب ہوگی اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک ہلاک شدہ مال کو عفو کی طرف لگایا جائے گا پھر جو نصاب اس سے متصل ہو اور پھر جو اس سے متصل ہو۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک تیسرے سال کی اونٹنی کا چھتیس حصوں میں سے پچیسواں حصہ ( $\frac{25}{100}$ ) واجب ہوگا اس لئے کہ پہلے عفو کے بعد ہلاک شدہ مال تمام نصابوں کی طرف پھیرا جائے گا اور امام محمد کے نزدیک تیسرے سال والی نصف اونٹنی واجب ہوگی یعنی اس اونٹنی کی نصف قیمت واجب ہوگی اس لئے کہ زکوۃ نصاب اور عفو کے متعلق ہوتی ہے اور بحر الرائق میں امام ابو یوسف سے ظاہر الروایت امام صاحب کے قول کی مانند ہے۔ اور خود ہلاک ہونے کی قید سے معلوم ہو گیا کہ اگر اس مال کو سال گزرنے کے بعد صاحب مال نے خود قصداً ہلاک کیا ہو تو تعدی پائے جانے کی وجہ سے اس سے زکوۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ اور اگر اس کو سال پورا ہونے سے پہلے قصداً ہلاک کر دیا تو اس پر زکوۃ نہیں ہے کیونکہ شرط یعنی مال پر سال کا گزرنا نہیں پایا گیا اور اگر ایسا اس لئے کیا تاکہ اس پر زکوۃ واجب نہ ہونے پائے مثلاً سائتہ کے نصاب کو کسی دوسرے نصاب سے بدل دیا یا سال پورا ہونے سے پہلے

لے فایۃ الاوطار۔ لے ع۔ لے ش۔ لے بحر درر۔ لے کسی کے حق پر دست درازی کرتا۔



۴ تجارت کے مال کو تجارت کے کسی دوسرے مال سے بدلنا  
۵ اور یہ معاملہ ہے کیونکہ اس سے بچنا لازم ہے

اپنی ملکیت سے نکال دیا اور سال پورا ہونے کے بعد پھر اپنی ملکیت میں لے لیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ وجوب کو روکنا ہے غیر کے حق کو باطل کرنا نہیں ہے اور یہی اصح ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں فقراء کے حق کو نقصان دینا ہے اور انجام کار ان کے حق کو باطل کرنا ہے اور شیخ حمید الدین الضری نے اس کو اختیار کیا ہے اور بعض فقہانے کہا ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے اور یہ تفصیل اچھی ہے۔ اور زکوٰۃ ہی کی مانند حج اور آیت سجدہ کا حکم ہے۔ اور استہلاک یعنی مال کا خود قصداً ہلاک کرنا یہ ہے کہ صاحب مال اپنے مال نصاب کو بغیر کسی ایسے بدل کے جو اس کا قائم مقام ہوتا ہو اپنی ملکیت سے خارج کر دے۔ اور تجارت کے ایک مال کو دوسرے مال تجارت سے بدلتا ہلاک کرنا نہیں ہے یہ حکم بلا خلاف ہے خواہ اسی جنس کے مال سے بدلے یا دوسری جنس کے مال سے۔ اس لئے کہ دوسرا مال پہلے مال کے قائم مقام ہو جائے گا کیونکہ زکوٰۃ عین اسی مال کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ پس اگر تجارت کے مال کو کسی دوسرے تجارت کے مال سے بدل دیا پھر وہ تبدیل کیا ہو مال ہلاک ہو گیا تو اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر اس بدلے میں اس قدر مال چھوڑ دیا کہ جس قدر میں لوگ دھوکا نہیں کھا جاتے یہاں تو جس قدر چھوڑا ہے اس کی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا۔ اور وہ اس کے ذمہ دین ہوگا۔ اور وہ ہلاک ہونا بھی نہیں ہے اس لئے کہ جو بدلہ موجود ہونے کے نصاب اپنے حال پر قائم ہے۔ (اور اگر اتنا چھوڑا مال چھوڑا کہ اس میں لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں تو ضامن نہ ہوگا) اور مال تجارت کا غیر مال تجارت سے بدلتا قصداً ہلاک کرنا ہے۔ پس وہ اس کی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا یعنی جبکہ تجارت کے مال کو کسی دوسرے مال سے بدلنے میں تجارت نہ کرنے کی نیت کی ہو لیکن اگر بدل کئے ہوئے مال میں تجارت نہ کرنے کی نیت نہ کی ہو اور اس بدلہ کے مال کی اصل تجارت کے لئے ہو تو وہ بدل بھی تجارت کیلئے ہی واقع ہوگا اور جب وہ بدل تجارت کے لئے واقع ہو تو وہ استبدال استہلاک (قصداً ہلاک کرنا) نہیں ہوگا پس اگر وہ سال پیدا گذرنے کے بعد ہو تو وہ اصل کی زکوٰۃ کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ استبدال سال پیدا ہونے سے پہلے ہو تو سال کا حکم منقطع نہیں ہوگا بلکہ وجوب زکوٰۃ بدلے ہوئے مال کی طرف پھر جائے گا اور اس کے بقا کے ساتھ باقی رہے گا اور اس کے ہلاک سے ساقط ہو جائے گا پس یہ جو بعض نے کہا ہے کہ بدلے ہوئے مال کی زکوٰۃ اس بدلہ کئے ہوئے مال کے ساتھ واجب نہیں ہے بلکہ اس کے لئے نئے سال کا اعتبار ہوگا یہ صریح غلطی ہے۔ پس غور فرمایا لیجئے اور مال تجارت کو مال تجارت کے علاوہ کسی اور مال سے تبدیل کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس کو ایسی چیز کے ساتھ بدل لیا ہو جو اصلاً مال ہی نہ ہو مثلاً یہ کہ اس مال پر کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا ہو یا قتلِ عمر کے بدلے میں اس مال پر صلح کر لی ہو، یا عورت کے ساتھ خلع کر لیا ہو، یا وہ عوض والی چیز مال تو ہو لیکن مال زکوٰۃ نہ ہو۔ مثلاً مال تجارت کو خدمت کے غلام یا روزمرہ کے استعمالی کپڑوں کے عوض میں بیچ دیا، یا اس کے بدلے میں کوئی چیز اجرت پر لی تو ان سب صورتوں میں وہ زکوٰۃ کا ضامن ہوگا اس لئے کہ یہ استہلاک (قصداً ہلاک کرنا) ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی نے تجارت کا مال

لے کر شہر سے دور ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھ لی - منہ سے شہر سے دور ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھ لی - منہ سے شہر سے دور ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھ لی







اس کی زکوۃ کا ضامن ہوگا خواہ وہ عوض اس کے ہاتھ میں باقی رہے یا نہ رہے اور اگر گنہگار میں قاضی کے حکم سے رجوع کر لیا اور اس پر قبضہ کر لیا تو ضمان جانا ہے گا اور اصح قول کے بموجب یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ بغیر حکم قاضی کے رجوع ہوئے یعنی اس پر کوئی چیز نہیں ہے جبکہ وہ اس کے بعد اس کے پاس ہلاک ہو جائے اس لئے کہ رجوع اصل چیز کا فسخ کرنا ہے اور نقد دینے مثل میں متعین ہوتے ہیں پس اس کی قدیم ملکیت لوٹ آئے گی پھر اس کے ہلاک ہونے سے اس پر کوئی ضمان نہیں آئے گا اور اگر موبوب لڑکے کے پاس سال گزرنے کے بعد رجوع کیا تب بھی یہی حکم ہے پھر جاتا چاہے کما اگر دو میان سال میں نصاب سے زیادہ سال ہو موبوب لڑکے کے پاس پورا ہوا پھر یہہ کرنے والے نے قاضی کے حکم سے یا بغیر قاضی کے حکم کے رجوع کیا تو دونوں میں سے کسی پر بھی زکوۃ نہیں ہے یہ خوب مرقبل استقلاط زکوۃ کے حیلوں میں سے ہے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے

(۹) اور ساتھ کافر و خست کرنا مطلقاً استہلاک ہے (مقصود ہلاک کرنا ہے) جیسا کہ ہلاک و استہلاک کے بیان میں گذر چکا ہے (مؤلف) پس اگر چہنے والے جانوروں کو بیچے۔ اگر اس وقت صدقہ وصول کرنے والا حاضر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے بیچنے والے سے زکوۃ واجب کی قیمت لے لے اور اس صورت میں کل کی بیع جائز ہوگی اور اگر چاہے تاول کے ہوئے جانوروں میں سے زکوۃ کے جانور نکال لے اس صورت میں ان جانوروں کی بیع باطل ہو جائیگی جو اس نے زکوۃ میں لئے ہیں اور اگر صدقہ وصول کرنے والا بیع کے وقت حاضر نہیں تھا اور اس وقت حاضر ہو واجب بیع کی مجلس متفرق ہو گئی تو اب وہ خریدار سے جانور نہیں لے گا بلکہ بیچنے والے سے زکوۃ واجب کی قیمت لے گا اور اگر کسی نے اناج بیچا جس میں عشر واجب ہے تو مصدق کو اختیار ہے چاہے بیچنے والے سے اس کی قیمت لے یا خریدار اتنا غلہ واپس لے خواہ وہ بیع کی مجلس متفرق ہونے سے پہلے حاضر ہوا ہو یا بعد میں حاضر ہوا ہو اس لئے کہ عشر کا تعلق عین (اصل چیز) سے زکوۃ کے تعلق کی نسبت بہت زیادہ ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ عشر کے مال میں مالک کا اعتبار نہیں کیا جاتا بخلاف زکوۃ کے اور اگر وہ شخص جس پر عشر واجب ہے عشر کی ادائیگی سے پہلے بغیر وصیت کے فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا بخلاف زکوۃ کے

(۱۰) اگر کسی شخص نے اپنی زمین (مکان وغیرہ) تین سال کے لئے اجارہ دہ کر لیا اور ہر برس کا اجارہ تین سو درہم ہیں (اور اس کے پاس کچھ نقدی نہیں ہے اور جو کرایہ میں آتا ہے وہ اس کو محفوظ رکھتا ہے، مؤلف) جب آٹھ مہینے گزر گئے تو وہ دو سو درہم (نصاب) کا مالک ہو گیا، اب اس وقت سے اس مال پر سال شروع ہوگا اور اس کے بعد جب سال پورا ہو جائے گا تو اس پر پانچ سو درہم کی زکوۃ واجب ہوگی (کیونکہ اب سال کے ختم پر وہ پانچ سو کا مالک ہو گیا جو کہ اس کو بیس ماہ کے کرایے میں وصول ہوئے ہیں، مؤلف) اور پھر اس کے بعد جب دوسرا سال آئے گا تو آٹھ سو درہم کی زکوۃ واجب ہوگی لیکن جس قدر زکوۃ پانچ سو درہم کی پہلے سال واجب ہوئی تھی وہ کم ہو جائے گی (یعنی ساٹھ سو درہم کم ہو جائیں گے بلکہ اناج و ضیفہ کے نزدیک آٹھ سو میں سے چالیس کم کی

تہ بکر۔ تہ بکر۔ تہ بکر۔ تہ بکر۔ تہ بکر۔ تہ بکر۔

تہ بکر۔ تہ بکر۔ تہ بکر۔ تہ بکر۔ تہ بکر۔ تہ بکر۔



زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک چالیس سے کم کی زیادتی عفو ہے اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے (مؤلف)  
 کسی شخص کے پاس ہزار درہم تھے اور ان کے سوا اور کچھ مال اس کے پاس نہیں تھا اس نے ان ہزار درہم پر ایک گھر  
 دس برس کے لئے کرایہ پر لیا اور ہر سال کے لئے سو درہم کرایہ مقرر ہوا اور وہ ہزار درہم مالک مکان کو دیدیئے مگر  
 اس گھر میں سکونت اختیار نہ کی یہاں تک کہ وہ سب سال گزر گئے اور گھر مالک کے قبضہ میں رہا تو مکان کا مالک  
 پہلے سال میں نو سو درہم کی زکوٰۃ دے گا اور دوسرے سال میں آٹھ سو درہم کی مگر اس میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ کم ہوگئی  
 (یعنی آٹھ سو درہم میں سے ساڑھے بائیس درہم کم کر کے زکوٰۃ دے گا اور امام صاحب کے نزدیک چالیس درہم کم کر کے  
 دے گا، مؤلف) پھر ہر سال میں ایک سو درہم کی اور جس قدر زکوٰۃ پہلے برسوں کی واجب ہوئی ہو اس رقم کی زکوٰۃ کم  
 ہوئی رہے گی بلکہ اس لئے کہ وہ پیشگی کرایہ کی وصولی سے ایک ہزار درہم کی کل رقم کا مالک ہو گیا پس جب اس نے  
 ایک سال تک گھر متاجر کے سپرد نہیں کیا تو کل رقم کا دسواں حصہ یعنی ایک سال کا اجارہ ٹوٹ گیا اس لئے کہ اس نے  
 اس چیز کو جس پر عقد اجارہ ہوا تھا سپرد کرنے سے پہلے ہلاک کر دیا پس سو درہم اس کی ملکیت سے نکل گئے اور وہ اس پر  
 دین ہو گئے اور اسی طرح ہر سال سو درہم کا اجارہ ٹوٹتا رہا اور وہ سو درہم اس پر دین ہوتے رہے اور یہ نصاب میں سے  
 کم ہوتے رہے پھر امام ابو حنیفہ کے نزدیک دوسرے سال سات سو ساٹھ درہم کی زکوٰۃ دے گا اور صاحبین کے نزدیک  
 سات سو ساڑھے تہتر (۷۷۷) درہم کی زکوٰۃ دے گا اس لئے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کسور میں زکوٰۃ نہیں ہے اور  
 صاحبین کے نزدیک ہے۔ اور متاجر پر پہلے اور دوسرے سال میں کچھ زکوٰۃ نہ ہوگی اس لئے کہ پہلے سال میں اس کے  
 نصاب میں کمی تھی اور دوسرے سال میں نصاب پر سال پورا نہیں ہوا تھا تیسرے سال میں تین سو درہم کی زکوٰۃ دینگا  
 اس لئے کہ اس کو مزید سو درہم واپس ہو گئے پھر ہر سال میں اس پر سو درہم کی زکوٰۃ بڑھتی جائے گی مگر پچھلے سالوں کی زکوٰۃ  
 کی مقدار (جو اس پر واجب ہو کر دین ہے) کم کر کے باقی رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی بلکہ اور صورت مذکورہ بالا میں اگر اس  
 شخص نے اپنا گھر تجارت کی باندی کے عوض کرایہ پر دیا اور باندی کی قیمت ہزار درہم ہے اور باقی مسئلہ اسی طرح ہے  
 جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا تو مالک مکان پر کچھ زکوٰۃ نہیں ہوگی اس لئے کہ باندی میں متاجر کا حق قائم ہو گیا  
 (اور وہ ناقابل تقسیم ہے، مؤلف) اور مال میں دوسرے کا حق قائم ہو جانا بمنزلہ ہلاک کے ہے اور متاجر پر اسی طرح  
 زکوٰۃ واجب ہوگی جیسا کہ پہلے مسئلہ میں درہموں کی زکوٰۃ بیان ہو چکی ہے اور اگر اجرت میں کوئی کیلی یا دوزی غیر متعین چیز  
 ٹھہری تھی تو وہ بمنزلہ درہم کے ہے (یعنی درہموں کی صورت میں زکوٰۃ کی تفصیل جو اوپر بیان ہوئی ہے اس کے مطابق  
 واجب ہوگی، مؤلف) اور اگر متعین کیلی یا دوزی چیز ٹھہری تھی تو وہ بمنزلہ باندی کے ہے (یعنی باندی کا جو مسئلہ اوپر بیان  
 ہوا اس کے مطابق حکم ہوگا، مؤلف) اور اگر گھر کو متاجر کے قبضہ میں دیدیا اور اجرت پر قبضہ نہ کیا تو حکم پہلے مسئلہ کے  
 برعکس ہوگا پس متاجر کے لئے وہ حکم ہوگا جو پہلے مسئلہ میں گھر کے مالک کے لئے تھا اور گھر کے مالک کے لئے حکم وہ  
 ہوگا جو متاجر کے لئے تھا

لے دے بھرنی شروط الوجوب لے بھرنی شروط الوجوب دے لے دے







(۱۶) اگر کسی شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ ادا نہ کرتا ہو تو فقیر کو یہ حلال نہیں کہ بغیر اس کے جبر سے ہوئے (بغیر اجازت مولف) اس کے مال میں سے لے لے اور اگر اس طرح فقیر نے لے لیا۔ اگر وہ مال قائم ہے تو مال کے مالک کو واپس لے لینے کا اختیار ہے اور اگر ہلاک ہو گیا تو فقیر ضامن ہوگا۔

(۱۷) سلطان (بادشاہ) اگر خراج یا کچھ مال بطور سادہ و ظلم لے لے اور صاحب مال اس کے دینے میں زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرے تو اس کے ادا ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور بعض کے نزدیک ساقط نہیں ہوگی اور اس کی بھی تصحیح کی گئی ہے پس تصحیح و فتویٰ مختلف فیہ ہیں اور احتیاط اسی میں ہے کہ زکوٰۃ جدا گانہ دے دے۔

(۱۸) کسی چیز کے عوض میں جو چیز لی جائے اس کا وہی حکم ہوگا جو اصل چیز کا تھا مثلاً دو آدمیوں نے آپس میں ایک غلام کو ایک غلام سے بدل لیا اور ان دونوں نے کچھ نیت نہ کی تو اگر وہ دونوں غلام ان کی تجارت کے واسطے تھے تو اب بھی ہر شخص کا غلام تجارت کے واسطے ہوگا اور اگر پہلے دونوں غلام خدمت کے واسطے تھے تو اب بھی خدمت کے واسطے ہوں گے۔ اور اگر ایک کا غلام تجارت کے لئے تھا اور دوسرے کا خدمت کے لئے تو تجارت والے غلام کے بدلے کا غلام تجارت کے واسطے ہوگا اور خدمت والے غلام کے بدلے کا غلام خدمت کے واسطے ہوگا۔ اگر نصف سال گزرنے کے بعد ایک غلام کا دوسرے غلام سے بدلا گیا اور وہ دونوں تجارت کے واسطے تھے اور ان میں سے ایک کی قیمت ہزار درہم تھی اور دوسرے کی قیمت دو سو درہم تھی اور ان دونوں کا (سابقہ) سال پورا ہو گیا پھر کم قیمت کے غلام میں کوئی عیب ظاہر ہوا جس سے اس کی قیمت سو درہم اور کم ہو گئی تو دونوں شخصوں میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اس لئے کہ سال کے دونوں جانبوں میں دونوں میں سے کسی کا نصاب پورا نہیں ہے۔ (یعنی جس نے دو سو درہم کا غلام دیا ہے، عیب ظاہر ہونے کی وجہ سے چونکہ وہ قدر نصاب سے کم قیمت کا رہ گیا پس ظاہر ہے کہ ابتداء سال میں اس کے پاس نصاب ناقص تھا اور جس نے ایک ہزار درہم کا غلام دیا ہے سال کے آخر میں اس کے پاس دو سو درہم کا غلام ہے جو عیب ظاہر ہونے کی وجہ سے نصاب سے کم کا ہو گیا اس لئے اس کے پاس انتہائے سال میں نصاب ناقص ہو گیا۔ پس دونوں میں سے کسی پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ مولف) اور جب خریدنے کے بعد سال پورا ہوگا تو زیادہ قیمت کے غلام کا مالک زکوٰۃ دیگا اس لئے کہ ہزار درہم کی قیمت کا مال اس کے قبضہ میں سال بھر رہا اور دوسرا شخص زکوٰۃ نہ دیگا اس لئے کہ اس کے پاس نصاب نہیں ہے اور اگر عیب والا غلام قاضی کے حکم کے بغیر واپس ہو گیا تو واپس کرنے والا زکوٰۃ نہ دے گا اگرچہ خریدنے کے بعد ایک سال گزر گیا ہو اور جس کو واپس کیا ہے وہ ہزار درہم کی زکوٰۃ دے گا اس لئے کہ اب نئی بیع ہے پس ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے اپنے مال کو خود ہلاک کیا ہے اور اگر عیب والا غلام قاضی کی قضا سے واپس ہوا تو لوٹائے ہوئے غلام کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور اگر زیادہ قیمت کے غلام میں عیب ظاہر ہو جس سے اس کی قیمت خریدنے کے وقت سے آدھا سال گزرنے کے بعد بقدر دو سو درہم کے کم ہو جائے اور دوسرے میں کچھ عیب نہ ہو

لے دے۔ لے دے۔ لے دے۔



پھر قاضی کے حکم سے یا آپس کی رضامندی سے وہ واپس کیا جائے تو واپس کرنے والا اس غلام کی زکوٰۃ دیگا جو اس نے واپس کیا ہے اور جس شخص کی طرف واپس کیا ہے (یعنی دوسرا شخص) اس کی زکوٰۃ دے گا جو اس نے پہلے سے لیا ہوا ہے۔  
 (۱۹) اگر کوئی شخص چند زکوٰۃ دینے والوں کا وکیل ہے اور اس نے سب کی زکوٰۃ ملا دی تو اسے تاوان دینا پڑے گا اور جو کچھ وہ فقیروں کو دے چکا ہے وہ تبرع (احسان) ہے۔ مثلاً نادیموں نے اپنے اپنے مال کی زکوٰۃ کسی تیسرے شخص کو اس واسطے دی کہ وہ ان کی طرف سے ادا کر دے اور اس نے ان دونوں کے مال کو ملا دیا پھر فقیروں پر صدقہ کر دیا تو وکیل ان زکوٰۃ دینے والوں کے مال کا ضامن ہوگا اور وہ اس وکیل کی طرف سے صدقہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ ملا دینے کی وجہ سے اس کا مالک ہو گیا اور وہ گویا اپنا مال دینے والا ہو گیا۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ مالکوں نے ملانے کی اجازت نہ دی ہو لیکن اگر فقیروں کے دینے سے پہلے مالکوں نے ملانے کی اجازت دیدی ہو تو ملانا جائز ہے اور اب اس کے ذمہ کوئی ضمان نہیں ہے خواہ ان کا اجازت دینا صراحت ہو یا دلالت ہو، اس طرح کہ مالکوں کو ملا دینے کا علم ہوا اور انھوں نے وکیل سے تعرض نہ کیا ہو تو اس صورت میں خلط جائز ہے یعنی اگر مالکوں نے صراحت ملانے کی اجازت نہ دی ہو مگر عرف ایسا ہی جاری ہو گیا ہو کہ وکیل ملا دیا کرتے ہیں تو یہ بھی اجازت سمجھی جائے گی جبکہ مکمل اس عرف سے واقف ہوا جیسا کہ گہیوں والوں سے عادتاً اجازت ہونے کا عرف جاری ہے کہ وہ غلوں کی قیمتوں کو ملا دیتے ہیں اور اسی طرح وہ متولی جن کے قبضہ میں چند اوقات ہوں اور وہ ان کی آمدنی کو ملائے تو جائز نہیں اور وہ ضمان دیگا اور اسی ص کو مختلف زرخش یا مختلف بیع کا ملا دینا جائز نہیں اور اس کو ضمان دینا پڑے گا۔ اور تجنیس میں کہلے کہ دلاؤں اور بیچنے والے اثر ہتھیوں کے حق میں غلوں کی رقموں اور سامان بیعہ کو ملانے کا عرف نہیں ہے اس لئے ان کو ملانا جائز نہیں ہے۔ ا۔ اسی طرح اگر کسی عالم نے چند فقیروں کے لئے سوال کیا تو جو کچھ ملے اس کو ملانا جائز نہیں ہے اگر ملا دیکے تو ضمان دے گا۔

عرف دلاؤں اور بیچنے والوں کا

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ملا دینے کا عرف و عادت پائی جائے تو اس پر ملا دینے سے کوئی ضمان نہیں ہے کیونکہ اب دلالت اذن پایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ مالک کو اس عرف کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی طرف سے دلالت اجازت پائی جائے اور اسی طرح اگر اس کو فقیروں نے زکوٰۃ لینے کا وکیل کیا ہو اور اس نے ملا دیا ہو تو اس پر تاوان نہیں ہے اسلئے کہ جس وقت اس نے کوئی چیز وصول کی تو گویا کہ وہ فقیر اس کے مالک ہو گئے اور وہ ان میں سے بعض کے مال کو بعض کے مال کے ساتھ ملانے والا ہوا، اور زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو گئی لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ وہ مال جو وکیل کے قبضہ میں ہے اپنے نصاب کو نہ پہنچے اور اگر نصاب کو پہنچ گیا اور زکوٰۃ دینے والے کو اس کا علم ہے تو جائز نہیں ہے جبکہ لینے والا فقیر کی طرف سے وکیل ہو، اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ فقیر ایک ہی ہو۔ اگر کئی فقیروں نے ایک ہی شخص کو وکیل بنایا ہو تو ہر فقیر کے لئے الگ الگ نصاب کو پہنچنا ضروری ہے اس لئے کہ جو کچھ وکیل کے قبضہ میں ہے وہ ان سب میں مشترک ہے۔ پس اگر مثلاً تین فقیروں اور جو کچھ وکیل کے قبضہ میں آیا ہے وہ دونوں کی مقدار کو پہنچا ہے (یعنی چار سو درہم ہے)

لے ر۔ ع۔ ر۔ ع۔ د۔ ج۔



تو وہ مالدار نہیں ہو گئے پس زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ اس کے بعد جائز ہو جائیگی جب تک کہ تین نصابوں کی مقدار کو (یعنی چھ سو درہم کو) نہ پہنچے (یعنی جب تین نصاب کی مقدار (چھ سو درہم) ہو جائے گی تو اب ہر ایک کا حصہ بقدر نصاب (یعنی دو سو درہم) ہونے کی وجہ سے وہ غنی ہو گیا اور اب اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اور تین نصاب سے کم (یعنی چھ سو درہم سے کم) تک ہر ایک کا حصہ نصاب سے کم رہے گا اور وہ اس کی وجہ سے غنی نہیں ہو گا اس لئے ان کے لئے زکوٰۃ دینا جائز ہو گا۔ مؤلف) اور اگر ہر ایک فقیر نے اسے علیحدہ علیحدہ وکیل بنایا ہے تو مجموعہ نہیں دیکھا جائے گا بلکہ ہر ایک کے لئے جو کچھ ملا ہے وہ دیکھا جائے گا پس جس کے حصہ کی رقم نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے گی اس کے حق میں وہ معتبر ہوگی اور اس کے لئے اور رقم زکوٰۃ میں لینا جائز نہیں ہو گا اور جس کے حصہ کی رقم نصاب سے کم ہوگی اس کے لئے زکوٰۃ میں لینا جائز ہو گا اور اس صورت میں وکیل کو ان کی اجازت کے بغیر بلا ناجائز نہیں پس اگر وہ بلا اجازت ملا دے گا تو زکوٰۃ دینے والوں کی طرف سے ادا ہو جائے گی اور مؤکلین کو وہ تاوان ادا کرے گا۔ لیکن اگر زکوٰۃ لینے والا ان کی طرف سے وکیل نہ ہو تو اسے دے سکتے ہیں اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی خواہ کتنے ہی نصاب اس کے پاس جمع ہو جائیں اس لئے کہ زکوٰۃ کی جو رقم اس کو وصول ہوئی ہے وہ فقیر اس کے مالک نہیں ہو گئے۔

(۲۰) وکیل کو اختیار و جائز ہے کہ وہ اپنے لئے (اولاد) یا بیوی کو زکوٰۃ دیدے جبکہ یہ فقیر ہوں اور اگر لڑکا نابالغ ہی تو اسے دینا جائز ہونے کے لئے خود اس وکیل کا فقیر ہونا بھی ضروری ہے اس لئے کہ نابالغ اولاد اپنے باپ کے غنی ہونے سے غنی ہوتی ہے اور اپنی اولاد یا بیوی کو دینا اس وقت جائز ہے جبکہ مؤکل نے ان کے سوا کسی خاص شخص کو دینے کے لئے نہ کہہ دیا ہو ورنہ ماضی نہیں دے سکتا اگر اس کے خلاف کرے گا تو بعض کے نزدیک تاوان دے گا بعض کے نزدیک نہیں شامی میں پہلے قول کو ترجیح دی گئی ہے، واللہ اعلم اور وکیل فقیر کو یہ اختیار نہیں کہ خود اپنے لئے لے لیکن اگر زکوٰۃ دینے والے نے یہ کہہ دیا ہو کہ جس جگہ چاہو صرف کرو تو لے سکتا ہے۔

(۲۱) زکوٰۃ دینے والے نے وکیل کو زکوٰۃ کا روپیہ دیا، وکیل نے وہ روپیہ رکھ لیا اور اپنے مال میں سے اتنا روپیہ اس کی زکوٰۃ میں دیدیا تو اگر اس کی نیت یہ ہے کہ اس کے عوض مؤکل کا روپیہ لے لیگا اور وہ روپیہ وکیل کے پاس موجود ہے تو یہ جائز و درست ہے اور اگر وکیل نے پہلے اس روپیہ کو اپنے اوپر خرچ کر ڈالا پھر اپنا روپیہ اس کی زکوٰۃ میں دیا یا اس نے اپنے روپیوں کے عوض میں لینے کی نیت نہ کی ہو تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی بلکہ یہ تبرع ہے (یعنی اس کی طرف سے صدقہ ہے اور مؤکل کی زکوٰۃ کا تاوان دیکھا۔ مؤلف)

(۲۲) اور زکوٰۃ کے وکیل کو یہ اختیار ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو وکیل بنا دے جیسا کہ کتب فقہ میں کتاب الوکالہ کے بیان میں ہے۔







وصول کرتا ہے جو تاجر کے ساتھ ہوں۔

(۴) اور صدقہ وصول کرنے کی ولایت کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام یعنی بادشاہ اسلام کی طرف سے پچھوں ڈاکوؤں سے تاجروں کی حفاظت پائی جائے۔ پس اگر یاغیوں نے کسی شہر یا گاؤں پر غلبہ پایا اور ان لوگوں سے صدقات وصول کر لئے تو اب ان پر اور کچھ واجب نہیں ہے اور منجملہ شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس پندرہ زکوٰۃ واجب ہو، اس لئے کہ جو کچھ عاشر اس گزرنے والے سے لیکادہ زکوٰۃ ہوگی پس اس میں زکوٰۃ کی تمام شرائط کا لحاظ کیا جائے گا۔ اور منجملہ شرائط کے مال کا ظاہر ہونا اور مالک کا موجود ہونا ہے پس اگر مالک موجود ہے اور اس نے اس مال کی خبر دی جو اس کے گھر میں ہے یا اس نے اپنے مال کو حاضر کیا مع مستبضع وغیرہ تو عاشر اس سے زکوٰۃ نہیں لےگا (جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے مؤلف) اور تینین میں ہے کہ عاشر کا مقرر کرنا شرع میں جائز و درست ہے۔ اور حدیث شریفہ جو کچھ عاشر کی مذمت میں وارد ہوا ہے کہ لَا يَدْخُلُ حُدُودَ حُدُودِ الْبُحْتِ رَا حُدُودِ رَا حُدُودِ رَا حُدُودِ (یعنی عشر لینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا) تو یہ اس عاشر کے متعلق ہے جو لوگوں کے مال ظلم سے لیتا ہے جیسا کہ آجکل کے اہل ظلم ایسا کرتے ہیں۔

(۵) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کے مال پر سال پورا نہیں ہوا یا یہ کہے کہ اس کے ذمہ قرضہ ہے یا یہ کہے کہ میں نے اس کی زکوٰۃ دیدی ہے، یا یہ کہے کہ دوسرے عاشر کو دیدی ہے اور اپنے بیان پر حلف کرے تو اس کا قول مان لیا جائیگا لیکن سائے جانوروں میں نہیں مانا جائے گا جبکہ ان کی زکوٰۃ خود دینا بیان کرے یعنی جو شخص مال لیکر عاشر کے پاس سے گندا اوریوں کہا کہ اس پر سال نہیں گزرا ہے اور اس کے پاس اس جنس کا اور مال ایسا نہیں تھا جس پر سال گزرا ہو یعنی جو مال اس وقت اس کے پاس ہے اور جو مال گھر میں ہے سب پر سال پورا ہونے کا انکار کرے یا یوں کہے کہ مجھ پر قرض ہے جس کا بندوں کی طرف سے مطالبہ ہے یا زکوٰۃ کا دین ہے تو خواہ وہ دین اس کے تمام مال کی برابر ہو یا انصاب کو کم کر دینے والا ہو یعنی اتنا ہو کہ اگر اسے نکالیں تو بقدر انصاب باقی نہ رہے۔ یا یوں کہے کہ میں نے اس مال کو سفر کی طرف نکلنے سے پہلے اپنے شہر میں فقیروں کو دیدیا ہے۔ یا یوں کہے کہ میں نے دوسرے عاشر کو دیدیا اور جس کو دینا بتاتا ہے واقعی وہ عاشر ہے (یعنی اس عاشر کو بھی اس کا عاشر ہونا معلوم ہے) اور وہ اس بیان پر حلف کرے تو اگر اس سال میں دوسرا عاشر ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی مثلاً اور اگر اس سال میں دوسرا عاشر نہیں تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مثلاً اس لئے کہ اس کا جھوٹ ہونا یقیناً ظاہر ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ عاشر یہ نہیں جانتا کہ وہاں کوئی دوسرا عاشر ہے یا نہیں تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اس لئے کہ اصل اس میں اس کا نہ ہونا ہے۔ پس ان تمام مذکورہ صورتوں میں یعنی سال پورا ہونے کا انکار اور اس کے بعد کی بیان کی ہوئی صورتوں میں اگر وہ حلف کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی مثلاً اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ دوسرے عاشر کی رسید دکھائے یہی اصح ہے۔

له ع. له بحر ۳۰ بحر. که بحر دور. که کته له ع. که ش دیکر. که ع دش و بحر تصرف. که در شمع دیکر.

ع. ١٥٠ بحر الله ش. الله ش. وغيره بتغير ١٥٠ ع. دج و غيرها.







حایت (حفاظت) میں ہے۔

(۶) اور جن امور میں مسلمان کا قول مانا جاتا ہے ان میں ذمی کا قول بھی مان لیا جائے گا۔ اس لئے کہ جو کچھ ان سے لیا جاتا ہے وہ اس کا درجہ ہے جو کہ مسلمانوں سے لیا جاتا ہے پس اس میں زکوٰۃ کی تمام شرطوں کی رعایت کی جائیگی تاکہ وہ چند ہونا متحقق ہو جائے یعنی ان کے حق میں بھی مال پر سال کا گزرنا، بقدر نصاب ہونا، دین سے فاسخ ہونا اور تجارت کے لئے ہونا وغیرہ ان تمام شرطوں کی رعایت کی جائے گی۔ لیکن اس حکم کا بالعموم جاری کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ ذمی کا فرسے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ جزئی ہے اور جزئی میں اگر وہ یہ کہے کہ میں نے خود فقرا کو دیدیا ہے تو اس کا قول نہیں مانا جائے گا اس لئے کہ اہل ذمہ کے فقرا اس کا مصرف نہیں ہیں اور مستحقین یعنی مسلمانوں کی مصلحتوں میں صرف کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے۔ ربی رحمہ اللہ نے کہا اگر اس سے لیا جانا ثابت ہو جائے تو اس سے دوبارہ نہیں لیا جائے گا جبکہ لینے والا بادشاہ یا اس کا نائب ہو، اس لئے کہ یہ سال میں دو دفعہ نہیں لیا جاتا اور یہ واقعۃً الفتویٰ ہے اور فقہا کا یہ قول کہ جو کچھ ذمی سے لیا جاتا ہے وہ جزئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس لحاظ سے جزئی ہے کہ حکم میں ہے کہ اس کو جزئی کے مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے نہ اس لئے کہ وہ جزئی ہے حتیٰ کہ اس سال میں اس کے ذمہ سے جزئی ساقط نہیں ہوگا۔ اور شرح درالبحار میں یہ وضاحت کی ہے کہ یہ حقیقۃً جزئی ہے اور بظاہر اس سے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کے مال میں جزئی ہے جیسا کہ زمین کے خراج کو جزئی کہتے ہیں، اور اس بنا پر جزئی کی چند اقسام ہوں گی یعنی جزئی مال، جزئی زمین، جزئی سر، اور ایک کا جزئی لے لینے سے دوسرے کے جزئی کا ساقط ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے سوائے بنی تغلب کے کہ ان کے مال میں سے جو لیا جاتا ہے وہ ان کے سروں کا جزئی ہے اور اسی لئے بکر الاائق میں ہے کہ جب عاشقان سے وہ چیز وصول کر لے جو ان کے اوپر لازم ہے تو ان سے جزئی ساقط ہو جاتا ہے اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے جزئی کی بجائے دو چند صدقہ وصول کرنے پر صلح کر لی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنی تغلب کے اموال سے لی ہوئی اس رقم کا نام جزئی رکھا اگرچہ وہ مسلمانوں سے لئے ہوئے صدقہ سے دو چند تھی۔

(۷) اور کافر حربی کا قول کسی بات میں بھی نہیں مانا جائے گا لیکن اگر کسی باندی کو جو اس کے قبضہ میں ہے یہ کہے کہ یہ اس کی ام ولد ہے تو اس کا قول مانا جائے گا۔ اس لئے کہ اس شخص کے نسب کا جو اس کے قبضہ میں ہے اقرار کرنا صحیح ہے۔ پس اسی طرح اپنے بیٹے کی ماں ہونے کا اقرار کرنا صحیح ہے۔ ام ولد کے مستثنیٰ کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ کسی غلام کے بارے میں جو اس کے ساتھ ہے یہ کہے کہ یہ میرا نکاح ہے تو یہ صحیح ہے (یعنی اس کا قول معتبر ہے) اور اس سے عشر نہیں لیا جائے گا اس لئے کہ نسب دارالحرب میں بھی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ دارالاسلام میں ثابت

۱۔ ع۔ ۲۔ کنزوع۔ ۳۔ بحر۔ ۴۔ بحر۔ ۵۔ بحر۔ ۶۔ بحر۔ ۷۔ بحر۔ ۸۔ بحر۔ ۹۔ بحر۔ ۱۰۔ بحر۔ ۱۱۔ بحر۔ ۱۲۔ بحر۔ ۱۳۔ بحر۔ ۱۴۔ بحر۔ ۱۵۔ بحر۔ ۱۶۔ بحر۔ ۱۷۔ بحر۔ ۱۸۔ بحر۔ ۱۹۔ بحر۔ ۲۰۔ بحر۔ ۲۱۔ بحر۔ ۲۲۔ بحر۔ ۲۳۔ بحر۔ ۲۴۔ بحر۔ ۲۵۔ بحر۔ ۲۶۔ بحر۔ ۲۷۔ بحر۔ ۲۸۔ بحر۔ ۲۹۔ بحر۔ ۳۰۔ بحر۔ ۳۱۔ بحر۔ ۳۲۔ بحر۔ ۳۳۔ بحر۔ ۳۴۔ بحر۔ ۳۵۔ بحر۔ ۳۶۔ بحر۔ ۳۷۔ بحر۔ ۳۸۔ بحر۔ ۳۹۔ بحر۔ ۴۰۔ بحر۔ ۴۱۔ بحر۔ ۴۲۔ بحر۔ ۴۳۔ بحر۔ ۴۴۔ بحر۔ ۴۵۔ بحر۔ ۴۶۔ بحر۔ ۴۷۔ بحر۔ ۴۸۔ بحر۔ ۴۹۔ بحر۔ ۵۰۔ بحر۔ ۵۱۔ بحر۔ ۵۲۔ بحر۔ ۵۳۔ بحر۔ ۵۴۔ بحر۔ ۵۵۔ بحر۔ ۵۶۔ بحر۔ ۵۷۔ بحر۔ ۵۸۔ بحر۔ ۵۹۔ بحر۔ ۶۰۔ بحر۔ ۶۱۔ بحر۔ ۶۲۔ بحر۔ ۶۳۔ بحر۔ ۶۴۔ بحر۔ ۶۵۔ بحر۔ ۶۶۔ بحر۔ ۶۷۔ بحر۔ ۶۸۔ بحر۔ ۶۹۔ بحر۔ ۷۰۔ بحر۔ ۷۱۔ بحر۔ ۷۲۔ بحر۔ ۷۳۔ بحر۔ ۷۴۔ بحر۔ ۷۵۔ بحر۔ ۷۶۔ بحر۔ ۷۷۔ بحر۔ ۷۸۔ بحر۔ ۷۹۔ بحر۔ ۸۰۔ بحر۔ ۸۱۔ بحر۔ ۸۲۔ بحر۔ ۸۳۔ بحر۔ ۸۴۔ بحر۔ ۸۵۔ بحر۔ ۸۶۔ بحر۔ ۸۷۔ بحر۔ ۸۸۔ بحر۔ ۸۹۔ بحر۔ ۹۰۔ بحر۔ ۹۱۔ بحر۔ ۹۲۔ بحر۔ ۹۳۔ بحر۔ ۹۴۔ بحر۔ ۹۵۔ بحر۔ ۹۶۔ بحر۔ ۹۷۔ بحر۔ ۹۸۔ بحر۔ ۹۹۔ بحر۔ ۱۰۰۔ بحر۔























کہا ہے لیکن اگر آقا اس کے ساتھ ہو اور اس پر دین نہیں ہے یا دین ہے لیکن اس کے کسب کو محیط نہیں ہے تو جس قدر کسب دین سے زیادہ ہے اگر وہ بقدر نصاب ہو تو اس کا عشر لیا جائے یہ اور عشر لینے کے لئے مالک اور مالک دونوں کا حاضر ہونا شرط ہے پس اگر مالک بغیر مال کے عاشر کے پاس گزرتے تب بھی نہ لیا جائے اور اگر مال بغیر مالک کے گزرتے تب بھی نہ لیا جائے یہ پہلے گواہوں مال کے ساتھ گزرتا تو اگر اس کے مالک کا مال ہے تو اس سے عشر نہیں لیا جائے گا اور اگر اس کے کسب کا ہے تب بھی یہ حکم ہے یہی صحیح ہے اور اگر مالک کا آقا اس کے ساتھ ہو تو اس سے عشر لیا جائے گا اس لئے کہ مال اس کا ہے لیکن اگر غلام پر دین ہو جو اس کے مال اور اس کی جان کو محیط ہو تو نہیں لیا جائے گا۔ پس اس صورت میں جبکہ دین اس کے مال و جان کو محیط ہو خواہ آقا اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو اس سے عشر نہیں لیا جائے گا غلام کے ساتھ اس کا آقا ہونے کی صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک آقا کی ملکیت نہ پائی جانے کی وجہ سے اور صاحبین کے نزدیک دین سے فارغ نہ ہونے کی وجہ سے اور اگر مالک اس کے ساتھ نہ ہو تو ظاہری ہے۔

غلام صریح ہے جیسا کہ لمطاولی نے کہا ہے کہ مالک غلام یا تو دین محیط سے مدیون ہو گا یا دین غیر محیط سے مدیون ہو گا یا بالکل غیر مدیون ہو گا اور تینوں صورتوں میں سے ہر صورت میں یا اس کا آقا اس کے ساتھ ہو گا یا نہیں ہو گا پس پہلی صورت میں یعنی جبکہ دین محیط ہو اس پر مطلقاً کچھ واجب نہیں ہے خواہ اس کا مالک ساتھ ہو یا نہ ہو اور اسی طرح پچھلی دونوں صورتوں میں یعنی غیر مدیون یا غیر محیط دین کی صورت میں بھی جبکہ آقا اس کے ساتھ نہ ہو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور اگر ان دونوں صورتوں میں آقا اس کے ساتھ ہو تو دین نکالتے کے بعد جو کچھ بچے اگر وہ بقدر نصاب ہو تو اس کا عشر (۱۵) اور اگر عاشر کے پاس ایسی چیز لیکر گزرتا جو کہ بہت جلد خراب ہو جاتی ہے (یعنی سبزیات لیکر گزرتا) جیسا کہ تازہ میوے اور تر کھجوریں اور تر کاریاں اور دودھ اور اس کی قیمت بقدر نصاب ہے تو امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک اس سے عشر نہیں لیں گے (لیکن مالک کو حکم کرے کہ وہ خود اس کی ادائیگی کر دے) اور صاحبین کے نزدیک عشر لیں گے۔ اور امام صاحب کے اس قول کی کہ اس سے عشر نہ لیا جائے گا یہ تعلیل ہے کہ اگر وہ لے گا تو یہ لی ہوئی چیز باقی رکھنے سے خراب ہو جائے گی اور مال کے پاس ہنگام میں ہر وقت فقر موجود نہیں ہوتے تاکہ ان کو دیدیتا پس اگر مستحقین کے ملنے تک اس کو باقی رکھے گا تو خراب ہو جائے گی اور مقصود فوت ہو جائے گا پس اگر مال کے ساتھ فقرا ہوں یا اپنے علم میں صرف کرنے کے لئے لیا تو اس کو اجازت ہے اور یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ مالک قیمت ادا کرنے سے انکار کرے لیکن اگر وہ قیمت دیدے تو اس کا لینا جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

لے درویش۔ لے ش۔ لے ع و بکروش۔ لے بکرش۔ لے عن بکروش مع تغیر۔ لے ش۔ لے ش۔ لے ش۔  
لے ع بزادۃ عن ش۔ لے ش بتغیر۔







وہ کام کرنے والوں کا ہوگا اس لئے کہ جب اجارہ فاسد ہو گیا تو صرف توکیل باقی رہ گئی، اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مباح چیزوں کے حاصل کرنے میں توکیل درست نہیں ہے بخلاف اس کے کہ ایک نے دوسرے کی مزد سے حاصل کیا ہو جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو مدکار کو اجرت ملے گی اس لئے کہ اس کا کام کرنا بغیر احسان کے ہے۔ یہ غلامہ شامی نے کہا ہے اور کہا ہے کہ مجھے تو ایسا ہی ظاہر ہوا ہے پس غور فرمایا لیجئے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر کسی شخص نے کان یا دینہ پیا یا پھر اس کو کسی رقم کے عوض میں بیچ دیا تو جس کے قبضہ میں کان یا دینہ ہے جس اسی پر واجب ہے اور وہ قیمت کی رقم کا خمس بیچنے والے سے واپس لے گا۔ اور پتی ہوئی چیزیں مثلاً پانی، قیر، قار، نطفہ اور نک۔ اور جو چیزیں نہ پکھلتی ہیں اور نہ پتی ہیں جیسے پتھروں کی کان مثلاً چونا اور گچ اور جو اہرامت مثلاً یا قوت، فیروزہ، زمرہ وغیرہ اور مثلاً موتی و سمرقہ پتھری وغیرہ تو ان میں کچھ زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یعنی ان دونوں قسموں میں کوئی خمس نہیں لیا جائے گا۔ یہ اس وقت ہے جب کان کو ان کی کان سے حاصل کیا ہو۔ لیکن اگر یہ چیزیں دینے کی شکل میں ملیں تو ان میں بھی خمس لیا جائے گا جیسا کہ آگے دینے کی تفصیل میں آتا ہے۔ اور نطفہ نون کی کسرہ کے ساتھ زیادہ فصیح ہے اور فتح کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے۔ یہ ایک تیل ہے جو پانی کے اوپر آ جاتا ہے اور قار اور قیر اور زفت ایک روغن ہے جو کشتیوں پر لگایا جاتا ہے۔ پارے میں بھی پانچواں حصہ واجب ہے۔ یہ قول امام محمدؒ کا ہے اور یہی امام صاحب کا آخری قول ہے۔ اور امام صاحب کا اول قول یہ تھا کہ پارہ میں کچھ لازم نہیں آتا اور یہی امام ابو یوسفؒ کا آخری قول ہے اور یہ خلاف اس پارے میں ہے جو مودن سے نکلے لیکن جو کفار کے خزان وغیرہ میں ہے اس میں بالاتفاق خمس لازم ہے۔

(۳) خواہ کان یا دینہ عشری زمین میں نکلے یا خراجی زمین میں خمس واجب ہونے میں برابر ہے۔ اور جانتا چاہئے کہ زمین چار قسم کی ہوتی ہے اول مباحہ، دوم جو تمام مسلمانوں کی ملکیت میں ہو (یعنی شاملات)، سوم جو کسی معین شخص کی ملکیت ہو۔ چہ آدم وقت پس پہلی قسم کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی اور یہی حکم دوسری قسم کا ہے جیسا کہ مصر کی غیر موقوفہ زمین۔ اور تیسری اور چوتھی قسم یا عشری ہوگی یا خراجی۔ پھر جانتا چاہئے کہ مباحہ میں خمس بیت المال کا حق ہے اور باقی پانے والے کا اور دوسری قسم جو کہ غیر معین کی مہاکہ (یعنی شاملات) ہے تو اس کا حکم نہیں دیکھا گیا۔ بظاہر اس کا حکم یہ ہو کہ کل مال بیت المال کا ہے خمس تو ظاہری ہے کہ بیت المال کا ہے اور باقی اس لئے کہ تمام مسلمان اس کے مالک ہیں تو ان کا وکیل لے گا جو کہ بادشاہ ہے اور تیسری قسم یعنی دفع میں بھی خمس بیت المال کا ہے اور باقی کا حکم نہیں ملاحظہ ہے۔ یہ ہے کہ وہ پانے والے کا ہے جیسا کہ قسم اول کا ہے بوجہ کوئی مالک نہ ہونے کے پس اس کو نوٹ فرمایا لیجئے۔ اور اس

لے ش بخیر و تصرف لے بحر من المحيط لے ش دے لے دوش و دبحر لقطا لے ش لے بحر لخصا لے ش عن القاموس۔

لے ش لے دے در لے ش لے دے وغیرہ لے ش عن ح۔











































داخل ہے جیسا کہ اوپر آچکے ہیں۔

(۳) اور اس عشری زمین میں جو تغلبی کی ہو دو چند عشر یعنی پانچواں حصہ واجب ہے مطلقاً یعنی خواہ وہ تغلبی لڑکا ہو یا عورت ہو، اور خواہ اسلام لے آیا ہو یا اس نے وہ زمین کسی مسلمان سے خرید کی ہو یا اس زمین کو کسی مسلمان یا ذمی نے کسی تغلبی سے خریدا ہو اس لئے کہ تضعیف (دو چند ہونا) خراج کی مانند ہے پس وہ متبدل نہیں ہوگی یہ اور یہ حکم برابر ہے خواہ وہ زمین تغلبی کے لئے اصالۃ ہو یا وراثت میں ملی ہو یا وہ ایک تغلبی سے دوسرے تغلبی کی طرف منتقل ہو کہ اس کے قبضہ میں آئی ہو۔ پس اگر تغلبی کے پاس عشری زمین ہو تو اس سے دو چند عشر لیا جائے گا۔ اور وہ پانچواں حصہ ہے۔ اور اگر تغلبی سے کوئی ذمی خرید لے تو ان تینوں اماموں کے نزدیک اپنے حال پر ہے یعنی اب بھی وہی پانچواں حصہ واجب ہوگا اور اسی طرح اگر تغلبی سے کوئی مسلمان خرید لے یا تغلبی مسلمان ہو جائے تب بھی امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس زمین پر وہی حکم رہے گا خواہ اصل میں ہی اس زمین پر دو چند عشر مقرر ہوا ہو یا بعد کو دو چند ہو گیا ہو۔ اس لئے کہ دو چند عشر اس زمین کا وظیفہ (مقررہ محصول) ہو گیا ہے۔ پس ان دونوں اماموں کے نزدیک وہ اسلام کے بعد بھی خراج کی مانند باقی رہے گا اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جبکہ اس زمین کو اس تغلبی سے کسی مسلمان نے خریدا ہو اس لئے کہ وہ اس کی طرف خراج کی طرح اپنے وظیفہ (مقررہ محصول) کے ساتھ منتقل ہوئی ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان دونوں مسئلوں میں (یعنی تغلبی کے مسلمان ہو جانے یا تغلبی سے کسی مسلمان کے خرید لینے کی صورت میں) صرف ایک ہی عشر واجب ہوتا ہے (یعنی وہ صرف عشری ہو جاتی ہے) اس لئے کہ دو چند عشر ہونے کا سبب یعنی کافر ہونا زائل ہو گیا ہے اور اگر تغلبی سے کسی ذمی نے اس زمین کو خریدا تو اس پر بدستور دو چند عشر باقی رہے گا بالاتفاق یہ ہے اور اگر کسی تغلبی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی تو شیخین کے نزدیک وہ تضعیفی (دو چند عشر والی) ہو جائے گی اور امام محمدؒ کے نزدیک عشری ہی باقی رہے گی اس لئے کہ وظیفہ (مقررہ محصول) مالک کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوتا۔ اور جانتا ہوا ہے کہ بنی تغلب عرب کے نصاریٰ کی ایک قوم ہے جس کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات پر صلح کر لی تھی کہ ان سے مسلمانوں کے عشر سے دو چند عشر لے لیا جائے جیسا کہ زکوۃ کے متفرق مسائل میں بیان ہو چکا ہے اور اس واقعہ صلح کا مقتضایہ ہے کہ ان سے مطلقاً اس عشر کا دو چند لے لیا جائے گا جو کہ مسلمانوں سے لیا جاتا ہے یعنی جو مسلمان سے لیا جاتا ہے اگر وہ عشر ہے تو تغلبی سے اس کا دو چند (پانچواں حصہ) اور اگر نصف عشر ہے تو اس کا دو چند (دسواں حصہ) لیا جائے گا۔ اور تغلبی کے لڑکے اور عورت کی زمین پر وہی واجب ہوگا جو اس کے بالغ مرد پر ہوتا ہے۔ اور اگر کسی تغلبی کے سوا کسی اور ذمی نے کسی مسلمان سے کوئی عشری زمین خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر خراج واجب ہوگا ۳۱۰ پھر اگر اس سے کوئی مسلمان شفعہ کر کے لے لے یا بیع کے فاسد ہونے کی وجہ سے

۱۱۰ ش ۱۱۱ ش ۱۱۲ ش ۱۱۳ ش ۱۱۴ ش ۱۱۵ ش ۱۱۶ ش ۱۱۷ ش ۱۱۸ ش ۱۱۹ ش ۱۲۰ ش ۱۲۱ ش ۱۲۲ ش ۱۲۳ ش ۱۲۴ ش ۱۲۵ ش ۱۲۶ ش ۱۲۷ ش ۱۲۸ ش ۱۲۹ ش ۱۳۰ ش ۱۳۱ ش ۱۳۲ ش ۱۳۳ ش ۱۳۴ ش ۱۳۵ ش ۱۳۶ ش ۱۳۷ ش ۱۳۸ ش ۱۳۹ ش ۱۴۰ ش ۱۴۱ ش ۱۴۲ ش ۱۴۳ ش ۱۴۴ ش ۱۴۵ ش ۱۴۶ ش ۱۴۷ ش ۱۴۸ ش ۱۴۹ ش ۱۵۰ ش ۱۵۱ ش ۱۵۲ ش ۱۵۳ ش ۱۵۴ ش ۱۵۵ ش ۱۵۶ ش ۱۵۷ ش ۱۵۸ ش ۱۵۹ ش ۱۶۰ ش ۱۶۱ ش ۱۶۲ ش ۱۶۳ ش ۱۶۴ ش ۱۶۵ ش ۱۶۶ ش ۱۶۷ ش ۱۶۸ ش ۱۶۹ ش ۱۷۰ ش ۱۷۱ ش ۱۷۲ ش ۱۷۳ ش ۱۷۴ ش ۱۷۵ ش ۱۷۶ ش ۱۷۷ ش ۱۷۸ ش ۱۷۹ ش ۱۸۰ ش ۱۸۱ ش ۱۸۲ ش ۱۸۳ ش ۱۸۴ ش ۱۸۵ ش ۱۸۶ ش ۱۸۷ ش ۱۸۸ ش ۱۸۹ ش ۱۹۰ ش ۱۹۱ ش ۱۹۲ ش ۱۹۳ ش ۱۹۴ ش ۱۹۵ ش ۱۹۶ ش ۱۹۷ ش ۱۹۸ ش ۱۹۹ ش ۲۰۰ ش ۲۰۱ ش ۲۰۲ ش ۲۰۳ ش ۲۰۴ ش ۲۰۵ ش ۲۰۶ ش ۲۰۷ ش ۲۰۸ ش ۲۰۹ ش ۲۱۰ ش ۲۱۱ ش ۲۱۲ ش ۲۱۳ ش ۲۱۴ ش ۲۱۵ ش ۲۱۶ ش ۲۱۷ ش ۲۱۸ ش ۲۱۹ ش ۲۲۰ ش ۲۲۱ ش ۲۲۲ ش ۲۲۳ ش ۲۲۴ ش ۲۲۵ ش ۲۲۶ ش ۲۲۷ ش ۲۲۸ ش ۲۲۹ ش ۲۳۰ ش ۲۳۱ ش ۲۳۲ ش ۲۳۳ ش ۲۳۴ ش ۲۳۵ ش ۲۳۶ ش ۲۳۷ ش ۲۳۸ ش ۲۳۹ ش ۲۴۰ ش ۲۴۱ ش ۲۴۲ ش ۲۴۳ ش ۲۴۴ ش ۲۴۵ ش ۲۴۶ ش ۲۴۷ ش ۲۴۸ ش ۲۴۹ ش ۲۵۰ ش ۲۵۱ ش ۲۵۲ ش ۲۵۳ ش ۲۵۴ ش ۲۵۵ ش ۲۵۶ ش ۲۵۷ ش ۲۵۸ ش ۲۵۹ ش ۲۶۰ ش ۲۶۱ ش ۲۶۲ ش ۲۶۳ ش ۲۶۴ ش ۲۶۵ ش ۲۶۶ ش ۲۶۷ ش ۲۶۸ ش ۲۶۹ ش ۲۷۰ ش ۲۷۱ ش ۲۷۲ ش ۲۷۳ ش ۲۷۴ ش ۲۷۵ ش ۲۷۶ ش ۲۷۷ ش ۲۷۸ ش ۲۷۹ ش ۲۸۰ ش ۲۸۱ ش ۲۸۲ ش ۲۸۳ ش ۲۸۴ ش ۲۸۵ ش ۲۸۶ ش ۲۸۷ ش ۲۸۸ ش ۲۸۹ ش ۲۹۰ ش ۲۹۱ ش ۲۹۲ ش ۲۹۳ ش ۲۹۴ ش ۲۹۵ ش ۲۹۶ ش ۲۹۷ ش ۲۹۸ ش ۲۹۹ ش ۳۰۰ ش ۳۰۱ ش ۳۰۲ ش ۳۰۳ ش ۳۰۴ ش ۳۰۵ ش ۳۰۶ ش ۳۰۷ ش ۳۰۸ ش ۳۰۹ ش ۳۱۰ ش ۳۱۱ ش ۳۱۲ ش ۳۱۳ ش ۳۱۴ ش ۳۱۵ ش ۳۱۶ ش ۳۱۷ ش ۳۱۸ ش ۳۱۹ ش ۳۲۰ ش ۳۲۱ ش ۳۲۲ ش ۳۲۳ ش ۳۲۴ ش ۳۲۵ ش ۳۲۶ ش ۳۲۷ ش ۳۲۸ ش ۳۲۹ ش ۳۳۰ ش ۳۳۱ ش ۳۳۲ ش ۳۳۳ ش ۳۳۴ ش ۳۳۵ ش ۳۳۶ ش ۳۳۷ ش ۳۳۸ ش ۳۳۹ ش ۳۴۰ ش ۳۴۱ ش ۳۴۲ ش ۳۴۳ ش ۳۴۴ ش ۳۴۵ ش ۳۴۶ ش ۳۴۷ ش ۳۴۸ ش ۳۴۹ ش ۳۵۰ ش ۳۵۱ ش ۳۵۲ ش ۳۵۳ ش ۳۵۴ ش ۳۵۵ ش ۳۵۶ ش ۳۵۷ ش ۳۵۸ ش ۳۵۹ ش ۳۶۰ ش ۳۶۱ ش ۳۶۲ ش ۳۶۳ ش ۳۶۴ ش ۳۶۵ ش ۳۶۶ ش ۳۶۷ ش ۳۶۸ ش ۳۶۹ ش ۳۷۰ ش ۳۷۱ ش ۳۷۲ ش ۳۷۳ ش ۳۷۴ ش ۳۷۵ ش ۳۷۶ ش ۳۷۷ ش ۳۷۸ ش ۳۷۹ ش ۳۸۰ ش ۳۸۱ ش ۳۸۲ ش ۳۸۳ ش ۳۸۴ ش ۳۸۵ ش ۳۸۶ ش ۳۸۷ ش ۳۸۸ ش ۳۸۹ ش ۳۹۰ ش ۳۹۱ ش ۳۹۲ ش ۳۹۳ ش ۳۹۴ ش ۳۹۵ ش ۳۹۶ ش ۳۹۷ ش ۳۹۸ ش ۳۹۹ ش ۴۰۰ ش ۴۰۱ ش ۴۰۲ ش ۴۰۳ ش ۴۰۴ ش ۴۰۵ ش ۴۰۶ ش ۴۰۷ ش ۴۰۸ ش ۴۰۹ ش ۴۱۰ ش ۴۱۱ ش ۴۱۲ ش ۴۱۳ ش ۴۱۴ ش ۴۱۵ ش ۴۱۶ ش ۴۱۷ ش ۴۱۸ ش ۴۱۹ ش ۴۲۰ ش ۴۲۱ ش ۴۲۲ ش ۴۲۳ ش ۴۲۴ ش ۴۲۵ ش ۴۲۶ ش ۴۲۷ ش ۴۲۸ ش ۴۲۹ ش ۴۳۰ ش ۴۳۱ ش ۴۳۲ ش ۴۳۳ ش ۴۳۴ ش ۴۳۵ ش ۴۳۶ ش ۴۳۷ ش ۴۳۸ ش ۴۳۹ ش ۴۴۰ ش ۴۴۱ ش ۴۴۲ ش ۴۴۳ ش ۴۴۴ ش ۴۴۵ ش ۴۴۶ ش ۴۴۷ ش ۴۴۸ ش ۴۴۹ ش ۴۵۰ ش ۴۵۱ ش ۴۵۲ ش ۴۵۳ ش ۴۵۴ ش ۴۵۵ ش ۴۵۶ ش ۴۵۷ ش ۴۵۸ ش ۴۵۹ ش ۴۶۰ ش ۴۶۱ ش ۴۶۲ ش ۴۶۳ ش ۴۶۴ ش ۴۶۵ ش ۴۶۶ ش ۴۶۷ ش ۴۶۸ ش ۴۶۹ ش ۴۷۰ ش ۴۷۱ ش ۴۷۲ ش ۴۷۳ ش ۴۷۴ ش ۴۷۵ ش ۴۷۶ ش ۴۷۷ ش ۴۷۸ ش ۴۷۹ ش ۴۸۰ ش ۴۸۱ ش ۴۸۲ ش ۴۸۳ ش ۴۸۴ ش ۴۸۵ ش ۴۸۶ ش ۴۸۷ ش ۴۸۸ ش ۴۸۹ ش ۴۹۰ ش ۴۹۱ ش ۴۹۲ ش ۴۹۳ ش ۴۹۴ ش ۴۹۵ ش ۴۹۶ ش ۴۹۷ ش ۴۹۸ ش ۴۹۹ ش ۵۰۰ ش ۵۰۱ ش ۵۰۲ ش ۵۰۳ ش ۵۰۴ ش ۵۰۵ ش ۵۰۶ ش ۵۰۷ ش ۵۰۸ ش ۵۰۹ ش ۵۱۰ ش ۵۱۱ ش ۵۱۲ ش ۵۱۳ ش ۵۱۴ ش ۵۱۵ ش ۵۱۶ ش ۵۱۷ ش ۵۱۸ ش ۵۱۹ ش ۵۲۰ ش ۵۲۱ ش ۵۲۲ ش ۵۲۳ ش ۵۲۴ ش ۵۲۵ ش ۵۲۶ ش ۵۲۷ ش ۵۲۸ ش ۵۲۹ ش ۵۳۰ ش ۵۳۱ ش ۵۳۲ ش ۵۳۳ ش ۵۳۴ ش ۵۳۵ ش ۵۳۶ ش ۵۳۷ ش ۵۳۸ ش ۵۳۹ ش ۵۴۰ ش ۵۴۱ ش ۵۴۲ ش ۵۴۳ ش ۵۴۴ ش ۵۴۵ ش ۵۴۶ ش ۵۴۷ ش ۵۴۸ ش ۵۴۹ ش ۵۵۰ ش ۵۵۱ ش ۵۵۲ ش ۵۵۳ ش ۵۵۴ ش ۵۵۵ ش ۵۵۶ ش ۵۵۷ ش ۵۵۸ ش ۵۵۹ ش ۵۶۰ ش ۵۶۱ ش ۵۶۲ ش ۵۶۳ ش ۵۶۴ ش ۵۶۵ ش ۵۶۶ ش ۵۶۷ ش ۵۶۸ ش ۵۶۹ ش ۵۷۰ ش ۵۷۱ ش ۵۷۲ ش ۵۷۳ ش ۵۷۴ ش ۵۷۵ ش ۵۷۶ ش ۵۷۷ ش ۵۷۸ ش ۵۷۹ ش ۵۸۰ ش ۵۸۱ ش ۵۸۲ ش ۵۸۳ ش ۵۸۴ ش ۵۸۵ ش ۵۸۶ ش ۵۸۷ ش ۵۸۸ ش ۵۸۹ ش ۵۹۰ ش ۵۹۱ ش ۵۹۲ ش ۵۹۳ ش ۵۹۴ ش ۵۹۵ ش ۵۹۶ ش ۵۹۷ ش ۵۹۸ ش ۵۹۹ ش ۶۰۰ ش ۶۰۱ ش ۶۰۲ ش ۶۰۳ ش ۶۰۴ ش ۶۰۵ ش ۶۰۶ ش ۶۰۷ ش ۶۰۸ ش ۶۰۹ ش ۶۱۰ ش ۶۱۱ ش ۶۱۲ ش ۶۱۳ ش ۶۱۴ ش ۶۱۵ ش ۶۱۶ ش ۶۱۷ ش ۶۱۸ ش ۶۱۹ ش ۶۲۰ ش ۶۲۱ ش ۶۲۲ ش ۶۲۳ ش ۶۲۴ ش ۶۲۵ ش ۶۲۶ ش ۶۲۷ ش ۶۲۸ ش ۶۲۹ ش ۶۳۰ ش ۶۳۱ ش ۶۳۲ ش ۶۳۳ ش ۶۳۴ ش ۶۳۵ ش ۶۳۶ ش ۶۳۷ ش ۶۳۸ ش ۶۳۹ ش ۶۴۰ ش ۶۴۱ ش ۶۴۲ ش ۶۴۳ ش ۶۴۴ ش ۶۴۵ ش ۶۴۶ ش ۶۴۷ ش ۶۴۸ ش ۶۴۹ ش ۶۵۰ ش ۶۵۱ ش ۶۵۲ ش ۶۵۳ ش ۶۵۴ ش ۶۵۵ ش ۶۵۶ ش ۶۵۷ ش ۶۵۸ ش ۶۵۹ ش ۶۶۰ ش ۶۶۱ ش ۶۶۲ ش ۶۶۳ ش ۶۶۴ ش ۶۶۵ ش ۶۶۶ ش ۶۶۷ ش ۶۶۸ ش ۶۶۹ ش ۶۷۰ ش ۶۷۱ ش ۶۷۲ ش ۶۷۳ ش ۶۷۴ ش ۶۷۵ ش ۶۷۶ ش ۶۷۷ ش ۶۷۸ ش ۶۷۹ ش ۶۸۰ ش ۶۸۱ ش ۶۸۲ ش ۶۸۳ ش ۶۸۴ ش ۶۸۵ ش ۶۸۶ ش ۶۸۷ ش ۶۸۸ ش ۶۸۹ ش ۶۹۰ ش ۶۹۱ ش ۶۹۲ ش ۶۹۳ ش ۶۹۴ ش ۶۹۵ ش ۶۹۶ ش ۶۹۷ ش ۶۹۸ ش ۶۹۹ ش ۷۰۰ ش ۷۰۱ ش ۷۰۲ ش ۷۰۳ ش ۷۰۴ ش ۷۰۵ ش ۷۰۶ ش ۷۰۷ ش ۷۰۸ ش ۷۰۹ ش ۷۱۰ ش ۷۱۱ ش ۷۱۲ ش ۷۱۳ ش ۷۱۴ ش ۷۱۵ ش ۷۱۶ ش ۷۱۷ ش ۷۱۸ ش ۷۱۹ ش ۷۲۰ ش ۷۲۱ ش ۷۲۲ ش ۷۲۳ ش ۷۲۴ ش ۷۲۵ ش ۷۲۶ ش ۷۲۷ ش ۷۲۸ ش ۷۲۹ ش ۷۳۰ ش ۷۳۱ ش ۷۳۲ ش ۷۳۳ ش ۷۳۴ ش ۷۳۵ ش ۷۳۶ ش ۷۳۷ ش ۷۳۸ ش ۷۳۹ ش ۷۴۰ ش ۷۴۱ ش ۷۴۲ ش ۷۴۳ ش ۷۴۴ ش ۷۴۵ ش ۷۴۶ ش ۷۴۷ ش ۷۴۸ ش ۷۴۹ ش ۷۵۰ ش ۷۵۱ ش ۷۵۲ ش ۷۵۳ ش ۷۵۴ ش ۷۵۵ ش ۷۵۶ ش ۷۵۷ ش ۷۵۸ ش ۷۵۹ ش ۷۶۰ ش ۷۶۱ ش ۷۶۲ ش ۷۶۳ ش ۷۶۴ ش ۷۶۵ ش ۷۶۶ ش ۷۶۷ ش ۷۶۸ ش ۷۶۹ ش ۷۷۰ ش ۷۷۱ ش ۷۷۲ ش ۷۷۳ ش ۷۷۴ ش ۷۷۵ ش ۷۷۶ ش ۷۷۷ ش ۷۷۸ ش ۷۷۹ ش ۷۸۰ ش ۷۸۱ ش ۷۸۲ ش ۷۸۳ ش ۷۸۴ ش ۷۸۵ ش ۷۸۶ ش ۷۸۷ ش ۷۸۸ ش ۷۸۹ ش ۷۹۰ ش ۷۹۱ ش ۷۹۲ ش ۷۹۳ ش ۷۹۴ ش ۷۹۵ ش ۷۹۶ ش ۷۹۷ ش ۷۹۸ ش ۷۹۹ ش ۸۰۰ ش ۸۰۱ ش ۸۰۲ ش ۸۰۳ ش ۸۰۴ ش ۸۰۵ ش ۸۰۶ ش ۸۰۷ ش ۸۰۸ ش ۸۰۹ ش ۸۱۰ ش ۸۱۱ ش ۸۱۲ ش ۸۱۳ ش ۸۱۴ ش ۸۱۵ ش ۸۱۶ ش ۸۱۷ ش ۸۱۸ ش ۸۱۹ ش ۸۲۰ ش ۸۲۱ ش ۸۲۲ ش ۸۲۳ ش ۸۲۴ ش ۸۲۵ ش ۸۲۶ ش ۸۲۷ ش ۸۲۸ ش ۸۲۹ ش ۸۳۰ ش ۸۳۱ ش ۸۳۲ ش ۸۳۳ ش ۸۳۴ ش ۸۳۵ ش ۸۳۶ ش ۸۳۷ ش ۸۳۸ ش ۸۳۹ ش ۸۴۰ ش ۸۴۱ ش ۸۴۲ ش ۸۴۳ ش ۸۴۴ ش ۸۴۵ ش ۸۴۶ ش ۸۴۷ ش ۸۴۸ ش ۸۴۹ ش ۸۵۰ ش ۸۵۱ ش ۸۵۲ ش ۸۵۳ ش ۸۵۴ ش ۸۵۵ ش ۸۵۶ ش ۸۵۷ ش ۸۵۸ ش ۸۵۹ ش ۸۶۰ ش ۸۶۱ ش ۸۶۲ ش ۸۶۳ ش ۸۶۴ ش ۸۶۵ ش ۸۶۶ ش ۸۶۷ ش ۸۶۸ ش ۸۶۹ ش ۸۷۰ ش ۸۷۱ ش ۸۷۲ ش ۸۷۳ ش ۸۷۴ ش ۸۷۵ ش ۸۷۶ ش ۸۷۷ ش ۸۷۸ ش ۸۷۹ ش ۸۸۰ ش ۸۸۱ ش ۸۸۲ ش ۸۸۳ ش ۸۸۴ ش ۸۸۵ ش ۸۸۶ ش ۸۸۷ ش ۸۸۸ ش ۸۸۹ ش ۸۹۰ ش ۸۹۱ ش ۸۹۲ ش ۸۹۳ ش ۸۹۴ ش ۸۹۵ ش ۸۹۶ ش ۸۹۷ ش ۸۹۸ ش ۸۹۹ ش ۹۰۰ ش ۹۰۱ ش ۹۰۲ ش ۹۰۳ ش ۹۰۴ ش ۹۰۵ ش ۹۰۶ ش ۹۰۷ ش ۹۰۸ ش ۹۰۹ ش ۹۱۰ ش ۹۱۱ ش ۹۱۲ ش ۹۱۳ ش ۹۱۴ ش ۹۱۵ ش ۹۱۶ ش ۹۱۷ ش ۹۱۸ ش ۹۱۹ ش ۹۲۰ ش ۹۲۱ ش ۹۲۲ ش ۹۲۳ ش ۹۲۴ ش ۹۲۵ ش ۹۲۶ ش ۹۲۷ ش ۹۲۸ ش ۹۲۹ ش ۹۳۰ ش ۹۳۱ ش ۹۳۲ ش ۹۳۳ ش ۹۳۴ ش ۹۳۵ ش ۹۳۶ ش ۹۳۷ ش ۹۳۸ ش ۹۳۹ ش ۹۴۰ ش ۹۴۱ ش ۹۴۲ ش ۹۴۳ ش ۹۴۴ ش ۹۴۵ ش ۹۴۶ ش ۹۴۷ ش ۹۴۸ ش ۹۴۹ ش ۹۵۰ ش ۹۵۱ ش ۹۵۲ ش ۹۵۳ ش ۹۵۴ ش ۹۵۵ ش ۹۵۶ ش ۹۵۷ ش ۹۵۸ ش ۹۵۹ ش ۹۶۰ ش ۹۶۱ ش ۹۶۲ ش ۹۶۳ ش ۹۶۴ ش ۹۶۵ ش ۹۶۶ ش ۹۶۷ ش ۹۶۸ ش ۹۶۹ ش ۹۷۰ ش ۹۷۱ ش ۹۷۲ ش ۹۷۳ ش ۹۷۴ ش ۹۷۵ ش ۹۷۶ ش ۹۷۷ ش ۹۷۸ ش ۹۷۹ ش ۹۸۰ ش ۹۸۱ ش ۹۸۲ ش ۹۸۳ ش ۹۸۴ ش ۹۸۵ ش ۹۸۶ ش ۹۸۷ ش ۹۸۸ ش ۹۸۹ ش ۹۹۰ ش ۹۹۱ ش ۹۹۲ ش ۹۹۳ ش ۹۹۴ ش ۹۹۵ ش ۹۹۶ ش ۹۹۷ ش ۹۹۸ ش ۹۹۹ ش ۱۰۰۰ ش







جاننا چاہئے کہ زمین دو قسم کی ہوتی ہے عشری اور خراجی عرب کے ملک کی تمام زمین خراجی ہے اور تہامہ و حجاز مکہ و یمن و طائف و عمان و بحرین کی زمین ہے اس کے مانسوا کافروں کا ہر وہ شہر جس کو مسلمان چڑھائی کر کے لڑائی سے فتح کریں اور اس کے باشندے اسلام نہ لائیں اور بادشاہ اسلام ان سے خراج لیکر ان کے پاس ہی رہنے دے تو وہ زمین خراجی ہے جبکہ اس کو خراجی پانی سے سیراب کیا جائے۔ اور کافروں کے جس شہر کو مسلمان صلح سے فتح کریں اور وہ جزیہ قبول کریں تو وہ بھی خراجی زمین ہے اور جس شہر کو مسلمان لڑائی سے فتح کریں اور بادشاہ نے وہ زمین کافروں سے لیکر مجاہدین اسلام میں بانٹ دی تو وہ عشری زمین ہے اور جو شہر لڑائی سے فتح ہوا اور بادشاہ کے کسی قسم کے حکم سے پہلے ہی وہاں کے باشندے اسلام لے آئے تو بادشاہ کو اختیار ہے خواہ مجاہدین میں تقسیم کر دے اور اس صورت میں وہ عشری ہو جائے گی اور چاہے تو ان نو مسلموں کے پاس رہنے دے اور اس صورت میں بھی چاہے تو بادشاہ اس کو عشری قرار دے یا خراج رکھے جبکہ وہ خراجی پانی سے سیراب کی جائے۔ اور جس شہر کے باشندے خوشی سے اسلام لے آئے وہ عشری ہوگی لے اگر کسی کے باپ دادا سے ہی عشری زمین برابر چلی آتی ہو یا کسی ایسے مسلمان سے خریدی جس کے پاس اسی طرح چلی آتی ہے تو وہ سب عشری ہے ایسی زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے پس جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں وہ عشری ہیں کیونکہ مسلمانوں کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے اور حالت شب میں عشر نکالنے میں ہی زیادہ احتیاط ہے اور سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔

(۴۲) اگر کوئی مسلمان اپنے گھر کو باغ بنالے تو اس کی اجرت کا حکم اس کے پانی کے ساتھ ہوگا۔ پس اگر اس کو عشر کا پانی دے گا تو زمین عشری ہوگی اور اگر خراج کا پانی دے گا تو خراجی ہوگی۔ اور اگر اس کو ایک دفعہ عشر کے پانی سے سیراب کرے اور ایک دفعہ خراج کے پانی سے تو اس پر عشر واجب ہوگا اس لئے کہ مسلمان خراج کے مقابلہ میں عشر کا زیادہ حقدار ہے۔ (کیونکہ اس میں عبادت کے معنی پائے جاتے ہیں) اور طحاوی نے کہا کہ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خواہ خراج کا پانی زیادہ ہو تب بھی مسلمان پر عشری واجب ہوگا شہ اور یہی حکم اس وقت ہی جبکہ گھر کو کھیت بنالیا ہو۔ اور باغ اس زمین کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار وغیرہ سے احاطہ کیا ہوا ہو اور اس میں متفرق قسم کے درخت ہوں اور اگر گھر کو باغ نہیں بنایا اور اس میں کھجور کے درخت ہیں اور اس سے کئی گدھوں کا بوجہ پیداوار حاصل ہو تو اس میں کوئی چیز نہیں ہے۔ اور یہی حکم گھر کے باغ کے پھل کا ہے اس لئے کہ وہ گھر کے تابع ہے اور عتبی نے اشکال پیش کیا ہے کہ یہاں مسلمان پر خراج لگانا ابتداء لازم آتا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان پر ابتداء خراج لگانا جبراً ہو تو منع ہے۔ لیکن اگر اس کے اپنے اختیار سے ہو تو جائز ہے اور یہاں چونکہ مسلمان نے خراجی زمین سے پانی دیا ہے تو گویا اس نے خود خراج اختیار کیا ہے۔ صاحب فتح القدیر نے یہ جواب دیا ہے کہ جب مسلمان نے خراجی پانی سے زمین کو سیراب کیا تو پانی اپنی مقررہ صفت کے ساتھ زمین کی طرف منتقل

لے ع کتاب السیراب العشر والخراج لمحمد تامر فیہ۔ لے اخذ از مختلف فتاویٰ ہندویہ کتوزع لے بحر مع شہ بحر  
لے غایۃ الاوطار لے شہ در تصرف لے بحر و شہ شہ بحر و شہ لے غایۃ الاوطار لے شہ

۴۲ جس طرح اہل شہر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔







میں لازمی نہیں کیونکہ اکثر کمزور جن کو کفار نے کھودا تھا بے نام و نشان ہو چکے ہیں اور اب ہم ان کو نہیں پاتے۔ لیکن جن کنوؤں کا اسلام کے غلبہ کے بعد بنایا جانا معلوم ہو یا جن کا کچھ حال معلوم نہ ہو تو ان کے اسلامی ہونے کا حکم ضروری ہے اس لئے کہ ان کا بنایا جانا دو ممکن زمانوں میں سے زیادہ قریبی زمانہ کی طرف منسوب ہوگا۔

(۵) اور قیر (رال) کے چشمہ میں اور نطف (ایک قسم کا تیل) میں کچھ واجب نہیں ہے اس لئے کہ یہ زمین سے پیدا ہونے والی چیز نہیں ہے بلکہ جوش مارتا ہوا چشمہ ہے جیسے پانی کا چشمہ پس اس میں نہ عشر واجب ہو نہ خراج مطلقاً خواہ زمین عشری ہو یا خراجی یہ اور نہ ہی نطف میں کچھ واجب ہے اور نطف نون کی فتح یا کسرو کے ساتھ ہے اور کسرو کے ساتھ افع ہے یہ ایک تیل ہے جو پانی کے اوپر آ جاتا ہے۔ اور لال اور نطف کا یہ حکم مطلقاً ہے خواہ وہ زمین عشری ہو یا خراجی ہو۔ لونک میں بھی کچھ واجب نہیں ہے۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ لال اور نطف وغیرہ کی جگہ کے گرد و نواح میں اور اسی جگہ فارغ نہ ہو جو زراعت کی صلاحیت رکھتی ہو، لیکن اس چشمہ کے گرد و نواح میں ایسی جگہ ہو جو زراعت کی صلاحیت رکھتی ہو تو اگر وہ عشری زمین میں ہو تو اس میں کچھ واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ عشر کے لئے زمین کا قابل زراعت ہونا کافی نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اس سے پیداوار حاصل ہونا لازمی ہے (یعنی اگر اس میں زراعت کریں گے تو عشر لازم ہوگا ورنہ نہیں) لیکن اگر وہ قابل زراعت جگہ خراجی زمین میں ہو تو خراج واجب ہوگا اس لئے کہ خراج ط واجب ہونے کے لئے زمین کا قابل زراعت ہونا کافی ہے اور یہ بات اس میں موجود ہے اور قیر اور زفت ایک ہی چیز ہے اور قدر بھی کہتے ہیں جیسا کہ رکاز کے بیان میں گذر چکا ہے۔

(۶) اگر کسی شخص نے عشری زمین اجارہ (کرایہ پر) دی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشر زمین کے مالک پر واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک متاجر پر واجب ہوگا۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے جو کہ متاجر کی ہے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ زمین کا نماز (بڑھوتری) جیسا کہ زراعت کی ہوتا ہے وہی اجارہ سے بھی ہوتا ہے تو یہاں پھل کی طرح اجرت مقصود ہے پس پھر حقیقت میں اجرت پر دینے والے کیلئے ہی اور وہی مالک بھی ہے تو عشر کے واجب ہونے کے لئے بھی وہی اولیٰ ہے۔ اور حاوی قدسی میں ہے کہ ہم صاحبین کے قول کو لیتے ہیں لیکن متاخرین کی ایک جماعت نے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا ہے پس اگر مالک زمین کے لئے پوری اجرت کا لینا ممکن ہو تو امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے ورنہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ جبکہ مالک زمین کو واضح طور پر اتنا نقصان لازم آتا ہو کہ جس کو کوئی بھی جائز نہ کہہ سکے و انشاء اللہ بالمراتب۔ اور اگر بیادار کٹنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو مالک سے عشر ساقط ہو جائے گا یعنی اس پر واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر کٹنے کے بعد ہلاک ہو تو مالک سے ساقط نہ ہوگا یعنی اس پر واجب ہوگا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک خواہ کٹنے سے پہلے ہلاک ہو یا بعد میں اس کے ساتھ میں عشر بھی ساقط ہو جائے گا۔

لے ش لمخصا عہ بمردوش عہ بمردش عہ بمردش عہ در ش عن الکافی والنهاية عہ در تفسیر عہ بمردش عہ  
عہ بمردش عہ در تفسیر عہ ش عہ ش لمخصا و تمام فیہ عہ عہ و بکر۔











اس کو خریدار کے سپرد کیا تو اگر اس قدر مدت باقی رہ گئی ہے کہ وہ اس میں کھیتی کر سکتا ہے تو خراج (دعشر) خریدار پر ہے ورنہ بائع پر اور مدت کے اندازہ کے بارے میں فتویٰ تین جہتیں پر ہے اور اگر زمین کو کھیتی کے ساتھ بیچا اور وہ کھیتی ابھی کچی (دسبر) ہے تو ہر حال میں خریدار پر عشر ہے۔ اور فقہ ابو الیث رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر زمین کو زراعت سمیت فروخت کیا اور اس کا دادین چکا تھا اور یک چکی تھی اور اب اتنی مدت باقی نہیں رہی کہ خریدار اس میں کھیتی کر سکے تو خراج دعشر بائع کے اور پر ہے اور اگر خریدار نے کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا اور اس نے تیسرے کے ہاتھ بیچ دیا یہاں تک کہ زراعت کا وقت جاتا رہا تو خراج (دعشر) کسی پر لازم نہیں ہوگا یعنی کسی کے ہاتھ میں اس قدر مدت نہیں رہی کہ وہ دوسرا سال آلے سے پہلے زراعت کر سکے لے

(۱۱) اور بیع بالوفاء میں خراج مؤظف بائع پر ہے جبکہ زمین اس کے قبضہ میں رہے۔ بیع بالوفاء کہ بیع الطاعت بھی کہتے ہیں اور اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ جب بائع خریدار کو رقم واپس کر دے تو وہ بائع کو وہ بھی ہوتی چیز واپس کر دے (اد) اس کی تفصیل کتب فقہ میں بیوع کے بیان میں ہے) لیکن اگر خریدار نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس میں کھیتی کی اور اس سے فائدہ حاصل کیا تو خراج خریدار پر ہے اس لئے کہ وہ دراصل زمین پر ہے پس وہ اس میں زراعت کرنے کی وجہ سے فایض ہو گیا کیونکہ زمین کے لئے زمین سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے پس یہ مسئلہ غصب کے مسئلہ کی طرح ہو جائے گا اور بائع و مشتری پر خراج واجب ہونے میں جو اختلاف غصب کے بیان میں اوپر مذکور ہوا ہے وہی یہاں بھی جاری ہو جائے گا اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ پیداوار بہت کم ہو یا بہت زیادہ جیسا کہ اجارہ میں بیان ہوا ہے

(۱۲) جس زمین کا کوئی مالک نہ ہو اور یہ وہ ہے جو سلطنت کی (یعنی سرکاری) زمین کہلاتی ہو اگر ایسی زمین بادشاہ نے کسی قوم کو دیدی کہ وہ اس کا خراج ادا کرتے رہیں تو یہ جائز ہے اور ہمارے ملک میں اگر کھیتی کرنے والوں کی زمین ان کی ملکیت نہ ہو تو ان پر عشر واجب نہیں ہے اس لئے کہ جو کچھ بادشاہ کا نائب ان سے لیتا ہے اگر وہ عشر ہے تو ان پر اس سے کچھ اور کچھ واجب نہیں ہے۔ اگر خراج ہے تب بھی حکم اسی طرح ہے اس لئے کہ خراج عشر کے ساتھ جمع نہیں کیا جاتا۔ اور اگر وہ اجرت ہے تب بھی امام صاحب کے قول پر یہی حکم ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک مستاجر پر عشر نہیں ہے اور صاحبین کے قول پر بھی ظاہر یہ ہے کہ یہی حکم ہے اس لئے یہ بات معلوم ہے کہ جو کچھ لیا جاتا ہے تو ہر کوئی اسے اجرت نہیں ہے اس لئے کہ یہ امام (بادشاہ) کے حق میں خراج ہے غور فرمائیے

(۱۳) اگر عشری انانج کو بیچا تو صدقہ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ مشتری ہے اس کا عشر لے اگرچہ وہ دودل بیع کی مجلس سے الگ الگ ہو چکے ہوں اور اگر چاہے تو بائع سے لے اور اگر عشر کا انانج اس کی قیمت سے زیادہ کو بیچا اور بھی خریدار نے اس پر قبضہ نہیں کیا تو صدقہ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے اس انانج میں سے لے اور چاہے اس رقم کا عشر لے۔ اور اگر بائع نے اس کے بیچنے میں اس قدر غام کہ کر دیئے کہ اتنے نقصان پر لوگ نہیں بیچتے تو اس وقت صدقہ وصول کرنے والا اس انانج ہی کا دسواں حصہ لے گا اور اگر اس انانج کو ہلاک کر دیا ہے تو اس

سہ ش بہرہ و تنہر سہ در سہ ش سہ ش۔

مذکورہ زمین میں اگر کھیتی ہو تو خراج واجب ہے۔



باتع سے اس اناج کے مثل دوسرے اناج سے عشر لے گا لیکن اگر وہ اس کی قیمت میں سے عشر کی قیمت کے بقدر دیدے تو اناج میں سے نہ لے گا اور اگر مشتری نے اس کو ہلاک کر دیا تو صدقہ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے بائع سے ضمان لے اور چاہے اس خریدار سے اس کے عشر کی مثل ضمان لے اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے حق کو ہلاک کرنے والا ہے یہ

(۱) عشر کے واجب ہونے کا وقت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ ہے کہ جس وقت (۲) عشر واجب ہونے کا وقت کھیتی نکلے (اگ جائے) اور پھل ظاہر ہوں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کھیتی یا پھل پکنے کے وقت اور امام محمدؒ کے نزدیک کاٹ کر اور روند کر دینے کے وقت ہے۔ پس عشر کے وقت میں جو پھلوں اور نباتات میں لیا جاتا ہے اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ و امام زفر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس وقت لیا جائے جب پھل ظاہر ہو جائے اور خرابی سے محفوظ ہو اگرچہ وہ کٹنے کے لائق نہ ہو لیکن وہ اس درجہ کو پہنچ گیا ہو کہ اس سے نفع حاصل کیا جاسکے۔ اور امام ابو یوسفؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کٹنے کے لائق ہو، اور امام محمدؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کٹ جائے اور کھلیان لگایا جائے اور اس اختلاف کا قاعدہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ فصل یا پھل ظاہر ہو جانے کے بعد اس نے اس میں سے خود کھالیا یا کسی دوسرے کو بطور احسان کھلا دیا تو یہ امام ابو حنیفہؒ و امام زفرؒ کے نزدیک جس قدر کھالیا گیا ہے اس کے عشر کا ضامن ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے کہا کہ وہ ضمان نہیں دے گا اور اس کو وسقوں کے پورا کرنے میں حساب میں لیا جائے گا اور وجوب عشر کے لئے اس کو حساب میں نہیں لیا جائے گا یعنی جو کھالیا گیا وہ باقی کے ساتھ ملا کر اگر پانچ وسق ہو جائے تو صرف باقی ماندہ کا عشر واجب ہوگا اس کے سوا اور کچھ نہیں ادا اگر کٹائی کی حد کو پہنچنے کے بعد کٹائی سے پہلے کھالیا تو امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضمان دینا اور امام محمدؒ کے نزدیک ضمان نہیں دینا اور اگر کھلیان میں آجانے کے بعد کھالیا تو بالاجماع ضمان دینا اور جو فصل کٹنے کے بعد اس کے بغیر تلف ہوگئی یا چوری ہوگئی تو جس قدر باقی ہے اس میں عشر واجب ہوگا اس کے علاوہ میں نہیں۔ اور یہ حسب تفصیل عشر کی ہے۔ اور اسی تفصیل کے ساتھ خراج مقاسمہ کا حکم ہے اس لئے کہ وہ بھی آمدنی کا ایک جزو ہے لیکن خراج سرکلف چونکہ ذمہ لازم ہوتا ہے پیداوار سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے پس کھائے یا نہ کھائے کی وجہ سے اس کا حکم مختلف نہیں ہوتا غور کر لیجئے یہ پس خراج یا عشری زمین کے مالک کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی پیداوار اس کا خراج و عشر ادا کرنے سے پہلے کھائے، اگر کھائے گا تو اس کے عشر کا ضامن ہوگا لیکن اگر اس کے مالک کا یہ ادا ہے کہ کل پیداوار کا عشر ادا کر دے گا تو کھانا حلال ہے اور اگر دستور کے موافق تصور اس کا کھالے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ فقہ ابو الیث نے کہا کہ اسی قول کو ہم لیتے ہیں۔ اور اگر عشر کو جدا کر لے تو باقی کا کھانا اس کو حلال ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ جس قدر پھلوں کو کھائے گا یا اوروں کو کھائے گا اس کے عشر کا ضامن ہوگا۔

لعمرك الله بحرمة بحر الله ش هـ دروش بتغیر و تصرف لعمرك الله ع۔



منشأ عجائب في المعشر

(۷) اگر اپنی زمین کا عشر زراعت کرنے سے پہلے ادا کر دیا تو جائز نہیں اور اگر بونے اور اگانے کے بعد ادا کیا تو جائز ہے اور بونے کے بعد ادا اگانے سے پہلے ادا کیا تو اظہر یہ ہے کہ جائز نہیں اور اگر پھلوں کا عشر پہلے سے دیدیا تو اگر پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد باپے تو جائز ہے اور پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے دیا تو ظاہر الروایت کے بموجب جائز نہیں

(۸) عشر کارکن زکوٰۃ کی طرح عشر کارکن بھی تملیک یعنی مالک بنا دینا ہے اس میں بھی صرف اباحت کافی نہیں ہے۔ تفصیل زکوٰۃ کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۹) شرطِ ادائے عشر

(۱۰) عشر کو ساقط کرنے والے امور

(۱) اگر پیداوار مالک کے فعل کے بغیر ہلاک ہو جائے تو عشر ساقط ہو جائیگا اور اگر کچھ حصہ ہلاک ہو جائے تو اس قدر کا عشر ساقط ہو جائے گا اور اگر مالک کے سوا کوئی اور شخص ہلاک کر دے تو مالک اس سے ضمان لے اور اس میں سے عشر ادا کر دے اور اگر مالک خود اس کو ہلاک کر دے تو عشر کا ضامن ہوگا اور وہ اس کے ذمہ قرض ہو جائے گا کہ یعنی پیداوار کا کٹنے کے بعد ہلاک ہو جانا عشر کو ساقط نہیں کرتا اور کٹنے سے پہلے ہلاک ہو جانا ساقط کر دیتا ہے جبکہ یہ ہلاک ہونا کسی ایسی آفت کی وجہ سے ہو جس کو دور نہیں کیا جاسکتا مثلاً فصل کے ڈوب جانے یا جل جانے یا بڑی کے کھالینے یا گرمی یا سردی کی وجہ سے لیکن اگر اس کو کسی چوبیا نے کھا لیا تو عشر ساقط نہیں ہوگا کیونکہ اس سے حفاظت کا امکان غالب ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ وہ فصل تمام ہلاک ہو گئی ہو لیکن اگر بعض حصہ باقی ہو تو اگر وہ دو قفیز (ایک پیمانہ ہے پندرہ من انگریزی کی پیمائش) اور دو درہم کی مقدار ہو تو ایک قفیز اور ایک درہم واجب ہوگا اور اگر اس سے کم ہو تو اس کا نصف واجب ہوگا اور اگر سال کا اس حصہ باقی نہ رہا جس میں کوئی بھی زراعت ہو سکے خواہ گیہوں یا جو یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور چیز تو عشر ساقط ہو جائے گا کہ

(۲) مرتد ہوجانے سے عشر ساقط ہو جائے گا۔

(۳) اگر مالک بغیر وصیت کے مر جائے تب بھی عشر ساقط ہو جائے گا جبکہ اس نے پیداوار کو خود تلف کر دیا ہو اور اگر وہ شخص جس پر عشر واجب تھا مر گیا اور ناج موجود ہے تو اس میں سے عشر لیا جائے گا بخلاف زکوٰۃ کے شعری یعنی متوفی کے ترکہ میں سے بلا وصیت کے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی لیکن اگر ورثہ خوشی سے دیں تو ادا ہو جائیگا (یعنی) اور ذخیرہ میں ہے کہ جس شخص پر عشر واجب ہے اس کے مرنے سے اس پر سے عشر ظاہر الروایت کے بموجب ساقط نہیں ہو گا اور ابن مبارک نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ یہ ساقط ہو جاتا ہے پھر دو روایتوں کے بعد ہے کہ جس شخص کے ذمہ زمین کا خراج ہے اس کے مرنے سے خراج ظاہر الروایت میں ساقط ہو جاتا ہے جبکہ وہ خراج مؤظف ہو اور ابن مبارک نے روایت کی ہے کہ یہ ساقط نہیں ہوتا پس ان دونوں روایتوں کی بنا پر خراج اور عشر میں فرق واقع ہوا اور ساقط



ہونے کیلئے خراج مؤظعن کی قید لگانے سے معلوم ہو گیا کہ ظاہر الروایت میں خراج مقاسمہ عشر کی مانند ساقط نہیں ہوتا پس سمجھ لیجئے۔ اور جس شخص نے چند سال کا خراج ادا نہ کیا ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے گزرا ہے ہوئے برسوں کا خراج نہیں لیا جائے گا۔ اور بعض نے کہا کہ ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ عشر کا حکم ہے اور بعض نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور بعض نے دوسرے قول پر اعتماد کیا ہے اور عدم سقوط ہی معتبر ہے اور دونوں قولوں میں موافقت اس طرح ہو سکتی ہے اور اس اختلاف کو اس طرح پر عقلی قرار دیا جاسکتا ہے کہ پہلے قول کو اس حالت پر محمول کیا جائے جبکہ مالک زراعت سے عاجز ہو اور دوسرے قول کو اس حالت پر محمول کیا جائے جبکہ وہ عاجز نہ ہو اس لئے کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ خراج زراعت پر قادر ہونے کی صورت میں ہی واجب ہوتا ہے ورنہ نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

## مصارف کا بیان (مال زکوٰۃ کن لوگوں پر صرف کیا جائے)

مصرف کے لغوی معنی ہیں پھرنے کی جگہ۔ اور شرع شریف کی اصطلاح میں اس مسلمان کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ دنیا طریقت کے اندر درست ہو، پس مقصود اس طرف مکان ہے۔ اور اس بیان میں ان لوگوں کی تفصیل ذکر کی گئی ہے جن کو زکوٰۃ اور عشر دینا درست و جائز ہے اور عشر سے مراد منسوب الی العشر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پس یہ عشر (دسواں حصہ) اور نصف عشر (بیسواں حصہ) کو جو کہ مسلمان کی زمین سے لیا جاتا ہے شامل ہے اور اس بیع عشر چالیسواں حصہ) کو بھی شامل ہے جو مسلمان سے اس وقت لیا جاتا ہے جبکہ وہ عشر کے پاس گذرے، اور جو مصرف زکوٰۃ و عشر کا ہے وہی صدقہ فطر اور کفارہ اور نیز اور دیگر صدقات واجبیہ کا مصرف بھی ہے۔ اور معدنیات و دینیوں کے خمس کا مصرف غنیمت کے مصرف کی مانند ہے (اور مصارف غنیمت کی تفصیل کتب فقہ میں جہاد کے بیان میں ہے، مؤلف) اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْعَامِلِينَ عَلَيْهِمْ وَ الْمَوْلَاتِ قُلُوبُهُمْ وَ فِي الْبَرِّ قَابِ وَ الْخَارِ مِثْنِ وَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ قَرْنِصَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (پس سورہ توبہ ص ۸) (ترجمہ بیشک صدقات حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں اور جو کارندے ان صدقات کی وصولی پر مقرر ہیں ان کا اور جن لوگوں کی دلجوئی کرنا منظور ہے ان کا حق ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں میں صرف کرنے کا حق ہے، یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ علم و حکمت والا ہے)۔

پس اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے مصارف بیان فرمائے ہیں اور فقہانے اپنی کتب میں سات قسم کے مصارف کا ذکر کیا ہے اور المولۃ قلوبہم سے سکوت اختیار کیا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مصرف باجملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ساقط ہو چکا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل بحر الرائق و شامی وغیرہ میں ہوئی ہے۔

لے ش لے ش بصرف و تمامہ فی لے ش طو بحر ش لے ش غہ و دوش و بحر۔







مثلاً وصیت یا تہذیباً وقف میں یہ دونوں الگ الگ دو مصرف ہیں یا ایک ہی مصرف ہے۔ امام ابو حنیفہ کا پہلا قول ہے یعنی دونوں الگ الگ مصرف ہیں اور یہی صحیح ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک دوسرا قول ہے یعنی دونوں ایک ہی مصرف ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہو گا جبکہ کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کے تہائی مال میں سے فلاں شخص مثلاً زید اور فقر اور مساکین کے لئے ہے یا اسی طرح یروقف کیا تو صحیح مذہب کی بنا پر اس تہائی مال میں سے ایک تہائی (یعنی کل مال کا  $\frac{1}{3}$  حصہ) زید کے لئے ہے اور اس تہائی مال کی ایک ایک تہائی (یعنی کل مال کا  $\frac{1}{9}$  حصہ) فقراء و مساکین میں سے ہر ایک کے لئے ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک آدھا (یعنی کل مال کا  $\frac{1}{2}$  حصہ) زید کیلئے ہے اور آدھا (یعنی کل مال کا  $\frac{1}{2}$  حصہ) فقراء و مساکین دونوں کے لئے ہے۔ پس یہاں پر فقیر سے مراد وہ ہے جو مساکین کے بالمقابل ہے وہ مراد نہیں جو غنی کے بالمقابل ہے کیونکہ فقیر و مسکین دونوں میں غنی نہ ہونے کا یقیناً علم ہے یعنی یہ معلوم ہے کہ وہ دونوں بھلا یا نامی کے مالک نہیں ہوتے بلکہ

(۳) عامل | عامل وہ شخص ہے جس کو امام نے صدقات اور عشر کے وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو۔ اور عامل کا لفظ ساعی اور عاشد دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کی تفسیر عاشق کے بیان میں گذر چکی ہے یعنی ساعی وہ ہے جو کہ سائمہ جانوروں کی زکوۃ وصول کرنے کے لئے قبیلوں میں جاتے اور عاشد وہ ہے جس کو امام نے عشر وصول کرنے کے لئے واسطہ پر مقرر کیا ہو۔ اور اس کو اس قدر دے کہ اس کے اور اس کے مددگاروں (علماء کے لوگوں) کے اوسط خرچ کو جب تک مال باقی ہے آئے اور جانے کی مدت تک کافی ہو اور اگر اس قدر کو کافی ہونے کے لئے زکوۃ کا سارا مال صرف ہو جاتا ہو تو نصف سے زیادہ نہ دے۔ اس لئے کہ نصف ہونا عین انصاف کے مطابق ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوۃ خود جا کر امام کو دیدے تو اس میں عامل کا کچھ حق نہیں ہے۔ اور اوسط خرچ کی قید سے معلوم ہو گیا کہ عامل کو کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ حرام ہے کیونکہ یہ محض اسراف ہے اور امام کو لازم ہے کہ ایسے آدمی کو بھیجے جو کہ اوسط خرچ پر راضی ہو نہ فضول خرچ ہو اور نہ کنجوسی کرے۔ اور باوجود اس کے کہ غنی کو زکوۃ لینا حرام ہے لیکن عامل ہونے کی صورت میں یہ لینا غنی کے لئے حلال ہے۔ پس عامل اگرچہ غنی ہو اس کے لئے زکوۃ و صدقات میں سے خرچ لینا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو اسی کام پر لگا دیا ہے پس اس کو اپنے خرچ کی ضرورت ہے جو اس کے لئے کافی ہو۔ اور غنی کو ضرورت کے وقت اس کی ممانعت نہیں ہے جیسا کہ مسافر کے لئے حکم ہے۔ اور اس توجیہ کے بیان سے وہ روایت قوی ہو جاتی ہے جو واقعات کی طرف منسوب ہے کہ شرعی علوم کے طالب علم کو زکوۃ لینا جائز ہے اگرچہ وہ غنی ہو جبکہ وہ اپنے آپ کو کسب معاش سے فارغ کر کے شرعی علوم کے پڑھنے اور پڑھانے میں لگا دے کیونکہ وہ اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسب معاش سے عاجز ہے اور ضروریات زندگی کی طرف حاجت ضرور پیش آتی ہے۔ یعنی انسان کو بہت سی

لہ بحرۃ بحرۃ تصرف و خیر لہ ش تصرف لہ ع بحرۃ بحرۃ ش ش بحرۃ بحرۃ و ط و ط ش بحرۃ و ط و ط ش بحرۃ

ش بحرۃ و ط و ط ش بحرۃ و ط و ط ش بحرۃ و ط و ط ش بحرۃ و ط و ط ش بحرۃ و ط و ط ش بحرۃ و ط و ط ش بحرۃ



چیزوں کی طرف ضرورت ہوتی ہے تو اگر زکوٰۃ لینا اس کو جائز نہ ہو اور کسب کی فرصت نہ ہو تو جو کچھ اس کے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا پھر وہ محتاج ہو جانے کی وجہ سے تعلیم و تعلم سے باز رہے گا پس دین کمزور ہو جائے گا کیونکہ اس طرح کوئی شخص دین کو اٹھانے والا نہیں رہے گا اور یہ مسئلہ اس کے مخالف ہے کہ فقہانے غنی کے حق میں زکوٰۃ کا لینا مطلقاً حرام کہا ہے اور اس مسئلہ پر کسی نے اعتماد نہیں کیا ہے کذا فی الطحاوی شامی نے کہا کہ طحاوی کا قول ٹھیک ہے اور بہتر ہے کہ طالب علم کے ساتھ فقیر ہونے کی قید لگائی جائے اور فقیر کو طالب علم ہونے کی وجہ سے مال زکوٰۃ وغیرہ کے سوال کے لئے اجازت و رخصت دی گئی ہے اگرچہ وہ کسب پر قادر ہو جبکہ اس کے بغیر اس کو سوال حلال نہیں ہے اور اگر عامل ہاشمی ہو تو قربت نبویؐ کی وجہ سے اُس کو میل کچیل کے شبہ سے بچانے کے لئے اس مال میں سے لینا جائز نہیں ہے۔ اور عامل غنی کے لئے حلال ہے کیونکہ غنی بزرگی کا خداداد ہونے میں ہاشمی کے رتبہ کو نہیں پہنچتا تو اس کے حق میں شبہ معتبر نہ ہوا۔ اس کے علاوہ عامل ہاشمی کو لینے سے صریح ممانعت حدیث شریف میں وارد ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں ایک شبہ اجرت ہونے کا ہے اور ایک شبہ صدقہ ہونے کا، اس دلیل سے کہ مال والوں کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ پس شبہ اجرت کی بنا پر غنی کے لئے اس کا لینا حلال ہوا (یعنی وہ غنی عامل جو ہاشمی نہ ہو، مؤلف) پس غنی عامل لینے عمل کی اجرت لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر عامل کا جمیع کیا ہو اسب مال ہلاک ہو جائے یا صاحب مال خود امام کو زکوٰۃ ادا کر دے تو عامل کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور صدقہ کا شبہ ہونے کی وجہ سے عامل ہاشمی کو لینا حلال نہیں ہے۔ اگر عامل ہاشمی کو صدقات وصول کرنے کے واسطے مقرر کیا جائے اور اس کو اس میں سے روزیہ دیں تو اس کو لینا نہیں چاہئے اور اگر وہ یہ کام کرے اور روزیہ دوسری جگہ (دہ) سے دیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس کو اس کام پر مقرر کرنا درست ہے اور اس کو صدقات سے اجرت لینا مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ فقہاء اس کو لایہ تجل (حلال نہیں ہے) سے بیان کرتے ہیں۔ اور اگر یہ مال عامل کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو مال والوں کے ذمہ سے فرض ادا ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کا ہاتھ بمنزلہ امام کے ہاتھ کے ہے اور وہ فقر کی طرف سے ان کا نائب ہے۔ یعنی اگر عامل کے پاس مال ہلاک ہو جائے یا ضائع ہو جائے تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا اور زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو گئی ہے یعنی اس کی ضروری باطل ہو گئی اور اس کو بیت المال سے کچھ نہیں دیا جائے گا جیسا کہ مال باقی رہنے کی قید سے معلوم ہو گیا ہے اور عامل اگر بادشاہ کے علم کے بغیر مزارع پر خراج کو ترک کر دے تو یہ اس کے لئے حلال (جائز) ہے بشرطیکہ وہ اس کا مصروف ہو جیسا کہ اگر سلطان اس کو خراج چھوڑ دے تو جائز ہے۔ اگر صدقہ وصول کرنے کا ملانہ کام کا حق واجب ہونے سے پہلے لے لے تو جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ (پہلے) نہ لے لے اور اسی طرح اگر قاضی اپنا پورا روزیہ مدت سے پہلے حاصل کر لے تو جائز ہے۔ اور پیشگی نہ لینا افضل ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ اس















قرض کے گواہ عادل ہوں تب بھی یہی حکم ہے (تو اس کو بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں) اور اگر قرض کے گواہ عادل نہ ہوں تو اس کو اس وقت تک زکوٰۃ لینا جائز نہیں جب تک وہ قاضی کے سامنے جھگڑا پیش نہ کرے اور قاضی قرضدار سے قسم نہ لے پس جب قاضی اس قرضدار سے قسم لے لے تو اس کے بعد اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ نہر الفائق میں ہے کہ کتاب الاصل میں دین مجہود کو نصاب قرار نہیں دیا اور اس کے لئے عادل گواہ ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں کیا۔ امام سرخسی نے کہا کہ کتاب الاصل کا جواب صحیح ہے اس لئے کہ ہر قاضی عادل نہیں ہوتا اور ہر گواہ قبول نہیں کیا جاتا اور قاضی کے سامنے گھنٹوں پر بیٹھا (یعنی پیش ہونا) دلت ہے اور ہر شخص اس کو پسند نہیں کرتا اور پہلے زکوٰۃ کی شرطوں میں بیان ہو چکے ہیں کہ اس بارے میں تصحیح میں اختلاف ہے۔ اور علامہ رحمۃ اسی طرف گئے ہیں اور کہا ہے "بلکہ ہمارے زمانے میں بیرون قرضہ کا اقرار کر لیتا ہے اور قرض خواہ اس کے اقتدار و غلبہ کی وجہ سے اس سے لینے کی قدرت نہیں رکھتا پس وہ نہ ہونے کے حکم میں ہوتا۔ اگر کسی فقیر عورت کا ہر اس کے خاوند کے ذمہ بقدر نصاب آتا ہے اور خاوند بالدار ہے اس طرح پر کہ اگر عورت مانگے تو دیدے تو اس عورت کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور اگر وہ ایسا ہو کہ مانگنے پر نہیں دے گا تو اس عورت کو زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ اس کے خاوند کا نہ دینا بمنزلہ تنگدست ہونے کے ہے۔ اور ہر سے مراد ہر مہل ہے اس لئے کہ ہر مہل ماحذ زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ (۱) پس اوپر جن سات مصارف زکوٰۃ کا بیان ہوا یہ سب زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے مصرف ہیں اور مالک کو اختیار ہے ان میں سے ہر قسم کے آدمی کو تصوراً و تصوراً دے یا ایک ہی قسم کے آدمیوں کو سب زکوٰۃ دے اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ ایک ہی شخص کو دیدے۔ اگرچہ دوسری اقسام کے لوگ بھی موجود ہوں۔ اس لئے کہ آیت مبارکہ قرآن مجید میں اُن قسموں کا بیان ہے جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اُن سب کو دینے کا تعین نہیں ہے۔ اور اکثر صحابہؓ سے سب کا عدم تعین ہی مروی ہے۔

(۲) اور جو کچھ دیتا ہے اگر وہ بقدر نصاب نہیں تو ایک شخص کو دینا افضل ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک درہم زکوٰۃ میں دنیا چاہا اور اس نے اس درہم کے پیسے خرید لئے اور کئی فقیروں میں اس کو تقسیم کر دیا تو اس نے صدقہ کے کام میں تقصیر کی کیونکہ اکٹھا دینا حضور انور ﷺ سے افضل تھا۔ اور زکوٰۃ لینے والے فقیر کو غنی کر دینا مکروہ ہے یعنی ایک فقیر کو نصاب کی مقدار یا زیادہ دینا مکروہ ہے۔ پس ایک شخص کو دو سو درہم یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور اگر دیدے تو جائز ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ فقیر قرضدار نہ ہو اور اگر قرضدار ہو اور اس کو اس قدر دیدے کہ اس کا قرض ادا ہونے کے بعد اس کے پاس کچھ باقی نہ رہے یا دو سو درہم کم باقی رہے تو یہ (بلا کراہت) جائز ہے اور اسی طرح اگر اس کے اہل و عیال بہت ہوں تو اس کو اس قدر دینا (بلا کراہت) جائز ہے کہ اگر وہ سب اہل و عیال پر تقسیم کرے تو ہر ایک کو دو سو درہم سے کم پہنچے۔ اس لئے کہ اس شخص کو زکوٰۃ دینا حقیقت میں اس کی عیال کو دینا ہے جن پر وہ خرچ کرے گا اور جس مقدار کے دینے سے فقیر کے پاس کی رقم بقدر نصاب پوری ہو جائے وہ بقدر نصاب دینے کے حکم میں ہے۔ (یعنی اس قدر دینا بھی مکروہ ہے جو اس کے پاس والی رقم سے مل کر نصاب کو پورا کر دے مؤلف) پس اگر فقیر کے

له ش به بحر بنی بحث الفقیر و دوش به ش بتصرف که بحروش به بحروش له ع م به بحروش له ط له ع  
به بحر کنز له در که ع دور و بحر له ش



(۴) سال پیدا ہونے کے بعد زکوٰۃ کے مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر دوسرے شہر میں زکوٰۃ دینے والے کے رشتہ دار (قربت والے لوگ) ہوں یا دوسرے شہر کے لوگ اس شہر والوں سے زیادہ محتاج ہیں تو مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ اس میں پندس کے حق کی رعایت ہے پس یہ ادلی ہوا اور اس سے معلوم ہوا کہ کراہت تنزیہی ہے۔ اور طحاوی علی مرقی الفلاح میں ہے کہ مکروہ تحریمی ہے مگر چہ وہ جگہ مسافت قصر سے کم فاصلہ پر ہو۔ پس اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں اور پھر دوسرے شہر کی طرف منتقل کوئے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگرچہ یہ مکروہ ہو گا۔ اس لئے کہ مکان کی قید کے بغیر فقر مطلقاً صرف ہیں یعنی خواہ کہیں بھی ہوں کیونکہ قرآن و حدیث میں فقراء کا ذکر مطلقاً ہے۔ اور قربت والے کے لئے دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنے میں کراہت کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ اس میں دوسرا جرنے کا ایک ادارے زکوٰۃ کا دوسرے صلہ رحمی کا اور زیادہ محتاج لوگوں کی وجہ سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا میں کراہت کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مقصود اہل حاجت کی حاجت کو پورا کرنا ہے تو جو شخص زیادہ محتاج ہو گا وہی اس کے لئے ادلی و مقدم ہو گا اور کراہت کا نہ ہونا ان ہی دوسروں میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ حکم اس وقت بھی ہے جبکہ دوسرے شہر کا فقیر زیادہ پرہیزگار یا زیادہ نیک ہو یا زیادہ ایسا شخص ہو جس سے مسلمانوں کو زیادہ نفع پہنچ رہا ہو۔ پس اگر کسی دوسرے شہر کے ایسے فقیر کی طرف زکوٰۃ بھیجی جو زیادہ پرہیزگار ہے یا زیادہ صالح ہے جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، یا طالب علم کی طرف یا کسی زاہد شخص کی طرف بھیجی تو کوئی کراہت نہیں ہے اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ عالم فقیر کو زکوٰۃ دینا جاہل فقیر کو دینے سے افضل ہے اور اسی طرح مقروض فقیر کو دینا غیر مقروض فقیر کو دینے سے افضل ہے اور اسی طرح دارالکرب سے دارالاسلام کے فقراء کی طرف منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ دارالاسلام کے فقراء دارالکرب کے فقراء سے افضل ہیں۔ اسی طرح مسلمان قیدیوں کے لئے دوسرے شہر میں بھیجنا بھی کراہت سے خالی ہونا چاہئے جبکہ ان لوگوں کے دینے میں ان کو قید سے چھڑانے میں مدد ہو



غور کر لیجئے۔ اور اسی طرح بیشکی زکوۃ کا منتقل کرنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے پس سال پورا ہونے سے پہلے اپنے مال کی زکوۃ پیشکی بحال کر کسی دوسرے شہر کے فقیر کو بھیجنا خواہ وہ اس شہر کے فقیر سے زیادہ محتاج نہ ہو یا قرضدار نہ ہو بلکہ اگر امت جائز ہے یعنی نقل زکوۃ کی کراہت جن صدقوں میں ادھر بیان ہوئی ہے اس وقت ہے جبکہ زکوۃ نکالنے کا وقت آگیا ہو اور سال پورا ہو گیا ہو اور اگر زکوۃ کا نکالنا اس کے واجب ہونے کے وقت سے پہلے ہو تو اس کے منتقل کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ پس یہ چھ صورتیں کراہت سے مستثنیٰ ہیں۔ (۱) بلکہ کچھ صورتیں درودش سے اضافہ ہو کر دس ہو گئیں جن کے نمبر الگ درج کئے گئے ہیں (مؤلف)

(۵) زکوۃ، صدقہ فطر اور نذر میں (ان ساتوں مصارف میں سے کسی مصرف کے دیتے وقت بھر) افضل یہ ہے کہ ادل اپنے بھائی اور بہنوں کو دے پھر ان کی اولاد کو پھر چچاؤں اور بھوپھیوں کو پھر ان کی اولاد کو پھر باموں اور خالائوں کو پھر ان کی اولاد کو پھر ذوی الارحام کو پھر شہداء کو پھر اپنے ہم پیشہ لوگوں کو پھر اپنے شہریاں گاؤں والوں کو دے۔ اور حدیث شریف میں جو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکلے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں فرماتا جس کے قرابت والے اس کے سلوک کرنے کے محتاج ہوں اور وہ دوسروں کو دے قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا، تو اس حدیث میں عدم قبولیت سے مراد ثواب کا نہ ملنا ہے اگرچہ اس سے فرض ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ زکوۃ دینے سے مقصود محتاج کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور قریبی میں صلہ اور صدقہ دونوں کا جمع کرنا ہے۔

(۶) اور زکوۃ ادا کرنے میں وہاں کے فقیر معجز ہیں جہاں مال ہو۔ زکوۃ دینے والے کے مکان کا اعتبار نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر مال والا شخص کسی اور شہر میں ہو اور مال دوسرے شہر میں تو تمام روایات کے مطابق زکوۃ اس شہر کے فقروں کو دی جائے جہاں مال ہے۔ اور صدقہ فطر ادا کرنے میں صدقہ فطر ادا کرنے والے کے مکان کا اعتبار ہوگا اور صحیح قول کے بموجب اس کی چھوٹی اولاد اور اس کے غلاموں کے مکان کا اعتبار نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یعنی فطرہ میں ادا کرنے والے کا مکان معتبر ہوگا، ان لوگوں کا مکان معتبر نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر وہ ادا کرنا چاہے کہ وہ ادا کرنے والے کے تابع ہیں، یہ امام محمد کے نزدیک ہے اور یہی اصح ہے اور یہی ظاہر الروایات اور اصل نزہت ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک افضل یہ ہے کہ وہ اپنے غلاموں اور چھوٹی اولاد اور اپنے نوکرین کی طرف سے جہاں وہ ہوں وہاں ادا کرے یعنی جس کی طرف سے دیا جا رہا ہے اس کے مکان کا اعتبار کیا جائے گا۔

..... تاکہ جس جگہ وجوب فطرہ کا سبب پایا گیا اور ایسی میں بھی اس کی رعایت ہو جائے اور بعض نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور قاضی نے شرع مختصر الطحاوی میں نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں لیکن تنزیہ میں ہے کہ ان کی طرف سے اس جگہ ادا کرے جہاں ادا کرنے والا ہو اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہ امام محمد کا قول ہے اور اسی کو امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے پس صحیح ہونا مختلف فیہ ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے پس ظاہر الروایت کو تلاش کرنا اور اس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور ظاہر الروایت امام محمد کا ہی قول ہے جیسا کہ نہایت رعایت میں بسوط کی طرف منسوب ہے

سنة ش سنة بموضع سنة ع سنة بحر سنة ع وش دبر سنة ۱۰ جمع الفوائد عن الاوسط سنة ش من التہستانی۔

سنة در سنة بموضع سنة ع۔



اور جیسا کہ ان دونوں کی عبارت شریعہ فیہ میں منقول ہے اور جیسا کہ محیط میں اس کی تصحیح کی ہے پس یہی اصل مذہب ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور وصیت میں وصیت کرنے والے کا مکان معتبر ہے۔

(د) اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کا دینا تملیک کے طور پر ہو یا بابت کے طور پر ہو۔ اور یا بابت اور تملیک میں فرق یہ ہے کہ بابت سے اس چیز کا صرف کام میں لانا مباح ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ اس میں جو تصرف چاہے کرے اور تملیک سے سب طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے مثلاً اگر کسی یتیم کو کھانا مباح کیا تو اس کو صرف اس کے کھانے کا اختیار ہے اور کسی تصرف کا نہیں اور اگر مالک کر دیا تو اب چاہے وہ خود کھائے یا دوسروں کو دینے یا بیچ دے اس کو ہر طرح کا اختیار ہے۔ پس زکوٰۃ دینے میں کھانا دینا اگر مالک بنا دینے کے طور پر ہو تو درست و کافی ہے اور اگر زکوٰۃ کی نیت سے اپنے پاس اس کو کھلایا تو کافی نہیں ہے۔ پس اگر کسی یتیم کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت سے کوئی شخص کھانا کھلا دے تو کافی نہیں ہوگا لیکن اگر کھانے کی چیز یتیم کو دینے تو کافی ہوگا جیسے اگر اس کو کپڑا پہنا دے تو کافی ہوگا بشرطیکہ وہ قبضہ کرنے کو سمجھتا ہو۔ پس اگر کوئی شخص کسی یتیم کو کھانے پینے وغیرہ کا کفیل (ذمہ دار) ہو گیا، پس وہ اس کو کپڑا پہنا سکتا ہے اور کھانا کھلا سکتا ہے اور وہ یہ سب کچھ اپنے مال کی زکوٰۃ سے کرتا ہے تو اس کا کپڑا پہنانا زکوٰۃ میں کافی ہو جائے گا کیونکہ رکن یعنی تملیک پائی گئی اور کھانا اگر مالک بنانے کے طور پر اس کے سپرد کر دیا جائے تب یہ بھی جائز ہو جائے گا کیونکہ اس میں تملیک موجود ہے اور اگر اس کو مالک بنانے کے طور پر نہیں دیتا بلکہ اس کو کھلا دیتا ہے تو زکوٰۃ جائز نہیں ہے کیونکہ رکن یعنی تملیک نہیں پائی گئی۔ اور تملیک سے مراد اپنے مال کے ایک حصہ کا مالک بنانا ہے اور وہ چالیسواں حصہ ہے یا جو اس کے قائم مقام ہو یعنی چرنے والے جانوروں میں جو حصہ شرع نے مقرر کیا ہے جیسا کہ تفسیر زکوٰۃ کے بیان میں گذر چکا ہے پس اس حکم سے منفعت کی تملیک مل گئی (یعنی صرف منفعت پہنچانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ مؤلف) مثلاً اگر کسی فقیر کو اپنے گھر میں ایک سال رکھا اور اس میں زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر لی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس لئے کہ اس کو نفع (سکونت) کا مالک کیا ہے مال (مکان) کا مالک نہیں کیا اور نفع قیمت والا مال نہیں ہے اور اگر کسی فقیر کا فرض اپنے مال کی زکوٰۃ سے ادا کیا تو اگر اس کے حکم سے ادا کیا تو جائز ہے اور اگر بغیر حکم کے ادا کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور قرض ساقط ہو جائے گا۔ اور یہ زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے تبرع (فعلی صدقہ) ہوگا۔ اور بالغ و عاقل ہونا اس میں شرط نہیں ہے اس سے۔ بالغ بچے کی تملیک صحیح ہے لیکن اگر وہ قبضہ کرنے کو نہیں سمجھتا تو شرط یہ ہے کہ اس کا وہی یا ماں باپ یا وہ شخص جو اس کی کفالت کرتا ہو خواہ وہ کفیل قریبی (رشتہ دار) ہو یا اجنبی ہو یا جس کو وہ بچہ پڑا ملا ہو اور اس نے اس کو اٹھایا ہو اس کی طرف سے قبضہ کرے اور نیم پاگل (کم عقل) فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی اور مجنون مطبق کا حکم نا سمجھ بچے کی طرح ہے اور آزاد ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ غیر آزاد (غلام) کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ یعنی تملیک میں اشارہ ہے کہ مجنون اور نا سمجھ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں لیکن اس وقت جائز ہے جبکہ ان کی طرف سے ایسا شخص قبضہ کرے جس کو ان کی طرف سے قبضہ کرنا جائز ہے خلا باپ یا وہی وغیرہ۔ یعنی زکوٰۃ کا مال جب فقیر کو دے تو اس کا ادا کرنا اس وقت تک ہوتا نہیں ہے جب تک وہ فقیر خود

لے بخود نہ شملتاً لہ در سہ رشتہ غایۃ الادوار ش ملتہ مدد و بحر شروع کتاب الزکاة کے بیان میں ش بخود نہ ش بخود و ش و مدد و بحر ش ملتہ رشتہ بخود ش۔



یا فقیر کی طرف سے کوئی دلی اس پر قبضہ نہ کرے جیسے باپ اور وصی لڑکے اور معجون کے لئے قبضہ کرتے ہیں یا وہ شخص قبضہ کرتا ہے جس کی عیال میں وہ فقیر مراد وہ اس فقیر کی خبر گیری و کفالت کرتا ہو خواہ وہ شخص اس کا رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو اور جو لڑکا کسی کو پڑا ہوا ملا ہو اس کی طرف سے اس کا پانے والا قبضہ کرتا ہے اور معجون یا بے سجمہ لڑکے کو زکوٰۃ دی اور اس نے اپنے مال باپ یا وصی کو دیدی تو فقہائے کہا ہے کہ جائز نہیں جیسا کہ اگر کسی دکان پر زکوٰۃ کا مال رکھ دیا اور فقیر نے اس پر قبضہ کر لیا تو جائز نہیں، اور اگر زکوٰۃ کے مال پر چھوٹے لڑکے نے قبضہ کیا اور وہ قریب البلوغ ہے تو جائز ہے۔ اور اسی طرح اگر ایسے لڑکے کو دیا جو قبضہ کرنے کو مجتہد ہے یعنی پھینک نہیں دیتا یا کوئی دھوکا دے کر اس سے نہیں لے لیتا تب بھی جائز ہے۔ اور کم عقل فقیر کو دیا تب بھی جائز ہے۔

(۸) اور ہمارے زمانے میں جو ظالم حاکم صدقہ اور عشر اور خراج اور محصول اور عادات (جزائے وغیرہ) لیتے ہیں اصح یہ ہے کہ یہ سب مال والوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتے ہیں بشرطیکہ وہ دیتے وقت ان کو صدقہ دینے کی نیت کر لیں۔

(۹) اپنے غریب رشتہ داروں کے بچوں کو عید وغیرہ کی تقریب کے نام سے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ بچوں سے مراد سمجھ دار بچے ہیں اور جو قبضہ کو نہیں سمجھتے تو ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی لیکن اگر بچے کے ولی کو دیدے تو ادا ہو جائے گی۔ پس اگر اپنے رشتہ داروں کے (سمجھ دار) بچوں کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لے تو جائز ہے اور یہی حکم اس کا ہے جو اپنے خادموں کو خولہ و مردہوں یا عورتیں عید وغیرہ میں زکوٰۃ کی نیت سے دے۔ اور اسی طرح خوشخبری لانے والے کو یا نیا پھل ہدیہ لانے والے کو زکوٰۃ کی نیت سے جو کچھ دے گا جائز ہے لیکن اگر معاوضہ کی تصریح کر دی تو جائز نہ ہوگی۔ اور منعم جو اپنے خلیفہ (نائب) کو دیتا ہے اور اس کی اجرت مقرر نہیں کی ہے تو اگر اس میں زکوٰۃ دینے کی نیت کر لے اور خلیفہ (نائب) ایسا ہو کہ اگر اس کو نہ دے گا تب بھی لڑکوں کو پڑھائے گا تو جائز ہے اور اگر ایسا نہیں تو جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس طرح دیا ہوا بمنزلہ عوض کے ہو جانا ہے اور نیا پھل لانے والے کو زکوٰۃ کی نیت سے انعام دینے میں یہی خدشہ ہے تو وہاں بھی نیت کا اعتبار ہونا چاہیے۔ یعنی اگر اس کو عوض سے گمان کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر اس کو زکوٰۃ سے سمجھے گا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ پس اگر اس نے اس کے دینے میں زکوٰۃ کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور اس کی قیمت یا اس سے زیادہ اس کے ذمہ کچھ باقی نہیں رہا جبکہ اس کی کوئی قیمت ہو اس لئے کہ ہدیہ لانے والے کو اس کی غرض حاصل ہوگئی یعنی ہدیہ مل گیا خواہ اس نے زکوٰۃ حاصل کی ہو یا نفلی صدقہ اور اب وہ ہدیہ کے ترک پر راضی ہو جائے گا پس غور کر لیجئے (یہ مسئلہ نیت اداۓ زکوٰۃ کے بیان میں بھی درج ہے وہاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مؤلف)







کا مشہور قول بھی طرفین کے مطابق ہے۔ اور حربی متامن کو زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ دینا بالاجل جائز نہیں اس کو صدقہ نفل سے دینا جائز ہے۔ لیکن بھروسہ غایت وغیرہ سے ہے کہ حربی اگرچہ متامن ہو اس کو کوئی صدقہ خواہ فرض ہو یا واجب یا نفل دینا جائز نہیں بالاتفاق۔ لیکن امام زبلی نے جزم کیا ہے کہ حربی کو نفل صدقہ دینا جائز ہے یعنی متامن کو پھر شامی نے کہا کہ اس کو میں نے زبلی میں نہیں دیکھا اور ایسا ہی ابوالسعود وغیرہ نے کہا ہے اور یہ دعویٰ اتفاق کے بھی خلاف ہے لیکن محیط کی کتاب الکسب میں ہے کہ سیر کبیر میں امام محمد نے ذکر کیا ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں کہ مسلمان کا فرحربی کو یا ذمی کو کچھ دے یا اس کا ہدیہ قبول کرے اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ پانچ سو دینار قحط کے دنوں میں مکہ کو بھیجے اور حکم دیا کہ صفوان بن حرب اور ابوسفیان کو دیں تاکہ وہ فقراء اہل مکہ پر تقسیم کریں اور اس وجہ سے کہ صلہ رحمی ہر دین میں پسندیدہ ہے اور ہدیہ بھیجنا مکرم اخلاق سے ہے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ کا فر حربی محارب کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ہے ذمی کا فر کو صدقات نافذ دے سکتے ہیں حربی متامن (مسالم) بھی ذمی کے حکم میں ہے۔

(۲) مالدار کو جو نصاب کا مالک ہو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے خواہ وہ نصاب کسی قسم کے مال کا ہو مثلاً دیناروں یا درہموں یا چرنے والے جانوروں یا تجارت کا مال یا بغیر تجارت کا مال ہو جو تمام سال میں اس کی حاجت سے زائد ہو۔ پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ نکتہ لینا منہ ہونے کے لئے ہر جنس کے متعلق اس کے نصاب کی مقدار کا اعتبار ہے یا قیمت کے حساب سے نقدی کے نصاب کا اعتبار ہے بھراور نہرو وغیرہ میں اس پر جزم کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نصاب کا مالک ہو خواہ وہ کسی مال کا نصاب ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے خواہ اس مال نصاب کی قیمت دو سو درہم ہو یا اس سے کم ہو مثلاً کسی کے پاس پانچ اونٹ سائے ہیں یا کسی اور سائے جانور کا نصاب ہے لیکن ان کی قیمت دو سو درہم سے کم ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور شریعتی نے اس پر جزم کیا ہے کہ یہ صاحب بکر کا درہم ہے اور نفل کیلئے کہ جو ہرہ میں ہے کہ مرغینانی نے کہا جس کے پاس پانچ اونٹ ہیں جن کی قیمت دو سو درہم سے کم ہے اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نقدی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا خواہ وہ نصاب کسی مال سے ہو اور خواہ اس مال کا نصاب پورا ہو جائے ہو یا نہ پورا ہو تاہو یعنی اگر قیمت کے اعتبار سے نصاب پورا ہو جائے ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے خواہ اس جنس سے وہ نصاب پورا ہو تاہو یا نہ پورا ہو اور قیمت کے اعتبار سے نصاب پورا نہیں ہوتا تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے خواہ اس جنس سے اس کا نصاب پورا ہو جائے ہو یا نہ پورا ہو طحاوی نے ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ زکوٰۃ لینے کو حرام کر دینے والے نصاب میں قیمت معتبر ہونے یا وزن معتبر ہونے کے بارے میں امام محمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں مروی ہیں تو محیط میں پہلی روایت یعنی قیمت معتبر ہونے کو لیا ہے اور ظہیر میں دوسری روایت یعنی وزن معتبر ہونے کو لیا ہے اور اس اختلاف روایت کا فائدہ اس شخص کے حق میں ظاہر ہوگا جس کے پاس انیس دینار ہوں جن کی قیمت مثلاً تین سو درہم ہو تو پہلی روایت کے بموجب اس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے اور دوسری روایت کے بموجب حرام نہیں ہے اور اس سے یہ امر ظاہر ہے کہ وزن کا اعتبار ان چیزوں میں ہے جو وزن کے جانے کے ساتھ خاص ہیں تاکہ اسی میں اس کی لدا لگی ہو اور جو چیزیں گنتی سے دی لی جاتی ہیں جیسا کہ چوڑے والے جانور تو ان میں دوسری روایت کے

لے ش بتصرف عہ عہ بھروسہ عہ دروٹ عہ ش عہ از امداد الفتاویٰ عہ بھروسہ درع۔























شخص کا ہو یا اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان مشترک ہو یا اس کے اور کسی اجنبی آدمی کے درمیان مشترک ہو اس لئے کہ وہ یا تو کل آزاد ہے یعنی غیر مقروض ہے اور وہ اس طرح پر ہے کہ غلام کا کل یا بعض حصہ معتق کا ہو اور وہ مالدار ہو اور ساکت (شریک) نے اس سے ضمان لے لیا ہو، یا آزاد مدیون ہو اور یہ اس طرح پر ہے کہ معتق مفلس ہو پس غلام ساکت (شریک) کے لئے آزاد ہو کر سخی کرے گا رد یہ کمانے کا، جاننا چاہئے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک غلام اگر تمام آزاد کرنے والے کا ہو تو حقدار آزاد کر دیا گیا ہے مقدار وہ آزاد ہو گیا اور باقی حصہ کی قیمت کے لئے اس کو سخی کرنا دکانا، چاہئے یا اس کی مکاتبت کر لے اور اگر وہ دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو تو اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس کے شریک کو اختیار ہے کہ خواہ اپنے حصے کی قیمت کے لئے غلام سے سخی کرائے یا معتق سے ضمان لے لے اور معتق بقدر ضمان کے لئے غلام پر رجوع کرے یا اس کے باقی حصہ کو بھی آزاد کرے اور اگر معتق مفلس ہو تو اس کا شریک اپنے حصے کے لئے غلام سے سخی (کمائی) کرائے اور کچھ نہیں (یعنی شریک ساکت معتق سے ضمان نہیں لے سکتا) ملکہ یا وہ خود اپنا حصہ بھی آزاد کرے یا مدبر یا مکاتب بزلے یا سخی کر لے اور صاحبین کے نزدیک کل غلام کا مالک ہونے کی صورت میں جب کچھ حصہ آزاد کر دیا تو وہ کل ہی آزاد ہو گیا اور وہ اس کے لئے سخی نہیں کرے گا اور مشترک ہونے کی صورت میں اگر ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو معتق کے مالدار ہونے کی صورت میں اس سے ضمان لے سکتا ہے اس کے سوا اور کچھ اختیار نہیں رکھتا اور معتق کو غلام پر رجوع کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ اس کے مفلس ہونے کی صورت میں سوائے غلام سے سخی (کمائی) کرنے کے اس کو اور کچھ اختیار نہیں ہے اس کے مزید تمام احکام کتب فقہ میں اس کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں (مؤلف)

(۶) زکوٰۃ کا مال بنی ہاشم کو دینا جائز نہیں ہے، اور بنی ہاشم سے مراد حضرت علیؑ، حضرت عباسؑ، حضرت جعفرؑ و حضرت حقیلؑ اور حضرت حارث بن عبد المطلب کی اولاد ہے۔ اور ان کے علاوہ جو دیگر بنی ہاشم ہیں ان کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے جیسے ابو لہب کی اولاد، اس لئے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کی۔ ابو لہب اور اس کی اولاد کے اس حکم سے خارج ہونے کی فقہاء نے تصریح کر دی ہے..... بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ دیگر صدقات واجبہ کا حرام ہونا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی اولاد کو بد سورت پر بندگی دی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے زمانہ جاہلیت و زمانہ اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی ہے اور ابو لہب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے میں حد درجہ کا حصہ لیا تھا پس اس کی اولاد اس بندگی کی بالکل مستحق نہیں ہوئی اور اس کی قرابت نص سے منقطع ہو گئی اور وہ نص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ لا قرابۃ بینہ و بین ابی لہب، فَإِنَّهُ أَوْ عَلَیْکُمْ تَأْخِذُ بِنِیِّ (الحديث) یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ میں اور ابو لہب میں کوئی قرابت نہیں ہے کیونکہ اس نے ہم پر نبیت تمہارے لوگوں کو اختیار کیا ہے۔ اور یہ نص ابو لہب کے بنی ہاشم سے منقطع ہونے کے باعث میں صریح ہے اور ابو لہب کی اولاد میں ہے جو شخص اسلام لے آیا وہ بوجہ عدم قرابت بنی ہاشم میں داخل نہیں ہوگا پس ان میں سے جو شخص اسلام لے آیا اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور بنی ہاشم کی قید سے معلوم ہو گیا کہ بنی مطلب میں سے جو

لے صوفی لے فایۃ الادار لے ش لے کنز و بحر و صمد و بحر لے ع لے بحر ش لے تصرف۔



















کر چکا۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کے مطابق اس سے زکوۃ ساقط ہو جائے گی اور اگر یہ ظاہر ہو کہ اس کا غلام یا  
 درہم یا ام ولد یا مکاتب تھا تو زکوۃ جائز نہیں ہوگی اور وہ بالا جماع اس کو دوبارہ ادا کرے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہی حکم مستحب  
 غلام کا ہے یعنی وہ غلام جو کچھ آزاد ہو گیا اور باقی حصہ کی آزادی کی قیمت کے لئے کمائی کر رہا ہو۔ یعنی مستحب امام ابو حنیفہ کے  
 نزدیک مکاتب کی مانند ہے اور صاحبین کے نزدیک آزاد مقروض کے حکم میں ہے۔ اس مسئلہ میں شک کے ظاہر ہونے کی قید سے  
 معلوم ہوا کہ اگر زکوۃ اس شخص کو دیتے وقت دینے والے کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ یہ زکوۃ کا مصرف ہے یا نہیں (یعنی بغیر  
 تحری اور غیر شک کے دیا) تو اس کی زکوۃ ادا ہو گئی لیکن اگر یہ ظاہر ہو کہ وہ نیکو کا مصرف نہیں ہے تو یہ زکوۃ دینا جائز نہیں ہوا  
 اور اگر اس کو کچھ بھی ظاہر ہو کہ تب بھی جائز ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اس نے زکوۃ کو اس کے مصرف پر صرف کیا ہے جیسا کہ  
 دیتے وقت اس نے زکوۃ کی نیت کی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ باطل نہیں ہوگی مگر یقین کے ساتھ حتیٰ کہ اگر دینے کے بعد شک ہوا  
 اور اس کو کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا تو اس کو دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ پہلا دینا شک سے باطل نہیں ہوگا اور دینے  
 والے کو جب یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ زکوۃ کا مصرف نہیں ہے تو جو کچھ دیا ہے وہ اس کو واپس لینے کا حق نہیں رکھتا اور وہ اس کا نفلی  
 صدقہ ہو جائے گا۔ اور اگر زکوۃ دیتے وقت اس کو شک تھا اور اس نے کوئی تحری نہ کی یا تحری تو کی لیکن یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ  
 نیکو کا مصرف ہے یا گمان غالب ہوا کہ وہ زکوۃ کا مصرف نہیں ہے تو زکوۃ جائز نہ ہوگی لیکن جب ظاہر ہو جائے گا کہ وہ  
 مصرف زکوۃ تھا تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ اور قہستانی میں زایدی سے منقول ہے کہ اگر ظاہر ہو گیا کہ وہ غلام ہے یا حربی ہے  
 تو اس سے واپس نہیں لی جائیگی اور ہاشمی کے متعلق اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک اور غنی کی صورت میں بھی لوٹائی  
 نہیں جائیگی۔ اور مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ اس فقیر کے لئے بھی حلال ہے یا نہیں اور حلال نہ ہونے کے قول  
 کی بنا پر بعض نے کہا کہ اس کے پلید ہونے کی وجہ سے اس کو خیرات کرے اور بعض نے کہا کہ دینے والے کو واپس کر دے اور کنز وغیرہ  
 میں کافر کا حکم اس مسئلہ میں مطلق بیان کیا ہے پس وہ ذی اور حربی دونوں کو شامل ہے۔ اور محیط میں ہے کہ جب معلوم ہو جائے کہ وہ  
 حربی ہے تو اس میں بعد ایتیں ہیں اور صحیح ہے کہ جائز نہیں ہے پس غایۃ البیان میں تحفے سے منقول ہے کہ فقہار کا اس پر  
 اجماع ہے کہ جب ظاہر ہو جائے کہ وہ حربی ہے اگر مستان ہو تو وہ زکوۃ جائز نہیں ہوگی۔ اور دوبارہ ادا کرنا واجب ہے اور مختار میں  
 اس کے جواز پر حکم دیا ہے اور کنز وغیرہ میں مطلق ہونا بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور اسی طرح ہلدی دستی میں کافر کا مطلق ذکر  
 کرنا جواز پر دلالت کرتا ہے اور جو کچھ اقطع نے کہا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام مذہب کا قول ہے۔ ابا قطع نے کہا ہے  
 کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ جائز نہیں ہے اور یہی امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی ایک قول ہے اور امام شافعی کا دوسرا قول  
 امام ابو حنیفہ کے قول کی مانند ہے اور اگر ظاہر ہو کہ وہ ذمی کافر ہے تو دوبارہ ادا نہ کرے۔

لے شے ع زیادة عن بحدش لے بحدش لے مدوش ع بحدش لے شے ع بحدش ع شے  
 لے بحدش لے بحدش لے بحدش لے بحدش لے بحدش لے بحدش لے بحدش لے بحدش لے بحدش















صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ اگر کسی کو اپنے بیت المال کے سوا دوسرے بیت المال سے لینا جائز نہیں ہوگا تو کسی کو یہ حق باقی نہیں رہے گا کیونکہ علیحدہ علیحدہ بیت المال قائم نہیں رہے بلکہ تمام مالوں کو مخلوط کرتے ہیں تو جس مال پہ لینے والا کامیابی حاصل کر لے اگر اس کو نہ لے لے تو اس کو کسی بھی چیز کا حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا پس غور کیجئے یہ اور امام کو اپنے اس حکم سے حق میں اختیار کس کو کرنا چاہیے، یعنی اس مال کے پانے والے کو دینے کے بارے میں جب امام کو اس کا علم ہو جائے تو اس کو اختیار ہے کہ اس کا حق اس کے حق والے بیت المال کے علاوہ دوسرے بیت المال کو دے کیونکہ امام کو مطلقاً بیت المال دے سکتا ہے لیکن جسے منع کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے پس اگر کسی کے پاس کوئی امانت ہو اور امانت رشع والا آدمی مر گیا اور اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا تو ہمارے اس زبانے میں اس کو اپنی ذلت پر صرف کرنا جائز ہے اس لئے کہ اگر وہ اس کو بیت المال کے لئے دے گا تو وہ ضائع کرے گا کیوں کہ وہ لوگ اس کو اس کے مصارف میں صرف نہیں کریں گے پس جب وہ خود اس کا مصرف ہے تو .... اس کو اپنے اوپر صرف کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ خود اس کے مصارف میں ہی نہیں ہے تو وہ اس کے مصرف میں صرف کرے اور بیت المال کے مسائل کی مزید تفصیل جزیہ کی فصل میں کتب فقہ میں مذکور ہے پس ان کی طرف رجوع کیجئے، مولف

## متفرق ضروری مسائل

(۱) رشوت یا کسی اور حرام طریقے سے جو روپیہ جمع کیا گیا ہے اگر وہ خالص حرام ہو تو اس پر شرفاً زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ اگر اس کے مالک معلوم ہوں تب تو وہ واجب الرد ہے یعنی اس کے مالکوں کو واپس کر دینا واجب ہے اور اگر مالک معلوم نہ ہوں اور ان کو واپس نہ ہو سکے تو وہ کل مال واجب التصدق ہے وہ سب مال فقرا پر صدقہ کر دینا چاہئے اور اگر وہ مال مخلوط ہو مثلاً رشوت و تنخواہ سے مل کر جمع ہوا ہے تو چونکہ مال حرام غلط سے مستہلک ہو جاتا ہے اور استہلاک سے مستہلک کے ذمہ دین ہو جاتا ہے اس لئے دیکھا جائے گا کہ اگر بال حرام کی مقدار اس میں سے نکال کر بقدر نصاب بچتا ہے تو اس باقی مقدار میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر بقدر نصاب نہیں بچتا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی یہ

(۲) جو زیور لڑکی کو چیزیں دینے کے لئے تیار کیا گیا ہو اس کی زکوٰۃ اس کے باپ پر لازم ہے کیونکہ ابھی وہی مالک ہے لیکن جب لڑکی کا نکاح کر کے وہ زیور اس کی ملک کر دیا جائے تو اب وہ لڑکی اس کی مالک ہو جائے گی اور اس وقت سے سال گذر جائے اس کی زکوٰۃ اس لڑکی کے ذمہ واجب ہوگی۔

(۳) عورت کو اپنے شوہر کے ترکہ میں جتنا زیور ملا ہے اس میں تقسیم میراث کے مطابق جس قدر بچوں کا حصہ ہے وہ بیوہ عورت اس

لے ش لے ع لے ش لے ش لے ش لے ش مستفاد من فتاویٰ دارالعلوم دیوبند و فتاویٰ امدادیہ

لے ش لے ع لے ش لے ش لے ش لے ش مستفاد من فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔



زیور کو استعمال میں نہ لائے محفوظ رکھے اور بچوں کے حصے کے اس زیور پر زکوۃ نہیں ہے جب وہ بالغ ہو جائیں گے اور وہ زیور ان کے قبضہ میں آجائے گا اس وقت سے سال گزرنے پر وہ اس مال کی زکوۃ ادا کریں گے، اگر عورت نے اپنا ہر معاف کر دیا تھا تو وہ خود ہر کے ترکہ سے نہ لے

(۴) حج و جوہ زکوۃ کا مانع نہیں ہے

(۵) زیور میں ہر سال زکوۃ دینی چاہئے صرف ایک سال کی دیر نیا کافی نہیں ہے

(۶) اگر بعض زیور میں چھڑا (لاکھ) بھرا ہوا ہو یا نگ جڑے ہوئے ہوں تو سارے اس کا صحیح اندازہ کر کے سونے چاندی کی زکوۃ دیری جائے یہ درست ہے مگر اندازہ کرنے والے سے کہہ دیا جائے کہ جہاں تک ہو سکے احتیاط کو مدنظر رکھے اور جس قدر زیادہ سے زیادہ سونا چاندی اس میں معلوم ہو اس کو حساب میں لیا جائے بلکہ اندازہ کے بعد بھی کچھ زیادہ کر لیا جائے

(۷) زکوۃ کا دوسرا بندہ یعنی آمد اہل مصرف کو روانہ کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے (اور دعا لگی مٹی آرڈر کے وقت نیت زکوۃ کافی ہے) جس وقت مصرف کے پاس پہنچ جائیگا اور اس کے قبضہ میں آجائے گا اور اس کی (نوٹ کا حکم لگتا ہے مؤلف)

(۸) پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر وصول ہو جانے کے بعد سال پورا گزرنے پر زکوۃ دینا واجب ہوگا اور گزشتہ سالوں کی زکوۃ اس پر لازم نہیں ہوگی نہ اصل وضع شدہ رقم پر اور نہ اصل رقم عطیہ پر اور نہ منافع پر اس لئے کہ رقم منافع اور رقم عطیہ تو ابھی زکوۃ دینے والے کی ملکیت نہیں ہوئی اور وضع شدہ رقم کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس کی تنخواہ میں سے زبردستی وضع کیا جانے کی وجہ سے وہ رقم اموال مصلوحہ میں سے ہے اور اموال مصلوحہ مصلوح اموال ضار کے ہے جن میں زکوۃ قبضہ سے پہلے سالوں کی نہیں ہوتی اور قبضہ کے بعد سال شروع ہوگا اور پھر اس سال کے پورا ہونے پر زکوۃ واجب ہوگی لیکن اگر اس کے پاس پہلے سے اور نقدی یا مالی تجارت موجود ہے تو یہ مال اس میں شامل کیا جائے گا اور اس پہلے مال کا سال پورا ہونے پر زکوۃ واجب ہوگی

(۹) بزرگوۃ سے کسی سفیر در رسہ کو تنخواہ دینا جائز نہیں اور وہ عاملین علیہا میں داخل نہیں

(۱۰) ایسی انجمن قائم کرنا جس میں مالی زکوۃ مساکین پر صرف ہوتا ہو درست ہے

(۱۱) مال زکوۃ کو تجارت میں لگانا درست نہیں اس مال کو بعیۃ مساکین پر صدقہ کر دیا جائے یا مساکین کے لئے ضرورت

کی چیزیں خرید کر دی جائیں (مؤلف)

(۱۲) اگر ایسی رقموں کو جن میں تملیک شرط ہے جیسے زکوۃ ان رقموں کے ساتھ جن میں تملیک شرط نہیں ہے ملا دیا جائے جیسا کہ بعض مدارس میں بزرگوۃ کا دوسرا بندہ دوسری مدت کے ساتھ ملا کر ایک جگہ تحصیل وغیرہ میں رکھ دیتے ہیں کاغذات میں ان کا علیحدہ علیحدہ اندراج ہوتا ہے جس کو دیکھ کر واجب التملیک رقم کو اس کی مدت میں صرف کیا جاتا ہے اور دوسری یعنی غیر واجب التملیک کو

بلکہ ماخذ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند بحوالہ سابقہ ماخذ الفتاویٰ شیعہ از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

کہ ماخذ از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند زیادہ عن امداد الفتاویٰ شیعہ از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند



اس کی تدبیر صرف کیا جاتا ہے تو یہ مختلف مدت کی رقموں کو ملانا اگر دینے والوں کی اجازت سے ہو تو جائز ہے خواہ وہ اجازت صراحت ہو یا دلالت مگر دلالت ضعیف نہ ہو اور بلا اجازت ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ ضمان لازم آئے گا۔ اسی طرح بذکرۃ سے دوسری مدت میں خرچ کرنا اس طرح پر کما سہر کا پندہ وصول ہونے کے بعد یہ رقم زکوٰۃ کی مدت میں شامل کر دی جائیگی تو یہ بھی دینے والوں کی اجازت سے جائز ہے بلا اجازت جائز نہیں بلکہ ضمان لازم آئے گا۔

(۱۳) صدقہ نافلا میر غریب مسکین فقیر یتیم طالب علم وغیرہ سب کے لئے جائز ہے لیکن زیادہ اولیٰ مساکین وغیرہ باد طالب علموں وغیرہ کے لئے ہے اور اگر شہرت کے قصد سے ہو تو سب کو پناہ واجب ہے۔ یعنی نقل صدقہ غنی کے لئے بھی جائز ہے خواہ وہ حکماً ہے ہو یا صدقہ اور اس میں ثواب بھی ہے گو فقیر کو دینے کے برابر نہ ہو پس اگر جلدیہ صدقہ کہا ہو مگر قرینہ نافلا ہو تو نقل صدقہ ہے اس لئے وہ غنی کے لئے حرام نہیں ہے لیکن زیادہ ثواب فقرا ہی کو کھلانے میں ہے اور غنی کو عندا کر دینا اولیٰ ہے اور اگر وہاں فقرا نہ ہوں تو دوسری جگہ کے فقرا کے لئے بھیج دیں خواہ طعام بھیجیں یا اس کی قیمت کے بقدر نقد بھیجیں واللہ اعلم۔

(۱۴) مسافر سفر شرعی پر نہ صدقہ فطر واجب ہے اور نہ قربانی اور اگر اس مسافر کے پاس مال نصاب کا ہے ہی موجود ہو تو قربانی پھر بھی واجب نہیں مگر صدقہ فطر واجب ہے لیکن اگر ایام قربانی میں مقیم ہو گیا تو پھر قربانی واجب ہو جائے گی۔

(۱۵) لاری، بس، چارٹیکسی، گھوڑا گاڑی وغیرہ جو سوار باں کرایہ پر چلتی ہیں ان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ ان کی آمدنی پر سال ختم ہونے پر زکوٰۃ ہے اسی طرح استعمالی مکانات، دکانیں اور کرایہ کے مکانات دکانیں، کرایہ کے بزن، فرنیچر زمین باغات وغیرہ کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ ان کی آمدن جمع ہو کر اگر قابل زکوٰۃ ہو جائیگی تو سال کے بعد اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(۱۶) سامان تجارت وہ کہلاتا ہے جو کاروبار کی منت سے خرید کیا گیا ہو لیکن اگر گھر کا فالو سامان فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا گیا ہو تو وہ مال اس وقت تک مال تجارت شمار نہیں ہوگا جب تک اس کو فروخت نہ کیا جائے۔ فروختگی کے بعد اس کی قیمت مال زکوٰۃ میں شامل ہو جائے گی اور اگر فروخت شدہ مال کی قیمت باقی ہے اور قابل وصول ہے تو اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی چاہے وصولی سے پہلے دیدیں ورنہ وصول ہونے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دینا فرض ہے۔

(۱۷) رشوت، سود، زنا کاری، غصب کردہ اموال اور دوسرے حرام مال جو ملکیت نہیں ہوتے طور ان کی واپسی شرعاً واجب ہے اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے البتہ اگر حرام مال حلال کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو جائے کہ جدا نہ ہو سکے اور دونوں میں کوئی تمیز نہ ہو سکے تو پھر یہ حرمت مانع زکوٰۃ نہیں ہوگی بلکہ کل مال کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

(۱۸) اگر کوئی شخص سال پورا ہونے سے پہلے مر جائے تو اس کے مال سے زکوٰۃ نہیں نکالی جائیگی بلکہ مال ارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

(۱۹) دھبہ پلائی ماں اور دھبہ پلائی اولاد کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اس لئے کہ نہ ان کی میراث آپس میں تقسیم ہوتی ہے اور نہ ان کا فرخیا یک دوسرے پر واجب ہوتا ہے۔

(۲۰) جو رقم منی آرڈر، چیک، ڈرافٹ، بیمہ وغیرہ مستحق کہتے ہیں جس وقت وہ مستحق وصول کرکے اس پر قبضہ کر لے گا

لے تاکہ اخذ ادا دانا ملوای۔ شہ ماہ سنہ ۱۴۲۸ھ منقول از نظام الدین ۱۹ و ۲۰ رمضان ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۲ و ۲۳ دسمبر ۱۴۱۹ھ جنحی سنہ ۱۴۲۸ھ



زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگر راستہ میں گم ہو گئی تو زکوٰۃ دوبارہ دینی پڑے گی (یعنی انڈر وغیرہ کی فیس زکوٰۃ کی رقم سے ادا نہ کرے ورنہ اس خاصہ زکوٰۃ میں ادا نہیں ہوگا بلکہ فیس الگ اپنے پاس سے ادا کرے، مؤلف)

(۲۱) اگر کسی شخص کے پاس فقط ڈالر یا پونڈ وغیرہ غیر ملکی کے موجود ہیں تو اگر یہ سونے چاندی کے سکے ہیں تو ان کا فنک دیکھا جائے گا اگر وہ وزن کے اعتبار سے نصاب زکوٰۃ کی مقدار یا زیادہ ہوں گے تو زکوٰۃ واجب ہوگی یہ

(۲۲) کارخانوں کا وہ سامان جو فروخت ہونے والے مال کا جزو بن جاتا ہے مالی تجارت ہے اس کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہے اور جو سامان جزو نہیں بنتا اور نہ خود فروخت کیا جاتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے یہ

(۲۳) جو زمینیں مہاجروں کو کلیم میں ملی ہیں وہ سب عشری شمار ہوں گی یہ

(۲۴) جو زمین غیر مسلم سے خریدی گئی ہے وہ خراج کہلاتی ہے اس پر عشر واجب نہیں ہوتا بلکہ جو خراج (مال گزاری)

گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا ہے صرف دی ادا کرنا پڑتا ہے۔

چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے سمجھنے کی سہولت کے لئے اس کا ایک نقشہ درج کیا جاتا ہے

تعداد گواہٹ	مقدار زکوٰۃ	۱۵۰ گواہٹ کی زکوٰۃ	تین اونٹنیاں تین سالہ	غریب کے سیر طرح ہر تیس میں ایک سالہ اور ہر چالیس میں دو سالہ بچہ واجب ہوتا رہے گا اور درمیانی کسر معاف ہے۔
ایک سے ۴ تک	زکوٰۃ معاف	۱۵۱ سے ۱۷۴ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں	
۵ ~ ۹	ایک بکری	۱۷۵ ~ ۱۸۵	تین سالہ ایک بکری	
۱۰ ~ ۱۴	۲	۱۸۶ ~ ۱۹۵	تین اونٹنیاں تین سالہ اور ایک اونٹنی دو سالہ	
۱۵ ~ ۱۹	۳	۱۹۶ ~ ۲۰۰	چار اونٹنیاں تین سالہ یا ایک اونٹنی دو سالہ	
۲۰ ~ ۲۴	۴	دوسرے بعد اسی طرح حساب چلا رہے ہیں	دوسرے بعد اسی طرح حساب چلا رہے ہیں	
۲۵ ~ ۳۵	ایک سالہ اونٹنی	کے ڈیڑھ کے بعد دو سو تک چلا رہے۔		
۳۶ ~ ۴۵	دو سالہ	تعداد گواہٹ گائے بھیس	مقدار زکوٰۃ	
۴۶ ~ ۶۰	تین سالہ	ایک سے ۳۹ تک	زکوٰۃ معاف ہے	
۶۱ ~ ۷۵	چار سالہ	۴۰ ~ ۵۹	ایک سال بچہ	
۷۶ ~ ۹۰	دو دو سالہ اونٹنیاں	۶۰ ~ ۷۹	دو سالہ	
۹۱ ~ ۱۲۳	تین تین سالہ	۸۰ ~ ۹۹	ایک سال دو بچے	
۱۲۴ ~ ۱۴۵	ایک بکری اور تین سالہ اونٹنی	۱۰۰ ~ ۱۰۹	ایک سال ایک بکری اور دو سالہ	
۱۴۶ ~ ۱۶۰	دو بکریاں	۱۱۰ ~ ۱۱۹	دو سالہ دو بچے	
۱۶۱ ~ ۱۷۵	تین بکریاں	۱۲۰ ~ ۱۲۹	ایک سال تین بچے	
۱۷۶ ~ ۱۹۰	چار	۱۳۰ ~ ۱۳۹	دو سالہ ایک اور	
۱۹۱ ~ ۲۰۵	ایک اونٹنی ایک بکری	۱۴۰ ~ ۱۴۹	ایک سال دو بچے	

لے ۱۵۰ متقول از نظام الدین ۱۴۲۹ھ

دہر شوال ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۱۶ء

۵ جنوری ۱۹۱۶ء



صدقہ فطر کی کیفیت

صدقہ فطر کا حکم

صدقہ فطر واجب ہونے کی شرائط

(۲) مسلمان ہونا، آپس کافر پر ضد و نفرت

(۳) صاحب نصاب ہونا اور وہ نصیب



اس طرح کی ہے وہ ادنیٰ قدرت جس سے واجب کی ادائیگی بالغور بلا حرج غالب طور پر ہو سکے۔ اور تیسرے قسم کی غنم اور بیل مشرد کی کسرہ کے ساتھ ہے اور التلویح میں اس کی تعریف اس طرح ہے کہ قدرت ممکنہ کا امکان ثابت ہونے کے بعد بندہ پر سہولت کے وصف کے ساتھ واجب ہو۔ چنانچہ پہلے کہ قدرت جس سے آدمی مامور ہو کر ادا کر سکے دو قسم پر ہے ایک وہ ہے کہ تو نگری اس کے ساتھ معتبر نہ ہو، اس کو قدرت مطلق اور قدرت ممکنہ یعنی قادر کرنے والی قدرت کہتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی بلا اعتبار تو نگری ادائے مامور پر قادر ہو جاتا ہے جیسے نصاب صدقہ فطر کے لئے قدرت ممکنہ ہے اور نداد اور راجل حرج کے لئے، اور اگر قدرت کے ساتھ تو نگری بھی معتبر ہو تو وہ قدرت یلترہ یعنی آسان کرنے والی اور قدرت کامل کہلاتی ہے جیسے نصاب نامی زکوٰۃ میں۔ اور چنانچہ پہلے کہ نصاب تین قسم پر ہے۔ اول وہ نصاب جس میں نمونہ بڑھنا شرط ہو اس نصاب سے زکوٰۃ کا تعلق ہے اور وہ تمام احکام جو نامی مال سے تعلق رکھتے ہیں ان کا اسی نصاب سے تعلق ہے۔ دوسرا نصاب وہ ہے جس سے چار احکام واجب ہوتے ہیں، زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ کا لینا اس کو حرام ہونا ہے اور اس پر فربانی کرنا، صدقہ فطر ادا کرنا اور اقارب کا نفقہ ادا کرنا واجب ہے (یعنی ان اقارب کا نفقہ جو فقرا ہیں اور کسب سے عاجز ہیں یا عورتیں ہیں جبکہ وہ محتاج ہوں) اس نصاب میں مال کا تجارت سے بڑھنا اور اس پر سال گذرنا شرط نہیں ہے۔ اور تیسرا نصاب وہ ہے جس کے ہونے سے سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے اور وہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس اس روز کی خوراک موجود ہو اور بعض نے کہا کہ وہ پچاس دینم کا مالک ہو۔ خالصین کا اس کو نصاب کہنا اور تین قسم کے نصاب بنانا مجاز کے طور پر ہے۔ عاقل ہونا اور بالغ ہونا امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے قول کے بموجب صدقہ فطر کے واجب ہونے کی شرطوں میں سے نہیں ہے۔ یہاں تک کہ نابالغ اور مجنون پر بھی صدقہ فطر واجب ہے جبکہ ان کے پاس مال ہو اور ان کا ولی ان کے مال میں سے صدقہ فطر نکالے۔ پس چھوٹے بچے یا مجنون کے پاس مال ہو تو اس کا باپ یا اس کا وصی یا ان کا دادا یا اس دادا کا وصی صدقہ فطر ان کی طرف سے ان کے مال میں سے دے۔ یہاں تک کہ اگر ان دونوں کے ولی نے نہ ادا کیا تو نابالغ پر بالغ ہونے کے بعد اور مجنون پر افاقہ کے بعد اس کی ادائیگی واجب ہوگی۔ اور امام محمدؒ و امام زفرؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں پر واجب نہیں ہے۔ پس اگر ولی نے ان کے مال میں سے صدقہ دید یا تو ولی ضمان دے گا اور جیسا کہ ان دونوں پر اپنا فطرہ واجب ہے ان کے غلاموں کا فطرہ بھی ان دونوں کے مالوں میں سے ادا کرنا واجب ہے یعنی جس طرح ولی اس کے مال میں سے اس کا فطرہ ادا کرے گا تو اس کے خدمت کے غلاموں کا بھی اس مال سے ادا کرے گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باپ پر واجب نہیں ہے کہ اپنے چھوٹے بیٹے کے غلاموں یا خنیف العقل بیٹے کے غلاموں کی طرف سے اپنے مال میں سے صدقہ ادا کرے۔

۱۔ شرح لا شاہ و نظار لسیما محوی وغایۃ الاوطار عن طحاوی (و تمام البحث فی کتب الاصول۔ مؤلف) ۲۔ ش ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳



صدقہ فطر واجب ہونے کا سبب اور اس کے ذمہ ہے اور وہ اس پر مطلق کامل ولایت رکھتا ہے وہ بھی اس کے ساتھ ملحق ذناب ہے اور اسی کے معنی میں ہے۔

(۱) پس صدقہ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگرچہ اس نے کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو اور عذر کی شرط اتفاقی ہے جو اس بنا پر ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ بلا عذر روزہ افطار (یعنی ترک) نہیں کرتا اور مسلمان کے متعلق حسن ظن کی وجہ سے ہے ورنہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر یا عذر بھی روزے ترک کر دے گا تب بھی سبب پایا جانے کی وجہ سے اس پر فطرہ واجب ہوگا لہذا واجب فطرہ کے لئے ماہ رمضان المبارک میں روزہ کا پایا جانا شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے بڑھاپے یا بیماری یا سفر کی وجہ سے روزے نہ رکھے ہوں تب بھی اس پر صدقہ فطر واجب ہے کیونکہ اس کے ادا کرنے کا حکم اس شرط کے بغیر مطلق طور پر ہے۔

(۲) اولاد اس کے چھوٹے (نا بالغ) محتاج بچے کی طرف سے بھی اس پر واجب ہوتا ہے۔ اور وہ بچہ خواہ مذکر ہو یا مؤنث (رؤ کا یا لڑکی) دونوں کو یہ حکم شامل ہے کیونکہ اس کا نفقہ اس پر واجب ہے اور اس کو اس کی کامل ولایت حاصل ہے اور اس پر اس طرف اشارہ ہے کہ ماں یا باپ اس کی چھوٹی یا بالغ اولاد کا صدقہ واجب نہیں ہے۔

(۳) لیکن اس کے نا بالغ غنی لڑکے کا صدقہ فطر اس کے مال میں سے واجب ہوگا جیسا کہ پہلے بیان ہوا کیونکہ اس کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے۔

(۴) اور جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہو اس کی طرف سے سدا نہ کرے کیونکہ اس کی حیات معلوم نہیں ہے۔ اور کم عقل دیوانہ اور جنون بمنزلہ چھوٹے بچے کے ہیں خواہ جنون اصلی ہو یعنی جنون کی حالت میں ہی بالغ ہو ہو یا عارضی ہو، ہی ظاہر لہذا سبب ہے۔

(۵) اور بیوی اس حکم میں شامل نہیں ہے یعنی بیوی کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے (اس لئے کہ اس کی مؤنت و ولایت کا طلاق مطلقہ نہیں ہے بلکہ ناقص ہے کہ سولہ حقوق زوجیت کے احکام کی طرح کی ولایت نہیں ہے اور اس کا بڑا لڑکا بھی اس حکم میں شامل نہیں ہے کیونکہ اس کی بھی ولایت حاصل نہیں ہے۔ اور اسی طرح اس حکم میں اصل و اقارب بھی شامل نہیں ہیں۔ پس اپنی بیوی اور عاقل بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر نہ دے اگرچہ وہ اس کی عیال میں ہوں یعنی کھانے پینے وغیرہ میں اس کے شریک ہوں اور اگرچہ وہ اپنا حج ہوں۔ اور بالغ اولاد کے عاقل ہونے کی قید سے معلوم ہو گیا کہ اگر بالغ اولاد معذور (کم عقل) اور جنون ہے تو اس کا حکم نا بالغ کی مانند ہے ظاہر الروایت کے بوجہ خواہ اس کا جنون عارضی ہو جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور اگر فطرہ بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر دے دیا تو استحساناً ان کی طرف سے ادا ہو جائے گا، اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ

سلہ بکروش سلہ عوش وغیرہ سلہ ش لخصا سلہ عود و غیرہ سلہ بکر سلہ ش سلہ ش و بکر سلہ عوش سلہ ش و ع  
سلہ ش سلہ بکر سلہ عود و غیرہ سلہ ش سلہ عود و غیرہ سلہ ش سلہ ش و بکر سلہ عوش سلہ ش و ع











مرہون کو جبکہ راہن کے پاس دین ادا کرنے کی مقدار رقم ہو اور وہ غلام جس نے کسی کا بگاڑ (خابت) کیا ہو خواہ عمدہ یا خطا اور خواہ اس غلام کو صدقہ کر دینے کی منت مانی ہو یا اس کا آزاد ہونا یا جو فطر کے لئے پر معلق ہو ان سب کو شامل ہے اور وہ غلام کی خدمت کی وصیت ایک شخص کے لئے کی ہو اور اس کی ملکیت کی وصیت دوسرے کے لئے کی ہو اس کو بھی شامل ہے یعنی اس کا فطرہ اس پر ہے جس کے لئے ملکیت کی وصیت کی ہے بخلاف اس کے کہ اس کا نفقہ اس کے ذمہ ہے جس کے لئے خدمت کی وصیت کی ہے۔ ان سب کی تفصیل یہ ہے مؤلف (مالک پر اس کے اس خدمتی غلام کی طرف سے جو دین مستغرق سے دیوں ہے یا اجارہ پر کسی دوسرے کو دیا ہو یا ہے صدقہ واجب ہے۔ اور اس غلام کی طرف سے جو دین رکھا ہو یا ہے جبکہ راہن کے پاس دین ادا کرنے کی مقدار ہو یعنی مقدار دین وضع کرنے کے بعد بقدر نصاب باقی بچ جائے تو اس کی طرف سے بھی صدقہ واجب ہوگا اور انصاب مراد یہ ہے کہ غلام کے سوا ہو کیونکہ وہ حوائجِ اصلیہ میں ہے جبکہ وہ خدمت کے لئے ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو کسی پر اس کا فطرہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ مرہون اس کا زیادہ خفہ ہے یہاں تک کہ اگر وہ ہلاک ہو گیا تو اپنے دین کے ساتھ ہلاک ہو گیا اور مرہون اور دیون غلام میں فرق اس حیثیت سے ہے کہ دیون میں یہ شرط نہیں ہے کہ مالک کے پاس دین کی بقدر مال ہو کیونکہ یہ دین غلام پر ہے اور مرہون غلام کا دین مالک پر ہے۔ اور اگر میت نے اپنے غلام کی خدمت کی کسی ایک شخص کے لئے وصیت کی ہو اور اس کی ملکیت کی دوسرے آدمی کے لئے وصیت کی ہو تو اس کا صدقہ فطر اس کی رقبہ کے مالک پر ہے اسی طرح وہ غلام جو بطور عاریت ہو یا بطور ودیعت (امانت) ہو تو اس کا صدقہ مالک پر ہے اور اسی طرح وہ غلام جس نے عمدہ یا خطا کسی کا جرم کیا ہو اس کا صدقہ بھی مالک پر واجب ہے کیونکہ مالک کی ملک اس غلام سے اس وقت زائل ہوگی جبکہ وہ جرم کے بدلہ میں اس غلام کو اس شخص کے حوالہ کر دے جس کا وہ مجرم ہے اس سے قبل زائل نہیں ہوتی۔ اور جو غلام صدقہ کرنے کے لئے نذر کیا گیا ہو اس کا صدقہ فطر بھی واجب ہے۔ اور جس غلام کو تجارت کرنے کی اجازت دی گئی ہو اس کی طرف سے بھی صدقہ واجب ہے۔ مکاتب کی طرف سے صدقہ نہ دے کیونکہ اس کی ملکیت ناقص ہے۔ اور مکاتب خود بھی اپنی طرف سے صدقہ نہ دے کیونکہ وہ فقیر ہے اس لئے کہ جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے وہ مالک کا ہے حقیقت میں اس کی ملکیت نہیں ہے اس لئے کہ مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام ہے اور غلام خود ملک ہے تو وہ مالک نہیں ہو سکتا۔ اور مالک اپنے مکاتب کے غلام کی طرف سے بھی صدقہ نہ دے اور مکاتب بھی اس کی طرف سے صدقہ نہ دے۔ اور جس غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو گیا نام او ضیفہ کے نزدیک وہ مثل مکاتب کے ہے پس مالک پر اس کی طرف سے صدقہ لازم نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک وہ آزاد قرضدار کی مانند ہے تو اگر وہ غنی ہوگا تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا ورنہ نہیں اور جب مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور دوبارہ غلام ہو جائے تو اس کے مالک پر گزرے ہوئے سالوں کا فطرہ واجب نہیں ہے اور جبکہ وہ خدمت کے لئے ہو تب بھی اس کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔ اور کسی کا غلام بھاگا ہو یا اس کو حرمیوں نے

لہ بحر عمر و دش غیر ہائے دش تعرفا لہ ع ش لہ دیوش دے ع ش لہ دیوش دے ع ش لہ ع۔











جو کوئی اس کے بعد پیدا ہوا یا مسلمان ہوا اس پر واجب نہ ہوگا اس لئے کہ وجوب کے وقت وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر فقیر یوم فطر کی طلوع فجر سے پہلے مالدار ہو جائے یا مالدار آدمی یوم فطر کی طلوع فجر کے بعد فقیر ہو جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہو اور مالدار اس سے پہلے فقیر ہو جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب نہ ہوگا۔ پس اگر مالدار اس سے پہلے فقیر ہو جائے یا فقیر اس کے بعد مالدار ہو جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔

**صدقہ فطر ادا کرنے کا وقت** | اور عید الفطر کے روز سے پہلے صدقہ فطر دیدیں تو جائز ہے اس لئے کہ اس کے وجوب کا سبب

یعنی رأس ہونا موجود ہے جس کا انقضاء اس کے نومس ہے اور اس کی ولایت اس کو حاصل ہے اور یوم فطر کا ہونا اس کے وجوب کی شرط ہے اور وجوب کا سبب پایا جانے کے بعد پیشگی ادا کر دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوۃ میں ہے۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ مالک نصاب ہونے کے بعد سال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ کا دیدینا جائز ہے اور اس بارے میں دلیل بھی موجود ہے اور وہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یوم عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے دے دیتے تھے اور صحابہ کرام کا پہلے سے دے دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی نہ تھا بلکہ ضرور آپ کی اجازت سے ہوگا کیونکہ وجوب سے پہلے واجب کا ساقط ہونا عقلی بات نہیں ہے پس صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نئے بغیر پیشگی ادا کرنے والے نہ ہوتے۔ اور یہ پیشگی دیدینے کا حکم مطلقاً ہے پس خواہ اس رمضان المبارک میں دیا جائے یا اس سے بھی پہلے دیدیا جائے ہر وقت جائز ہے۔ اس میں مدت کی مقدار کی کچھ تفصیل نہیں ہے (اگرچہ دس سال یا اس سے بھی زیادہ ہو) مجمع ہی صحیح و مختار پر بعض فقہانے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ جبکہ رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہو جائے اس میں پیشگی صدقہ فطر دینا جائز ہے (اس سے پہلے نہیں۔ مؤلف) اور امام فضلی نے اس کو اختیار کیا ہے اور اس پر فتویٰ دیلے تو معلوم ہوا کہ اس کی تصحیح میں اختلاف ہے لیکن رمضان المبارک کے داخل ہونے پر ادا کرنے کی تائید اس پر فتویٰ ہونے کے قول سے بھی ہوتی ہے پس اسی پر عمل ہونا چاہئے۔ اور نہر میں اس کی مخالفت کی گئی ہے اور کئی سال پہلے سے ادا کرنے کے جواز کو صحیح کہلے اور علامہ شامی نے کہا ہے جبکہ اس مسئلہ میں دونوں قولوں کی تصحیح کی گئی ہے تو مفتی کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جس قول پر چلے عمل کرے لیکن جبکہ دونوں قولوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا کوئی سبب موجود ہو مثلاً یہ کہ وہ ظاہر الروایۃ ہو یا اس پر اصحاب متون یا اصحاب شروح یا اکثر مشائخ گئے ہوں اور یہ تمام مرجحات یہاں قول مطلق کی تصحیح کے لئے وارد ہوئے ہیں پس اسی پر عمل کرنا چاہئے، خود کر لیجئے۔ اور نہر میں لو اوجبہ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی ظاہر الروایت ہے پس یہی مذہب ہے۔ طحاوی نے کہا کہ جس روایت پر فتویٰ ہو تب ہے وہ ظاہر الروایت پر مقدم ہوتی ہے۔ اور اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر نصف رمضان میں ادا کرے تو جائز ہے بعض نے کہا کہ اگر اخیر عشرہ میں ادا کرے تو جائز ہے وہ نہیں اور بعض نے کہا کہ ایک یا دو دن پہلے ادا کرے تو جائز ہے اور امام حسنؒ نے کہا کہ تعیل قربانی کی طرح مطلقاً جائز نہیں ہے۔ اور اگر

صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم



















صدقہ فطر کے مصارف اور ان کی ادائیگی کا طریقہ | (۱) صدقہ فطر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔ اور نیت اور تملیک اس کی ادائیگی کے لئے شرط ہیں اس میں بھی صرف لمباحات

کافی نہیں ہوگی لامصارفِ زکوٰۃ اور نیت و تملیک کی تفصیل زکوٰۃ کے بیان میں گذر چکی ہے، مؤلف اور ان مصارف میں سوا عامل کا اشتراک ہونا چاہئے کیونکہ صدقہ فطر کا کام عامل کے ذمہ نہیں ہے۔ امدادی کو صدقہ فطر دینے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ و امام محمد و امام اشعری کے نزدیک ذمی کو فطرہ دینا جائز ہے اور مکروہ ہے اور مسلمان فقیر کو دینا اولیٰ ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں اور اس کی تفصیل مصارفِ زکوٰۃ کے بیان میں گذر چکی ہے۔

۲۰ ایک شخص کا صدقہ فطر ایک شخص کو دینا واجب ہے یہاں تک کہ اگر ایک شخص کا صدقہ فطر دیا زیادہ کئی مسکینوں پر تقسیم کر دیا تو جائز نہیں ہے۔ لیکن درمختار میں ہے کہ ہر شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا فطرہ خواہ ایک مسکین کو دے یا چند مسکینوں کو دے یہی اکثر فقہاء کا قول ہے اور فتح القدیر میں کہا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور دوا لبحی وقاضی خاں صاحب محیط اور ابن عثیمہ نے اختلاف کا ذکر کئے بغیر جائز ہونے کی وضاحت کی ہے پس یہی مذہب ہوا جیسا کہ زکوٰۃ کا متعدد شخصوں کو دینا جائز ہے اور حدیث میں فقیر کو اس روز غنی کر دینے کا حکم ہے وہ اولویت و استحباب کے لئے ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اسی طرح علامہ فوج نے کہا ہے کہ جائز نہ کہنے والوں کی جماعت تھوڑی ہے اور جائز کہنے والوں کی جماعت بہت زیادہ ہے اور جس بات پر کثیر جماعت ہمدرد ہے۔

(۳) اور متعدد شخصوں (جماعت) کا صدقہ فطر کسی ایک مسکین کو دینا جائز ہے، بلا کسی خاص اختلاف کے اور وہاں ہر شخص میں ان دونوں مسئلوں میں خلاف کی تصریح اس قول سے کی ہے کہ ایک شخص کا جماعت سے صدقہ لینا اور ایک شخص کا جماعت کو صدقہ دینا دونوں صحیح قول کی بنا پر جائز ہیں ام اور محل خلاف شاید اس جگہ وہ صورت ہو چکا ایک جماعت نے اپنے صدقات جمع کر کے ملا دیئے ہوں اور ایک شخص کو دیدیئے ہوں لیکن اگر ہر شخص نے اپنا اپنا صدقہ الگ الگ طور پر ایک ہی شخص کو دیدیا تو بخلاف عدم جواز میں خلاف کا جاری ہونا بعید ہے پس غور کر لیجئے۔

(۴) جب کسی عورت کو اس کے خاوند نے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا اور اس نے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھروں اپنے گھروں میں ملادیئے اور کسی فقیر کو دیدیئے تو وہ عورت کی طرف سے جائز ہو گئے مرد کی طرف سے جائز نہیں ہوتے، یہ سلام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، اس لئے کہ خاوند نے اپنے مال میں سے دینے کے لئے اس کو کیا تھا اور بلا اجازت ملادینے کی وجہ سے وہ اس کی مالک ہو گئی تو وہ اس کی طرف سے بترع (غفل صدقہ) ہو گیا اور اس گھروں کا ضمان اس پر لازم ہو گیا اور اس میں یہ بھی قید ہوتی چاہئے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ خاوند نے اس کو ملانے کی اجازت

لله ع و بقرود الله ش الله ش الله ع الله در ش بقرود ش الله ش الله بقرود الله در و ش  
الله ش الله بقرود الله در -



نہ دی ہو اور وہ اجازت دلائے بھی نہ پائی جائے۔ مثلاً اگر ملا دینے کا عرف جاری ہو تب بھی خاوند کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ملا دینا امام صاحب کے نزدیک اتہلاک (خود ہلاک کر دینا) ہے جس سے اس کے مالک کا حق عین یعنی اس اصل چیز سے منقطع ہو جاتا ہے اور صاحبین کے نزدیک وہ مالک کے حق کو منقطع نہیں کرتا اس لئے وہ فطرہ خاوند کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ اور اگر خاوند نے اب اس کو جائز قرار دیا تو خاوند کا فطرہ بھی جائز ہو جائے گا اگرچہ شروع میں اس کی اجازت نہیں پائی گئی لیکن شرط یہ ہے کہ اب اجازت کے وقت وہ گھوٹا فقیر کے قبضہ میں موجود ہو۔ اور اگر عورت نے گھوٹا خاوند کی اجازت سے ملائے ہیں تو اب ملا دینے سے وہ ان کی مالک نہیں ہوگی پس وہ اس کے خاوند کی طرف سے جائز ہو جائیں گے بلکہ

(۵) اور اگر اس مسئلہ کی صورت بالعکس ہو یعنی عورت نے مرد کو کہا ہو کہ میرا فطرہ ادا کر دے اور مرد نے عورت کا غلطہ غلطہ میں ملا لیا اور فطرہ دیدیا تو استحساناً جائز ہے جیسا کہ اگر مرد اپنی عورت کی طرف سے بغیر اس کی اجازت کے دستہ  
تواستحساناً جائز ہو جائے کیونکہ عادتاً و عرفاً اجازت پائی جاتی ہے پس یہ بات دلالت کرتی ہے کہ خاوند کو اپنی بیوی کا فطرہ  
اپنے مال سے ادا کر دینا جائز ہے اور جب خاوند نے اس کا غلطہ اپنے غلطہ میں ملا لیا تو وہ اس کی ملکیت ہو گیا لہذا وہ اس کی  
طرف سے اور اس کی بیوی کی طرف سے (یعنی دونوں کی طرف سے جائز ہو گیا۔ اور اسی کی مثل یہ صورت ہے کہ کسی  
آدمی کی اولاد اور بیوی ہے پس اس نے ان میں سے ہر ایک کی طرف سے الگ الگ گیمہوں نہ پائے تاکہ صدقہ فطر ادا کرے پھر  
ان کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور وہ گیمہوں فقیر کو ان سب کے صدقہ فطر کی نیت سے دیدیے تو ان سب کی طرف سے جائز ہے۔

(۶) اگر اپنا فطرہ اپنے غلام کی بیوی کو دیا تو جائز ہے اگر چہ اس کی بیوی کا نفقہ اس غلام کے مالک کے ذمہ ہی ہو یعنی غلام کی بیوی کا نفقہ اس کے مالک نے تبرعاً اپنے ذمہ کر رکھا ہو اور اس کو اپنی عیال میں شامل کر لیا ہو ورنہ دراصل تو اس کا نفقہ اس کے خاوند کے ذمہ ہے اسی لئے بیوی اس کو نفقہ کے عوض بکوا سکتی ہے۔

(۷) جب کوئی ایسا شخص جس کے ذمہ زکوٰۃ یا صدقہ فطر یا کفارہ یا نقد ہو فوت ہو جائے تو اخاف کے نزدیک اس کے ترکہ میں سے نہیں لیا جاتا۔ لیکن لگائوس کے وارث تبرعا اس کو ادا کر دیں تو جائز ہے اور وہ تبرع کرنے والے ہوں گے اور اگر وہ ادا نہ کریں تو ان کو مجبور نہیں کیا جائیگا۔ اگر وہ شخص مرتد وقت اس کی وصیت کر جائے تو جائز ہے اور وہ وصیت اس کے تہائی مال میں جاری ہوگی۔

(۸) اولیام خلیفہ صدقہ فطر وصول کرنے کیلئے کسی مساعی (مصدق) کو نہ بھیجے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو بھیجی اپنی یشابت نہیں ہوا کہ کسی کو آپ نے سفر فرمایا ہو کہ وہ گشت کر کے صدقہ فطر وصول کر کے لائے اور مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کے افعال کی طرف کسی عامل کو اس کیلئے نہ بھیجے کہ وہ خود قبائل کی طرف جلتے پس۔ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو صدقہ فطر لینے پر مقرر فرمایا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کی طرف وصول کیلئے نہیں جلتے تھے بلکہ جو شخص صدقہ لیکر وہاں آجائے اس سے وصول کر لیتے تھے غور کر لیجئے ۱۱۱



## نوٹ کی شرعی حیثیت اور اس کے متعلق احکام

(معاون ہذا کے تحت ایک طویل مضمون خاکسار مؤلف عفا اللہ عنہ نے تحریر کر کے بغرض استصواب علمائے کرام کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے رسالہ بینات جہادی الاوائی ۱۳۸۵ھ میں شائع کرایا تھا لیکن ابھی تک کسی عام اشاعت کے ذریعہ اس بارے میں علمائے کرام کی رائے معلوم نہیں ہو سکی اور اس مسئلہ کے متعلق علمائے کرام کا کوئی متفقہ فیصلہ منظر عام پر نہیں آیا اب چونکہ یہ کتاب طبع ہونے کیلئے پریس میں جا رہی ہے اسلئے مجبوراً تنیات کے مذکورہ بالا اشارے میں شائع شدہ مضمون کو اختصار کے ساتھ و قدرے رد و بدل کرتے ہوئے اس کتاب میں بھی شائع کیا جا رہا ہے، یہ کوئی شرعی حتمی فیصلہ اور فتویٰ نہیں ہے بلکہ معلوماتی مضمون ہے عمل کیلئے علمائے کرام کی طرف ہی رجوع کیا جائے اور جو شخص جس گروہ کے علمائے کرام سے حسن ظن رکھتا ہے ان کے فتوے پر عمل کرے، علمائے کرام زادیم اللہ علماؤ علمائے خدمت میں بھی گزارش ہو کہ اس مسئلہ کو اپنی متفقہ کوششوں سے بالاتفاق رائے حل کرنے کا جلد از جلد موقع فراہم کریں، یہ بھی دین کی اہم ضروریات میں سے ہے، (مؤلف)

نوٹ کی حقیقت میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، علمائے بریلی و رامپور کے نزدیک عرفاء مشن اور مال مقوم ہے، اس لئے ان کے نزدیک نوٹ میں تمام احکام مال مقوم کے جاری ہوں گے حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرائی علی لکھنوی اور مولانا فتح محمد صاحب تائب تلمیذ مولانا عبدالحی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نوٹ مشن اور مال مقوم نہیں ہے بلکہ سکہ بتدل ہے، قادی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی و قادی حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ و قادی مظاہر العلوم سہانہ پور و قادی دارالعلوم دیوبند کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ نہ ایسا مال مقوم ہے کہ اس کی اتنی بڑی قیمت قرار دی جائے اور نہ ہی سکہ ہے بلکہ سندور اور حوالہ ہے۔ پس نوٹ کی حقیقت میں علمائے ہندوپاکستان کے تین قول ہوئے: اول یہ کہ یہ بھی عرف میں دوسرے اموال کی طرح مال ہے۔ نہ کہ یہ سکہ بتدل ہے یعنی ایسا سکہ ہے جو سکہ ہونے سے پہلے یا سکہ نہ رہنے کے بعد ایسا کم قیمت ہے کہ سکہ ہونے کی صورت میں جو قیمت ہے اس کے حساب سے لافٹی اور بے قیمت سمجھا جائے البتہ سکہ ہونے کے زمانے میں وہ اصلی سکہ کی برابر قیمتی ہے۔ سو یہ کہ تمسک اور حوالہ نامہ ہے۔

قول اول والے علمائے کرام کے نزدیک نوٹ کو حکام نے مال قرار دیا ہے اس لئے عرف و اصطلاح قوم میں اس میں ثنیت ثباتیت ثابت ہو گئی اسلئے جب تک یہ رائج نہیں ہیں جب رائج نہ رہیں نہیں رہیں گے اور نوٹ کا تعین کہ فلاں سود پیہ کا ہے اور فلاں ہزار یا پان سو روپیہ کا ہے یہ تقدیری ہے اس سے اتحاد جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا، اس لئے ان کے نزدیک نوٹ کو کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز ہے البتہ اس طرح پر قرض دینا کہ ننانوے روپے دیتا ہوں اور اس کے بدلے سود پیہ کا نوٹ لے لوں گا بیشک ممنوع ہر خان کل قرض جو نفع اذہم ہو اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان حضرات کے نزدیک نوٹ زکوٰۃ میں دینے سے فقیر کے نوٹ پر قبضہ کرتے ہی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اسی طرح نوٹ کے ساتھ خرید و فروخت وغیرہ کرنے میں سود پیہ کے احکام جاری ہوں گے۔



قول دوم کے علمائے کرام کے نزدیک یہ سکتے بتدل اور میں اصطلاحی ہے بلکہ عین ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت ظرفیہ ہو، یعنی نوٹ تمام احوال میں عین ثمن خلقی کی مانند ہے اس بنا پر کچھ مسائل فقہیہ کی تفریع بھی کی ہے۔

تیسرے قول والے علمائے کرام کے نزدیک پہلا قول بہت ضعیف اور ناقابل التفات ہے اور دوسرا قول گویا ضعیف نہیں ہے لیکن مولانا فتح محمد صاحب تائب نے سکہ کی جو تعریف فرمائی ہے وہ نوٹ پر پوری طرح صادق آتی معلوم نہیں ہوتی اور حکومت نے بھی اس کو سکہ قرار نہیں دیا اور نہ اس پر قانوناً سکہوں کے احکام جاری ہوتے ہیں اور اگرچہ نوٹ کو جبراً سکہوں کی طرح واجباً بقبول بنایا گیا ہے اس کے باوجود اس کا سبز اور حوالہ زر ہونا ہی زیادہ صحیح ہوا، البتہ عام رقعات زرہ اور اس رقمند میں بس اتنا فرق ہے کہ حکومت کے اعتماد یا جبر کی وجہ سے ہر شخص اس کو قبول کرتا ہے، دوسروں کے رقعات زرہ صرف وہی شخص قبول کرتا ہے جس کو ان پر اعتماد ہوتا ہے۔ پس نوٹ سبز زرہ اور بے نام کا رقعہ ہے، ہر وہ شخص جس کے پاس نوٹ موجود ہے اس کا روپیہ مانگ سکتا ہے، جو لوگ نوٹ سے آپس میں لین دین کرینگے گویا وہ اس کے جاری کرنے والے پر اس کی رقم کا حوالہ کریں گے اور سب احکام میں حوالہ کے اصول کو ملحوظ رکھا جائیگا، درحقیقت اس کی بھائی نہیں ہو سکتی بلکہ بطریق حوالہ ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا رہتا ہے، ان حضرات نے بھی اس بنا پر کچھ مسائل فقہیہ کی تفریع کی ہے، مثلاً یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے اگر فقیر کو نوٹ دیا جائے تو محض نوٹ کے دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ زکوٰۃ اس وقت ادا ہوگی جب فقیر اس نوٹ کا نقد روپیہ بنالے یا غلہ کپڑا وغیرہ کوئی چیز اس سے خرید لے، اگر فقیر کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا اور وہ نوٹ کھویا گیا یا اجل گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اسی طرح اگر فقیر نے زکوٰۃ میں وصول کئے ہوئے نوٹ سے ریل کا ٹکٹ خرید لیا یا مکان وغیرہ کے کرایہ میں دیدیا تو دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اگر فقیر نے زکوٰۃ کا نوٹ قرضہ میں دیدیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی نوٹ کا روپیہ لیکر قرضہ ادا کیا جائے، اگر کسی فقیر کو زکوٰۃ میں نوٹ ملا اور اس نے بٹہ دیکر اس کا روپیہ لیا تو جتنے پیسے بٹہ میں تھے اتنی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، قدیہ اور فطرہ کا بھی یہی حکم ہے، یہی بھی محض نوٹ پر قرضہ کرنے سے پورا نہیں ہوگا جب تک اس کا روپیہ لیکر یا کچھ مال لے کر قرضہ نہ کر لے اور وہاں سے نوٹ کا روپیہ یا مال حاصل کرنے سے پہلے رجوع کا حق حاصل ہے وغیرہ وغیرہ

اس طرح علمائے ہندو پاکستان کے ان تینوں گروہوں کا نوٹ کے متعلق متفرع مسائل فقہیہ میں کافی اختلاف ہے جس کی تفصیل ان حضرات کے فتاویٰ و ان کی تصنیفات فقہ سے معلوم ہو سکتی ہے خصوصاً حضرت مولانا مفتی قادی سید احمد مرحوم و مفتی مظاہر العلوم سہارنپور کے رسالہ نوٹ کی حقیقت اور اس کے شرعی احکام سے معلوم ہو سکتی ہے اس عاجز نے بھی تذکرہ بالا مضمون اسی رسالہ کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے۔ ماہرین علم معاشیات کے نزدیک نوٹوں کو زیر کاغذی یعنی کرنسی نوٹ کہا جاتا ہے یہ نوٹ حکومت یا اس کا مرکزی بینک جاری کرتا ہے لہذا گے حکومت بینک پر اعتماد کرتے ہوئے چیزوں کی خرید و فروخت وغیرہ میں بلا تامل ان کرنسی نوٹوں کو سکوں کی بجائے قبول کرتے ہیں۔ عمدہ زر کے جملہ اوصاف یعنی قبولیت عامہ، انتقال پذیری، پائیداری، شناخت پذیری، یکسانیت، تقسیم پذیری، ثبات، یہ سب قدر کاغذی یعنی کرنسی نوٹ میں بدرجہ اولیٰ پائے جاتے ہیں اور بہترین نظام زر کی یہ پانچوں خوبیاں یعنی قیمتوں میں استحکام برقرار رہتا، شرح میلاد مستحکم رہنا، نظام سادہ اور قابل فہم ہونا، نظام یکساں ہونا، کامل روزگار کی سطح برقرار رکھنے میں معاون ہونا بھی زر کاغذی میں پائی جاتی ہیں



ان کے علاوہ نیکافذی کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں مثلاً دھات کی بچت، سکہ سازی کی بچت، خرید و فروخت سے بچاؤ، طاق مقدار  
سہل، انتقال، بینکوں کا فائدہ، حکومت کو فائدہ، قرضہ بلا سود وغیرہ، اگرچہ نیکافذی کے کچھ نقصانات بھی ہیں اس کے باوجود مذکورہ بالا  
خوبیوں اور فوائد کے باعث سونا، چاندی و دیگر دھاتوں کے سکوں کی بجائے کرنسی نوٹوں کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ دھات کے  
روپیہ کی شکل شاندار نہ رہی کبھی دیکھنے میں آتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ سونے اور چاندی جیسا قیمتی اور قلیل المقدار آٹھ زر کسی  
دن ماضی کی یاد بن کر رہ جائیگا اور اس کی بجائے کاغذی نوٹ اپنی مخصوص خوبیوں کی بدولت بالکل عام قبولیت حاصل کر لیں گے  
اور قیمتی دھاتوں کا استعمال صرف غیر منہذب اور سپاہیہ ملکوں میں رہ جائیگا۔ ایک روپیہ کا نوٹ ماہرین معاشیات کے نزدیک بالاتفاق  
سکہ ہے کیونکہ وہ خود حکومت کا جاری کردہ ہے اور پانچ دس و سو روپے وغیرہ کے نوٹ بھی اکثر ماہرین کے نزدیک کرنسی اور سکہ رائج الوقت  
ہیں کیونکہ وہ بھی حکومت کی ذمہ داری پر حکومت کا مرکزی بینک ہی جاری کرتا ہے اور کوئی بینک جاری نہیں کر سکتا، اور حکومت عوام  
میں رواج کے اعتبار سے ہر رقم کے نوٹ کی یکساں حیثیت ہے۔

تیسرے قول والے علمائے کرام کے نزدیک ایک روپیہ والے نوٹ اور پانچ دس روپے یا زیادہ رقم والے نوٹ کرنسی کے قانون  
میں برابر ہونے کی وجہ سے شرعاً ایک ہی حکم رکھتے ہیں اور ان سب کی حیثیت حوالہ زر و سبز زر سے زیادہ کچھ نہیں ہے لیکن موجودہ زمانے میں اس  
کتب خیال کے کچھ علمائے کرام کا رجحان یہ ہے کہ ایک روپیہ کا نوٹ چونکہ حکومت خود جاری کرتی ہے اس لئے وہ دھات کے سکہ کی طرح سکہ  
رائج الوقت ہے اور اس پر شرعاً وہی احکام جاری ہونے چاہئیں جو دھات کے روپیہ پر جاری ہوتے ہیں لیکن پانچ دس یا زیادہ رقم کے  
نوٹ کی حیثیت ان کے نزدیک بھی سبز زر کی ہی ہے کیونکہ وہ خود حکومت کی بجائے حکومت کے مرکزی بینک کی طرف سے جاری ہوتے ہیں  
اور ان پر گورنر بینک کی جانب سے اس مضمون کی عبارت لکھی ہوتی ہوتی ہے کہ میں حامل ہذا کا اس قدر روپے عند الطلب ادا کروں گا جس سے اس کا  
سبز زر ہونا اظہر ہے، اور اس گروہ کے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ہر قسم کا کرنسی نوٹ دھات کے روپے کے حکم میں ہے اور یہ زیادہ اصطلاحی  
وسکہ بتدل و بدل نقود ہے جیسا کہ قول دوم کے علمائے کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے اور زکوٰۃ و فطرہ و فدیہ وغیرہ کی  
ادائیگی، عام خرید و فروخت، سونے چاندی کی خرید و فروخت، ہبہ وغیرہ جملہ امور میں سکہ (دھات کے روپے) کے احکام جاری ہوں گے جیسا کہ  
دوسرے گروہ کے علمائے کرام کی رائے اور بیان ہو چکی ہے، پس ان کے نزدیک ہر قسم کا کرنسی نوٹ عین ثمن کا حکم رکھتا ہے اگرچہ خلتا وہ عین  
ثمن نہیں ہے اس لئے ایسا سکہ جب تک رائج ہے اس کی وہی قیمت ہے جو اس سونے یا چاندی کے سکہ کی ہے جس کے بدلے میں اس کو جاری  
کیا گیا ہے اور جب اس کا رواج بند ہو جائے اس کی حیثیت ایک کاغذ کے پرزے کی ہوگی، اور ہمارے ملک میں چونکہ نوٹ روپیہ کے بدلے میں جاری  
کئے گئے ہیں اور ہمارے ملک کا آجکل کا روپیہ بھی خود زیادہ اصطلاحی وسکہ بتدل ہے جو چاندی کے زیر معیاری کے بدلے میں جاری ہوا ہے اس لئے  
موجودہ روپیہ اور موجود کرنسی نوٹ دونوں چاندی کے روپیہ کے بالمقابل ہونے کی وجہ سے جب تک رائج ہیں اسی کے حکم میں ہیں، اگرچہ ابھی  
ہمارے علمائے کرام کا کوئی متفقہ فیصلہ اس بارے میں شائع نہیں ہوا تاہم یہ آخری رجحان یعنی ہر قسم کے کرنسی نوٹ کو زیادہ اصطلاحی و بدل نقود و  
سکہ رائج الوقت تسلیم کرنا ہی فی زمانہ زیادہ مناسب اور اقرب الی الحق و اسہل للعمل ہے اور کان صلے اللہ علیہ وسلم بحسب ما خفف عن امتہ



والدین یسر، و ما جعل علیکم فی الدین من حرج کے غیر مطابق ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا مناسب ہے لہذا اس حکم کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر مرتب ہونے والی چند جزئیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) ہمارے ملک میں کرنسی نوٹ چونکہ چاندی کے روپیہ کا بدل ہیں اس لئے چاندی کی طرف منسوب ہوں گے سونے اور اشرفیہ کی ان کا تعلق نہیں ہے، اس لئے نوٹوں میں روپیہ کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوگی اور نوٹوں کو روپیہ کے بدلے میں کی بیشی کے ساتھ بیچا جائز نہیں، البتہ ان نوٹوں یا بلا چاندی کے روپیوں سے سونا چاندی خریدنا نقدی ادا کرنا اور کم بیش ہر طرح سے جائز ہے اور اس میں بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے لیکن جس روپیہ میں چاندی ہو اگرچہ مغلوب ہو اس سے سونا چاندی خریدنے میں بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے کیونکہ ملک میں جو چاندی ہے اس کو بکھلا کر علیحدہ کیا جاسکتا ہے اور علیحدہ ہو کر قابلِ نقد ہو سکتی ہے اور ایسے روپیہ کے بدلے میں جو کرنسی نوٹ جاری ہوں گے ان کا بھی یہی حکم ہوگا، ایک ملک کے روپیہ یا نوٹ کو دوسرے ملک کے روپیہ یا نوٹ سے کی بیشی کے ساتھ خریدنا و فروخت کرنا جائز ہے۔

(۲) جس طرح ان روپیوں کی زکوٰۃ کے نصاب کا حساب چاندی کی قیمت سے کیا جائیگا اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہوا سئلے جتنے روپیوں کی ساڑھے باون تولہ چاندی آئیگی اتنے ہی روپے نصاب قرار دیئے جائیں گے اسی طرح نوٹوں میں بھی اتنے ہی روپے کے نوٹ نصاب قرار پائیں گے۔ (۳) جس طرح روپے زکوٰۃ میں کسی فقیر کو دینے سے فقیر کے ان پر قبضہ کرنے ہی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اسی طرح نوٹ زکوٰۃ میں دینے سے نوٹ پر فقیر کا قبضہ ہوتے ہی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اسی طرح نوٹ کے ساتھ خرید و فروخت وغیرہ کرنے میں نقد روپیہ کے احکام جاری ہوں گے۔

(۴) جب نوٹ پر سرکاری حکم سے بڑھ لگے، تو بڑھ لگنے کے بعد جو قیمت ہوگی وہی سمجھی جائیگی اور اس سے جو نقصان نوٹ کے مالکان کا ہو اور ہندو سرکار کا یہاں اس لئے کہ اموالِ فلتی میں سلطانی تصرف معتبر نہیں ہے۔

(۵) ایسے نوٹ جب ایسے مقام پر جائیں جہاں رواج نہ ہو تو ان میں حکم مسکویت باقی نہیں رہے گا بلکہ اب وہ تنک ہو گئے، اس لئے اب ان کی زکوٰۃ دوسرے قرضوں کی مانند وصول ہونے کے بعد دینی ہوگی اور ان کی بیع مدیون یا اس کے گماشتہ کے ذریعے ہوگی جس سے سوا نہیں، اور ایسی حالت میں کمی بطور استقراض یا زیادتی ناجائز ہوگی۔

(۶) ایسے نوٹوں سے اگر کچھ خریداجائے یا نوٹ کسی عوض میں لازم ہوں اور پھر ان کا رواج نہ ہے تو روپیہ واجب اللہ ہوگا۔ (۷) نوٹ اگر امانت ہوں یا رہن ہوں یا کسی کے حکم سے خریدے پھر ان کا رواج نہ ہو تو قابلِ بیع یعنی وہی نوٹ دیدے ضامن نہیں ہوں گے لیکن اگر غلط و منہ سے ضامن ہو جائے تو قیمت واجب ہوگی، مزید جزئیات کتب فقہ و کتب قادی میں ثمن اصطلاحی یعنی فلوں و بلا چاندی کے روپیہ کے متعلق موجود ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں یا حسب ضرورت علمائے کرام سے دریافت فرمائی کریں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرحوم والمآب وما اعلینا الا البلاغ۔

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا التبلیغ وارنا الباطل باطلا وارزقنا الاجتناب، وصلى الله تعالى  
على خباير خلقه سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَمَلُ الْفَقِيرِ

كِتَابُ الصَّوْمِ

(روزہ کا بیان)

از

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## روزہ کا بیان

روزہ کی فرضیت

(۱) روزہ فرض محکم و فرض عین ہے اور دین کا ایک بڑا رکن ہے یہ شرع متین کے نہایت مضبوط قوانین میں سے ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہے اور اجماع امت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ روزہ کی

فرضیت کتاب (قرآن مجید) و سنت (عارضیہ) و اجماع امت اور عقلی طریق سے ثابت ہے، قرآن مجید سے روزہ کی فرضیت کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** آیاتاً مَعْدُودَاتٍ (ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس وقوع پر کہ تم متقی بن جاؤ، تھوڑے دن (یعنی ماہ رمضان) کے روزے رکھ لیا کرو) اور یہ بھی فرمایا **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ إِلَى قَوْمٍ شَاهِدِينَ مِّنْكُمْ شَاهِدٌ قَلِيلٌ صَمَةٌ أَلَا تَرَوْنَ أَنَّهُ مَثَلٌ لِّتَمَيُّزِ الشَّهْرِ** (ترجمہ: تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ان لوگوں کے لئے ہدایت کے طور پر اتار دیا جو تم سے پہلے لوگوں کے لئے ہدایت دینے والی و فیصلہ کرنے والی آسمانی کتابوں میں سے ہے لہذا جو شخص اس مہینے میں موجود ہو اس کو ضرور اس مہینے میں روزے رکھنے چاہئیں)۔ اس آیت مبارکہ میں امر کے صیغے سے حکم فرمایا ہے جس سے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور اس کے منکر پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ سنت یعنی احادیث سے بھی اس کی فرضیت ثابت ہے جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى تَمَتُّهِ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَقَامَ الصَّلَاةُ وَآتَتْهُ الزَّكَاةُ وَآتَتْهُ رَمَضَانَ مَتَّقُوا اللَّهَ فِي رَمَضَانَ**۔ اس حدیث میں رمضان کے روزوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال فرمایا ہے: **أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ وَصَلُّوا إِلَى اللَّهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَادْعُوا إِلَى اللَّهِ وَادْعُوا إِلَى طِبَةِ يَهَا أَنْفُسُكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ** اور ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ فَزَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ** الحدیث رواہ احمد والنسائی۔ اجماع امت سے بھی روزہ کی فرضیت ثابت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک تمام اہل اسلام کا اس کی فرضیت پر اجماع ہے اور اس کا انکار

۱۔ بحروش لمقطا ۲۔ عمدة القواعد ۳۔ ایضاً لکھ برائے وغیرہ ۴۔ بحروش ۵۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان عن ابن عمر و بدائع ۶۔ برائے ۷۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم۔







## روزہ کے مشروع ہونے کی حکمت

روزہ کے مشروع ہونے میں بہت سی حکمتیں ہیں مگر ان کے جسم کی تندرستی، نفس کا مغلوب ہونا، شیطان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بوجہ پسندیدہ ہونا دل کی صفائی، گناہوں کا معاف ہونا، آخرت میں بڑا اجر اور بلند مرتبہ حاصل ہونا، فرشتوں کی صفت سے متصف ہونا، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونا وغیرہ ہے۔

## روزہ کی خوبیاں

روزہ کی بہت سی خوبیاں ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:-  
(۱) اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی مفطراتِ ثلاثہ کو یاد کر کے ان کا شکر ادا کرتا ہے اس لئے کہ چیزیں اپنے انداز سے پہچانی جاتی ہیں پس جب روزہ میں ان سے رکا رہا تو ان کی قدر معلوم ہو کر روزہ دار ان نعمتوں کا شکر ادا کرے گا۔  
(۲) تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے کہ جب روزہ دار اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے حلال چیزوں سے رکا رہے پر فرمانبرداری اختیار کرتا ہے تو حرام سے بچنے کے لئے بدعتِ اولیٰ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) روزہ سے گناہوں کی طرف بلانے والی خواہشات و نفسانیات ٹوٹی ہیں۔  
(۴) روزہ دار ملائکہ روحانیہ کی صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے (اس لئے کہ فرشتے کھانے پینے اور ہر قسم کی لذت سے پاک ہیں اور وہ ہر وقت عبادتِ الہی میں مشغول رہتے ہیں)۔

(۵) روزہ رکھنے سے فقر کے خال اور ان کی تکلیف کا علم حاصل ہوتا ہے پھر وہ ان پر رحم کرتا ہوا دل کو کھلاتا پلاتا ہے۔  
(۶) روزہ میں فقر و مساکین کے ساتھ موافقت حاصل ہوتی ہے یعنی جو تکلیف و صبر و برداشت کرتے ہیں روزہ دار بھی روزہ کی برکت سے کبھی کبھی اس کو برداشت کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حالت کو پیش کرتا ہے اور وہ آیت وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ یعنی اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم سب فقراء ہو (مؤلف)

(۷) روزہ میں آنکھ، زبان، کان اور شرمگاہ وغیرہ تمام اعضاء سے تعلق رکھنے والے فضول کاموں سے روک دانی کرنے کی وجہ سے نفسِ لمارہ کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے کیونکہ روزے سے نفس کی محسوسات میں نفس کی حرکت کمزور ہو جاتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب نفس بھوکا ہوتا ہے تو تمام اعضاء سیر ہو رہے ہیں تمام اعضاء اپنی حرکات سے رگ جلتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے ہوتے ہیں یعنی اپنے افعال و حرکات پر آمادہ ہو جاتے ہیں پس نفس کو روکنے سے قلب میں کدوئیں سے صفائی آ جاتی ہے کیونکہ اعضاء کے فضول و بے فائدہ کاموں میں مشغول ہونے سے قلب میں کدوئیں آ جاتی ہیں پس جب بے فائدہ امور سے رگ گیا تو دل میں صفائی آ جاتی اور دل کی صفائی سے مصلحتیں اور بدعات حاصل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے اطہر و نوابی کی محافظت حاصل ہوگی۔

لہ حاشیۃ الخارج لہ ذریعات لہ بحر زیادۃ من طویات لہ فتح و طہ فتح دم و طہ لفظاً۔



(۸) روزہ مسکینوں پر رحمت اور نرمی کا باعث ہے اس لئے کہ جب روزہ دار نے بعض وقت میں بھوک کی تکلیف کو چکھ لیا تو عام اوقات میں اس کو یاد رکھے گا اور اس پر رحمت کا غلبہ رہے گا اور اس کی حقیقت انسان کے حق میں ایک قسم کا باطنی رنج و الم ہے پس وہ اس کے ساتھ احسان کر کے رنج و غم کو اس سے دور کرنے کی طرف سبقت کرے گا اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اچھا بدلہ حاصل کرے گا۔

(۹) اور روزہ دنیا میں روزہ دار کو گمراہ ہونے سے بچاتا ہے اور آخرت میں روزہ کے عذاب سے نجات دلاتا ہے اور یہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لئے روزہ کی عبادت نہیں کی جاتی، اور روزہ دار کے منہ کی ہوا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زارہ خوشبودار ہے اور روزہ دار کو دنیا اور دین میں فرحت حاصل ہوتی ہے، دنیا میں جبکہ وہ افطار کرتا ہے اور آخرت میں جبکہ روزہ دار کو ثواب ملے گا درنجات ہو کر اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہو گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری و مسلم میں روایت ہے اور روزہ فرشتوں کے سلسلے روزہ دار کے ذکر کو بلند کرتا ہے اور روزہ دار کے جسم کو بیماریوں سے تندرست رکھتا ہے اور بہت بڑے اجر کا سبب ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور روزہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ ایک خفیہ عبادت ہے جب تک روزہ دار خود اس کا اظہار نہ کرے کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتا بخلاف نماز و حج و قرات قرآن وغیرہ عبادات کے، اور روزہ میں ریاکاری داخل نہیں ہوتی بخلاف دیگر عبادات کے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِئُ بِهٖ لَهٰذَا اس میں غیر کی شرکت کی نفی کر دی گئی ہے اور کسی عبادت کے لئے ایسا نہیں فرمایا۔ روزہ کی اور بھی بہت سی خوبیاں اور فائزے ہیں مزید تفصیل کتب احادیث و فقہ میں ملاحظہ فرمائیں (مؤلف)

## روزے کی اقسام

روزہ کی آٹھ قسمیں ہیں (۱) فرض معین (۲) فرض غیر معین (۳) واجب معین (۴) واجب غیر معین (۵) سنت، (۶) مستحب (نفل) (۷) مکروہ تحریمی (۸) مکروہ تنزیہی۔ ان سب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :-

(۱) فرض معین روزے کے ادا کی روزے ہیں۔ وہ روزے جن کا وقت معین و مخصوص ہے وہ ہر سال میں ایک مہینہ یعنی رمضان المبارک کے ادا کی روزے ہیں۔

(۲) فرض غیر معین روزے یعنی جن فرض روزوں کا کسی خاص وقت میں رکھنا متعین نہ ہو اور وہ رمضان المبارک کے قضا روزے ہیں خواہ وہ کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ گئے ہوں یا بلا عذر۔ بعض فقہائے کفارات کے روزوں کو فرض روزوں میں شمار کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ واجب ہیں اور فرض سے ان کی مراد فرض عملی ہے اعتقادی نہیں اس لئے ہم نے ان کو واجبات غیر معین میں درج کیا ہے۔ (مؤلف)

لے نفع و مصلحت لے عاصیۃ الناس لے حیات لے ش و مجرد و غیرا ش و دم ش و غیرہ











(۲) عاشوراء مہرم یعنی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ اور اس کے ساتھ ایک دن پہلے یعنی نویں تاریخ یا ایک دن بعد یعنی گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے تاکہ اہل کتاب کی مخالفت ہو جائے اور ان کے ساتھ مشابہت نہ رہے۔ اور بعض علماء نویں، دسویں اور گیارہویں تاریخ کا یعنی تین دن روزہ رکھتے ہیں اور یہی احوط و افضل ہے۔ عاشوراء کے روزہ سے ایک سال گذشتہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عاشوراء کے روزے کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف فرمادیا۔ رواہ الترمذی، البخاری، اور اس سے مراد گناہ صغیرہ ہیں جیسا کہ صوم عرفہ میں بیان ہوا (مؤلف) اور صرف عاشوراء کا ایک روزہ بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے اس لئے کہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔ سلف صالحین عاشوراء کے روزے اپنے بچوں کو کچھ نہیں کھلاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کے دن بچوں کے حلق میں اپنا لعاب مبارک مل دیتے تھے پس وہ بچے اس روز آخر دن تک کچھ نہیں کھاتے تھے اور کہا گیا ہے کہ عاشوراء کے روزہ حشی جانور بھی نہیں چرتے اور کنز العباد میں کفایہ شعبی سے مذکور ہے کہ ماں باپ کو چاہئے عاشوراء کے روزے اپنے بچوں کو روزہ کا امر کریں جبکہ روزہ ان کو ضرر نہ کرتا ہو، کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو سحری کے وقت بٹاتے اور ان کے دہن مبارک میں اپنا لعاب مبارک داخل فرمادیتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمادیتے کہ اپنے ان دونوں صاحبزادوں کو اس روز کچھ نہ کھلانا کیونکہ وہ دن ہے کہ وحشی جانور بھی اس میں روزہ دار ہوتے ہیں اور کچھ نہیں چرتے۔

(۳) ایام بیض کے روزے، اور وہ ہر چاند کے بیسنے کے تین دن یعنی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کے روزے ہیں ان تاریخوں کی راتوں میں چاند کے کامل ہونے اور بہت روشن ہونے کی وجہ سے ان دنوں کو ایام بیض یعنی ایام لیلیٰ بیض کہتے ہیں اس لئے کہ ان راتوں میں چاندنی اول سے آخر تک رہتی ہے۔ اس کی اور بھی وجوہات کتب شروح حدیث میں درج ہیں (مؤلف) بعض فقہانہ کہا ہے کہ ہر قمری بیسنے کے کوئی سے تین دن روزے رکھنا ایک الگ مستحب سنت ہے اور ان کا ایام بیض میں ہونا ایک الگ مستحب سنت ہے۔ پس اگر بیسنے کے کوئی سے تین دن میں تین روزے رکھے تو ایک سنت ادا ہوئی اور اگر خاص انہی تین دنوں یعنی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے رکھے تو دونوں سنتیں ادا ہو گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صیام اللہ ہر کی مانند ہے۔ جتنا چاہئے کہ ہر بیسنے میں جو تین روزے منوں ہیں بارہ طرح پر لے ہیں (پس جس طرح چاہے رکھے لیکن ایام بیض میں رکھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، مؤلف)۔ غیر معین یعنی سارے بیسنے میں جب چاہے رکھ لے۔ تین روزے بیسنے کے شروع میں یعنی پہلی دوسری اور تیسری تاریخ کے۔ ہفتہ اتوار اور پیر کا روزہ کسی بار پہلے بیسنے میں۔ منگل، جمعہ اور جمعرات کا روزہ کسی بار دوسرے بیسنے میں۔ وسطاہ میں یعنی تیرہویں چودہویں اور پندرہویں تاریخ میں (جن کو ایام بیض کہتے ہیں)۔ ان کی ابتدا دوشنبہ (پیر) سے ہو یعنی دوشنبہ (پیر) سے شنبہ (منگل) چار شنبہ (جمعہ) کا روزہ کیونکہ پیر سے ابتدا منکر ہے۔

شہ شہ ما شہ انتاح شہ شہ و غیر ہا شہ القلح شہ شہ یات شہ شہ مظاہر حق و حیات شہ شہ و بحر شہ طالعہ م۔



آن کی ابتداء پنجشنبہ سے ہو یعنی پنجشنبہ (جمعرات) جمعہ اور شنبہ (دبار) کا روزہ، کیونکہ جمعرات کا دن متبرک ہے۔ نوچندی پر اور دو جمعراتیں۔ نوچندی جمعرات اور دوسرے دن، پیر جمعرات اور پھر دوسرے ہفتہ کی پیر ہر عشرہ میں ایک روزہ۔ تین روزے اخیر مہینے میں۔

دفاعی (۱) اور سال بھر میں کل سنون روزے کیا دن ہیں تینتیس تو یہی ہیں جو ہر مہینے میں تین روزے کے حساب سے گیارہ مہینے کے ہوئے اور نو روزے ذی الحجہ میں یعنی پہلی تاریخ سے نویں تک اور ایک روزہ عاشوراء کا اور ایک عاشوراء سے ایک دن قبل یا ایک دن بعد کا روزہ، اور ایک روزہ پندرہویں شعبان میں اور چھ روزے شوال کے جن کو شش عید کے روزے کہتے ہیں۔ (فائدہ) جاننا چاہئے کہ مہینے کی تمام راتوں کے عربی زبان میں دس نام ہیں ان میں سے ستر تین راتوں کا ایک الگ نام ہے پہلی تین راتوں کو غرر کہتے ہیں کیونکہ غرہ ہر چیز کے اول کو کہتے ہیں ان کے بعد کی تین راتوں کو نفل کہتے ہیں کیونکہ نفل زائد کو کہتے ہیں اور غیر زائد میں ان کے بعد کی تین راتوں کو تسع کہتے ہیں کیونکہ ان کی آخری رات تسع یعنی نویں رات ہوتی ہے امان سے اگلی تین راتوں کو عشر کہتے ہیں کیونکہ ان کی پہلی رات عاشوراء یعنی دسویں رات ہے ان کے بعد کی تین راتوں کو میض کہتے ہیں ان کی وجہ تسمیہ پہلے بیان ہو چکی ہے، ان کے بعد کی تین راتوں کو ذریع کہتے ہیں کیونکہ ان راتوں کا اول حصہ سیاہ ہوتا ہے اور باقی حصہ سفید (چاندنی والا) ہوتا ہے ان کے بعد کی تین راتوں کو ظلم کہتے ہیں اور ان کے بعد کی تین راتوں کو ان کی تاریکی کی وجہ سے خادس کہتے ہیں جنہیں اس کا واحد ہے جس کے معنی شب تاریک کے ہیں، اور اس کے بعد کی تین راتوں کو دوا دی کہتے ہیں کیونکہ یہ مہینے کا بقایا ہے اور آخری تین راتوں کو محاق کہتے ہیں کیونکہ ان راتوں میں چاند نظر نہیں آتا۔

(۶) مستحب روزے | فرض، واجب اور سنت روزوں کے بعد تمام روزے مستحب ہیں اور سب نفل روزے جبکہ ان کے لئے کوئی کراہت ثابت نہ ہو مستحب میں داخل ہیں کما مر بیان (مؤلف) اور جاننا چاہئے کہ

مستحب روزوں کی فضیلت والے دنوں میں زیادہ تاکید ہے اور فضیلت والے دن بعض ہر سال میں پائے جاتے ہیں اور بعض ہر مہینے میں اور بعض ہر ہفتے میں پائے جاتے ہیں، اور وہ مستحب روزے یہ ہیں:

(۱) ہر ہفتے میں دو شنبہ (پیر) اور پنجشنبہ (جمعرات) کا روزہ، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور یہ روزے اس حاجی کیلئے بھی مستحب ہیں جس کو روزہ رکھنے سے صنف نہ ہو جائے۔ اگر ان دو دن کا روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو ہر ہفتے میں ایک روزہ رکھ لیا کرے تاکہ کوئی ہفتہ روزہ سے خالی نہ رہے۔

(۲) جمعہ کے دن کا روزہ، اکیلا جمعہ کا روزہ عامہ مشائخ کے نزدیک مستحب ہے جیسا کہ اکیلا پیر اور اکیلا جمعرات کا روزہ مستحب ہے اور بعض نے ان سب کو مکروہ کہا ہے اور محیط میں بھی اسی طرح ہے اور اس کی تعلیل یہ بیان کی ہے کہ یہ تینوں دن فضیلت والے

سے مظاہر حق بصر العبادۃ سے جاتے ہیں اور مکروہ وغیرہ سے طاعت حیات۔







رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں اکثر روزے رکھتے تھے (مؤلف) جیسا کہ ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی اور مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا (یعنی سوائے رمضان کے) اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام شعبان میں روزے رکھتے تھے (اور یہ کہ) سوائے چند دن کے تمام شعبان میں (یعنی شعبان کے اکثر دنوں میں) روزے رکھتے تھے اور یہ جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان کا آدھا مہینہ گزرجائے تو روزے نہ رکھو اس حدیث کو ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی تفسیر ہے جو امت کے لئے شفقت و ارشاد کے طور پر ہے تاکہ ضعف لاحق ہو کر رمضان کے روزے دشوار نہ ہو جائیں ثم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ماہ شعبان کا نصف ہو تو اس کی رات کو قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو اور اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تین روزے شروع شعبان کے اور تین روزے وسط شعبان کے اور تین روزے آخر شعبان کے رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر پیغمبروں کا اجر عطا فرمائے گا اور وہ ایسا ہے گویا کہ اس نے تمام سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے اور اگر وہ مرجائے گا تو شہادت کا درجہ پائے گا انتہی عبارة کنز العباد۔

(۹) صوم داؤد علی نبینا وعلی الصلوٰۃ والسلام، اور وہ یہ ہے کہ (سوائے پانچ ممنوعہ دنوں کے) ہمیشہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھے یعنی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا اور یہ روزہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت افضل و پسندیدہ روزہ ہے یعنی بہت ثواب والا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، داؤد علیہ السلام ہمیشہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار فرماتے تھے یعنی روزہ نہ رکھتے تھے رواہ النسخہ۔ اور یہ اس لئے ہے کہ نفس روزے کا عادی نہ بن جائے اور روزہ اس کی طبیعت ثانیہ نہ بن جائے۔

(۱۰) خواص کے لئے یوم شک کا روزہ (اس کی تفصیل نیت کے بیان میں درج ہے، مؤلف)

(۱۱) گرمی کے دنوں کا روزہ اس کے طول (بڑا دن ہونے) اور گرمی کی وجہ سے افضل ہے لیکن اگر اس کو تمام عبادات کے ادا کرنے سے کمزور کر دے تو مکروہ ہے جیسا کہ حاجی کے لئے یوم عرفہ و یوم ترویہ کا حکم ہے۔

(۱) عید الفطر کے دن کا روزہ — (۲) عید الاضحیٰ کے دن کا روزہ۔

(۷) مکروہ تحریمی روزے

(۳) عید الاضحیٰ کے بعد کے تین دن یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ کے روزے جو ایام تشریق

کہلاتے ہیں، یہ کل پانچ دن ہوئے۔ ان پانچ دن کے روزے ہمارے نزدیک مکروہ تحریمی ہیں اور مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہوتا ہے یا حرام ہیں جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے اور حجازیوں نے کہا ہے کہ ان پانچ دن کا روزہ حرام ہے۔ اور اگر

سے مشکوٰۃ و جمع الفوائد و مظاہر حق و عرفۃ التاج و حیات و طہ و شفاء و غیر ما ملہ و دجیات۔



کسی نے ان پانچ دن میں سے کسی دن کا روزہ شروع کیا پھر اس کو فاسد کر دیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول میں اس پر اس کی قضا واجب نہیں ہے اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر اس کی قضا واجب ہوگی، کیونکہ ان دونوں کے نزدیک اس دن کے روزہ کو شروع کرنا اس کو اپنے اوپر لازم کر لینا ہے جیسا کہ نذر کے روزے میں حکم ہے اور جیسا کہ اوقات مکروہ میں نفل نماز شروع کرنے کا حکم ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو کہ ظاہر الروایت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کے شروع کرتے ہی وہ روزہ دار ہو جاتا ہے لہذا وہ نہی (امر ممنوعہ) کا مرتکب ہوا پس اس کو روزہ کا فاسد کر دینا واجب ہوا اور اس کی حفاظت واجب نہ ہوئی اور قضا کا واجب ہونا اس کی حفاظت کے واجب ہونے پر مبنی ہے لہذا جب اس کا اذان پورا کرنا واجب نہ ہوا تو اس کی قضا بھی واجب نہ ہوئی بخلاف اس کے کہ اگر ان ایام منہیہ کے روزوں کی نذر کرے تو وہ نذر اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ اور اس پر واجب ہے کہ وہ ان روزوں کو ان دنوں میں نہ رکھے بلکہ ایام غیر منہیہ میں ان کی قضا کرے کیونکہ نفس نذری میں معصیت کا ارتکاب نہیں ہے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے بلکہ ان دنوں میں شروع کرنے میں معصیت ہے پس نذر منعقد ہو جائے گی اور ان دنوں کی بجائے دوسرے دنوں میں ان کی قضا واجب ہوگی۔ (یہ مسئلہ غلی روزہ کے بیان میں بھی مذکور ہے۔ مؤلف)

(۴) اکیلا منفستہ (شیخ) کا روزہ یہود کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اور اکیلا اتوار کا روزہ نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اور نوروز یا ہرگان کا روزہ مجوس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے (یہ دونوں دن فارس والوں کی عید کے دن ہیں، نوروز یا فروردین کا پہلا دن ہے اور قریب بایس مارچ کے ہوتا ہے اس روز آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا ہے اور ہرگان ہرمہاہ کا سولہواں دن ہے اور یہ شمسی سال کا پہلا دن ہے اور اس دن آفتاب برج میزان میں داخل ہوتا ہے اور ہر اس دن کا روزہ جو کسی غیر مسلم کے نزدیک عظیم ہو کر وہ ہے، پس اگر ان دنوں میں ان کی تعظیم اور تخصیص اور غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت کے ارادے سے روزہ رکھے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہے اور یہ کراہت اس وقت ہے جبکہ اس کی عادت کے روزہ کا دن اس کے موافق نہ واقع ہو یا اس دن کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد میں بلا کرد روزے نہ رکھے لیکن اگر منفستہ یا اتوار یا نوروز یا ہرگان وغیرہ کا دن کسی کی عادت والے دن آجائے تو پھر کسی قسم کی کراہت نہیں بلکہ اس دن روزہ رکھنا اس کے لئے افضل ہے مثلاً کوئی شخص ہمیشہ ایک دن روزہ رکھتا ہے اور ایک دن ناغہ کرتا ہے یا مثلاً کوئی شخص ہمیشہ پینے کے شروع دن کا روزہ رکھتا ہے پس وہ دن ان میں سے کسی دن میں واقع ہوا یا مثلاً کوئی شخص ہمیشہ جمعرات کا روزہ رکھتا ہے اتفاقاً جمعرات کو مثلاً نوروز ہو گیا تو اس کے لئے اس دن کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ حسب عادت روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور اگر وہ عادت والا دن تو نہیں ہے لیکن اس دن کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ رکھتا تب بھی کراہت جاتی رہی۔

۴ اور ان دنوں میں مجوس کا جشن ہوتا ہے (کہ)

۱۔ بایں وغیرہ ۲۔ دگر ۳۔ ش ۴۔ ش ۵۔ ش ۶۔ ش ۷۔ ش ۸۔ ش ۹۔ ش ۱۰۔ ش ۱۱۔ ش ۱۲۔ ش ۱۳۔ ش ۱۴۔ ش ۱۵۔ ش ۱۶۔ ش ۱۷۔ ش ۱۸۔ ش ۱۹۔ ش ۲۰۔ ش ۲۱۔ ش ۲۲۔ ش ۲۳۔ ش ۲۴۔ ش ۲۵۔ ش ۲۶۔ ش ۲۷۔ ش ۲۸۔ ش ۲۹۔ ش ۳۰۔ ش ۳۱۔ ش ۳۲۔ ش ۳۳۔ ش ۳۴۔ ش ۳۵۔ ش ۳۶۔ ش ۳۷۔ ش ۳۸۔ ش ۳۹۔ ش ۴۰۔ ش ۴۱۔ ش ۴۲۔ ش ۴۳۔ ش ۴۴۔ ش ۴۵۔ ش ۴۶۔ ش ۴۷۔ ش ۴۸۔ ش ۴۹۔ ش ۵۰۔ ش ۵۱۔ ش ۵۲۔ ش ۵۳۔ ش ۵۴۔ ش ۵۵۔ ش ۵۶۔ ش ۵۷۔ ش ۵۸۔ ش ۵۹۔ ش ۶۰۔ ش ۶۱۔ ش ۶۲۔ ش ۶۳۔ ش ۶۴۔ ش ۶۵۔ ش ۶۶۔ ش ۶۷۔ ش ۶۸۔ ش ۶۹۔ ش ۷۰۔ ش ۷۱۔ ش ۷۲۔ ش ۷۳۔ ش ۷۴۔ ش ۷۵۔ ش ۷۶۔ ش ۷۷۔ ش ۷۸۔ ش ۷۹۔ ش ۸۰۔ ش ۸۱۔ ش ۸۲۔ ش ۸۳۔ ش ۸۴۔ ش ۸۵۔ ش ۸۶۔ ش ۸۷۔ ش ۸۸۔ ش ۸۹۔ ش ۹۰۔ ش ۹۱۔ ش ۹۲۔ ش ۹۳۔ ش ۹۴۔ ش ۹۵۔ ش ۹۶۔ ش ۹۷۔ ش ۹۸۔ ش ۹۹۔ ش ۱۰۰۔ ش ۱۰۱۔ ش ۱۰۲۔ ش ۱۰۳۔ ش ۱۰۴۔ ش ۱۰۵۔ ش ۱۰۶۔ ش ۱۰۷۔ ش ۱۰۸۔ ش ۱۰۹۔ ش ۱۱۰۔ ش ۱۱۱۔ ش ۱۱۲۔ ش ۱۱۳۔ ش ۱۱۴۔ ش ۱۱۵۔ ش ۱۱۶۔ ش ۱۱۷۔ ش ۱۱۸۔ ش ۱۱۹۔ ش ۱۲۰۔ ش ۱۲۱۔ ش ۱۲۲۔ ش ۱۲۳۔ ش ۱۲۴۔ ش ۱۲۵۔ ش ۱۲۶۔ ش ۱۲۷۔ ش ۱۲۸۔ ش ۱۲۹۔ ش ۱۳۰۔ ش ۱۳۱۔ ش ۱۳۲۔ ش ۱۳۳۔ ش ۱۳۴۔ ش ۱۳۵۔ ش ۱۳۶۔ ش ۱۳۷۔ ش ۱۳۸۔ ش ۱۳۹۔ ش ۱۴۰۔ ش ۱۴۱۔ ش ۱۴۲۔ ش ۱۴۳۔ ش ۱۴۴۔ ش ۱۴۵۔ ش ۱۴۶۔ ش ۱۴۷۔ ش ۱۴۸۔ ش ۱۴۹۔ ش ۱۵۰۔ ش ۱۵۱۔ ش ۱۵۲۔ ش ۱۵۳۔ ش ۱۵۴۔ ش ۱۵۵۔ ش ۱۵۶۔ ش ۱۵۷۔ ش ۱۵۸۔ ش ۱۵۹۔ ش ۱۶۰۔ ش ۱۶۱۔ ش ۱۶۲۔ ش ۱۶۳۔ ش ۱۶۴۔ ش ۱۶۵۔ ش ۱۶۶۔ ش ۱۶۷۔ ش ۱۶۸۔ ش ۱۶۹۔ ش ۱۷۰۔ ش ۱۷۱۔ ش ۱۷۲۔ ش ۱۷۳۔ ش ۱۷۴۔ ش ۱۷۵۔ ش ۱۷۶۔ ش ۱۷۷۔ ش ۱۷۸۔ ش ۱۷۹۔ ش ۱۸۰۔ ش ۱۸۱۔ ش ۱۸۲۔ ش ۱۸۳۔ ش ۱۸۴۔ ش ۱۸۵۔ ش ۱۸۶۔ ش ۱۸۷۔ ش ۱۸۸۔ ش ۱۸۹۔ ش ۱۹۰۔ ش ۱۹۱۔ ش ۱۹۲۔ ش ۱۹۳۔ ش ۱۹۴۔ ش ۱۹۵۔ ش ۱۹۶۔ ش ۱۹۷۔ ش ۱۹۸۔ ش ۱۹۹۔ ش ۲۰۰۔ ش ۲۰۱۔ ش ۲۰۲۔ ش ۲۰۳۔ ش ۲۰۴۔ ش ۲۰۵۔ ش ۲۰۶۔ ش ۲۰۷۔ ش ۲۰۸۔ ش ۲۰۹۔ ش ۲۱۰۔ ش ۲۱۱۔ ش ۲۱۲۔ ش ۲۱۳۔ ش ۲۱۴۔ ش ۲۱۵۔ ش ۲۱۶۔ ش ۲۱۷۔ ش ۲۱۸۔ ش ۲۱۹۔ ش ۲۲۰۔ ش ۲۲۱۔ ش ۲۲۲۔ ش ۲۲۳۔ ش ۲۲۴۔ ش ۲۲۵۔ ش ۲۲۶۔ ش ۲۲۷۔ ش ۲۲۸۔ ش ۲۲۹۔ ش ۲۳۰۔ ش ۲۳۱۔ ش ۲۳۲۔ ش ۲۳۳۔ ش ۲۳۴۔ ش ۲۳۵۔ ش ۲۳۶۔ ش ۲۳۷۔ ش ۲۳۸۔ ش ۲۳۹۔ ش ۲۴۰۔ ش ۲۴۱۔ ش ۲۴۲۔ ش ۲۴۳۔ ش ۲۴۴۔ ش ۲۴۵۔ ش ۲۴۶۔ ش ۲۴۷۔ ش ۲۴۸۔ ش ۲۴۹۔ ش ۲۵۰۔ ش ۲۵۱۔ ش ۲۵۲۔ ش ۲۵۳۔ ش ۲۵۴۔ ش ۲۵۵۔ ش ۲۵۶۔ ش ۲۵۷۔ ش ۲۵۸۔ ش ۲۵۹۔ ش ۲۶۰۔ ش ۲۶۱۔ ش ۲۶۲۔ ش ۲۶۳۔ ش ۲۶۴۔ ش ۲۶۵۔ ش ۲۶۶۔ ش ۲۶۷۔ ش ۲۶۸۔ ش ۲۶۹۔ ش ۲۷۰۔ ش ۲۷۱۔ ش ۲۷۲۔ ش ۲۷۳۔ ش ۲۷۴۔ ش ۲۷۵۔ ش ۲۷۶۔ ش ۲۷۷۔ ش ۲۷۸۔ ش ۲۷۹۔ ش ۲۸۰۔ ش ۲۸۱۔ ش ۲۸۲۔ ش ۲۸۳۔ ش ۲۸۴۔ ش ۲۸۵۔ ش ۲۸۶۔ ش ۲۸۷۔ ش ۲۸۸۔ ش ۲۸۹۔ ش ۲۹۰۔ ش ۲۹۱۔ ش ۲۹۲۔ ش ۲۹۳۔ ش ۲۹۴۔ ش ۲۹۵۔ ش ۲۹۶۔ ش ۲۹۷۔ ش ۲۹۸۔ ش ۲۹۹۔ ش ۳۰۰۔ ش ۳۰۱۔ ش ۳۰۲۔ ش ۳۰۳۔ ش ۳۰۴۔ ش ۳۰۵۔ ش ۳۰۶۔ ش ۳۰۷۔ ش ۳۰۸۔ ش ۳۰۹۔ ش ۳۱۰۔ ش ۳۱۱۔ ش ۳۱۲۔ ش ۳۱۳۔ ش ۳۱۴۔ ش ۳۱۵۔ ش ۳۱۶۔ ش ۳۱۷۔ ش ۳۱۸۔ ش ۳۱۹۔ ش ۳۲۰۔ ش ۳۲۱۔ ش ۳۲۲۔ ش ۳۲۳۔ ش ۳۲۴۔ ش ۳۲۵۔ ش ۳۲۶۔ ش ۳۲۷۔ ش ۳۲۸۔ ش ۳۲۹۔ ش ۳۳۰۔ ش ۳۳۱۔ ش ۳۳۲۔ ش ۳۳۳۔ ش ۳۳۴۔ ش ۳۳۵۔ ش ۳۳۶۔ ش ۳۳۷۔ ش ۳۳۸۔ ش ۳۳۹۔ ش ۳۴۰۔ ش ۳۴۱۔ ش ۳۴۲۔ ش ۳۴۳۔ ش ۳۴۴۔ ش ۳۴۵۔ ش ۳۴۶۔ ش ۳۴۷۔ ش ۳۴۸۔ ش ۳۴۹۔ ش ۳۵۰۔ ش ۳۵۱۔ ش ۳۵۲۔ ش ۳۵۳۔ ش ۳۵۴۔ ش ۳۵۵۔ ش ۳۵۶۔ ش ۳۵۷۔ ش ۳۵۸۔ ش ۳۵۹۔ ش ۳۶۰۔ ش ۳۶۱۔ ش ۳۶۲۔ ش ۳۶۳۔ ش ۳۶۴۔ ش ۳۶۵۔ ش ۳۶۶۔ ش ۳۶۷۔ ش ۳۶۸۔ ش ۳۶۹۔ ش ۳۷۰۔ ش ۳۷۱۔ ش ۳۷۲۔ ش ۳۷۳۔ ش ۳۷۴۔ ش ۳۷۵۔ ش ۳۷۶۔ ش ۳۷۷۔ ش ۳۷۸۔ ش ۳۷۹۔ ش ۳۸۰۔ ش ۳۸۱۔ ش ۳۸۲۔ ش ۳۸۳۔ ش ۳۸۴۔ ش ۳۸۵۔ ش ۳۸۶۔ ش ۳۸۷۔ ش ۳۸۸۔ ش ۳۸۹۔ ش ۳۹۰۔ ش ۳۹۱۔ ش ۳۹۲۔ ش ۳۹۳۔ ش ۳۹۴۔ ش ۳۹۵۔ ش ۳۹۶۔ ش ۳۹۷۔ ش ۳۹۸۔ ش ۳۹۹۔ ش ۴۰۰۔ ش ۴۰۱۔ ش ۴۰۲۔ ش ۴۰۳۔ ش ۴۰۴۔ ش ۴۰۵۔ ش ۴۰۶۔ ش ۴۰۷۔ ش ۴۰۸۔ ش ۴۰۹۔ ش ۴۱۰۔ ش ۴۱۱۔ ش ۴۱۲۔ ش ۴۱۳۔ ش ۴۱۴۔ ش ۴۱۵۔ ش ۴۱۶۔ ش ۴۱۷۔ ش ۴۱۸۔ ش ۴۱۹۔ ش ۴۲۰۔ ش ۴۲۱۔ ش ۴۲۲۔ ش ۴۲۳۔ ش ۴۲۴۔ ش ۴۲۵۔ ش ۴۲۶۔ ش ۴۲۷۔ ش ۴۲۸۔ ش ۴۲۹۔ ش ۴۳۰۔ ش ۴۳۱۔ ش ۴۳۲۔ ش ۴۳۳۔ ش ۴۳۴۔ ش ۴۳۵۔ ش ۴۳۶۔ ش ۴۳۷۔ ش ۴۳۸۔ ش ۴۳۹۔ ش ۴۴۰۔ ش ۴۴۱۔ ش ۴۴۲۔ ش ۴۴۳۔ ش ۴۴۴۔ ش ۴۴۵۔ ش ۴۴۶۔ ش ۴۴۷۔ ش ۴۴۸۔ ش ۴۴۹۔ ش ۴۵۰۔ ش ۴۵۱۔ ش ۴۵۲۔ ش ۴۵۳۔ ش ۴۵۴۔ ش ۴۵۵۔ ش ۴۵۶۔ ش ۴۵۷۔ ش ۴۵۸۔ ش ۴۵۹۔ ش ۴۶۰۔ ش ۴۶۱۔ ش ۴۶۲۔ ش ۴۶۳۔ ش ۴۶۴۔ ش ۴۶۵۔ ش ۴۶۶۔ ش ۴۶۷۔ ش ۴۶۸۔ ش ۴۶۹۔ ش ۴۷۰۔ ش ۴۷۱۔ ش ۴۷۲۔ ش ۴۷۳۔ ش ۴۷۴۔ ش ۴۷۵۔ ش ۴۷۶۔ ش ۴۷۷۔ ش ۴۷۸۔ ش ۴۷۹۔ ش ۴۸۰۔ ش ۴۸۱۔ ش ۴۸۲۔ ش ۴۸۳۔ ش ۴۸۴۔ ش ۴۸۵۔ ش ۴۸۶۔ ش ۴۸۷۔ ش ۴۸۸۔ ش ۴۸۹۔ ش ۴۹۰۔ ش ۴۹۱۔ ش ۴۹۲۔ ش ۴۹۳۔ ش ۴۹۴۔ ش ۴۹۵۔ ش ۴۹۶۔ ش ۴۹۷۔ ش ۴۹۸۔ ش ۴۹۹۔ ش ۵۰۰۔ ش ۵۰۱۔ ش ۵۰۲۔ ش ۵۰۳۔ ش ۵۰۴۔ ش ۵۰۵۔ ش ۵۰۶۔ ش ۵۰۷۔ ش ۵۰۸۔ ش ۵۰۹۔ ش ۵۱۰۔ ش ۵۱۱۔ ش ۵۱۲۔ ش ۵۱۳۔ ش ۵۱۴۔ ش ۵۱۵۔ ش ۵۱۶۔ ش ۵۱۷۔ ش ۵۱۸۔ ش ۵۱۹۔ ش ۵۲۰۔ ش ۵۲۱۔ ش ۵۲۲۔ ش ۵۲۳۔ ش ۵۲۴۔ ش ۵۲۵۔ ش ۵۲۶۔ ش ۵۲۷۔ ش ۵۲۸۔ ش ۵۲۹۔ ش ۵۳۰۔ ش ۵۳۱۔ ش ۵۳۲۔ ش ۵۳۳۔ ش ۵۳۴۔ ش ۵۳۵۔ ش ۵۳۶۔ ش ۵۳۷۔ ش ۵۳۸۔ ش ۵۳۹۔ ش ۵۴۰۔ ش ۵۴۱۔ ش ۵۴۲۔ ش ۵۴۳۔ ش ۵۴۴۔ ش ۵۴۵۔ ش ۵۴۶۔ ش ۵۴۷۔ ش ۵۴۸۔ ش ۵۴۹۔ ش ۵۵۰۔ ش ۵۵۱۔ ش ۵۵۲۔ ش ۵۵۳۔ ش ۵۵۴۔ ش ۵۵۵۔ ش ۵۵۶۔ ش ۵۵۷۔ ش ۵۵۸۔ ش ۵۵۹۔ ش ۵۶۰۔ ش ۵۶۱۔ ش ۵۶۲۔ ش ۵۶۳۔ ش ۵۶۴۔ ش ۵۶۵۔ ش ۵۶۶۔ ش ۵۶۷۔ ش ۵۶۸۔ ش ۵۶۹۔ ش ۵۷۰۔ ش ۵۷۱۔ ش ۵۷۲۔ ش ۵۷۳۔ ش ۵۷۴۔ ش ۵۷۵۔ ش ۵۷۶۔ ش ۵۷۷۔ ش ۵۷۸۔ ش ۵۷۹۔ ش ۵۸۰۔ ش ۵۸۱۔ ش ۵۸۲۔ ش ۵۸۳۔ ش ۵۸۴۔ ش ۵۸۵۔ ش ۵۸۶۔ ش ۵۸۷۔ ش ۵۸۸۔ ش ۵۸۹۔ ش ۵۹۰۔ ش ۵۹۱۔ ش ۵۹۲۔ ش ۵۹۳۔ ش ۵۹۴۔ ش ۵۹۵۔ ش ۵۹۶۔ ش ۵۹۷۔ ش ۵۹۸۔ ش ۵۹۹۔ ش ۶۰۰۔ ش ۶۰۱۔ ش ۶۰۲۔ ش ۶۰۳۔ ش ۶۰۴۔ ش ۶۰۵۔ ش ۶۰۶۔ ش ۶۰۷۔ ش ۶۰۸۔ ش ۶۰۹۔ ش ۶۱۰۔ ش ۶۱۱۔ ش ۶۱۲۔ ش ۶۱۳۔ ش ۶۱۴۔ ش ۶۱۵۔ ش ۶۱۶۔ ش ۶۱۷۔ ش ۶۱۸۔ ش ۶۱۹۔ ش ۶۲۰۔ ش ۶۲۱۔ ش ۶۲۲۔ ش ۶۲۳۔ ش ۶۲۴۔ ش ۶۲۵۔ ش ۶۲۶۔ ش ۶۲۷۔ ش ۶۲۸۔ ش ۶۲۹۔ ش ۶۳۰۔ ش ۶۳۱۔ ش ۶۳۲۔ ش ۶۳۳۔ ش ۶۳۴۔ ش ۶۳۵۔ ش ۶۳۶۔ ش ۶۳۷۔ ش ۶۳۸۔ ش ۶۳۹۔ ش ۶۴۰۔ ش ۶۴۱۔ ش ۶۴۲۔ ش ۶۴۳۔ ش ۶۴۴۔ ش ۶۴۵۔ ش ۶۴۶۔ ش ۶۴۷۔ ش ۶۴۸۔ ش ۶۴۹۔ ش ۶۵۰۔ ش ۶۵۱۔ ش ۶۵۲۔ ش ۶۵۳۔ ش ۶۵۴۔ ش ۶۵۵۔ ش ۶۵۶۔ ش ۶۵۷۔ ش ۶۵۸۔ ش ۶۵۹۔ ش ۶۶۰۔ ش ۶۶۱۔ ش ۶۶۲۔ ش ۶۶۳۔ ش ۶۶۴۔ ش ۶۶۵۔ ش ۶۶۶۔ ش ۶۶۷۔ ش ۶۶۸۔ ش ۶۶۹۔ ش ۶۷۰۔ ش ۶۷۱۔ ش ۶۷۲۔ ش ۶۷۳۔ ش ۶۷۴۔ ش ۶۷۵۔ ش ۶۷۶۔ ش ۶۷۷۔ ش ۶۷۸۔ ش ۶۷۹۔ ش ۶۸۰۔ ش ۶۸۱۔ ش ۶۸۲۔ ش ۶۸۳۔ ش ۶۸۴۔ ش ۶۸۵۔ ش ۶۸۶۔ ش ۶۸۷۔ ش ۶۸۸۔ ش ۶۸۹۔ ش ۶۹۰۔ ش ۶۹۱۔ ش ۶۹۲۔ ش ۶۹۳۔ ش ۶۹۴۔ ش ۶۹۵۔ ش ۶۹۶۔ ش ۶۹۷۔ ش ۶۹۸۔ ش ۶۹۹۔ ش ۷۰۰۔ ش ۷۰۱۔ ش ۷۰۲۔ ش ۷۰۳۔ ش ۷۰۴۔ ش ۷۰۵۔ ش ۷۰۶۔ ش ۷۰۷۔ ش ۷۰۸۔ ش ۷۰۹۔ ش ۷۱۰۔ ش ۷۱۱۔ ش ۷۱۲۔ ش ۷۱۳۔ ش ۷۱۴۔ ش ۷۱۵۔ ش ۷۱۶۔ ش ۷۱۷۔ ش ۷۱۸۔ ش ۷۱۹۔ ش ۷۲۰۔ ش ۷۲۱۔ ش ۷۲۲۔ ش ۷۲۳۔ ش ۷۲۴۔ ش ۷۲۵۔ ش ۷۲۶۔ ش ۷۲۷۔ ش ۷۲۸۔ ش ۷۲۹۔ ش ۷۳۰۔ ش ۷۳۱۔ ش ۷۳۲۔ ش ۷۳۳۔ ش ۷۳۴۔ ش ۷۳۵۔ ش ۷۳۶۔ ش ۷۳۷۔ ش ۷۳۸۔ ش ۷۳۹۔ ش ۷۴۰۔ ش ۷۴۱۔ ش ۷۴۲۔ ش ۷۴۳۔ ش ۷۴۴۔ ش ۷۴۵۔ ش ۷۴۶۔ ش ۷۴۷۔ ش ۷۴۸۔ ش ۷۴۹۔ ش ۷۵۰۔ ش ۷۵۱۔ ش ۷۵۲۔ ش ۷۵۳۔ ش ۷۵۴۔ ش ۷۵۵۔ ش ۷۵۶۔ ش ۷۵۷۔ ش ۷۵۸۔ ش ۷۵۹۔ ش ۷۶۰۔ ش ۷۶۱۔ ش ۷۶۲۔ ش ۷۶۳۔ ش ۷۶۴۔ ش ۷۶۵۔ ش ۷۶۶۔ ش ۷۶۷۔ ش ۷۶۸۔ ش ۷۶۹۔ ش ۷۷۰۔ ش ۷۷۱۔ ش ۷۷۲۔ ش ۷۷۳۔ ش ۷۷۴۔ ش ۷۷۵۔ ش ۷۷۶۔ ش ۷۷۷۔ ش ۷۷۸۔ ش ۷۷۹۔ ش ۷۸۰۔ ش ۷۸۱۔ ش ۷۸۲۔ ش ۷۸۳۔ ش ۷۸۴۔ ش ۷۸۵۔ ش ۷۸۶۔ ش ۷۸۷۔ ش ۷۸۸۔ ش ۷۸۹۔ ش ۷۹۰۔ ش ۷۹۱۔ ش ۷۹۲۔ ش ۷۹۳۔ ش ۷۹۴۔ ش ۷۹۵۔ ش ۷۹۶۔ ش ۷۹۷۔ ش ۷۹۸۔ ش ۷۹۹۔ ش ۸۰۰۔ ش ۸۰۱۔ ش ۸۰۲۔ ش ۸۰۳۔ ش ۸۰۴۔ ش ۸۰۵۔ ش ۸۰۶۔ ش ۸۰۷۔ ش ۸۰۸۔ ش ۸۰۹۔ ش ۸۱۰۔ ش ۸۱۱۔ ش ۸۱۲۔ ش ۸۱۳۔ ش ۸۱۴۔ ش ۸۱۵۔ ش ۸۱۶۔ ش ۸۱۷۔ ش ۸۱۸۔ ش ۸۱۹۔ ش ۸۲۰۔ ش ۸۲۱۔ ش ۸۲۲۔ ش ۸۲۳۔ ش ۸۲۴۔ ش ۸۲۵۔ ش ۸۲۶۔ ش ۸۲۷۔ ش ۸۲۸۔ ش ۸۲۹۔ ش ۸۳۰۔ ش ۸۳۱۔ ش ۸۳۲۔ ش ۸۳۳۔ ش ۸۳۴۔ ش ۸۳۵۔ ش ۸۳۶۔ ش ۸۳۷۔ ش ۸۳۸۔ ش ۸۳۹۔ ش ۸۴۰۔ ش ۸۴۱۔ ش ۸۴۲۔ ش ۸۴۳۔ ش ۸۴۴۔ ش ۸۴۵۔ ش ۸۴۶۔ ش ۸۴۷۔ ش ۸۴۸۔ ش ۸۴۹۔ ش ۸۵۰۔ ش ۸۵۱۔ ش ۸۵۲۔ ش ۸۵۳۔ ش ۸۵۴۔ ش ۸۵۵۔ ش ۸۵۶۔ ش ۸۵۷۔ ش ۸۵۸۔ ش ۸۵۹۔ ش ۸۶۰۔ ش ۸۶۱۔ ش ۸۶۲۔ ش ۸۶۳۔ ش ۸۶۴۔ ش ۸۶۵۔ ش ۸۶۶۔ ش ۸۶۷۔ ش ۸۶۸۔ ش ۸۶۹۔ ش ۸۷۰۔ ش ۸۷۱۔ ش ۸۷۲۔ ش ۸۷۳۔ ش ۸۷۴۔ ش ۸۷۵۔ ش ۸۷۶۔ ش ۸۷۷۔ ش ۸۷۸۔ ش ۸۷۹۔ ش ۸۸۰۔ ش ۸۸۱۔ ش ۸۸۲۔ ش ۸۸۳۔ ش ۸۸۴۔ ش ۸۸۵۔ ش ۸۸۶۔ ش ۸۸۷۔ ش ۸۸۸۔ ش ۸۸۹۔ ش ۸۹۰۔ ش ۸۹۱۔ ش ۸۹۲۔ ش ۸۹۳۔ ش ۸۹۴۔ ش ۸۹۵۔ ش ۸۹۶۔ ش ۸۹۷۔ ش ۸۹۸۔ ش ۸۹۹۔ ش ۹۰۰۔ ش ۹۰۱۔ ش ۹۰۲۔ ش ۹۰۳۔ ش ۹۰۴۔ ش ۹۰۵۔ ش ۹۰۶۔ ش ۹۰۷۔ ش ۹۰۸۔ ش ۹۰۹۔ ش ۹۱۰۔ ش ۹۱۱۔ ش ۹۱۲۔ ش ۹۱۳۔ ش ۹۱۴۔ ش ۹۱۵۔ ش ۹۱۶۔ ش ۹۱۷۔ ش ۹۱۸۔ ش ۹۱۹۔ ش ۹۲۰۔ ش ۹۲۱۔ ش ۹۲۲۔ ش ۹۲۳۔ ش ۹۲۴۔ ش ۹۲۵۔ ش ۹۲۶۔ ش ۹۲۷۔ ش ۹۲۸۔ ش ۹۲۹۔ ش ۹۳۰۔ ش ۹۳۱۔ ش ۹۳۲۔ ش ۹۳۳۔ ش ۹۳۴۔ ش ۹۳۵۔ ش ۹۳۶۔ ش ۹۳۷۔ ش ۹۳۸۔ ش ۹۳۹۔ ش ۹۴۰۔ ش ۹۴۱۔ ش ۹۴۲۔ ش ۹۴۳۔ ش ۹۴۴۔ ش ۹۴۵۔ ش ۹۴۶۔ ش ۹۴۷۔ ش ۹۴۸۔ ش ۹۴۹۔ ش ۹۵۰۔ ش ۹۵۱۔ ش ۹۵۲۔ ش ۹۵۳۔ ش ۹۵۴۔ ش ۹۵۵۔ ش ۹۵۶۔ ش ۹۵۷۔ ش ۹۵۸۔ ش ۹۵۹۔ ش ۹۶۰۔ ش ۹۶۱۔ ش ۹۶۲۔ ش ۹۶۳۔ ش ۹۶۴۔ ش ۹۶۵۔ ش ۹۶۶۔ ش ۹۶۷۔ ش ۹۶۸۔ ش ۹۶۹۔ ش ۹۷۰۔ ش ۹۷۱۔ ش ۹۷۲۔ ش ۹۷۳۔ ش ۹۷۴۔ ش ۹۷۵۔ ش ۹۷۶۔ ش ۹۷۷۔ ش ۹۷۸۔ ش ۹۷۹۔ ش ۹۸۰۔ ش ۹۸۱۔ ش ۹۸۲۔ ش ۹۸۳۔ ش ۹۸۴۔ ش ۹۸۵۔ ش ۹۸۶۔ ش ۹۸۷۔ ش ۹۸۸۔ ش ۹۸۹۔ ش ۹۹۰۔ ش ۹۹۱۔ ش ۹۹۲۔ ش ۹۹۳۔ ش ۹۹۴۔ ش ۹۹۵۔ ش ۹۹۶۔ ش ۹۹۷۔ ش ۹۹۸۔ ش ۹۹۹۔ ش ۱۰۰۰۔ ش ۱۰۰۱۔ ش ۱۰۰۲۔ ش ۱۰۰۳۔ ش ۱۰۰۴۔ ش ۱۰۰۵۔ ش ۱۰۰۶۔ ش ۱۰۰۷۔ ش ۱۰۰۸۔ ش ۱۰۰۹۔ ش ۱۰۱۰۔ ش ۱۰۱۱۔ ش ۱۰۱۲۔ ش ۱۰۱۳۔ ش ۱۰۱۴۔ ش ۱۰۱۵۔ ش ۱۰۱۶۔ ش ۱۰۱۷۔ ش ۱۰۱۸۔ ش ۱۰۱۹۔ ش ۱۰۲۰۔ ش ۱۰۲۱۔ ش ۱۰۲۲۔ ش ۱۰۲۳۔ ش ۱۰۲۴۔ ش ۱۰۲۵۔ ش ۱۰۲۶۔ ش ۱۰۲۷۔ ش ۱۰۲۸۔ ش ۱۰۲۹۔ ش ۱۰۳۰۔ ش ۱۰۳۱۔ ش ۱۰۳۲۔ ش ۱۰۳۳۔ ش ۱۰۳۴۔ ش ۱۰۳۵۔ ش ۱۰۳۶۔ ش ۱۰۳۷۔ ش ۱۰۳۸۔ ش ۱۰۳۹۔ ش ۱۰۴۰۔ ش ۱۰۴۱۔ ش ۱۰۴۲۔ ش ۱۰۴۳۔ ش ۱۰۴۴۔ ش ۱۰۴۵۔ ش ۱۰۴۶۔ ش ۱۰۴۷۔ ش ۱۰۴۸۔ ش ۱۰۴۹۔ ش ۱۰۵۰۔ ش ۱۰۵۱۔ ش ۱۰۵۲۔ ش ۱۰۵۳۔ ش ۱۰۵۴۔ ش ۱۰۵۵۔ ش ۱۰۵۶۔ ش ۱۰۵۷۔ ش ۱۰۵۸۔ ش ۱۰۵۹۔ ش ۱۰۶۰۔ ش ۱۰۶۱۔ ش ۱۰۶۲۔ ش ۱۰۶۳۔ ش ۱۰۶۴۔ ش ۱۰۶۵۔ ش ۱۰۶۶۔ ش ۱۰۶۷۔ ش ۱۰۶۸۔ ش ۱۰۶۹۔ ش ۱۰۷۰۔ ش ۱۰۷۱۔ ش ۱۰۷۲۔ ش ۱۰۷۳۔ ش ۱۰۷۴۔ ش ۱۰۷۵۔ ش ۱۰۷۶۔ ش ۱۰۷۷۔ ش ۱۰۷۸۔ ش ۱۰۷۹۔ ش ۱۰۸۰۔ ش ۱۰۸۱۔ ش ۱۰۸۲۔ ش ۱۰۸۳۔ ش ۱۰۸۴۔ ش ۱۰۸۵۔ ش ۱۰۸۶۔ ش ۱۰۸۷۔ ش ۱۰۸۸۔ ش ۱۰۸۹۔ ش ۱۰۹۰۔ ش ۱۰۹۱۔ ش ۱۰۹۲۔ ش ۱۰۹۳۔ ش ۱۰۹۴۔ ش ۱۰۹۵۔ ش ۱۰۹۶۔ ش ۱۰۹۷۔ ش ۱۰۹۸۔ ش ۱۰۹۹۔ ش ۱۱۰۰۔ ش ۱۱۰۱۔ ش ۱۱۰۲۔ ش ۱۱۰۳۔ ش ۱۱۰۴۔ ش ۱۱۰۵۔ ش ۱۱۰۶۔ ش ۱۱۰۷۔ ش ۱۱۰۸۔ ش ۱۱۰۹۔ ش ۱۱۱۰۔ ش ۱۱۱۱۔ ش ۱۱۱۲۔ ش ۱۱۱۳۔ ش ۱۱۱۴۔ ش ۱۱۱۵۔ ش ۱۱۱۶۔ ش ۱۱۱۷۔ ش ۱۱۱۸۔ ش ۱۱۱۹۔ ش ۱۱۲۰۔ ش ۱۱۲۱۔ ش ۱۱۲۲۔ ش ۱۱۲۳۔ ش ۱۱۲۴۔ ش ۱۱۲۵۔ ش ۱۱۲۶۔ ش ۱۱۲۷۔ ش ۱۱۲۸۔ ش ۱۱۲۹۔ ش ۱۱۳۰۔ ش ۱۱۳۱۔ ش ۱۱۳۲۔ ش ۱۱۳۳۔ ش ۱۱۳۴۔ ش ۱۱۳۵۔ ش ۱۱۳۶۔ ش ۱۱۳۷۔ ش ۱۱۳۸۔ ش ۱۱۳۹۔ ش ۱۱۴۰۔ ش ۱۱۴۱۔ ش ۱۱۴۲۔ ش ۱۱۴۳۔ ش ۱۱۴۴۔ ش ۱۱۴۵۔ ش ۱۱۴۶۔ ش ۱۱۴۷۔ ش ۱۱۴۸۔ ش ۱۱۴۹۔ ش ۱۱۵۰۔ ش ۱۱۵۱۔ ش ۱۱۵۲۔ ش ۱۱۵۳۔ ش ۱۱۵۴۔ ش ۱۱۵۵۔ ش ۱۱۵۶۔ ش ۱۱۵۷۔ ش ۱۱۵۸۔ ش ۱۱۵۹۔ ش ۱۱۶۰۔ ش ۱۱۶۱۔ ش ۱۱۶۲۔ ش ۱۱۶۳۔ ش ۱۱۶۴۔ ش ۱۱۶۵۔ ش ۱۱۶۶۔ ش ۱۱۶۷۔ ش ۱۱۶۸۔ ش ۱۱۶۹۔ ش ۱۱۷۰۔ ش ۱۱۷۱۔ ش ۱۱۷۲۔ ش ۱۱۷۳۔ ش ۱۱۷۴۔ ش ۱۱۷۵۔ ش ۱۱۷۶۔ ش ۱۱۷۷۔ ش ۱۱۷۸۔ ش ۱۱۷۹۔ ش ۱۱۸۰۔ ش ۱۱۸۱۔ ش ۱۱۸۲۔ ش ۱۱۸۳۔ ش ۱۱۸۴۔ ش ۱۱۸۵۔ ش ۱۱۸۶۔ ش ۱۱۸۷۔ ش ۱۱۸۸۔ ش ۱۱۸۹۔ ش ۱۱۹۰۔ ش ۱۱۹۱۔ ش ۱۱۹۲۔ ش ۱۱۹۳۔ ش ۱۱۹۴۔ ش ۱۱۹۵۔ ش ۱۱۹۶۔ ش ۱۱۹۷۔ ش ۱۱۹۸۔ ش ۱۱۹۹۔ ش ۱۲۰۰۔ ش ۱۲۰۱۔ ش ۱۲۰۲۔ ش ۱۲۰۳۔ ش ۱۲۰۴۔ ش ۱۲۰۵۔ ش ۱۲۰۶۔ ش ۱۲۰۷۔ ش ۱۲۰۸۔ ش ۱۲۰۹۔ ش ۱۲۱۰۔ ش ۱۲۱۱۔ ش ۱۲۱۲۔ ش ۱۲۱۳۔ ش ۱۲۱۴۔ ش ۱۲۱۵۔ ش ۱۲۱۶۔ ش ۱۲۱۷۔



اسی طرح اگر ہفتہ و اتوار دونوں کے روزے رکھے تب بھی کراہت جاتی رہے گی اس لئے کہ کوئی غیر مسلم ان دونوں کے مسلسل روزے رکھنا معظم نہیں جانتا، اور اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگر عاشوراء کا دن اتوار یا جمعہ کا ہو تو اس کے ساتھ ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے اور اسی طرح اگر عاشوراء سے ایک روز پہلے یا بعد میں ہر گاہ یا نو روز کا دن ہو تو اس دن کا روزہ عاشوراء کے ساتھ رکھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ وہ روزہ خاص اس دن کے قصد سے نہیں ہوگا، و اللہ تعالیٰ اعلم اسی طرح صوم اربعین جس کو فارسی میں صوم چہلم کہتے ہیں اور جاہل عابد لوگ اس کو رکھتے ہیں یہ بھی مکروہ ہے اور یہ نصاریٰ کا روزہ ہے۔ ان مذکورہ دنوں کے اکیلے روزے کی کراہت نفی روزے میں ہے قضا یا نذر کا روزہ ان دنوں میں رکھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ و اللہ اعلم بالصواب۔

(۵) عوام کو شک کے دن کا روزہ رکھنا (اس کی تفصیل نیت روزہ کے بیان میں درج ہے) (مؤلف)۔

(۸) مکروہ تنزیہی روزے (۱) صرف ہفتہ یا صرف اتوار کا اکیلا روزہ یا نو روز یا ہر گاہ کا روزہ یا کسی اور ایسے دن کا روزہ جس میں غیر مسلم روزہ رکھتے ہوں اور اس کو معظم جانتے ہوں جبکہ یہ روزہ ان کے ساتھ تشبہ کے ارادے یا ان دنوں کی تعظیم کے لئے نہ رکھا جائے تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر تشبہ کے ارادے یا ان دنوں کی تعظیم کے لئے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ روزہ اس کی عادت والے دن کے موافق نہ ہو یا اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد میں روزہ نہ رکھے لیکن اگر وہ دن اس کے روزہ کی عادت کے دن کے موافق ہو یا اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد میں بھی روزہ رکھے تو کوئی کراہت نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل مکروہ تحریمی روزوں میں گذر چکی ہے۔

(۲) صرف عاشوراء یعنی دسویں محرم کا اکیلا روزہ بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے لیکن عام فقہاء کے نزدیک اس میں کوئی کراہت نہیں ہے کیونکہ فضیلت والے دنوں میں سے ہے پس اس دن کی فضیلت کو ہفتہ کے ساتھ حاصل کرنا مستحب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر مبارک میں اکیلا عاشوراء کا روزہ رکھا ہے اور آخری سال میں خواہش ظاہر فرمائی ہے کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو اس کے ساتھ ایک دن کا روزہ اور رکھوں گا لہذا اس کی کراہت کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا اور اس دن کا روزہ رکھنے کے لئے صحابہ کو حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں (ادیم ان کی مخالفت کو دوست رکھتے ہیں تو ہم اس میں ان کی موافقت کیونکر کریں) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آئندہ سال عاشوراء کا دن آئے گا تو میں انشاء اللہ محرم الحرام کا بھی روزہ رکھوں گا لیکن آئندہ سال آنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دینائے نانی سے پردہ فرمایا، اس کو مسلم و ابوداؤد نے روایت کیا اور دین کی ایک روایت میں ہے محرم کی نو اور دس تاریخ کا روزہ رکھا کر واد یہودی کی مخالفت کر واد اس کی دوسری روایت میں

لہذا فی غیر تصرف و زیادة عن بلایہ وغیرہ لہذا حیات لہ حاشیۃ التاج لہذا فی دفع وغیرہ لہذا مؤلف عن ش و غیرہ لہذا بلایہ عرف۔

لہذا فی دفع وغیرہ لہذا حیات لہ حاشیۃ التاج لہذا فی دفع وغیرہ لہذا مؤلف عن ش و غیرہ لہذا بلایہ عرف۔



کہ عاشوراء کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو اور اس کے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھو اس کو احمد  
ابن حنبلہ نے روایت کیا ہے۔ اس مسئلہ میں حکم شریعت کا حاصل یہ ہے کہ عاشوراء کے روزہ اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن  
بعد (یعنی تین دن) کے روزے رکھنا افضل ہے پھر اس سے کم درجہ یہ ہے کہ عاشوراء کے دن کے ساتھ ایک دن پہلے یا ایک دن  
بعد کا روزہ رکھے پھر اس سے کم درجہ یہ ہے کہ صرف عاشوراء کا روزہ رکھے اور یہ تینوں طریقے عبادت عظمیٰ میں ہیں۔

(۳) اکیلا جمعہ کا روزہ بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ ان کے نزدیک پیر اور جمعرات کا اکیلا روزہ مکروہ  
تنزیہی ہے اور عامہ فقہاء کے نزدیک ان تینوں دن کا اکیلا روزہ رکھنا مستحب ہے کیونکہ یہ فضیلت والے دن ہیں پس روزے کے ساتھ  
ان کی تعظیم مستحب ہے اور اس کی تفصیل مستحب روزوں کے بیان میں گذر چکی ہے مولف

(۴) رمضان شروع ہونے سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا مکروہ ہے خواہ کوئی سا روزہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص  
رمضان المبارک شروع ہونے سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے لیکن اگر وہ کسی شخص کے روزہ رکھنے کی عادت کے دن ہوں تو اس کو  
چاہئے کہ روزہ رکھے رواہ النجاشی۔ پس ایک دن یا دو دن پہلے سے روزہ رکھ کر رمضان کے مہینے کا استقبال کرنا مکروہ ہے  
جبکہ اس قصد سے کہ لیکن اگر وہ پہلے سے کسی دن کا روزہ رکھتا رہا ہو اور وہ دن آخری شعبان کے دن سے موافق ہو جائے تو  
اس کو روزہ رکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً کسی کی عادت تھی کہ وہ پیر یا جمعرات کو نفلی روزہ رکھتا تھا اتفاقاً شعبان کا آخری  
دن وہی دن واقع ہوا تو اس کو اس دن کا روزہ رکھنا منع نہیں ہے اور جس کو عادت نہ ہو اس کے لئے مکروہ تنزیہی ہے۔ اور  
منع اس لئے فرمایا تاکہ نفل اور فرض مل نہ جائیں اور یہ کہ رمضان کے ساتھ اس چیز کی زیادتی نہ ہو جو رمضان میں نہیں ہے  
اور اس طرح اہل کتاب کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے جیسا کہ اہل کتاب فرض روزوں کے ساتھ اور بھی ملا لیتے تھے اور تاکہ  
رمضان کے روزے تازگی اور خوشی کے ساتھ شروع کرے۔ اور اگر اس پر کوئی قضا یا تہذیب کے روزے ہوں تو اس کے لئے ان  
دونوں میں روزہ رکھنا منع نہیں ہے۔

(۵) صوم الدہر اور وہ یہ ہے کہ ہر سال میں بغیر کوئی دن نافع کے تمام عمر ہمیشہ روزے رکھے اور پانچ دن ایام منوعہ یعنی  
دونوں عیدوں اور تین دن ایام تشریق میں بھی روزے رکھے تو یہ مکروہ ہے اگر ان پانچ منوعہ دنوں میں روزے نہ رکھے اور  
باقی سال سال روزے رکھے تو صحیح و مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صوم الدہر کی ممانعت  
ایام منوعہ میں روزے رکھنے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے تاکہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور ضروری کسب معاش  
کے لئے کمزوری نہ ہو جائے اور مخلوق سے ایسا انقطاع پیدا نہ ہو جائے جو شرعاً منع ہے واللہ اعلم یعنی اس لئے کہ وہ روزے

لہ جمع الغنائم لہ عت لہ براء لہ نفع لہ التاج و جمع الغنائم و مشکوۃ لہ براء لہ مظاہر حق۔  
لہ عاشیتا التاج و مظاہر حق لہ عاشیتا التاج و شفع و حیات لہ براء و ش۔







ایام بیض کے تین روزے رکھے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ صیام الدہر کی مانند ہے۔ اول ایک قسم یہ ہے کہ ماہ شوال کے چھ روزے (شش عید کے روزے) رکھے پس یہ بھی مذکورہ بالا ضابطہ کے تحت صیام الدہر مندرجہ ہے کیونکہ رمضان المبارک کے روزوں کا ثواب اس فاعلہ سے دس ماہ کا ہوا اور شوال کے چھ روزوں کا ثواب ساٹھ دن یعنی دو ماہ ہوا تو کل بارہ ماہ یعنی ایک سال ہو گیا۔ ہر سال اس طرح کرنے سے صیام الدہر کا ثواب ہو جائے گا وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ مَا دَاوَرِہٖ ضَابِطٌ کہ جو ایک نیکی کرے گا اس کو اس کا دس گنا ثواب ملے گا اس امت مرحومہ کے لئے خاص ہے جو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے ہدیہ فرمایا تھا جیسا کہ امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اس کو روایت کیا ہے۔

(۶) روزوں میں وصال کرنا اور یہ دو طرح پر ہے اول یہ کہ دو دن یا کئی دن تک لگایا روزے رکھا کہ رات کو بھی افطار نہ کرنا یعنی دو دن یا زیادہ تک لگاتار دن رات روزے سے رہنا اور درمیان میں افطار نہ کرنا اس طرح پر کہ غروب آفتاب کے بعد افطار نہ کرے یہاں تک کہ آئندہ کل کا روزہ گزشتہ کل کے ساتھ ملا دے۔ اس کو صوم الوصال یعنی وصال کے روزے کہتے ہیں (مؤلف) اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے امت کے لئے نہیں ہے (جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے، مؤلف)۔ پھر بعض نے کہا کہ وصال کے روزے حرام ہیں کیونکہ ان کے بارے میں مطلق نہی وارد ہوئی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور بعض نے کہا کہ اگر مشقت نہ ہو تو جائز ہیں۔ ضیاء معنوی شرح مقدمہ غزنوی میں کہا ہے کہ علماء نے صوم وصال کی ممانعت کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض نے کہا کہ مکروہ تنزیہی ہے اور بعض نے کہا کہ اس شخص کے لئے حرام ہے جس کو اس طرح روزہ رکھنا دشوار ہو اور جس کو دشوار نہ ہو اس کے لئے جملح ہے۔ پس اس طرح سے وصال کا روزہ رکھنا اس شخص کے حق میں مکروہ ہے جو اپنی نسبت پر جبر کے ایسا کرے یا اس کو اس سے تکلیف ہو، خاص انجان بزرگوں کے لئے جن کو ذرا بھی گراں نہ گذرے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو مکروہ نہیں ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سات دن تک روزوں میں وصال کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی دو یا تین دن تک رمضان میں وصال کرنا ثابت ہوتا ہے شاید کہ ان حضرات نے حدیث شریف کی ممانعت کو ارشاد و شفقت کی نہی پر محمول کیا ہو اور بعض سلف صالحین کے عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے پس یہ اخضار الخواص کے حق میں مکروہ نہیں ہے (مؤلف) اور بعض نے کہا ہے کہ صوم وصال اور صوم دہر ایک ہی چیز ہے یہ غلط ہے۔

دوم یہ کہ سحری تک وصال کرنا یعنی غروب کے بعد افطار نہ کرنا بلکہ سحری کے وقت تک روزہ کی حالت میں رہنا پھر سحری کے وقت کھانا پینا گویا آٹھ پہری روزہ (مؤلف) امام ابن تیمیہؒ نے اس کو مستحب کہا ہے اور یہ اخلاف کے نزدیک

لے مستفاد عن عرف لے بحودش و ع لے م لے ط لے ما شیتا لک لے حیات لے مؤلف مستفاد عن کتب الفہم و لے عرف۔







غلام اور باندی کو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کسی حالت میں بھی نفلی روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اور یہی حکم مدبر اور مدبرہ اور اُم ولد کا ہے اور ان کے مالک کو ہر حال میں ان کو منع کرنے کا اختیار ہے اگرچہ ان کا روزہ رکھنا اس کو نقصان نہ کرتا ہو اس لئے کہ ان کے منافع مالک کی ملکیت میں مگر اس قدر جس کو شرع نے مستثنیٰ کر دیا ہے اور وہ فرائض کی ادائیگی ہے بخلاف عورت کے کہ اس کے منافع خاوند کی ملکیت میں ہیں اور خاوند کو بیوی سے صرف استعمال کا حق ہے پس اگر ان میں سے بیوی و غلام وغیرہ میں سے (مؤلف) کسی نے روزہ رکھ لیا تو خاوند کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی کا روزہ افطار کر دے اور مالک کو اختیار ہے کہ اپنے حق اور اپنی حاجت کے قیام کے لئے غلام اور باندی کا اور جو اس کے حکم میں ہے مثلاً مدبر و مدبرہ اور اُم ولد کا روزہ افطار کر دے اور عورت کے لئے شروع کرنے کے بعد افطار کرنا معصیت (یعنی خاوند کی نافرمانی کا گناہ) دھوکے کے لئے ہے پس یہ اس کے لئے عذر ہے پس جب اس نے افطار کر دیا تو عورت اس روزہ کو اس وقت قضا کرے جب اس کا خاوند اس کو اجازت دے یا وہ خاوند سے طلاق وغیرہ کے ساتھ جدا ہو جائے اور غلام اور جو اس کے حکم میں ہے اس وقت قضا کرے جب مالک اس کو اجازت دے یا آزاد ہو جائے اس لئے کہ ان دونوں یعنی عورت و غلام کا نفلی روزہ شروع کرنا صحیح ہے لیکن ان کو اس روزہ کو جاری رکھنا یعنی پورا کرنا مکروہ ہے عورت کو اپنے خاوند کے حق کی وجہ سے اور غلام کو اپنے آقا کے حق کی وجہ سے مکروہ ہے پس جب ان دونوں نے روزہ افطار کر دیا تو اب اس کی قضا ان پر لازم ہوگئی، اور جو روزہ غلام پر اس کے اپنے فعل سے واجب ہوں مثلاً نذر کا روزہ یا کفارات کے روزے تو ان سب کا یہی حکم ہے جو نفل روزہ کا ہے لیکن کفارہ ظہر کے روزہ کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ کفارہ ظہار کے ساتھ اس کی بیوی کے حق کا تعلق ہے۔ یعنی جب غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو مالک اس کو ظہار کا کفارہ دونوں سے ادا کرنے سے نہیں روک سکتا کیونکہ اس کے ساتھ اس کی بیوی کے حق کا تعلق ہے۔ اور نہ کو روزہ اپنے مالک دستاجر کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے یعنی اس کے لئے یہ مکروہ ہے، یہ حکم اس وقت ہے جبکہ روزہ کی وجہ سے اس کی خدمت میں نقصان ہو اور اگر نقصان نہ ہوتا ہو تو اس کو مالک دستاجر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ مالک دستاجر کو اس کے منافع کا اسی قدر حق ہے جس سے اس کی خدمت ادا ہو سکے اور اس کو بغیر کسی فعل کے خدمت حاصل ہے۔ لیکن کسی شخص کی بیٹی امدواں اور بہن کو اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس کو ان کے منافع میں کوئی حق نہیں ہے۔ نفلی نماز و حج کے لئے بھی ان مسائل میں یہی حکم ہے۔ پس اس کو یہ حق نہیں ہے کہ ان کو منع کرے جیسا کہ کسی اجنبی عورت کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اگر والدین میں سے کوئی اپنے لڑکے کو روزہ سے بیماری کے خوف کی وجہ سے منع کرے تو اس کے لئے ان کی فرمانبرداری افضل ہونی چاہئے (اور یہ مسائل نفلی روزہ کے احکام میں بھی مع دیگر تفصیل کے بیان کئے گئے ہیں پس اس بیان میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مؤلف)



نہ رکھنا افضل ہے۔ (اس کی مزید تفصیل عوارضِ ہیجہ کے بیان میں مسافر کے بیان کے تحت ملاحظہ فرمائیں، مؤلف)

(۱۰) عذر کے بعد اگر حاجی کو ضعف کا خوف ہو جس سے وقوف اور دعاؤں میں خلل واقع ہو تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں بلکہ سنت ہے اور اسی طرح یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کے روزے کا حکم ہے اس لئے کہ اس سے وہ افعال حج جیسے عاقر ہو جائے گا۔ اسی طرح مکہ مکرمہ کے راستے میں روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے وہ ضعیف ہو جائیگا کہ ذاتی شرح اکثر لابن کمال با

(۱۱) جس شخص پر رمضان المبارک کے روزہ کی قضا باقی ہو اس کو نفل روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔

(۱۲) ہزاری روزہ یعنی ۲۷ رجب المرجب کا روزہ عوام میں اس کا بہت ثواب مشہور ہے، بعض احادیث موضوع میں اس کی فضیلت آئی ہے لیکن صحیح احادیث اور فقہ کی معتبر کتابوں میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ بعض روایات میں ممانعت آئی ہے پس اس کو ضروری اور واجب کی مانند سمجھ کر روزہ رکھنا یا ہزار روزہ کی برابر ثواب سمجھ کر رکھنا بدعت و منع ہے۔ اجار العلوم معض

حضرت امام غزالی قدس سرہ العزیز اور غنیۃ الطالبین جو حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی طرف منسوب ہے ان میں جو اس روزہ کی فضیلت و احادیث درج ہیں وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ اگر ضعیف حدیث پر فضائل اعمال میں عمل کر لیا جائے تو درست ہے اور نفل روزہ ویسے بھی ہر وقت عبادت ہے سوائے ایام منوعہ کے پس اگر بغیر کسی خصوصیت کی نیت کے اس روزہ بھی عام دنوں کی طرح نفل روزہ رکھ لے تو مضائقہ و کراہت نہیں ہے۔

(قائد) جانتا چاہئے کہ جو ایک سے زیادہ روزے فرض و واجب ہیں وہ تیرہ <sup>۱۳</sup> قسم پر ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا،

ان میں سے سات قسم کے روزے پے درپے رکھنا واجب ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) اداائے رمضان (۲) نذیر معین (۳) قسم معین (۴) کفارۃ قتلِ خطا (۵) رمضان کا روزہ بلا عذر شرعی توڑ دینے کا کفارہ (۶) کفارۃ قسم (یعین) (۷) کفارۃ ظہار (اور درختار میں بھی ایسے روزے سات ہی شمار کئے ہیں لیکن اس میں قسم معین مثلاً اس طرح کہنا کہ واشد میں ضرور ماہِ رجب کے روزے رکھوں گا کے روزوں کی بجائے اعتکاف واجب کے روزوں کا ذکر کیا ہے اور قسم معین کو نذیر معین کے تحت میں داخل کر دیا ہے کیونکہ یہ دونوں قسم کے روزے اپنے قول سے اپنے اوپر واجب کئے جاتے ہیں) اور وہ نذر مطلق جس میں پے درپے روزے رکھنے کا ذکر یا نیت کی ہو وہ بھی اسی حکم کے ساتھ ملحق ہے۔ پھر جن روزوں میں پے درپے ہونا واجب ہے اگر ان میں پے درپے ہونے کا حکم وقت کی وجہ سے ہے اور کسی نے ان میں سے ایک روزہ بھی افطار کر دیا (یعنی نہ رکھا) تو اس کو نئے سرے سے سب روزے رکھنا لازمی نہیں ہے اور وہ تین قسم کے روزے ہیں رمضان و نذر معین اور یا باہم معین کے روزوں کی قسم اور اگر پے درپے ہونے کا حکم فعل کی وجہ سے ہو تو ان روزوں میں سے اگر ایک روزہ بھی ترتیب کے ساتھ رکھنے سے رہ گیا تو پھر روزے نئے سرے سے لگانا رکھنے واجب نہیں ہے اور وہ باقی چار قسم کے روزے ہیں یعنی وہ ان چار کفاروں کے روزے ہیں کفارۃ قتل و کفارۃ ظہار و کفارۃ قسم و کفارۃ افطار

لعمري انه مع زيادة حجاتك مع زيادة حجاتك مع استفاد من اجزاء وقادى دارالعلوم فخرى -

شده و بجز ده مولف من در تغییر شده ببردش عده اش تغییر ندایه -



رمضان اور نہ مطلق بھی اسی حکم میں ہے جس میں پہلے درپے روزے رکھے گا ذکر یا نیت کی، مگر اور مختار میں جو احتکاف واجب کے روزوں کو پہلے درپے والے روزوں میں شمار کیا ہے وہ بھی قسم اول یعنی ان روزوں میں سے ہیں جن میں کسی روزے کے افطار کر دینے پر نئے سرے سے پورے روزے رکھنا لازم نہیں ہے، غور کر لیجئے۔

پس جن روزوں میں ترتیب منقطع ہو جانے سے نئے سرے سے پہلے درپے روزے رکھنا لازمی ہے اگر کسی شخص نے ان میں سے ایک دن کا روزہ بھی افطار کر لیا (یعنی نہ رکھ لیا توڑ دیا) خواہ اس نے عذر شرعی سے ہی ایسا کیا ہو تو نئے سرے سے شروع کر کے لگا کر روزے رکھ کر تعداد پوری کرنا واجب ہے البتہ حیض کے عذر سے ترتیب منقطع نہیں ہوتی۔ لیکن اس عورت کو حیض سے پاک ہونے کے بعد فوراً متصل روزے شروع کر دینا لازمی ہے یہاں تک کہ اگر پاک ہونے کے بعد اتصال نہ کیا تو اس کو بھی پھر نئے سرے سے شروع کرنا لازمی ہوگا (اور اس کی تفصیل رمضان المبارک کے روزہ توڑنے کے کفارہ کے بیان میں ہے۔ مؤلف) چھ قسم کے روزے پہلے درپے رکھنے واجب نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) قضائے رمضان۔ (۲) تمتع و قرآن کے روزے (یعنی حج تمتع یا حج قرآن میں بدلہ ہری کے دس روزے جن میں سے تین ایام حج میں رکھا اور سات واپس ہونے کے بعد رکھے) (۳) کفارۃ حلق (بدلہ حلق یعنی سر منڈانے کے بدلے کے روزے) (۴) جزائے صید (بدلہ شکار) یا جزائے احرام کے روزے (مدا تاء کی تفصیل حج کے بیان میں ہے۔ مؤلف) (۵) نذر مطلق کے روزے یعنی جس میں معین جیسے یا پہلے درپے رکھنے کی قید نہیں لگائی اور نہ نیت کی (۶) قسم مطلق کے روزے مثلاً اس طرح پر قسم کھائی ہو کہ واشہد میں ایک جیسے کے روزے رکھوں گا۔ پس رمضان کے قضائی روزوں کو متفرق دنوں میں رکھنا جائز ہے لیکن ان کا پہلے درپے رکھنا مستحب ہے تاکہ جلدی ذمہ سے ادا ہو جائے۔ مزاد در مختار میں بھی ان کو چھ ہی شمار کیا ہے لیکن قسم مطلق کے روزوں کی بجائے نفل کو ذکر کیا ہے اور قسم مطلق کو نذر مطلق کے تحت درج کیا ہے لیکن مناسب یہی ہے جو بحر الرائق اور عالمگیری میں ہے اور نفل کو اس تعداد سے ساقط کرنا ہی مناسب ہے اس لئے کہ یہ بیان لازمی روزوں کے اقسام میں ہے۔

## روزہ واجب ہونے کا سبب

چونکہ فرض و واجب روزہ کی اقسام مختلف ہیں اس لئے اس کے واجب ہونے کے اسباب بھی مختلف ہوتے ہیں، پس نذر کے روزے میں وجوب کا سبب نذر (مست) ہوتی ہے اور کفارات کے روزوں میں وجوب کا سبب وہی امور ہوتے ہیں جن کے سبب کفارہ لازم ہوتا ہے جیسے قسم کا توڑنا، قتل کرنا۔ اور ظہار اور رمضان کا ادائی روزہ توڑ دینا۔ یعنی کسی نفس کو خطا و قتل کرنا، احرام کی حالت میں شکار کا قتل کرنا۔ یعنی روزے کے اسباب یہ ہیں نذر کے روزے کا سبب نذر ماننا اور کفارہ اشد کے روزوں کا سبب قسم میں اس کا توڑ دینا اور قتل نفس خطا اور قتل صید فی الاحرام میں جنایت اور رمضان کے روزوں میں کسی روزہ کا توڑ دینا اور کفارہ ظہار میں وطی پر عزم اور نفل میں اس کا شروع کرنا روزے کے وجوب کے اسباب ہیں۔ اور قضائی روزوں کے وجوب کا سبب وہی ہے جو ادائی روزوں کے

لے بحر و متصرف لے محض لے بحر و متصرف لے کفارہ الصوم لے بحر و متصرف لے نذر لے متصرف لے عا و ش و بحر و متصرف۔



وجوب کا ہے۔ اور رمضان کے ادائی روزوں کے فرض ہونے کا سبب رمضان کے مہینے کے کسی جزو کا پایا جانا ہے بالاتفاق ہے۔ پھر اس میں فقہانے اختلاف کیا ہے پس بعض نے کہا ہے کہ اس کا سبب اس مہینے میں مطلق وقت ہے خواہ اس کے دن کا وقت یا رات کا اور اس کو مخری وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ اور فخر الاسلام وغیرہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ ہر دن میں سے وہ جزو اس کے فرض ہونے کا سبب ہے جس میں کہ روزہ کا شروع کرنا ممکن ہو اور یہ صبح صادق کے طلوع سے ضحیٰ کبریٰ (ٹھیک دوپہر) ہے ذرا پہلے تک کا وقت ہے لیکن رات اور ضحیٰ کبریٰ اور اس کے بعد کا وقت تو ان دونوں وقتوں میں روزہ کا شروع کرنا ممکن نہیں ہے اور رات میں صرف نیت کا ہونا تو ممکن ہے لیکن روزہ کا شروع ہونا ممکن نہیں ہے۔ لیکن بحر میں تصریح کی ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسلام اور ابوالیسر اس طرف گئے ہیں کہ سبب دن ہیں نہ کہ راتیں یعنی ہر دن کا وہ جزو اس دن کے روزہ کا سبب ہے جس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے پس ہر دن کا روزہ اسی جزو کے متصل واجب ہوتا ہے۔ اور یہ تصریح اس بات کی مقتضی ہے کہ سبب ہر دن کا جزو اول ہی ہے جیسا کہ اوپر غلطی نے بھی اس کی تصریح کی ہے اور اسی بنا پر اگر طلوع فجر کے بعد کوئی رکابا بالغ ہو یا کوئی کافر مسلمان ہوا تو ان دونوں پر اس دن کے روزہ کی قضا واجب نہیں ہے کیونکہ اس روز میں ان دونوں پر روزہ واجب نہیں ہوا، اور ان پر قضا واجب نہ ہونے کو مطلق بیان کیا پس یہ اس بات کو شامل ہے کہ خواہ اس نابالغ یا کافر نے اس دن روزہ رکھا ہو یا نہ رکھا، اور خواہ وہ ندال سے پہلے بالغ یا مسلمان ہوا ہو یا زوال کے بعد کیونکہ جیسا کہ ادا کے اعتبار سے روزہ کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے وجوب کے اعتبار سے بھی روزہ کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے اور وجوب کی اہلیت ان دونوں میں شروع دن سے ہی نہیں پائی گئی پس ان دونوں پر روزہ فرض نہیں ہوا۔ لہذا اس مسئلہ میں یہ دونوں قول ایسے ہیں جن کی تصحیح کی گئی ہے لیکن فتویٰ اور اکثر صحیح فخر الاسلام کے قول پر ہے۔ اور ہر ایہ میں ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ رمضان کے تمام روزوں کے فرض ہونے کا سبب اس مہینے کے ایک جزو کا پایا لینا ہے (خواہ رات کا جزو ہو یا دن کا۔ مؤلف) پھر ہر دن اس کی ادا کے واجب ہونے کا سبب ہے۔ اس لئے کہ ان دنوں کے روزے متفرق (الگ الگ) عبادت ہیں اور اسی لئے جو شخص اس مہینے کے دوران میں بالغ ہو یا اسلام لایا تو اس کو اس کے آنے والے باقی ایام کے روزے لازم ہیں۔ اور اس ماہ کے جو ایام بالغ ہونے یا اسلام لانے سے پہلے گزر گئے ان کی قضا بالاتفاق اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ ان گزرے ہوئے دنوں میں اس میں وجوب کی شرط یعنی اسلام اور بلوغ نہیں پائی گئی۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ ہر دن کے روزہ کا سبب دوسرے ایام کے ساتھ ضمناً داخل ہونے کے باوجود اس کی خصوصیت کے اعتبار سے مکرر ہوتا ہے اور اس کی پوری بحث کتب اصول فقہ میں ہے۔

**روزہ کا وقت** روزہ کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے ہے یعنی جس وقت کہ صبح صادق کی روشنی آسمان کے کنارے افق کے متوازی پھیلتی ہے شروع ہوتا ہے اور آفتاب کے غروب ہونے تک ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ روزہ کے شروع ہونے کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے پر ہے یا اس کے روشن ہونے اور پھیل جانے پر روزہ کے بارے

صلح و طہارۃ بحرہ شریعت و تصوف و سنی و شیعہ و ائمہ و کفر و بدعت و غیرہ و ہذا فی الجملہ و ہذا فی الجملہ و ہذا فی الجملہ و ہذا فی الجملہ



میں پہلے قول میں احتیاط زیادہ ہے اور دوسرے قول میں آسانی و گنجائش زیادہ ہے اور اکثر علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔  
 اور فجر صادق وہ سفیدی ہے جو افق مشرق میں شمال سے جنوب کی طرف عرض میں پھیلی ہوتی ہے اور تیزی سے پھیلتی جاتی ہے اور وہ سفیدی جو طول میں زمین سے آسمان کی طرف (ستون کی مانند) پھیلتی ہے وہ مراد نہیں ہے کیونکہ وہ صبح کاذب ہے اس لئے کہ وہ جلد ہی جلی جاتی ہے اور اس کے پیچھے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اور غروب آفتاب سے مراد تمام قرص آفتاب کا افق سے ظاہری طور پر بالکل نظر سے غائب ہو جانا ہے حقیقی طور پر افق سے غائب ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ اس کی تحقیق سوائے چند ماہر لوگوں کے ممکن نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو شخص مثلاً اسکندریہ کے منارہ پر ہے اور سورج کو دیکھ رہا ہے اس کیلئے روزہ افطار کرنے کا وقت نہیں ہوا اور جو شخص اسکندریہ میں عام سطح زمین پر ہے اور اس کی نظر سے سورج غائب ہو چکا ہے اس کے لئے افطار کا وقت ہو گیا اور یہ اس وقت ہے جبکہ غروب ظاہر ہو جائے ورنہ جب مشرق سے سیاہی اور پر کو بلند ہوتی شروع ہو جائے اس وقت تک روزہ کا وقت ہے۔ پس غروب سے مراد سورج کے تمام قرص کے غائب ہوجانے کے بعد اول وقت ہے اس طرح پر کہ مشرق کی طرف سے سیاہی ظاہر ہو جائے۔ اور بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب وہاں (افق مشرق) سے رات (سیاہی) بڑھنی شروع ہو جائے تو روزہ دار روزہ افطار کرے یعنی جس وقت مشرق کی سمت میں محسوس طور پر سیاہی پائی جائے (اور مغرب کی نماز کا وقت داخل ہو جائے، مؤلف) تو افطار کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔

**روزہ کا رکن** اور روزہ کا رکن یہ ہے کہ اپنے آپ کو کھانے پینے اور جماع سے روکے یعنی اپنے آپ کو پیٹ اور شرمگاہ اور جوان دونوں سے ملحق ہے اس کی شہوات و خواہشات سے روکنا روزہ کا رکن ہے اور جو چیزیں روزے کو فاسد کرتی اور توڑتی ہیں ان کی بنا اسی اصل پر ہے کیونکہ کسی چیز کے رکن کے نہ پائے جانے کے وقت اس چیز کا ٹوٹ جانا ایک ضروری امر ہے۔ اور رکن کا نہ پایا جانا کھانا پینا اور جماع کو منہ سے خواہ صورت و معنی ہو یا صرف صورت و معنی ہو اور خواہ غدر سے ہو یا بلا غدر ہو اور خواہ عمدہ ہو یا خطا ہو اور خواہ طوعاً ہو یا کرہاً ہو جبکہ اس کو اپنا روزہ دار ہونا یا دہو بھول کر نہ ہو اور نہ معنی بھول کر ہوا (ان سب صورتوں کی تفصیل مقدمات کے بیان میں درج ہے۔ مؤلف)۔

**روزہ کی شرطیں** (قسم اول) روزہ کے واجب ہونے کی شرطیں: اور وہ چار شرطیں ہیں (۱) مسلمان ہونا، پس کافر پر روزہ فرض نہیں ہے (۲) عاقل ہونا، پس مجنون پر روزہ فرض نہیں ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے (۳) بالغ ہونا، پس نابالغ پر روزہ فرض نہیں ہے۔ لیکن نابالغ لڑکے کو اس کا ولی یا وصی روزہ رکھنے کا حکم کرے اور بظاہر یہ (حکم کرنا) اس پر واجب ہے اور اسی طرح اس کو غیر مشروع کاموں سے روکے تاکہ وہ نیک کاموں سے مانوس ہو جائے اور برے کاموں کو چھوڑ دے اور

لے ع ۱۱۱ استفاد من الحدیث وحاشیۃ التلح ۱۱۲ داو مجع فی اوقات الصلوة وجمع فی الصوم ملتقطاً ۱۱۳ فی اوقات الصلوة ۱۱۴ داو در المشتق ۱۱۵ برائے ۱۱۶ نورشہ برائے ۱۱۷ موط وفتح ملتقطاً۔







(فائدہ) بعض کے نزدیک روزہ کی ادا کے واجب ہونے کے لئے عورت کے حق میں حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی شرط ہے جیسا کہ مراقی الفلاح وغیرہ میں ہے اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ روزہ کی ادا کے واجب ہونے کی یہ تین شرطیں ہیں حیض، اقامت اور حیض و نفاس کی حالت میں نہ ہونا۔

(فائدہ ۲) شرائط وجوب و شرائط وجوب ادا میں یہ فرق ہے کہ اگر کسی شخص میں وجوب روزہ کی کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو اس پر نئی اکمل روزہ واجب ہے اور ناساۓہ اس کی ضاوا جب ہے۔ اور جس شخص میں وجوب روزہ کی تمام شرطیں پائی گئیں لیکن وجوب ادا کی کوئی ایک شرط نہ پائی گئی تو اس پر روزہ تو واجب ہو جائے گا لیکن فی الحال رکھنا واجب نہیں ہوگا بلکہ جب وہ شرط پائی جائے یعنی وہ عندہ موجود ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہوگی۔

(قسم سوم) روزہ کی ادا کے صحیح ہونے کی شرطیں، امدہ فقہ میں (۱) نیت (اس کی تفصیل اگلے بیان میں آتی ہے)۔ (۲) حیض و نفاس سے پاک (خالی) ہونا۔ اور حیض و نفاس سے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عورت ان دونوں حالتوں سے اس وقت خالی ہو یعنی اس پر یہ حالتیں طاری نہ ہوں۔ ان دونوں مدتوں سے طہارت یعنی غسل کرنا روزہ صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ پس اگر عورت حیض یا نفاس سے پاک ہو گئی (یعنی حیض یا نفاس بند ہو گیا) تو اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا اگرچہ اس نے ابھی حیض یا نفاس سے پاک ہونے کا غسل نہ کیا ہو۔ پس اگر کسی عورت نے حیض کی حالت میں رات کو روزہ کی نیت کی پھر صبح ہونے سے پہلے وہ حیض سے پاک ہو گئی تو وہ نیت صحیح و کافی ہے اور اس کا روزہ اسی نیت سے صحیح ہو گیا (اور یہی حکم نفاس والی عورت کے لئے ہے متوالف) اور اگر طلوع فجر کے بعد حیض سے پاک ہوئی اور دوپہر شرعی سے پہلے روزہ کی نیت کی تو نہ اس کا نفل روزہ صحیح ہوگا نہ فرض روزہ صحیح ہوگا کیونکہ اول وقت میں روزہ کی ادا واجب ہونے کی شرط نہیں پائی گئی اور روزہ واحد عبادت ہے جس کے اجزا نہیں ہو سکتے پس جب اس کے شروع میں وجوب ادا کی شرط مفقود ہے تو اس کا حکم باقی وقت میں متحقق ہوگا۔ اور جنابت سے خالی ہونا اس کے لئے شرط نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے ازالہ پر قاصر ہے بخلاف حیض و نفاس کے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اس کا استدلال کرنا اونی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو روزہ سے ہوتے تھے اس حال میں کہ آپ جنبی ہوتے تھے۔ اور بعض نے حیض و نفاس سے خالی ہونے کو وجوب ادا کی شرطوں میں بھی شمار کیا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے (متوالف) پس حیض و نفاس سے خالی ہونا روزہ کے وجوب ادا اور صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

## روزہ کی نیت کا بیان

روزہ کی نیت کا حکم روزہ کی نیت کرنا ہر روزہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے اور نیت اس لئے شرط کی گئی ہے تاکہ عبادت کی عبارت کی تیسر ہو جائے اس لئے کہ معظرات یعنی کھانے پینے وغیرہ سے رکنا بعض وقت اس کی طرہ ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے بھی

لے شام وغیرہ اتم بحر حیات تم و شہد بحد فوج کلمہ شہد و بحر شہد عن البحر لے شہد شہد من الفدا شہد و ما ملہ بحر وغیرہ۔



ہوتا ہے اور بعض وقت پرہیز کی وجہ سے بھی ہوتا ہے پس روزہ میں اور ان امور میں نیت کے ذریعے ہی ایسا ہوتا ہے نیت کے بغیر روزہ صحیح نہیں ہوگا پس اگر کوئی شخص صبح صادق سے غروب آفتاب تک پورا دن کھانے پینے اور جملہ سے اور ان تمام چیزوں سے جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی نیت کے بغیر گزار دے تو یہ روزہ دار نہیں ہوگا جیسا کہ آگے نیت کی تعریف کے بیان میں آئے ہیں، مؤلف)

بغض کی نیت کی تعریف اور اس کے متعلق مسائل

حاصل کرنے کا ارادہ کر لے۔ اور روزہ کی نیت یہ ہے کہ دل میں جانتا ہو کہ وہ روزہ رکھتا ہے۔ یعنی نیت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دل کے ساتھ آنے والی کل کے روزہ کا پکا ارادہ کر لے اور کوئی مسلمان شاذ و نادر ہی رمضان المبارک کی راتوں میں اس پکے ارادے سے خالی ہوتا ہو۔ یعنی وہ یا تو کوئی فاسق بے شرم ہو گیا غروب آفتاب یا اس سے بھی پہلے سے طلوع فجر تک سونا رہ گیا ہو، یا اس پر اس وقت تک غشی طاری رہی ہو۔ اور دل سے پکا ارادہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو شخص روزہ کا مکلف ہو وہ دل میں پکا ارادہ رکھتا ہو (محلل ارادہ نہ ہو، مؤلف) پس اگر کسی نے یہ نیت کی کہ اگر کل کسی دعوت میں بلایا گیا تو وہ روزہ نہیں رکھے گا اور اگر نہیں بلایا گیا تو روزہ رکھے گا (یعنی مشرطاً نیت کی) تو وہ اس نیت سے روزہ دار نہیں ہوگا۔

(۲) اور جن مردوں کے لئے تعین شرط ہے ان میں یہ شرط ہے کہ اپنے دل میں جانتا ہو کہ کونسا روزہ رکھتا ہے اور جن مردوں میں تعین شرط نہیں ہے ان میں صرف اتنا جانا کافی ہے کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔

(۳) دل سے نیت کرنا روزہ کی صحت کے لئے شرط ہے اور زبان سے نیت کے الفاظ کہنا شرط نہیں ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ زبان سے بھی کہہ لے۔ اور سنت سے مراد مشائخ کی سنت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان سے کہنا ثابت نہیں ہے۔ پس اگر زبان سے نہ کہے تو کوئی مضائقہ نہیں (مولف)

(۴) نیت کا افضل وقت یہ ہے کہ روزہ افطار کرتے وقت اگلے دن کے روزہ کی نیت بھی کر لے۔ اگر رمضان کے روزہ کی نیت رات میں کرے تو زبان سے یوں کہے، وَبَصَوْمِ عِدِّیْ نَوِیْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ یعنی میں نے رمضان کے بیٹنے کے کل کے روزہ کی نیت کی۔ یا یوں کہے نَوِیْتُ اَنْ اَصُوْمَ عَدَّ اللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ فَرَضِ رَمَضَانَ ہذا یعنی میں نے نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کل اس رمضان کا فرض روزہ رکھوں گا۔ اور دن میں نیت کرے تو یوں کہے، نَوِیْتُ اَنْ اَصُوْمَ ہَذَا الْیَوْمِ لِلّٰہِ تَعَالٰی مِنْ فَرَضِ رَمَضَانَ یعنی میں نے نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے آج رمضان کا فرض روزہ رکھوں گا۔

(۵) اور اگر یہ کہا کہ انشا اللہ (خدا چاہے تو) کل روزہ رکھوں گا تو نیت صحیح ہوگئی یہی معصوم ہے اور اس کا جواز ہے اس لئے کہ

سَلَامٌ عَلَى شَرِيعَةِ الصَّلَاةِ . . . . . سَلَامٌ عَلَى حَيَاتِ سَلَامٌ عَلَى مَوَدِّ سَلَامٌ عَلَى طَلَبِ سَلَامٌ عَلَى رُحْمَةِ سَلَامٌ عَلَى دُرِّ دُرِّ سَلَامٌ عَلَى بَقَرَتِ -

ش و حیات علم و دیو حیات لاله ش کلاه حیات کلاه ش و غیره معروف و تغییر علم و لاله بحر



یہ انشاء اللہ حقیقت میں استثناء کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے اور توفیق چاہنے کے لئے ہے لیکن اگر حقیقتاً استثناء کا ارادہ کیا ہو تو وہ روزہ دار نہیں ہوگا، اس لئے کہ جب اس نے نیت کو معلق کرنے کا قصد کیا تو نیت میں استقلال نہیں رہا، اگر روزہ رکھنے پر بکا ارادہ نہ کیا بلکہ تردد و تذبذب ہوا تو اس کی نیت درست نہیں ہوگی اگرچہ انشاء اللہ بھی نہ ہے، مؤلف (۶) اگر یاوہ رمضان میں اس حال میں صبح کی کہ نہ روزہ رکھنے کی نیت کی اور نہ بے روزہ رہنے کی نیت کی اور وہ جانتا ہے کہ یہ دن رمضان کا ہے تو اس کے روزہ دار ہونے میں دو روایتیں ہیں اور اظہر یہ ہے کہ وہ روزہ دار نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ علم ہونا کہ یہ دن رمضان کا ہے، روزہ دار ہونے کے لئے روزہ کی نیت کا قائم مقام نہیں ہوتا۔

(۷) رمضان میں ہر دن کے روزہ کے لئے نئی نیت کرنا ضروری ہے، یعنی ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک ہر روز کے لئے نئی نیت کے بغیر روزہ جائز نہیں ہے خواہ نیت رات میں ہو یا نصف النہار سے قبل ہو اور خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم ہو۔ اور امام زفری و امام مالک رحمہما اللہ نے کہا کہ تمام مہینے کے لئے ایک ہی نیت کافی ہے جیسا کہ نماز کے لئے ہے۔

(۸) سحری کھانا نیت ہے، یعنی اگر کسی نے زبان سے روزہ کی نیت کی بدل سے لیکن روزہ کے لئے سحری کھائی تو اس کا روزہ درست ہے کیونکہ سحری کھانا نیت ہے۔ پس سحری کھانے سے خواہ رمضان کے روزے کے لئے ہو یا اس کے علاوہ کسی اور روزہ کے لئے ہو نیت ہو جاتی ہے اور اگر سحری کھلتے وقت یہ ارادہ کیا کہ صبح کو روزہ نہ رکھوں گا تو اب سحری کھانے سے نیت ہوگی اسی طرح اگر کسی کی عادت اس وقت کھانے کی ہو یا کوئی بد بخت سحری کھانا ہو اور روزہ نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے سحری کھانا نیت کے قائم مقام نہیں ہے۔ اگر کسی شخص نے روزہ کی نیت نہیں کی اور سحری بھی نہیں کھائی لیکن کل کے روزہ کے لئے رات کو اپنی عادت سے لپاہ کھانا کھایا یا روزہ کے قصد سے منع کو دھویا یا روزہ کے لئے دانتوں میں خلال کیا تو ان سب صورتوں میں اس کا روزہ جائز ہو جائے گا اور امور نیت کے قائم مقام ہو جائیں گے اور یہ حکم یعنی سحری کھانا وغیرہ کا نیت کے لئے کافی ہونا ان روزوں کیلئے ہے جن میں اصل نیت کافی ہے یعنی صوم رمضان و تدریعین و صوم نفل لیکن جن روزوں میں اصل نیت کافی نہ ہو مثلاً قضاء رمضان و کفالات و حملائے صید و تدریعین وغیرہ ان میں سحری کھانا وغیرہ امور نیت کے قائم مقام نہیں ہوتے بلکہ ان روزوں کے لئے نیت کا ہونا اور نیت میں روزہ کا تعین کہ کونسا روزہ رکھ رہا ہے لازمی ہے۔ اگر کسی شخص نے اول شب میں نیت کی کہ آخر شب میں سحری کھائے گا پھر اس نے سحری نہ کھائی یہاں تک کہ صبح طلوع ہوگئی اس قدر نیت سے اس کا روزہ درست نہیں ہوگا۔ اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ سحری کھانا روزہ کی نیت کا قائم مقام ہے سحری کھانے کی نیت روزہ کی نیت کے قائم مقام نہیں ہے فلیستہ ہر اگر کسی شخص نے رات میں کل کے روزہ کی نیت کی پھر رات میں ہی اس نیت سے رجوع کر لیا پھر اس کے بعد سحری کھائی تو یہ سحری کھانا اس کی نیت کے لئے کافی ہے۔

لے ش دیات لے ط لے ع و ط و دیات لے ع حیات لے ع ش ش لے ع در دوش لے ع بحر لے ع حیات لے ع حیات لے ع علم الفقه  
لے ع حیات لے ع بحر دیات لے ع حیات لے ع حیات لے ع حیات عن تاکر فانیہ۔



(۹) اور نیت پر دوام (یعنی طلوع فجر تک اس پر قائم رہنا، مؤلف) شرط ہے۔ پس اگر کسی نے رات کے کسی حصہ میں روزہ کی نیت کی اور فجر کے طلوع ہونے سے پہلے اپنی نیت سے رجوع کر لیا تو خواہ رمضان کا روزہ ہو یا غیر رمضان کا ہر قسم کے روزے میں نیت سے رجوع کر لینا درست ہے، اور وہ روزہ دار نہیں ہوگا۔ نیت سے رجوع اس وقت معتبر ہے جبکہ رات میں کیا ہو لیکن اگر صبح صادق طلوع ہونے کے بعد نیت سے رجوع کیا تو پہلی نیت باطل نہیں ہوگی۔ اور وہ شخص روزہ دار رہے گا اور توڑ دینے پر رمضان کے روزہ کی صورت میں کفارہ بھی لازم آئے گا اور غیر رمضان میں صرف قضا لازم ہوگی (مؤلف)۔  
 پس اگر کسی شخص نے رات میں نیت کی کہ کل کا روزہ نہیں رکھوں گا پھر صبح کی اور مفطرات (روزہ توڑنے والی چیزوں) سے رکا رہا اور روزہ کی نیت نہیں کی تو وہ روزہ دار نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے رمضان کے ادائی روزہ میں رات کو روزہ کی نیت کر رجوع کرنے کے بعد دن میں افطار کیا تو رجوع کے ساتھ نیت ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس پر قضا کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس رمضان میں اس پر کفارہ نہیں ہے جب تک کہ نئے سرے سے نیت نہ کر لے (اور غیر رمضان میں قضا بھی نہیں ہے مؤلف) لیکن اگر اس نے وقت کے اندر یعنی دوپہر شرعی سے پہلے پہلے پھر نئے سرے سے نیت کر لی ہو تو اس کا روزہ درست ہو جائے گا۔ (اور اب دن میں افطار کر دینے پر رمضان کے روزہ کا کفارہ بھی لازم آئے گا اور اگر غیر رمضان کا روزہ ہو تو صرف قضا لازم آئے گی، مؤلف) اور اسی طرح بھر میں ہے اس کی عبارت یوں ہے، اگر کسی نے رات میں نیت کی کہ وہ کل کا روزہ رکھے گا پھر اس رات میں ہی نیت کر لی کہ روزہ نہیں رکھے گا تو وہ صبح کو روزہ دار نہیں ہوگا پس اگر اس نے افطار کر لیا اور وہ رمضان کا دن نہیں ہے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے اور اگر کھانے پینے وغیرہ مفطرات سے رکا رہا تو یہ روزہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس کی وہ نیت رجوع کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ یعنی اگر نیت سے رجوع رمضان میں تھا تو اس پر صرف قضا لازم آئے گی کفارہ لازم نہیں آئے گا اور اگر نیت کے وقت میں یعنی دوپہر شرعی سے پہلے دوبارہ نیت کر لی تو اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا۔ (مؤلف)۔

(۱۰) رات کے کسی حصہ میں روزہ کی نیت کی پھر اس کے بعد رات ہی میں صبح صادق سے پہلے کھایا یا پیاجامع کیا تو وہی نیت کافی ہے باطل نہیں ہوئی اس لئے پھر سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۱۱) اگر کسی روزہ دار نے اتنا روزہ میں روزہ توڑ دینے کی نیت کر لی تھی لیکن اس نیت کے سوا اور کوئی روزہ توڑنے والا فعل اس سے واقع نہیں ہوا تو اس کا روزہ پورا ہو گیا۔ کیونکہ دن میں روزہ دار کی روزہ افطار کر دینے کی نیت لغو ہے یعنی اگر روزہ دار نے افطار کی نیت کی تو جب تک کھانا پینا وغیرہ منافی روزہ کوئی فعل نہ کرے صرف نیت سے روزہ افطار نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر نماز میں بولنے کی نیت کی تب بھی یہی حکم ہے۔

(۱۲) اگر فرض یا نفل وغیرہ کوئی نماز پڑھا ہو اور دل میں روزہ کی نیت کر لے تو درست ہے اور جب تک نیت کے الفاظ زبان نہ کہے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اس کی تفصیل نماز کی شرطوں میں نیت کے بیان میں گذر چکی ہے (مؤلف)

لے م لے ع و ط لے م لے ع حیات ش لے م و ط بصرف و زیادۃ لے م بحر ش ط لے ع لے م بحر لے م و حیات۔







نفل سے مراد فرض و واجب کے علاوہ باقی سب روزے ہیں یعنی اس بارے میں نفل کا حکم عام ہے سنت و مستحب و مکروہ سب کو شامل ہے۔ پس ان تین قسم کے روزوں میں یعنی رمضان کے ادائی روزوں و نذر معین اور نفل میں نیت کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے شروع ہو کر ضحوة کبریٰ تک ہے (یعنی ان روزوں میں نیت کا آخری وقت ضحوة کبریٰ سے ذرا پہلے تک ہے، مؤلف) پس غروب سے پہلے یا عین غروب کے وقت ان کی نیت کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور ضحوة کبریٰ کے وقت یا اس کے بعد بھی روزہ کی نیت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان روزوں کے لئے دن کے اکثر حصہ میں نیت کے واقع ہونے کا اعتبار ہے، اور ضحوة کبریٰ سے مراد نصف النہار شرعی ہے اور شرعی نصف النہار (دوپہر) طلوع فجر سے ضحوة کبریٰ کے وقت تک ہے نہ کہ زوال کے وقت تک اور یہی اصح ہے۔ اس لئے کہ زوال کا وقت سورج کے طلوع ہونے سے غروب تک کے وقت کا نصف النہار ہے اور روزہ کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور نیت کا پایا جانادن کے اکثر حصہ میں ضروری (کیونکہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہے، مؤلف) اور دن کے اکثر حصہ میں ہونا اس وقت متحقق ہوگا جبکہ ضحوة کبریٰ سے پہلے ہو اگرچہ تصور ایسا وقت پہلے ہو۔ اور یہ جو ہم نے نصف النہار شرعی سے پہلے کہا ہے یہ الجامع الصغیر کی روایت کے مطابق ہے جو کہ اصح ہے اور قدوری وغیرہ کی روایت کو اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ طلوع فجر سے زوال تک کا وقت ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ ہم طلوع صبح سے غروب آفتاب تک کے وقت کو گھنٹوں سے دو حصوں میں تقسیم کرینگے پھر جب نیت اس کے اکثر حصہ میں پائی گئی تو ان تینوں قسم کے روزوں کے لئے صحیح ہو جائیگی ورنہ نہیں۔ جاننا چاہئے کہ دن دو قسم پر ہے عرفی و شرعی، عرفی دن آفتاب کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک ہوتا ہے اور شرعی دن صبح صادق طلوع ہونے سے غروب آفتاب تک ہوتا ہے۔ نصف النہار عرفی کو و نیت استواء کہتے ہیں اور نصف النہار شرعی کو فقہاء کی اصطلاح میں ضحوة کبریٰ کہتے ہیں اور ان تین قسم کے روزوں میں جو پہلی قسم میں مذکور ہیں ضحوة کبریٰ سے ذرا پہلے تک نیت کا واقع ہو جائالانہی ہے ضحوة کبریٰ شروع ہو جانے پر نیت کرنا درست نہیں ہے۔ پس رمضان کے ادائی روزے اور نذر معین اور نفل روزے کی نیت رات سے لیکر نصف النہار شرعی (دوپہر شرعی) سے پہلے تک کسی بھی وقت کر لی جائے جائز ہے اور یہی صحیح ہے اور اس مسئلہ میں مسافر و مقیم اور تندرست و بیمار میں کچھ فرق نہیں ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ طلوع فجر کے بعد سے نصف النہار شرعی سے پہلے تک روزہ کے خلاف کوئی فعل اس سے ظاہر نہ ہوا ہو اور اگر اس سے پہلے روزہ کے خلاف کوئی فعل واقع ہوا مثلاً کھانا پینا یا جملہ کرنا اگر جان بوجھ کر ہو تو بلا خلاف اس کے بعد نیت جائز نہ ہوگی اور اگر بھول کر ایسا فعل ہوا ہو تو اس میں خلوت ہے اور صحیح یہ ہے کہ رمضان کے ادائی روزہ اور نذر معین کے روزے میں اس کے بعد اس کی نیت جائز ہو جائے گی اور نفل وغیرہ میں جائز نہیں ہوگی جیسا کہ آگے مکروہات کے بیان میں آتا ہے۔

(۳) اور جن روزوں میں دن کے وقت میں نیت کرنا جائز ہے تو ان کی نیت رات میں کرنا افضل ہے تاکہ ان سے احتیاط ہو جائے۔

لے بحوش و باہر من لے فی تہیہ و تعریف لے م و طہیز لیلۃ لکھ طہ حیات لے ع بتیر و زیادۃ عن ش لے ع و حیات لے ع حیات .



(۴) اگر دن میں روزہ کی نیت کرے تو یوں نیت کرے کہ جب سے دن شروع ہوا ہے اس وقت سے روزہ دار ہوں، یہاں تک کہ اگر کسی نے نوال (دوپہر شرعی) سے پہلے یہ نیت کی کہ جب سے نیت کرتا ہوں تب سے روزہ ہے شروع دن سے نہیں تو وہ روزہ دار نہیں ہوگا۔

(۵) اور اگر کوئی شخص رمضان کی کسی رات میں یا دن میں بیہوش ہو گیا تو اگر نوال (یعنی نصف النہار شرعی) مؤلف سے پہلے فاقہ ہو گیا اور روزہ کی نیت کر لی تو جائز ہے، مجنون کا بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح جب کوئی شخص رمضان میں دن کے شروع ہونے کے وقت اسلام سے مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہو گیا اور نوال (دوپہر شرعی) مؤلف سے پہلے روزہ کی نیت کر لی تو وہ روزہ دار ہے۔ جو شخص نفلی روزہ سے ہو پھر اسلام سے مرتد ہو جائے پھر نوال (دوپہر شرعی) سے پہلے مسلمان ہو جائے اور روزہ کی نیت کر لے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ روزہ دار ہو جائے گا اور اگر اس روزہ کو توڑ دے گا تو اس پر اس کی قضا لازم آئے گی اور اگر کوئی نصرانی رمضان کے علاوہ دنوں میں نوال (دوپہر شرعی) سے پہلے مسلمان ہو گیا اور اس نے نفلی روزہ کی نیت کی تو وہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ دار ہوگا۔

(۶) اور دوسری قسم جس میں نیت کا رات میں ہونا شرط ہے وہ روزے میں جو ان تین قسم کے روزوں کے علاوہ ہوں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے یعنی جن میں نیت کا رات میں ہونا شرط نہیں ہے ان کے علاوہ باقی سب روزے وہ ہیں جن میں نیت کا رات میں ہونا شرط ہے (اور ان میں نیت کا آخری وقت طلوع صبح صادق سے ذرا پہلے تک ہے مؤلف) اور وہ یہ ہیں رمضان کے قضائی روزے، نذر مطلق کے روزے، نذر معین کے قضائی روزے، ان نقل روزوں کی قضا جن کو شروع کرنے کے بعد توڑ دیا ہو اور چاروں قسم کے کفارات کے روزے یعنی کفارة ظہار، کفارة قتل، کفارة قسم، کفارة افطار رمضان اور جو ان کے ساتھ ملحق ہیں یعنی جزائے صید کے روزے، جزائے حلق کے روزے، جزائے ہڈی تمسح و قرآن کے روزے۔ پس ان سب روزوں میں نیت کا رات میں ہونا شرط ہے یعنی نیت کا فجر کے ساتھ متصل ہونا اس طرح کہ فجر کے جزاؤں کے ساتھ متصل ہو، اگرچہ متصل ہونا حکماً ہو اور حکماً کا مطلب یہ ہے کہ رات کے کسی حصہ میں نیت کر لی ہو اور یہ حکماً اتصال ضرورت کی وجہ سے شرع نے جائز کر دیا ہے کیونکہ صبح کے وقت کی اکل میں مشقت اور حرج ہے اور اکثر لوگ صبح صادق کا صبح وقت معلوم کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ یہ غفلت اور نیند کا وقت ہے اور بار و غیرہ کی وجہ سے بھی اس کا معلوم ہونا ممکن نہیں ہے اور اکثر لوگ اس کی صبح پہچان سے بھی ناواقف ہوتے ہیں اور حرج شرع میں دور کر دیا گیا ہے اس لئے رات کو نیت کر لینا درست ہوا۔ پس اگر ان روزوں میں سے کسی روزے کی نیت دن میں کی تو وہ نفلی روزہ ہو جائے گا اور اس کا پورا کرنا مستحب ہوگا اور اگر اس کو توڑ دے گا تو اس کی قضا واجب نہیں ہوگی۔ لیکن رمضان کے قضائی روزہ میں اختلاف ہے (مؤلف) پس اگر کسی شخص نے دن میں یعنی طلوع فجر کے بعد قضا روزہ کی

سے شروع و حیات سے بھر بھر دروش و حیات تیر و تیرن سے ش و ط و حیات ..







والسلام کے تعین سے متعین ہے اور نذر اس نذر کرنے والے کی طرف سے متعین ہے تو دونوں میں مطلق نیت کافی ہے اور نفل میں کسی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے اس لئے یہ مطلق نیت سے حاصل ہو جاتا ہے پس ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک روزہ مطلق نیت کے ساتھ درست ہو جائے گا۔

(۴) اور اگر رمضان کے روزے میں کسی نذر واجب روزہ کی نیت کی تب بھی وہ رمضان ہی کا روزہ واقع ہوگا اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس حکم میں مسافر اور مقیم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر مسافر رمضان میں کسی دوسرے واجب کی نیت سے روزہ رکھے تو اسی واجب کا روزہ ہوگا۔ یعنی جو شخص تندرست اور عظیم ہو اگر وہ رمضان کا اور روزہ کسی دوسرے واجب کی نیت سے رکھے تو ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اس کا رمضان سے ادا ہونا درست ہے (یعنی وہ روزہ رمضان ہی کا واقع ہوگا، مؤلف) اس لئے کہ صرف رمضان کا اور روزہ وصف رمضانیت میں خطا ہونے کے باوجود درست ہو جاتا ہے اور وصف میں خطا سے مراد یہ ہے کہ نفل کی نیت سے یا کسی دوسرے واجب کی نیت سے روزہ رکھا ہو اور یہاں خطا سے مراد وہ خطا نہیں ہے جو عمدہ کے بالمقابل ہے اس لئے کہ کسی بھی مسلمان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ عمدہ (دائستہ) ایسا کرے۔ پس مراد یہ ہے کہ وہ درست قرار دیا جائے گا۔ اگرچہ اس نے اس کے علاوہ ارادہ کیا ہو پس وصف میں خطا کے باوجود وہ روزہ درست ہو جائے گا جیسا کہ مطلق روزہ کی نیت سے درست ہوتا ہے۔ اور اگر وہ شخص جس نے کسی دوسرے واجب یا نفل کی نیت سے اولے رمضان کا روزہ رکھا ہو مسافر یا مریض ہو تو اس میں اختلاف ہے پس اگر وہ مریض ہے تو اس کے بارے میں تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ رمضان کا روزہ ہو جائے گا اس لئے کہ جب اس نے روزہ رکھ لیا تو مجمع (تندرست) کے ساتھ ملحق ہوگا اس کو فخر الاسلام اور شمس الامم و ایک جماعت نے اختیار کیا ہے اور صاحب جمع نے اس کی تصحیح کی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس کی نیت کی اسی سے واقع ہوگا اور صاحب ہدایہ اور اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ ظاہر الروایت ہے لیکن نفل کی صورت میں صحیح قول کی بنا پر چاہئے کہ رمضان ہی سے واقع ہو جیسا کہ مسافر کا حکم ہے۔ تیسرے قول میں اس طرح پر تفصیل ہے کہ اگر روزہ اس کو ضرر کرے یا اسے تواظاری کی رخصت مرض کی زیادتی کے خوف کے ساتھ متعلق ہے پس وہ مسافر کی مانند ہو جائے گا اور جو نیت کرے اسی کے موافق واقع ہوگا اور اگر روزہ اس کو ضرر نہیں کرتا جیسے ہاضمہ کی خرابی (سورہ ہضم) تواظاری کی رخصت حقیقی عجز کے ساتھ متعلق ہے پس وہ روزہ وقتی فرض سے واقع ہوگا اور صاحب کشف نے اسی اختیار کیا ہے اور محقق کمال نے فتح القدیر اور تحریر میں اسی کا اتباع کیا ہے۔ اور تحریر کی شرح میں اس تیسرے قول کو پہلے چھوڑا اقوال کا محل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایسی تحقیق ہے جس سے پہلے دونوں میں اس طرح پر موافقت حاصل ہوتی ہے کہ جو کچھ فخر الاسلام وغیرہ نے اختیار کیا ہے وہ اس شخص پر محمول کیا جائے جس کو روزہ ضرر نہ کرتا ہو اور جو صاحب ہدایہ نے

لہ ش دم و ملقطا ع ع ع م زیادة ع ع ش بزیلة ع ع ط ط ع م و ط لہ بحر و ش تصرف .



اختیار کیا ہے اس کو اس شخص پر محمول کیا جائے جس کو روزہ ضرر کرنا ہو اور جاننا چاہئے کبھی روزہ سے مرض میں زیادتی ہو جاتی ہے یا وجود اس کے کہ وہ روزہ پر قادر ہوتا ہے جیسا کہ مثلاً آنکھ کی بیماری اور کبھی روزہ مریض کو کوئی ضرر نہیں کرتا جیسا کہ ہاضمہ کی خرابی (سوء ہضم) کہ روزہ اس کو نقصان نہیں کرتا بلکہ اس کو نفع دیتا ہے لیکن بیشک اس کو روزہ سے ضعف لاحق ہو گا جس کی وجہ سے وہ روزہ کی ادائیگی پر قادر نہیں ہو سکے گا پس پہلی صورت میں مرض کی زیادتی کے خوف کے ساتھ رخصت کا تعلق ہے پس جب تک اس کو اس کا خوف ہے اس کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت حاصل ہے اور اس کو صحیح و تندرست کے ساتھ ملحق نہیں کیا جاسکتا بلکہ رخصت موجود ہونے کی وجہ سے مسافر کی مانند ہے اور دوسری صورت عجز کی حقیقت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور وہ یہ کہ وہ ایسی حالت میں ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے روزہ رکھنا اس کے لئے ہرگز ممکن نہیں ہے اس کو افطار کی رخصت دی گئی ہے پس جب اس نے روزہ رکھ لیا تو اس کا عاجز نہ ہونا ظاہر ہو گیا پس اس سے رخصت کا ہونا جائز اور روزہ صحیح و تندرست کی مانند ہو گیا نہ کہ مسافر کی مانند پس وہ روزہ رمضان سے واقع ہو گا اگرچہ اس نے اس کے علاوہ کسی اور روزہ کی نیت کی ہو اس لئے کہ جب وہ اس بات کے ہوتے ہوئے کہ روزہ اس کو ضرر نہیں کرتا روزہ رکھنے پر قادر ہو گیا تو کوئی عاقل یہ نہیں کہے گا کہ اس کو افطار کی اجازت دی جائیگی واللہ اعلم بالصواب۔ اور مسافر نے اگر کسی دوسرے واجب کی نیت کر لی تو امام صاحب کے نزدیک اسی واجب سے جس کی نیت کی ہے واقع ہو گا نہ کہ رمضان سے اس لئے کہ مسافر کو رخصت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے پس اس کو اختیار ہے کہ اس رخصت کو کسی دوسرے روزے میں صرف کر لے اس لئے کہ اس کی رخصت عجز مظنون کے ساتھ متعلق ہے جو کہ سفر ہے اور یہ موجود ہے بخلاف مریض کے کہ اس کی رخصت عجز حقیقی کے ساتھ متعلق ہے اور جب اس نے روزہ رکھ لیا تو یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ عاجز نہیں ہے (اس لئے اب اس کو رخصت بھی نہ رہی) اور اگر مسافر نے نفل روزے کی نیت کی تو امام صاحب سے دو باتیں ہیں اور دونوں صحیح ہیں اول ان میں اشع یہ ہے کہ رمضان سے واقع ہو گا اس لئے کہ نفل کا فائدہ ثواب ہے اور وہ فرض وقت میں زیادہ ہے۔ اور اگر مریض و مسافر نے مطلق روزے کی نیت کی تو تمام دعاویات کی بنا پر رمضان کا روزہ واقع ہو گا۔

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مریض خواہ نفل کی نیت کرے یا مطلق نیت کرے یا کسی دوسرے واجب کی نیت کرے تو ان سب صورتوں میں صحیح یہ ہے کہ وہ روزہ رمضان کا واقع ہو گا اور اگر مسافر بھی اسی طرح نیت کرے تب بھی حکم ہے سو اگر اس صورت کے جبکہ مسافر کسی دوسرے واجب کی نیت کرے تو وہ روزہ اسی واجب سے واقع ہو گا نہ کہ رمضان سے۔ پس مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی دوسرے واجب کی نیت نہ کرے بلکہ رمضان کی نیت کرے یا نفل کی یا مطلق روزے کی نیت کرے تب رمضان کا روزہ ہو گا (مولف)

(۵) ماہ رمضان میں نفل کی نیت سے روزہ رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا اس لئے کہ نیت نفل اور عزم فرضیت کے اعتقاد







مثلاً کل کے روزہ کے لئے رمضان کے قضا روزہ کی نیت کرتا ہوں یا روزہ توڑنے کے کفارہ کے روزہ کی نیت کرتا ہوں۔ اگر اس قسم کے روزوں میں نیت کا تعین نہ کیا تو وہ روزے نفل ہوں گے کیونکہ اصل روزے کی نیت موجود ہے۔

(۹) اگر کسی شخص نے قضاے رمضان کے روزے کی نیت میں تعین کیا پھر ظاہر ہوا کہ اس نے تعین میں غلطی کی ہے تو اس کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز میں تعین شرط نہیں ہے اس میں تعین کے اندر غلطی ہو جاتا مضر نہیں ہے جیسا کہ فرض نماز کی رکعتوں کی تعداد میں غلطی کرنا یا اگر کسی نے ظہر کی تین یا پانچ رکعات کی نیت کی تو نماز ظہر درست ہو جائے گی لیکن جس چیز میں تعین شرط ہے اس میں تعین کے اندر غلطی کرنا مضر ہے جیسا کہ کسی نے نماز کی نیت کرتے وقت غلطی سے نماز کی بجائے روزہ کی نیت کر لی یا اس کے برعکس کیا یا نماز ظہر کی نیت کرتے وقت غلطی سے عصر کی نیت کی یا اس کے برعکس کیا تو یہ جائز نہیں ہے یہ الاشباہ والنظائر میں ہے اس اصول پر روزہ کے چند مسائل وضع کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے مثلاً ستر (سن ایک سو تیرے) کے روزے نہیں رکھے تو اور اس نے ایک مدت گزرنے کے بعد اس سال کے روزوں کو قضا کیا لیکن اپنے گمان میں یہ سمجھا کہ اس پر سن ایک سو ایک (۱۰۱) کے رمضان کی قضا ہے اور نیت کے وقت بھی ستر کے رمضان کے روزوں کی قضا کی تھیں تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس نیت سے اس کے وہ قضا روزے جائز نہیں ہوں گے اور اگر وہ اپنے گمان میں یہ سمجھتا تھا کہ اس پر ستر کے روزوں کی قضا، لیکن نیت اس طرح کی کہ میں اس رمضان کے روزے کی قضا کرتا ہوں جو میرے ذمہ ہے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نیت سے اس کا وہ قضا روزہ جائز ہے کفائی فتاویٰ قاضی خاں و الخلاصہ و التاویٰ خانہ۔ اگر کسی شخص کے ذمہ ایک رمضان کے چند روزوں کی قضا ہے اور اس نے کسی معین روزے کی بجائے کسی بھی غیر معین روزے کی قضا کی نیت کی تو جائز ہے کیونکہ جنس واحد میں تعین لغو ہے لیکن اگر اس کو کسی دوسرے رمضان کے روزے کی نیت سے قضا کیا تو درست نہیں ہے کیونکہ دونوں کا سبب مختلف ہونے کی وجہ سے جنس مختلف ہو گئی، کفائی التبيين فی مسائل شتی من آثار الکفر۔ اور فتاویٰ ظہیر یہ میں ہے کہ اگر کسی شخص پر ماہ رمضان کے کسی روزے کی قضا تھی اور اس نے اس روزہ کو قضا کرتے وقت یہ نیت کی کہ میں جمعرات کے روزہ کی قضا کرتا ہوں اس کے بعد ظاہر ہوا کہ اس پر جمعرات کی بجائے کسی اور دن کی قضا تھی تو وہ روزہ اس قضا سے جائز نہیں ہوگا اور اگر یہ نیت کی کہ میں اس روزہ کی قضا کرتا ہوں جو میرے ذمہ ہے اور اس وقت اس کا گمان یہ تھا کہ وہ جمعرات کا دن ہے پھر معلوم ہوا کہ اس پر کسی اور دن کی قضا تھی تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ روزہ قضا سے جائز ہوگا۔ اور تاویٰ خانہ میں ہے کہ کسی نے رمضان کے پہلے دن روزہ نہ رکھا پھر اس کو ماہ شوال میں قضا کیا اور یہ نیت کی کہ میں ماہ رمضان کے دوسرے روز کا روزہ قضا کرتا ہوں پھر ظاہر ہوا کہ اس نیت میں غلطی کی ہے تو وہ روزہ قضا سے واقع نہیں ہوگا اور اس پر اول دن کی قضا لازم ہوگی۔

(۱۰) اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں کسی کافر کی قید میں ہو اور وہ رمضان کے مہینے کے متعلق شبہ میں پڑ جائے اور وہ اپنی اکل سے قمری حساب سے رمضان مقرر کر کے



ایک ماہ کے روزے رکھے تو یا وہ مہینہ رمضان کے مہینے سے موافق ہوگا یا پہلے واقع ہوگا یا بعد میں پس اگر وہ مہینہ رمضان کے مہینے سے موافقت رکھتا ہے تو وہ روزے مطلقاً جائز ہیں اور اگر وہ رمضان سے پہلے کسی مہینے میں واقع ہوئے تو مطلقاً وہ روزے رمضان کے ادا نہیں ہوئے کیونکہ رمضان سے پیشتر رمضان کا روزہ نہیں ہو سکتا اس لئے اس پر اس رمضان کے مہینے کی قضا لازم ہوگی اور اگر وہ رمضان کے بعد کسی مہینے میں واقع ہوئے اور اس نے ہر روزہ کی نیت رات کے وقت طلوع فجر سے قبل کی ہو اور نیت میں رمضان کا روزہ متعین کیا ہو تو سوائے ایام عیدین و تشریق کے باقی دنوں کے روزے رمضان کے ادا ہو جائیں گے کیونکہ وہ قضا کا زمانہ ہے اور اس کو محض رمضان کے فرض روزے کی نیت کافی ہے صحیح قول کی بنا پر قضا کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ (پس یہ روزے چار شرطوں کے ساتھ جائز ہوں گے اول سب روزوں کی نیت رات میں کی ہو پس جتنے روزوں کی نیت دن میں کی ہوگی ان کی قضا لازم ہوگی کیونکہ یہ روزے قضا کے ہیں اور قضا کے روزوں میں نیت کا رستہ کو ہونا شرط ہے دوم تعین نیت کیونکہ قضا کے روزے میں تعین نیت ضروری ہے سوم وہ دن روزہ کی صلاحیت رکھتے ہوں، پس ایام تشریق اگر ان میں روزہ رکھا ہو تو ان کی قضا ہے۔ چہارم وہ مہینہ ماہ رمضان کے برابر ہو یعنی دونوں کامل ہوں یا دونوں ناقص ہوں یا رمضان ناقص ہو اور یہ کامل ہو لیکن اگر رمضان کامل ہو اور یہ ناقص ہو تو اس ایک روز کی قضا اس پر واجب ہے پس اگر وہ روزے شوال کے مہینے میں واقع ہوئے اور اس سال میں رمضان و شوال تیس تیس دن کے یا انتیس انتیس دن کے ہوئے تو اس پر ایک دن کے روزے کی قضا عید الفطر کے دن کی وجہ سے لازم ہوگی اور اگر رمضان تیس دن کا اور شوال تیس دن کا ہو تو دونوں کی قضا لازم ہوگی ایک دن عید الفطر کی وجہ سے اور ایک دن ماہ شوال کے ناقص ہونے کی وجہ سے اور اگر رمضان انتیس دن کا تھا اور شوال تیس دن کا تو کسی دن کی قضا لازم نہیں ہوگی اور اگر اس کے روزے ذی الحجہ میں واقع ہوئے تو مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق چار اور پانچ اور تین دن کی قضا لازم ہوگی پس اگر دونوں مہینے تیس تیس دن کے ہوئے یا انتیس انتیس دن کے ہوئے تو اس پر چار دن کی قضا لازم ہوگی ایک دن عید الاضحیٰ کا اور تین دن ایام تشریق کے اور اگر رمضان تیس دن کا اور ذی الحجہ انتیس دن کا ہو تو پانچ دن کی قضا لازم ہوگی یعنی ایک دن عید الاضحیٰ تین دن ایام تشریق اور ایک دن اس مہینے کے ناقص ہونے کا اور اگر رمضان انتیس دن کا اور ذی الحجہ تیس دن کا ہو تو صرف تین دن یعنی ایام تشریق کی قضا لازم ہوگی۔ اور اگر ان دو مہینوں کے علاوہ رمضان کے بعد کسی اور مہینے میں اس کے روزے واقع ہوئے (یعنی ذی قعدہ میں مولف) یا کسی اور مہینے میں (یعنی آئندہ سال کے کسی اور مہینے میں واقع ہوئے، مؤلف) تو اگر دونوں مہینے کامل ہوں یا دونوں مہینے ناقص ہوں یا رمضان کا مہینہ ناقص ہو اور وہ مہینہ جس میں اس کے روزے واقع ہوئے کامل ہو تو اس پر کوئی قضا واجب نہیں ہے اور اگر رمضان کا مہینہ کامل یعنی تیس دن کا ہو اور وہ مہینہ ناقص یعنی انتیس دن کا ہو تو اس پر ایک روزہ کی قضا لازم ہوگی واضح رہے کہ اگر یہ ظاہر ہو کہ جس مہینے میں اس نے روزے رکھے وہ دوسرے سال کا ہو اور رمضان تھا تو اس پر تمام دنوں کی

۴ دن روزہ کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں یعنی عیدین



تصاوا واجب ہوگی کیونکہ رمضان میں قضا روزے درست نہیں ہوتے بلکہ قضا کی نیت سے بھی ادائے رمضان ہی کے روزے واقع ہوتے ہیں سوائے مسافر و مریض کے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص طاراً کرب میں تھا اور وہاں اس نے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے حرمی (اکمل) کر کے کئی سال تک رمضان کے روزے رکھے پھر معلوم ہوا کہ اس نے ہر سال رمضان سے پہلے کسی مہینے میں رکھے ہیں تو پہلے سال کے روزے بالاتفاق جائز نہیں ہوں گے (یعنی رمضان سے واقع نہیں ہوں گے) کیونکہ رمضان سے پہلے رمضان کے روزے صحیح نہیں ہوتے (مؤلف) ادا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا دوسرے سال کے روزے پہلے سال کی قضا اور تیسرے سال کے روزے دوسرے سال کی قضا اور چوتھے سال کے روزے تیسرے سال کی قضا ہو جائیں گے یا نہیں۔ بعض کے نزدیک جائز ہو جائیں گے اور صرف آخری رمضان کی قضا واجب ہوگی اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہوں گے بلکہ سب سالوں کی قضا واجب ہوگی۔ اور محیط و سرخی میں اس بات کی صحت کی ہے کہ اگر رمضان کی مبہم (غیر واضح) نیت کی یعنی یوں نیت کی کہ میں رمضان کے روزے رکھتا ہوں یا یہ نیت کی کہ جو روزے مجھ پر فرض ہیں وہ رکھتا ہوں اور نیت رات کو طلوع فجر سے قبل کی تھی تو وہ قضا کے طور پر ادا ہو جائیں گے یعنی دوسرے سال کے روزے پہلے سال کی قضا اور تیسرے سال کے روزے دوسرے سال کی قضا ہو جائیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس اور صرف آخری سال کی قضا اس پر لازم ہوگی۔ ادا اگر واضح طور پر نیت کی یعنی دوسرے سال میں یہ نیت کی کہ اسی (دوسرے) سال کے روزے رکھتا ہوں اور تیسرے سال میں تیسرے سال کے ہی روزوں کی نیت کی یعنی ہر سال میں اسی سال کے روزوں کی نیت کی یا ہر سال میں آٹھ سال کو رمضان کے روزوں کی نیت کی یعنی دوسرے سال میں تیسرے سال کے روزوں کی نیت کی یا چوتھے سال کے روزوں کی نیت کی تو کسی سال کے بھی ادا نہیں ہوں گے بلکہ ان سب رمضانوں کی قضا لازم ہوگی یہی اصح ہے۔

(۳) جس شخص کے رمضان کے روزے فوت ہو گئے اور وہ ماہ رمضان ناقص تھا تو اس کو اس کی قضا دونوں کی تعداد سے لازم ہوگی (یعنی انیس روزے قضا کرے گا) کامل مہینے یعنی تیس دن کی قضا لازم نہیں ہوگی۔ اور اسی لئے فقہار نے کہا ہے کہ جس شخص نے کسی عذر کی وجہ سے پورا مہینہ روزے نہیں رکھے اور وہ مہینہ تیس دن کا تھا پھر اس نے کسی دوسرے مہینے میں چاند کے حساب سے ایک مہینے کے روزے رکھے اور وہ مہینہ انیس دن کا تھا تو اس پر ایک دن کا روزہ قضا کرنا واجب ہے کیونکہ جس مہینے میں اس دنے روزے نہیں رکھے اس کے دنوں کی تعداد کا اعتبار ہے کسی اور چاند کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ قضا و فوت شدہ کے بقدر لازم ہوتی ہیں اور فوت شدہ دنے تیس ہیں پس وہ تیس روزے پورے کرنے کے لئے ایک روزہ کی قضا دیگا۔ اور اگر کسی شہر کے لوگوں نے انیس روزے رکھے اور چاند دیکھ کر انظار کیا اور ان میں کوئی مریض ہے جس نے روزے نہیں رکھے تو اگر اس کو یہ معلوم ہے کہ شہر و قریبوں نے کتنے روزے رکھے ہیں تو اس پر انیس روزوں کی قضا واجب ہے اور اگر اس کو یہ معلوم نہیں ہے تو وہ تیس روزے رکھے اس لئے کہ یہ اصل ہے اور کسی عارضی امر ہے۔

لے حیات عمدہ و بکرو حیات و شہرت تہ بکر تہ بدائع و بکر تہ بکر۔



(۴) اگر کسی شخص پر ایک رمضان کے دو یا زیادہ دن کی قضا واجب ہو تو اس کو چاہئے کہ دل میں یوں نیت کرے کہ میں اس رمضان کے اُس پہلے دن کا روزہ رکھتا ہوں جس کی قضا مجھ پر واجب ہے اور اگر پہلے دن کا نیت نہ کیا تب بھی جائز ہے اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جبکہ دو رمضانوں کے دو روزوں کی قضا اس پر واجب ہو یہی مختار ہے۔ یعنی اول رمضان کی قضا کی نیت کرے (یعنی یوں کہے کہ اول سال کا اول روزہ رکھتا ہوں جس کی قضا مجھ پر واجب ہے، مؤلف) اور اگر اس طرح تعین کے ساتھ نیت نہ کی تو اس میں مباح کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ کافی ہے۔ پس اگر صرف قضا کی نیت کی اور کچھ نیت نہ کی تو اگرچہ اس نے دن اور سال کا تعین نہیں کیا تب بھی جائز ہے۔

(۵) اگر کسی شخص پر متعدد کفارات کے روزے واجب ہیں اور وہ ان کفارات کے روزے رکھتا ہے تو اگر وہ کفارات مختلف جنس کے ہیں مثلاً کفارۃ ظہار و فطر و یحین تو اس کے لئے نیت میں اس کا متعین کرنا لازمی ہے اور اگر وہ ایک جنس کے کفارے ہوں مثلاً کسی پر دو ظہار یا دو یحین کے کفارے کے روزے واجب ہیں تو ان کا تعین لازم نہیں ہے بلکہ تعین کرنا لغو ہوگا اور وہ ان روزوں کو جس کفارہ کے روزے چاہے قرار دے، اور یہ جواز کے لئے ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ اتحاد جنس کی صورت میں بھی تعین کر لے۔

(۶) اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر رمضان کا روزہ توڑ دیا اور وہ فقیر ہے اور اس نے قضا اور کفارہ کے لئے اکٹھے روزے رکھے اور قضا کے لئے دن کا تعین نہیں کیا تو یہ جائز ہے اور وہ ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے پہلے دن میں قضا کے روزے کی نیت کی ہے اور باقی ساٹھ دن کفارے کے روزوں کی نیت کی ہے۔

(۷) ہر ایک روزے میں دو مختلف قسم کے روزوں کی نیت کی ہے اور وہ دونوں تاکید اور فرض ہونے میں برابر ہوں اور کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہو تو دونوں باطل ہو جائیں گے اور وہ روزہ نفل ہو جائے گا اور اگر ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو تو جس کو ترجیح ہے وہ ادا ہو جائے گا اس مسئلہ کی چند مثالیں یہ ہیں اول اگر کسی نے ایک روزہ میں قضاے رمضان اور نذر کی نیت کی تو استحساناً وہ روزہ رمضان کی قضا کا ہوگا۔ دوم اگر نذر معین اور نفل کی نیت رات یا دن میں کی یا نذر معین اور کفارہ کی نیت رات میں کی تو بالاجماع وہ روزہ نذر معین کا واقع ہوگا۔ سوم اگر قضاے رمضان اور کفارۃ ظہار کی نیت کی تو استحساناً قضا واقع ہوگا (اور قیاساً نفل روزہ ہوگا اور یہ امام محمد کا قول ہے) اور اگر رمضان کے کسی روزے کی قضا اور نفل کی نیت کی تو امام ابو یوسف کے نزدیک رمضان کے روزے کی قضا واقع ہوگی امام ابو حنیفہ سے بھی یہی روایت ہے (امام محمد کا اس میں اختلاف ہے پس امام محمد کے نزدیک نفل میں شروع کرنے والا ہوگا بخلاف نماز کے کہ اگر نفل اور فرض نماز کی نیت کی تو وہ امام محمد کے نزدیک نماز میں شروع کرنے والا ہرگز نہیں ہوگا)۔ چہارم اگر کفارۃ ظہار اور کفارۃ قتل کی نیت کی یا قضاے رمضان اور کفارۃ قتل کی نیت کی تو بالاعتقائی کفارۃ قتل سے واقع ہوگی۔ پنجم اگر کفارہ اور نفل کی نیت کی تو

لے عہد بھر لے عہد جلت عہد و بھر لے عہد بھر لے عہد بھر لے عہد بھر



استحساناً واجب یعنی کفارہ سے واقع ہوگا۔ ششم اگر قضا اور کفارہ قسم کی نیت کی تو ان دونوں میں سے کوئی ادا نہیں ہوگا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعارض کی وجہ سے اور امام محمدؒ کے نزدیک تنافی کی وجہ سے لیکن یہ روزہ نفلی ہو جائیگا۔  
(اس بیان کی مزید تفصیل حیات الصائمین سے مدع کی جاتی ہے۔ مؤلف)

جاننا چاہئے کہ جو شخص ایک دن میں دو یا زیادہ روزوں کی نیت کرے تو وہ دونوں روزے یا واجب ہوں گے یا دونوں نفل ہوں گے یا ایک واجب اور ایک نفل ہوگا ان تینوں قسم کے روزوں کی تفصیل اس طرح ہے، قسم اول یعنی ایک روزہ میں دو واجب روزوں کی نیت کرنا، اس کی بھی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ ان دونوں میں سے ایک واجب دوسرے سے اقویٰ ہوگا۔ دوم یہ کہ دونوں قوت اور تاکید میں برابر ہوں گے، دونوں میں سے ایک کے اقویٰ ہونے کی جزئیات یہ ہیں :-

(۱) اگر کسی شخص نے ایک روزہ میں قضاے رمضان اور کفارہ ظہار دونوں کی نیت کی تو استحساناً وہ روزہ قضا سے واقع ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق وہ روزہ نفل سے واقع ہوگا اور یہ قیاس ہے کیونکہ دونوں روزے وجوب میں برابر ہیں پس دونوں نیتیں تعارض کی وجہ سے ساقط ہو گئیں اور اصل روزہ کی نیت باقی رہ گئی اس لئے وہ نفلی روزہ ہوگا اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں روزے وجوب میں برابر ہیں اس کے باوجود قضاے رمضان کا روزہ زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ اس روزہ کا بدلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوا ہے اور نیز اور کفارہ ظہار کا روزہ بندہ کے فعل سے واجب ہوا ہے پس جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوا ہے وہ اقویٰ ہے اور اس سے ضعیف اس کے بالمقابل معتبر نہیں ہے اور اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ہے جیسا کہ فتح القدیر باب ما یوجب القضاء والكفارة میں اس مسئلہ کی تفصیل مذکور ہے۔

(۲) اگر کسی شخص نے ایک روزہ میں ماہ رمضان کے قضا روزے اور ماہ رمضان کے کفارہ کے روزہ کی نیت کی تو امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ روزہ قضا سے واقع ہوگا کیونکہ قضا کا روزہ کفارہ کے روزے سے زیادہ قوی ہو کر تنافی خارج القیاس (۳) اگر کسی نے ایک روزہ میں قضاے رمضان اور کفارہ یمین کی نیت کی تو بالاجماع دونوں میں سے کوئی بھی جائز نہیں ہوگا بلکہ نفل ہو جائے گا اور اگر اس نفل روزے کو توڑ دے گا تو قضا لازم نہیں ہوگی کیونکہ اس نے اپنے آپ سے واجب اتارنے کے لئے شروع کیا ہے اپنے آپ پر لازم کرنے کیلئے نہیں اور بعض کے نزدیک اس پر اس روزہ کے توڑنے سے قضا لازم ہوگی۔ صاحب ذخیر نے ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اگر روزہ دار یہ جانتا تھا کہ میرا روزہ اس نیت سے درست نہیں ہوگا اس کے باوجود اس طرح نیت کی تو اس پر اس کے توڑ دینے سے قضا لازم ہوگی اور اگر وہ اس طرح نہیں جانتا تھا تو قضا لازم نہیں ہوگی جیسا کہ منظوم کے روزے کا حکم ہے اور تطبیق اچھی ہے لیکن جاننا چاہئے کہ قضاے رمضان اور کفارہ یمین دونوں کی اکٹھی نیت کی صورت میں اس روزہ کا ان دونوں میں سے کسی سے بھی ادا نہ ہونا یہ قیاس کی روایت پر مبنی ہے اور استحسان یہ ہے کہ وہ روزہ قضا سے



رمضان سے واقع ہوگا فلیتدبر۔ اور ان مذکور صورتوں میں یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ اقویٰ روزہ ایسا ہو جس میں مطلق نیت کافی نہ ہوتی ہو لیکن اگر اقویٰ روزہ ایسا ہو جس میں مطلق نیت کافی ہو جاتی ہو تو بالاجمل اقویٰ روزہ واقع ہوگا یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے ایک روزہ میں طلوع فجر سے قبل نذر معین اور روزہ کفارہ... کی نیت کی تو بالاجمل نذر معین سے ادا ہو جائیگا اور اس مسئلہ میں طلوع فجر کی قید لگانے کا فائدہ یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد ایسی نیت کرنے سے بالاجمل نذر معین سے واقع ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے کیونکہ طلوع فجر کے بعد نذر معین کی نیت درست ہے اور روزہ کفارہ کی نیت دن میں درست نہیں ہے اور یہ قید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کسی نے قضاے رمضان کے ساتھ کفارہ ظہار یا کفارہ افطار یا کفارہ تقسم کی نیت کی تو شیخین کے نزدیک اس روزہ کا قضا سے واقع ہونا اس وقت ہے جبکہ رات میں یعنی طلوع فجر سے قبل نیت کی ہو پس اگر دن میں ایسی نیت کی ہو تو بالاتفاق وہ روزہ قضا سے واقع نہیں ہوگا بلکہ نفلی ہو جائے گا۔

(۴) اگر کسی شخص نے ایک روزہ میں قضاے رمضان اور روزہ نذر غیر معین کی نیت کی تو برہایت قیاس شیخین کے نزدیک وہ دونوں میں سے کسی سے بھی ادا نہیں ہوگا کیونکہ دو مختلف اجنس واجبوں کی نیت میں تعارض ہے۔ اور یہ روایت استحسان قضا سے واقع ہوگا کیونکہ قضا از رجحان ہے۔

(فائدہ ۵) یہاں پر وہ قاعدہ بیان کر دینا ضروری ہے جس پر شیخین اور امام محمدؒ کے اختلاف کی بنیاد ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی شخص نے ایک روزہ میں دو واجب روزوں کی نیت کی تو شیخین کے نزدیک مطلق طور پر وہ روزہ اقویٰ کی جگہ واقع ہوگا خواہ وہ اقویٰ روزہ اس قسم کا ہو جو مطلق نیت سے جائز ہو جائے یا اس قسم کا نہ ہو اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر اقویٰ روزہ مطلق نیت سے جائز ہونے والا ہے تو اقویٰ واقع ہوگا ورنہ کسی سے بھی واقع نہیں ہوگا بلکہ نفلی ہو جائے گا۔ اور یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ جب کوئی شخص ایک روزہ میں واجب اور نفلی روزے کی نیت کرے وہاں بھی یہی قاعدہ کام دے گا یعنی شیخین کے نزدیک مطلقا واجب کی جگہ واقع ہوگا کیونکہ وہ اقویٰ ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر وہ واجب روزہ اس قسم کا ہے جو مطلق نیت سے درست ہو جاتا ہے تو وہ واجب سے ادا ہوگا ورنہ نفلی ہوگا جیسا کہ آگے اس قسم کا بیان الگ آئے ہے۔ ادا اگر دونوں واجب روزے قوت و تاکید میں برابر ہوں تو اس کے مسائل بھی دو قسم کے ہیں یعنی وہ دونوں واجب ایک ہی جنس کے ہوں گے یا مختلف جنس کے ہوں گے۔ پس (۱) جو دو روزے وجوب و تاکید کے لحاظ سے قوت میں برابر ہوں اور جنس کے لحاظ سے مختلف ہوں اور کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہ ہو تو وہ دونوں باطل ہو جائیں گے کیونکہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر اولیت نہیں رکھتا اور دونوں کا واقع ہونا مستحکم اس لئے ان میں سے کوئی بھی ادا نہیں ہوگا پس اگر کسی شخص نے ایک روزہ میں کفارہ ظہار و کفارہ قتل کی نیت کی یا کفارہ رمضان و کفارہ قتل کی نیت کی یا کفارہ ظہار و کفارہ یمین کی نیت کی تو ہمارے جہنوں ائمہ کے نزدیک بالاتفاق کسی ایک سے بھی جائز نہیں ہے بلکہ نفلی ہو جائے گا کیونکہ دونوں وصف میں مساوی ہیں اس لئے آپس کے تعارض کی وجہ سے ماقض ہو جائیں گے اور اصل نیت باقی نہ جائے گی جو نفلی کے لئے کافی ہے (یعنی وہ روزہ نفلی ہو جائے گا) امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ



دونوں میں سے کسی ایک کی جگہ واقع ہو جائے گا اور اس کو اختیار ہے کہ کسی ایک کی جگہ ہونا مقدر کرے۔ الاشباہ والنظائر میں یہ مسئلہ سی  
 رعایت کی بنا پر اس طرح بیان کیا گیا ہے — (۲۰) اگر کسی شخص نے ایک روزے میں دو رمضانوں کے ایک ایک روزے کی نیت کی  
 تو وہ کسی ایک رمضان کا روزہ بھی واقع نہیں ہوگا کیونکہ دونوں مختلف ابجنس میں اسی طرح ہے — (۲۱) اگر کسی شخص نے ایک روزہ  
 میں ایک رمضان کے دو یا زیادہ قضائی روزوں کی نیت کی حتیٰ کہ اگر ایک روزہ میں تمام ماہ رمضان کے قضائی روزوں کی نیت کی  
 تو جائز ہے اور جائز کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک غیر معین روزہ جائز ہو جائے گا اور اس روزہ دار کو ان میں سے کسی ایک روزہ  
 کی لدا انکی خود متعین کر لینی چاہئے — (۲۲) اگر کسی شخص نے ایک روزہ میں کفارہ ظہار کے دو روزوں کی نیت کی تو ان میں سے ایک روزہ  
 کی جگہ جائز ہو جائے گا استحساناً یعنی وہ کفارہ ظہار کا ایک روزہ لدا ہونا مقدر کرے — (۲۳) اگر کسی نے ایک روزے میں کفارہ یمن  
 کے دو روزوں کی اکٹھی نیت کی تو ان میں سے ایک روزہ کی جگہ واقع ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے دو یمن (قسموں) کفارے  
 کے روزوں کی نیت سے تین روزہ مکہ یا ایک یمن (قسم) کے کفارے کی جگہ جائز ہوگا۔

قسم دوم یعنی ایک روزہ میں دو نفل روزوں کی نیت کرنا، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ  
 اگر کوئی شخص ایک دو گانہ نفل نماز میں دو نفل نمازوں کی نیت کرے مثلاً دو رکعت صبح اور دو رکعت نیت کی نیت کرے  
 تو دونوں کی طرف سے وہ دو گانہ جائز ہوگا لیکن اگر ایک روزہ میں دو نفل روزوں کی نیت کرے مثلاً اگر عرفہ پر کے دن ہو اور  
 کوئی شخص اس دن کا روزہ رکھ لے اور عرفہ دیر کے روزے کی اکٹھی نیت کرے تو یہ مسئلہ ابھی تک نہیں ملا کہ اس کی جگہ واقع ہوگا یا  
 قسم سوم یعنی ایک روزہ میں کسی واجب اور نفل روزہ کی اکٹھی نیت کرنا۔ (۱) اگر کسی شخص نے ایک روزہ میں قضا  
 رمضان اور نفل روزے کی اکٹھی نیت کی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قضائے رمضان سے واقع ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک  
 نفل سے واقع ہوگا اور یہی حکم اس وقت ہے جبکہ قضائے رمضان کے علاوہ کسی اور واجب اور نفل روزہ کی اکٹھی نیت کی ہو  
 اصل مسائل میں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں، لیکن پوشیدہ نہ رہے کہ اس صورت میں اس روزے کے قضا  
 سے واقع ہونے کے لئے شیخین کے نزدیک دو شرطیں ہیں اولیٰ یہ کہ قضا و نفل کی نیت رات کے وقت میں یعنی طلوع فجر  
 سے قبل کی ہو پس اگر ان کی نیت دوا میں کی ہوگی تو بالاجماع وہ روزہ نفل ہوگا کیونکہ قضا روزہ کی نیت دن میں کرنا درست  
 نہیں ہے کما لا یخفی۔ دوسرے یہ کہ قضا کا روزہ اس کے ذمہ لازم ہو پس اگر اس پر کوئی قضا روزہ لازم نہیں تھا اس کے باوجود  
 اس نے قضا روزہ اور نفل روزہ کی اکٹھی نیت کی تو بالاتفاق وہ روزہ نفل ہوگا — (۲) یہ جو ادھر بیان ہوا یہ اس وقت ہے  
 جبکہ وہ واجب روزہ ایسا ہو جو مطلق نیت سے جائز نہ ہوتا ہو لیکن اگر کوئی شخص ایک روزہ میں نذر معین اور نفل روزے کی اکٹھی  
 نیت کرے تو بالاجماع نذر معین سے واقع ہوگا۔ شیخین کے نزدیک تو اس کی وجہ ظاہری ہے کیونکہ نذر نفل سے ارجح ہے اور  
 امام محمدؒ کے نزدیک اس لئے یہ حکم ہے کہ جب دو نیتیں باہم متعارض ہو جائیں تو ساقط ہو جاتی ہیں اور اصل نیت باقی رہ جاتی ہے  
 پس وہ نذر معین سے واقع ہوگا کیونکہ اصل نیت (مطلق نیت) نذر معین کے لئے کافی ہے خواہ نذر معین و نفل کی اکٹھی نیت







دن واقع ہوا جو جس دن کا نفلی روزہ رکھنے کی اس کو عادت تھی۔ مثلاً کسی شخص کی عادت ہے کہ جمعرات یا پیر کا روزہ رکھا کرتا ہے اور تیسویں شعبان اسی دن جمعرات یا پیر کی ہے تو اس کو روزہ رکھنا افضل ہے اور کیا ایک دفعہ اس دن کا روزہ رکھنے سے عادت ثابت ہو جاتی ہے جیسا کہ حیض کے بارے میں حکم ہے؟ اس بارے میں بعض شوافع کو تردد ہے اور بظاہر اگر کسی نے ایک مرتبہ ایسا کیا ہو اور اس کا پکا ارادہ ہو کہ آئندہ بھی اس دن کا روزہ رکھا کرے گا پھر وہی دن شک کا دن واقع ہو گیا تو عادت ثابت ہو جائے گی اور اس کو اس روز کا نفلی روزہ رکھنا افضل ہوگا اس لئے کہ عادت کسی فعل کے مکرر یعنی یکے بعد دیگرے کرنے سے ثابت ہو جاتی ہے اور اس کا پکا ارادہ ہونے سے مکرر یعنی دوبارہ کرنا حکماً حاصل ہو جاتا ہے لیکن آئندہ اس دن کا روزہ رکھنے کے پکے ارادے کے بغیر ایک دفعہ سے عادت ثابت نہیں ہوگی غور فرمایا جائے۔ اور اسی طرح اس دن کا روزہ رکھنا اس شخص کے لئے بھی افضل ہے جو شعبان کے اخیر میں تین یا زیادہ دن کے روزے رکھے تین دن سے کم نہ رکھے کیونکہ حدیث شریف میں اس کی ممانعت وارد ہے اور یہ حدیث صحیح ستین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان سے ایک یا دو روزہ پہلے سے یعنی پیشگی روزہ رکھنا شروع نہ کرو مگر جو شخص عادتاً اس دن کا روزہ رکھتا ہو وہ البتہ اس دن کا روزہ رکھ لے۔

(۳) اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ شک سے روزہ رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا افضل ہے فقہانے کہا ہے کہ اگر پورے شعبان کے روزے رکھے ہیں یا اتفاقاً شک کا روزہ اس دن واقع ہوا جس دن اس کو روزہ رکھنے کی عادت تھی تو روزہ رکھنا افضل ہے اور اسی طرح اگر شعبان کے اخیر میں تین یا زیادہ روزے رکھے تب بھی اس روزہ کا رکھنا بالاتفاق افضل ہے (جیسا کہ یہ صورتیں مآ میں بیان ہو چکی ہیں اور اگر یہ صورتیں نہیں ہیں یعنی شک کے دن کا نفلی روزہ کی عادت کے دن کے موافق واقع ہونا یا آخر شعبان کے تین یا زیادہ دن یا تمام شعبان کے روزے رکھنا ہو تو یوم شک کے روزے میں خلل ہے مختار یہ ہے کہ خاص لوگوں کے لئے نفل روزہ رکھنے کا فتویٰ دیا جائے اور عوام کو روزوں (دوپہر شرعی) سے پہلے تک کھانے پینے اور صلا وغیرہ منہیات روزہ سے باز رہنے کا فتویٰ دیا جائے اس لئے کہ احتمال ہے کہ شاید اس وقت تک وہ دن رمضان کا ثابت ہو جائے (یعنی کہیں سے شہادت آجائے، مؤلف) اور اس کے بعد روزہ نہیں ہوتا (یعنی دوپہر شرعی ہونے پر وہ لوگ کھائیں نہیں اور روزہ نہ رکھیں، مؤلف) اور یہی صیح ہے اور یہ حکم عوام کے لئے بطریق استحباب و افضلیت ہے بطریق وجوب نہیں ہے جیسا کہ خواص کے لئے نفلی روزہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ خاص اور عوام میں فرق یہ ہے کہ جو شخص شک کے دن کے روزہ کی نیت جانتا ہو وہ خواص میں سے ہے ورنہ عوام میں سے ہے اور اس دن کے روزہ کی نیت یہ ہے کہ جس شخص کو اس دن کا روزہ رکھنے کی پہلے سے عادت نہ ہو وہ پکے ارادے کے ساتھ نفل روزے کی نیت کرے اور اس کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ اگر کل کا دن رمضان کا ہوگا تو وہ روزہ رمضان کا ہے یعنی نیت میں تردد نہ رکھے کہ اگر شعبان کا دن ہے تو روزہ نفل ہے بلکہ اگر



رمضان کا دن ہے تو روزہ فرض یعنی رمضان کا ہے بلکہ محض نفل کی نیت پکی اور یقینی کرے اور نفل کی پکی و یقینی نیت کے بعد پھر اگر کبھی کبھی دل میں یہ خیال گذر جاتا ہے کہ شاید آج رمضان کا دن ہو تو اس میں کوئی حرج و کراہت نہیں ہے کیونکہ وہ اس احتمال کی وجہ سے احتیاطاً روزہ رکھ رہا ہے اور خواص کے لئے اس روزہ کے روزے کا افضل و مستحب ہونا اس وقت ہے جبکہ وہ اس طرح روزہ رکھیں کہ عوام کو اس کی خبر نہ ہونا کہ وہ اس دن کے روزے کی عادت نہ ڈال لیں پس بے علم لوگ رمضان پر زیادتی کا گمان کریں گے۔ یا پھر روزہ رکھنے والوں کو شتم کریں گے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ خاص لوگ اس دن کی صبح کو روزہ دار ہوں نہ کہ چاند کے ثبوت کی انتظار میں کھانے پینے وغیرہ سے رُکے ہوئے ہوں بخلاف عوام کے لیکن ظہیر میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ چاند کے ثبوت کی انتظار میں بغیر کھائے پئے دوپہر شرعی تک رہیں اور جب دوپہر شرعی قریب ہو جائے اگر اس وقت تک چاند کی رویت کا ثبوت ہو جائے تو سب روزہ کی نیت کر لیں اور روزہ رکھ لیں اور اگر چاند کی رویت ثابت نہ ہو سکے تو عامۃً مثل اس پر نہیں کہ قاضیوں اور مفتیوں کو نفلی روزہ رکھ لینا چاہئے اور خاص لوگوں کو بھی اسی کا فتویٰ دیں اور عام لوگوں کو افطار کا حکم دیں اور اس عمارت سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ چاند کے ثبوت کی انتظار میں کھانے پینے وغیرہ سے رُکے رہنا سب کے لئے افضل ہے جیسا کہ نہر الفائق میں ہے لیکن ہدایہ و معیاد و حانیہ وغیرہ میں ہے کہ مختار یہ ہے مفتی خود احتیاط کو اختیار کرتے ہوئے روزہ رکھے اور عوام کو نوال تک (دوپہر شرعی سے پہلے تک) منہیات روزہ سے باز رہنے کا فتویٰ دے اور اس کے بعد یعنی جب نیت کا وقت گزر جائے اور اس روزہ کے رمضان ہونے کا ثبوت نہ مل سکے تو افطار کا فتویٰ دے اور مفتی اور عوام میں فرق یہ ہے کہ مفتی جانتا ہے کہ رمضان پر فرض روزے کی زیادتی جائز نہیں ہے پس اس لئے وہ روزہ احتیاطاً رکھتا ہے تاکہ رمضان میں افطار واقع نہ ہو جائے بخلاف عوام کے کہ ان کے وہم میں رمضان کے فرض روزہ پر کسی اور فرض روزے کی زیادتی کا خیال واقع ہو جائے گا اس لئے بعد انتظار ان کا افطار کرنا افضل ہے۔ اور ان کیلئے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ (مؤلف)

(تنبیہ) اگر ذی الحجہ کے مہینے میں اس بارے میں شک واقع ہو کہ یہ نو تاریخ یعنی عرفہ کا دن ہے یا دس تاریخ یعنی قربانی کا دن ہے تو ظاہر ہے کہ اس دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

(۳) اور شک کے روزہ فرض یا واجب روزے کی نیت سے یا نفل دو واجب روزے کے درمیان تردد و اہلی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے لیکن پکا ارادے سے نفل روزہ رکھنا اس طرح کہ اس کی نیت میں نفلی کے ساتھ دوسرا کوئی روزہ ہونے کا تردد نہ پایا جائے بلکہ کراہت جائز ہے۔ پس نیت میں پکا ارادہ ہونے یا نہ ہونے کے اس مسئلہ کی پانچ صورتیں مرتب ہوتی ہیں۔ اول یہ ہے کہ نفل روزہ کی نیت پختہ یعنی بغیر تردد کے ہونا۔ دوم کسی واجب روزے کی نیت پختہ ہونا۔ سوم رمضان کے روزے کی نیت پختہ ہونا۔ چہارم اہل نیت میں تردد ہونا۔ پنجم نیت کے وصف میں تردد ہونا۔ اول ان پانچ صورتوں کے احکام یہ ہیں: اول اگر نفل اور کسی دوسرے روزے کے درمیان تردد کی نیت کے بغیر پکا ارادے سے نفلی روزہ رکھا تو مکروہ نہیں ہے۔ یعنی اگر

لے ش دم و حیات لے حیات لے ش حیاة لے ط ش م لے ش متغیر و تصرف لے م۔



محض نفل روزے کی نیت کی تو صحیح یہ ہے کہ کوئی مضائقہ و کراہت نہیں ہے پھر اگر ظاہر ہوا کہ وہ دن رمضان کا تھا تو وہ روزہ رمضان کا ہوگا اور اگر ظاہر ہو کہ شعبان کا دن تھا تو وہ روزہ نفل ہو جائے گا اور اگر اس نے وہ روزہ توڑ دیا تو اس پر قضا لازم ہوگی اس لئے کہ اس نے اس کو اپنے عباد پر لازم کرتے ہوئے شروع کیا تھا۔ دم اگر کسی دوسرے واجب مثلاً نذریہ کفارہ یا قضا کی نیت کی تو یہ روزہ مکروہ تنزیہی ہوگا اور کتب فقہ میں جو عدم کراہت کی نصیح وارد ہوئی ہے اس سے مراد کراہت تحریمی کی نفی ہے پس یہ کراہت تنزیہی کے منافی نہیں ہے۔ پھر اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ دن رمضان کا تھا تو روزہ رمضان سے ادا ہو جائے گا کیونکہ اصل نیت اس میں پائی گئی ہے (اور رمضان کا روزہ کسی دوسرے واجب کی نیت سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ ظاہر ہو کہ وہ شعبان کا دن تھا تو جس واجب کی نیت کی ہے اسی سے ادا ہوگا یہی اصح روایت ہے اور بعض نے کہا کہ وہ نفل روزہ ہوگا۔ اور اگر یہ ظاہر نہ ہو کہ وہ دن شعبان کا تھا یا رمضان کا تو بلا خلاف یہ حکم ہے کہ جس واجب کی نیت کی ہے اس کا وہ روزہ نہیں ہوگا۔ اور یہ نیت بیکار ہو جائے گی (مؤلف) یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ مقیم ہو اور اگر وہ مسافر ہو اور اس نے شک کے دن کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کی تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس پر رمضان کا ادائی روزہ فرض نہیں ہے پس اس کے روزہ نے فرض پر زیادتی کے شبہ میں نہیں ڈالا اور رمضان کا دن ظاہر ہونے کی صورت میں بھی وہ اس واجب سے ہی واقع ہو جائے گا جس کی اس نے نیت کی ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کو بھی مقیم کی مانند مکروہ ہے اور یہ ظاہر ہونے پر کہ وہ رمضان کا دن ہے وہ روزہ رمضان سے ادا ہو جائے گا۔

سوم: اور اگر یہ نیت کی کہ رمضان کا روزہ رکھتا ہے تو مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے روزوں میں کچھ دن بڑھالئے ہیں اور وہ حدیث اسی پر محمول ہے جس میں یہ آیا ہے کہ رمضان سے ایک دو روز پہلے روزہ رکھنے میں سبقت نہ کر۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص شک کے دن کا روزہ رکھے گا وہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے والا ہوگا۔ درمختار میں ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے شامی میں ہے کہ مذہبی نے بھی یہی کہا ہے پھر کیا ہے کہ عمار بن یاسر سے یہ حدیث موقوفاً منقول ہے اور وہ اس جیسی صورت میں مرفوع کی مانند ہے اور اس کی کوئی اصل نہ ہونے کو مرفوع نہ ہونے پر محمول کرنا چاہئے ورنہ یہ حدیث مجاہد اور ابو عبیدہ سے موقوفاً وارد ہے اور اس کو بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے اور اس کی تفصیل شامی اور فتح القدیر میں ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ شک کے روزہ رمضان کے روزے کی نیت سے روزہ رکھنے میں ردافض کے ساتھ بھی تشبیہ پایا جاتا ہے کیونکہ وہ رمضان سے ایک ہفتہ قبل روزہ رکھتے ہیں مگر اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ رمضان کا دن ہے تو یہ روزہ رمضان سے ادا ہو جائے گا اور اگر ظاہر ہو کہ وہ دن شعبان کا تھا تو وہ روزہ نفل ہو جائے گا اور اگر اس روزہ کو توڑ دیا تو اس پر کوئی قضا لازم نہیں ہوگی۔

لے ع لے مدوش بغیر لے حیات لے ش در ع وہا لے حیات لے ش و حیات لے ع و ش لے مدوش لے مدبر لے مدوش  
لے حیات لے مدوش لے ع و حیات لے ع و حیات لے قاضی خاں و حیات۔

م اور غیر القطر ہے ایک مدوش قبل اظہار روزہ مکروہ لے ع و حیات۔







فصایک کما فی فرض ادا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو وہ منظون یعنی ظنی روزے والے کی مانند ہو گیا اس وجہ سے کہ ان دنوں صورتوں میں فرض ادا کرنا نہ نظر ہے نہ کہ اپنے اوپر لازم کر لینا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ادا اگر کسی شخص نے یوں تردیدی نیت کی کہ اگر کل کو رمضان کا دن ہے تو رمضان کا روزہ ہے ورنہ مطلق روزہ ہے یعنی کوئی تعین نہیں ہے تو اس کا حکم اس شخص کی مانند ہے جس نے فرض و نفل کی تردیدی نیت کی ہو چکی ہو چکا ہے۔ اگر کسی نے شک کے روزہ نیت کی کہ میں شعبان کا روزہ رکھتا ہوں تو یہ نیت بھی مکروہ ہے اور اس نیت سے روزہ رکھنے کے بعد اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ رمضان کا دن ہے تو وہ رمضان کا روزہ ہو جائیگا (۵) شک کے روزہ چاند کی شہادت کے انتظار میں کھانے پینے وغیرہ منہیات سے رکھنے والے شخص کا دوپہر تک نیت کرنے سے پہلے بھول کر کھانا پینا ایسا ہے جیسا کہ نیت کے بعد بھول کر کھانا پینا پھر اگر ظاہر ہوا کہ یہ رمضان کا دن ہے اور بھول کر کھانے کے بعد اس نے روزہ کی نیت (دوپہر سے پہلے) کر لی تو جائز ہے اس لئے کہ بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور یہی معصوم ہے، بعض نے کہا کہ جائز نہیں ہے اور بعض نے اس پر جزم کیا ہے لیکن پہلا قول یعنی جائز ہونا ہی معتد ہے جیسا کہ غیر مفصلات روزہ (مکروہات) کے بیان میں آتا ہے (مؤلف)

(۶) بغیر شک کے صرف احتیاط کی بنا پر شعبان کے آخری ایک یا دو دن کا پیشگی روزہ رکھ کر رمضان کے روزوں پر تقدیم کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سواہ رمضان کے روزوں پر ایک یا دو روزہ پیشگی رکھ کر پیشقدمی مت کرو مگر وہ شخص ان دنوں کے روزے رکھ لے جو پہلے سے عادتہ ان دنوں کے روزے رکھتا ہو۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے (جیسا کہ پہلے بیان ہوا، مؤلف) اور تقدیم سے مراد یہ ہے کہ ان روزوں میں رمضان کے روزے یعنی فرض روزے کی نیت کرے شیہ بعض نے کہا ہے کہ تقدیم میں کراہت مطلقہ ہے (خواہ کسی بھی نیت سے رکھے) اور بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ کراہت اس وقت ہے جبکہ رمضان کے روزے کی نیت کرے اور اس قول والوں کی اکثریت ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ کراہت نفلی روزے کو بھی شامل ہے پس شعبان کے آخری ایک یا دو روز میں نفلی روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے (یعنی اگر رمضان کے روزہ کی نیت کرے تو مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے، مؤلف) اور شعبان کے آخری تین دن یا زیادہ کے روزے رکھنا مکروہ نہیں ہے پس خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کے روزہ کی عادت والے دن شعبان کے آخری دو دن میں واقع ہوں اس کے حق میں ان دنوں کا روزہ رکھنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے اور غیر عادت والے شخص کیلئے شعبان کے آخری تین دن یا زیادہ روزہ رکھنے میں بھی مطلقاً کوئی کراہت نہیں اور ایک یا دو دن کا روزہ رکھنے میں اس کے لئے کراہت ہے لیکن یوم شک کا روزہ اگر صرف نفل روزے کی نیت سے رکھے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے خواہ اس کی عادت کا دن ہو یا نہ ہو۔ (۷) اگر کسی شخص نے شک کے روزوں کے اول حصہ میں کچھ کھائی یا پھر اسی رمضان کا دن ہے تو اس شخص کو باقی دن روزہ داروں کی طرح رہنا چاہئے اور کچھ کھانا پینا نہیں چاہئے اور رمضان کے بعد اس روزہ کی قصاص دینی چاہئے اور اسی طرح اگر زوال کے بعد ثابت ہوا کہ یہ رمضان کا دن ہے تب بھی یہی حکم ہے جیسا کہ آگے اس کا مستقل بیان آئے گا (مؤلف)



چاند ویکھے کا بیان

## چاندی کے حکم

چاند دیکھنے کا حکم (۱) شعبان کی تیسویں رات یعنی انیس تاریخ کی شام کو غروب کے وقت رمضان المبارک کا چاند تلاش کرنا دیکھنے کی کوشش کرنا واجب علی الکفایہ ہے کیونکہ کبھی یہ مہینہ ناقص ہوتا ہے اور چاند دکھائی دینے سے ماہ رمضان ثابت ہو جاتا ہے۔ بظاہر واجب سے مراد فرض ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے فرض کی ادائیگی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح شعبان کے مہینے کی گنتی پوری کرنے کے لئے شعبان کا چاند بھی رجب کی تیسویں شب میں ڈھونڈنا چاہئے (یعنی یہ بھی واجب علی الکفایہ ہے، مؤلف) حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے چاند کے لئے شعبان کے چاند کی حفاظت کرو (نگاہ رکھو) رواہ الترمذی۔ اور اسی طرح شوال کے ہلال کا رمضان کی انیسویں تاریخ کو غروب کے وقت تلاش کرنا دیکھنے کی کوشش کرنا واجب علی الکفایہ ہے۔ پس اگر شوال کا چاند تیسویں شب کو نظر آجائے تو اس روز عید کریں اور اگر چاند نظر نہ آئے تو رمضان کے تیس دن پورے کریں اس کے بعد عید کریں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ رمضان کا چاند دو باتوں میں سے ایک بات کے ساتھ ثابت ہو جائے گا یعنی یا تو چاند نظر آجائے یا پھر تیس دن پورے کئے جائیں اور اس پر علمائے امت کا اجماع ہے۔ رمضان کے علاوہ باقی اور مہینوں کے چاند کے ثبوت کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک بات کے ساتھ ثابت ہو جائے گا البتہ رمضان اور دیگر مہینوں میں ابرو وغیرہ وغیرہ کے روز اس بارے میں فرق ہے کہ چاند کی رویت میں کتنے آدمیوں کا قول مانا جائے جیسا کہ اس کی تفصیل آتی ہے (ذی الحجۃ اور ذی قعدہ کا چاند بھی انیس تاریخ کی شام کو غروب آفتاب کے وقت دیکھنے کی کوشش کرنا واجب علی الکفایہ ہے جیسا کہ دلیل مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اور ان پانچ مہینوں کے علاوہ باقی مہینوں کے چاند انیس تاریخ کی شام کو غروب آفتاب کے وقت دیکھنے کی کوشش کرنا مستحب علی الکفایہ ہے اور ہر مہینے کا چاند انیس تاریخ کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے سے دیکھنے کی کوشش کرنا بھی مستحب ہے مؤلف) پس شعبان کی انیس تاریخ کو غروب کے وقت لوگوں پر چاند کا سماع کرنا (دیکھنے کی کوشش کرنا) واجب ہے اگر چاند نظر آگیا تو اس روز سے روزہ رکھیں اور اگر ابرو وغیرہ وغیرہ ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کریں اس کے بعد رمضان کے روزے شروع کریں، مؤلف) حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَآفِطُوا لِرُؤْيَيْهِ فَإِنْ عُدَّ عَلَيْكُمْ فَأَلْمُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا رواه البخاري ومسلم۔

(۲) بخوبیوں میں سے جو لوگ سمجھ دار تجربہ کار اور عادل ہوں ان کے قول کا اعتبار کیا جائے یا نہیں اس بارے میں صحیح

== ہے کہ ان کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور بخوبی کو خود بھی اپنے حساب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ یعنی مسیح مذہب کی بنا پر لوگوں پر

لَمْ يَكُنْ لَهُ دِيَارٌ يُنْفِقُ مِنْهُ مِثْلَ مَا نَفَقَ عَلَيْهِ حَيَاتٍ كَمَا نَفَقَ عَلَيْهِ الْمَلِكُ وَالْمُلْكُ.

۴۴ جب پہلی بار دعا پڑھنا سنوں ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِاَیِّمَنِ وَالْاِیْمَانِ وَالْاِسْلَامِ وَالْاِسْلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَالْاِسْلَامِ بِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبِّیْ وَرَبِّکَ اَللّٰهُمَّ



روزہ رکھنا یا روزہ نہ رکھنا فرض ہونے کے بارے میں بالا جماع متعین کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے اگرچہ وہ عادل ہوں اس لئے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حساب کو معتبر قرار نہیں دیا بلکہ یہ فرما کر چاند کے بارے میں حساب کو بالکل لغو قرار دے دیا کہ ہماری امت ان پر ہے ان کی اکثریت نہ لکھنا جانتی ہے نہ حساب جانتی ہے ہمینہ اتنے (میں) دن اور اتنے (اتیس) دن کا ہوتا ہے انجلیوں کے اشارے سے اس کی تفصیل فرمادی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (اور یہ بھی فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزے رکھو یا شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کرو) پس روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے واجب ہونے میں چاند کا دکھائی دینا شرط ہے اس بارے میں بخومیوں اور حساب دانوں کا قول نہیں لیا جائے گا اگرچہ وہ بہت ہوں اور سوائے شاذ و نادر کے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے تمام اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ بخومیوں و حساب دانوں کے قول پر چاند کے بارے میں کوئی اعتماد نہیں ہے اور امام سبکی شافعی رحمہ اللہ نے جو اس بارے میں بخومیوں کے حساب کو معتبر قرار دیا ہے اور اس پر عمل کو جائز قرار دیا ہے تو یہ قول مردود ہے متاخرین کی ایک جماعت نے اس کی تردید کی ہے اور خود اس کے ہم مذہب متاخرین فقہانے بھی اس کی تردید کی ہے ان میں سے علامہ ابن حجر اور علامہ الرملی ہیں جنہوں نے مہاج کی شرح میں اس قول کو رد کیا ہے۔ معراج الدرایہ میں ہے کہ متعین کا قول بالا جماع معتبر نہیں ہے جس نے ان کا قول مان کر روزے شروع کئے یا عید کی اُس نے شرع شریف کی مخالفت کی، اور حاسب بھی منجم کے حکم میں ہے اس کے قول پر بھی عمل نہیں کیا جائے گا۔ منجم اور حاسب میں فرق یہ ہے کہ منجم وہ ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ فلاں شروع ہونے میں فلاں ستارہ طلوع کرے گا اور حاسب وہ ہے جو چاند کی منازل پر اعتماد کرتا ہے اور اس کی سیر کو اندازہ کرتا ہے۔ پس بخومیوں اور حساب دانوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ان کے حساب کے مطابق نہ ان پر روزہ رکھنا واجب ہے اور نہ ان پر واجب ہے جو ان کی تصدیق کریں اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور اسی طرح چاند کی رویت بخبر سے بھی ثابت نہیں ہوتی خواہ وہ تجربہ کتنا ہی معتبر ہو جیسا کہ وہ مشہور قول جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے اور وہ مشہور قول جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے (مؤلف) پس اگر مثلاً رمضان کا مہینہ پنجشنبہ کے دن شروع ہوا اور عید بھی پنجشنبہ کے دن ہوا تو وہ دن عرفہ کا ہوگا قربانی کا نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر کوئی شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اس دن قربانی کرے گا تو جائز نہ ہوگی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وہ مشہور قول یہ ہے کہ تمہاری قربانی کا دن وہی ہے جو تمہارے روزے کا دن ہے اس قول پر اعتماد صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ حکم اسی سال کے لئے فرمایا ہو ہمیشہ کے واسطے نہ فرمایا ہو۔

(فائدہ) کیونکہ رمضان کی پہلی تاریخ سے ذی الحجہ کی پہلی تاریخ تک تین مہینے کا وقفہ ہے پس قربانی کا دن پہلے روزے کے دن کے ساتھ اس صورت میں موافق ہوگا جبکہ ان تین مہینوں میں سے دو کامل اور ایک ناقص ہو جیسا کہ مثلاً رمضان کی پہلی تاریخ دو شنبہ (پیر کی ہو) تو اگر رمضان اور شوال کامل اور ذی قعدہ ناقص ہو تو قربانی کا دن دو شنبہ کو ہوگا اور اگر تینوں مہینے

لے حیات سے دروش تصرف سے شرم سے تصرف سے حیات سے حاشیہ امجد سے فی البیان المتصل بالاعکاف۔



کامل ہوں تو قربانی کا دن دو شنبہ کے بعد کا ہوگا اور اگر تینوں مہینے یا ان میں سے دو مہینے ناقص ہوں تو قربانی کا دن دو شنبہ سے پہلے واقع ہوگا پس ایسا اصول اعتقاد کے لائق نہیں ہے۔ اور علامہ اُبی شرح مسلم شریف میں لکھتے ہیں کہ کبھی ایک مہینہ ناقص ہوتا ہے اور کبھی دو اور تین اور چار مہینے لگاتار ناقص ہوتے ہیں اور چار مہینے سے زیادہ لگاتار ناقص نہیں ہوتے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کی شرح مشکوٰۃ شریف میں بھی اسی طرح ہے اور شرح مواہب لدنیہ میں ہے کہ ناقص مہینوں کا لگاتار ہونا زیادہ سے زیادہ تین ماہ تک ہوتا ہے اور اس سے زیادہ عادتہ ممتنع ہے اور اسی طرح مہینوں کا لگاتار کامل ہونا بھی تین ماہ تک ہی متحقق ہے اور اس سے زیادہ ممتنع ہے یہ بعض علما کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ کبھی لگاتار چار مہینے بھی ناقص ہوتے ہیں اور اس سے زیادہ ممتنع ہے اور کہا گیا ہے کہ یہی ٹھیک ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ چار مہینے لگاتار ناقص ہونے میں بھی اختلاف ہے جیسا کہ چار مہینے لگاتار کامل ہونے میں اختلاف ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور اسی طرح یہ جو کہا گیا ہے کہ جس روز جب کی جو تہی تاریخ ہوگی اسی روز رمضان کی پہلی تاریخ ہوگی یہ بھی لازمی نہیں ہے بلکہ بعض سالوں میں اس طرح واقع ہوتی ہے اور اسی طرح اس قول پر بھی اعتقاد نہیں ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ عید الفطر کے دن عاشوراء کا دن ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیس دن کے مہینے والے روزوں سے انتیس دن کے مہینے والے روزے زیادہ رکھے ہیں رواہ ابو داؤد الترمذی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ اور روزہ کی فرضیت کے بیان میں مالکین سے لکھا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نو سال رمضان المبارک کے روزے ادا فرمائے جن میں سے دو رمضان تیس تیس روز کے ہوئے اور باقی سات رمضان انتیس انتیس دن کے ہوئے۔

(۳) اور جو چاند دن کو نظر آئے وہ آنے والی رات کا شمار کیا جائے گا مطلقاً یہ حکم صحیح مذہب کی بنا پر ہے۔ جو کہ امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہ حکم مطلقاً ہر صورت میں ہے خواہ چاند نوال سے پہلے نظر آئے یا نوال کے بعد۔ اور وہ دن رمضان کا دن نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر چاند نوال کے بعد دیکھا گیا تب تو یہی حکم ہے کہ وہ آنے والی رات کا ہے اور اگر نوال سے پہلے دیکھا گیا تو وہ گذشتہ رات کا ہے اور وہ دن رمضان کا دن ہوگا اور یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بھی مختلف فیہ رہا ہے اور اس اختلاف کی بنا پر اگر سوال کا چاند شک والے روز یعنی رمضان کی تیسویں تاریخ کو نوال سے پہلے یا بعد میں دیکھا جائے تو وہ طرفین کے نزدیک آنے والی رات کا ہے اور وہ دن رمضان کا دن ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگر نوال سے پہلے دیکھا گیا ہے تو وہ گذشتہ رات کا ہے اور وہ دن عید الفطر کا دن ہے اور طرفین کے نزدیک اصل اس میں یہ ہے کہ دن کی رویت کا اعتبار نہیں ہے خواہ زوال سے پہلے ہو یا بعد میں بلکہ اعتبار غروب کے بعد کی رویت کا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک زوال سے قبل کی رویت کا اعتبار ہے اور طرفین کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ چاند دیکھ کر رمضان کے روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر رمضان کے روزے رکھ کر ترک کرو۔ پس روزہ رکھنا شروع کرنے



یاد رہے رکھنا ترک کرنے کا حکم رویت کے بعد ہے یعنی حدیث شریف سے روزہ رکھنے اور افطار کرنے پر چاند کی رویت کا مقدم ہونا واجب معلوم ہوتا ہے اور صحابہ کرامؓ و تابعین اور ان کے بعد والے محدثین و فقہاء کے نزدیک اس حدیث کا جلدی ذہن میں آنے والا (واضح) مطلب یہی ہے کہ اس سے ہر مہینے کے آخری دن کے غروب آفتاب کے بعد کی رویت مراد ہے پس امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق روزہ رکھنا شروع کرنے اور روزہ رکھنا ترک کرنے کا وجوب رویت ہلال پر مقدم ہو جائے گا اور نص کے خلاف ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ بظاہر ہلال چاند زوال سے پہلے عادتاً نظر نہیں آتا لیکن جبکہ وہ دورات کا ہو تو نظر آتا ہے پس یہ بات ہلال رمضان میں اس دن کو رمضان کا دن ہونا واجب کرتی ہے اور ہلال شوال میں اس دن کو عید الفطر کا دن ہونا لازمی قرار دیتی ہے اور مختار طرفین کا قول ہے۔ ہاں اگر اتنی تاریخ کو زوال کے بعد چاند دیکھا جائے تو بالاتفاق یہ سمجھا جائے گا کہ وہ چاند گویا تیسویں شب کو دیکھا گیا ہے اور ہمارے فقہاء کا اختلاف اس چاند میں ہے جو تیس تاریخ کو زوال سے قبل دیکھا گیا ہو پس وہ چاند امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک آٹے والی رات کا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک گذشتہ رات کا ہے اور طرفین کا قول مختار ہے لیکن اگر اس کے دیکھنے سے لوگ روزہ افطار کر دیں تو ان پر کفارہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ انہوں نے تاویل کی بنا پر افطار کیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان پر کفارہ واجب ہوگا کیونکہ جس تاویل کی بنا پر انہوں نے افطار کیا ہے صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حدیث میں افطر والہ رویتہ سے مراد یہ ہے کہ افطار کے وقت یعنی غروب آفتاب کے بعد افطار کر دو اور اسی طرح صوم والہ رویتہ کو بھی یہی مراد ہے کہ اس کے وقت میں یعنی غروب آفتاب کے بعد روزہ کی نیت کرو و الله اعلم بالصواب۔

م پس زوال سے پہلے یا زوال کے بعد چاند دیکھنا ظاہر مذہب کی بنا پر غیر معتبر ہے اور اسی پر اکثر ملاحضہ میں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور دن میں چاند کی رویت غیر معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے روزہ رکھنے یا روزہ ترک کرنے کے وجوب کا حکم ثابت نہیں ہوتا اسی لئے خانیہ میں کہا ہے کہ نہ روزہ رکھا جائے اور نہ افطار کیا جائے اور چاروں ائمہ مذہب نے تصریح کر دی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ دن میں پہلی رات کا چاند نظر آنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ رات کی رویت ہی معتبر ہے اور مجہول کے قول کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ یہ اختلاف شک کے دن کی رویت میں ہے اور وہ شعبان یا رمضان کی تیس تاریخ کا دن ہے اس لئے کہ اتنی تاریخ کے دن کی رویت کے بارے میں کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ وہ گزری ہوئی رات کا ہے کیونکہ اس طرح مہینے کا اٹھائیس دن کا ہونا لازم آتا ہے جیسا کہ اس پر بعض محققین نے دلیل بیان کی ہے کہ ان کا یہ قول کہ دن میں چاند نظر آنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس چاند کو بھی شامل ہے جو اتنی تاریخ کو طلوع آفتاب سے قبل دیکھا جائے پھر تیسویں رات غروب کے بعد بھی دیکھا جائے اور شرعی گواہ اس کی گواہی دہی تو بیشک حاکم اس کے رات میں دیکھے جانے کا حکم دے گا جیسا کہ حدیث شریف سے منصوص ہے۔

م پھر اگر اختلاف سے پہلے یا زوال کے بعد لوگوں سے چاند دیکھا جائے تو اس کی وجہ سے روزہ رکھنے والوں میں اختلاف ہے اور وہ چاند نہ ہونا یا ہونا کی وجہ سے اختلاف ہے۔







ظاہر الروایت ہے۔ غلام کی گواہی پر غلام کی گواہی رمضان کے چاند میں قبول کی جائیگی اسی طرح عورت کی گواہی پر عورت کی گواہی قبول کی جائے گی اور قریب البلوغ لڑکے کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی۔ اور فاسق کی گواہی چاند کے لئے بالاتفاق مقبول نہیں ہے اس لئے کہ فاسق کا قول ایسے دیانات میں مقبول نہیں ہے جن کا حاصل ہونا عادلوں ہی سے ممکن ہوتا ہے مثلاً چاند کی رویت کی گواہی دینا اور احادیث کی روایت کرنا وغیرہ اگرچہ وہ فاسق متعدد ہوں یعنی دو یا زیادہ ہوں بخلاف پانی کی طہارت اور اس کی نجاست وغیرہ کی خبر کے کیونکہ اس کی خبر میں تحری (ناکل) کی جاتی ہے اس لئے کہ بعض اوقات ایسی چیزوں کا حاصل ہونا عادلوں سے ممکن نہیں ہوتا اور اس گواہی میں شہادت کا لفظ اور دعویٰ شرط نہیں ہے کیونکہ یہ ایک دینی امر ہے اور ایک آدمی کی خبر اس میں مقبول ہے جیسا کہ یہ دونوں چیزیں تمام اخبار میں مثلاً احادیث کی روایت اور پانی کی پاکی و نجاست کے متعلق خبر دینے میں شرط نہیں ہیں۔ اور اس میں حاکم کا حکم کرنا بھی شرط نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے حاکم کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی دی اور دوسرے شخص نے حاکم کے پاس اس کی گواہی سنی اور ظاہر میں وہ گواہ عادل تھا تو سامع پر واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے حاکم کے حکم کی اس کو ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے صحیح خبر حاصل کر لی ہے اور چاند کی گواہی میں مفصل کیفیت پوچھنی چاہئے یا نہیں اس کے متعلق امام ابو بکر محمد ابن الفضل رحمہ اللہ (امام فضل) نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یوں بیان کرے کہ میں نے شہر سے باہر جنگل میں چاند دیکھا ہے یا یوں کہے کہ بستی میں پچھلے ہوئے بادل میں سے چاند دیکھا ہے (یا اور اس کے مانند الفاظ کہے) یا تو اس ایک عادل شخص کی گواہی قبول کی جائیگی لیکن اس تفسیر کے بغیر قبول نہیں کی جائیگی۔ اور ظاہر الروایت میں ہے کہ اس کے بغیر بھی قبول کی جائیگی یعنی خواہ وہ چاند دیکھنے کی کیفیت بیان کرے یا نہ کرے صحیح مذہب کی بنا پر ہر حال میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اور خواہ وہ گواہی دینے والا ایک شخص شہر (بستی) سے آیا ہو یا آبادی کے باہر سے آیا ہو اور یہی ظاہر الروایت ہے۔

(۲) اور اگر امام یا قاضی تنہا رمضان کا چاند دیکھے تو اس کو اختیار ہے کہ کسی اور شخص کو اپنی جگہ پر گواہی لینے کے لئے مقرر کرے پھر اس کے پاس اپنی رویت کی گواہی دے یا اپنی رویت پر خود ہی لوگوں کو روزہ کا حکم کر دے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے چاند کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ گواہی کے لئے کسی شخص کو مقرر کرنے کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ حاکم اپنی طرف سے کوئی نائب مقرر کرے تاکہ اس نائب کے سامنے وہ حاکم اپنی شہادت دے یا یہ مطلب ہے کہ اپنی شہادت پر دوسرا شاہد مقرر کرے تاکہ دوسرا شخص اس کی شہادت پر شہادت دے۔

(۳) اگر ایک عادل شخص رمضان کا چاند دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اسی رات میں اس کی گواہی دے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام مرد ہو یا عورت یہاں تک کہ پردہ نشین باندی بھی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکل کر گواہی دے تاکہ لوگ اس رات کی صبح کو

لے ش ع لے بحر و ش و فتح و غیر استقرن ع لے م و ط لے ع و ط و ش و حیات ع ش ع و ش و بحر و تصرف  
لے ع لے در لے بحر لے ع و در لے ش و غیر لے ع۔







حک کرنا جماعت اور عامۃ الناس کے ساتھ ہونا چاہئے۔ یعنی جب لوگ عام طور پر روزہ رکھیں یا افطار کریں۔

(۶) حاکم کے سامنے شہادت دینے کے متعلق جو کچھ اوپر بیان ہوا یہ ایسے شہر کے اندر کا ہے جس میں حاکم یا قاضی ہو لیکن اگر لوگ ایسے قصبہ یا گاؤں میں ہوں جہاں کوئی حاکم نہ ہو کہ جس کے سامنے گواہی دی جائے اور ان لوگوں میں سے کوئی ایک آدمی رمضان کا چاند دیکھے تو اس گاؤں کی مسجد میں گواہی دے اور اگر وہ عادل ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ اس کے قول پر روزہ رکھیں۔ یعنی اگر لوگ ایسے قصبہ یا گاؤں میں ہوں جہاں کوئی حاکم یا قاضی نہ ہو اور صرف ایک شخص نے چاند دیکھا ہو اور وہ شہر میں گواہی دینے کے لئے نہیں آیا اور وہ ثقہ (عادل) ہے تو ان لوگوں پر فرض ہے کہ اس کے بیان پر روزہ رکھیں بشرطیکہ آسمان پر عجلت نہ ہو۔ اور جانتا جاوے کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت نہیں ہے تو ان میں حکم یہ ہے کہ لوگ ایک ثقہ آدمی کے قول پر روزہ رکھیں اور دو ثقہ آدمیوں کے قول پر روزہ انظار (یعنی ترک) کریں اور اس زمانے کے مفتی کو یہ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ دارالاسلام کے قاضیوں کی مانند گواہی وغیرہ حاصل کرے۔

(۷) اگر تھا کسی مکلف آدمی یعنی مسلمان بالغ و عاقل نے رمضان کا چاند دیکھا اگرچہ وہ فاسق ہو اور کسی دلیل شرعی کی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی گئی مثلاً حالت ابرو وغیرہ کے وقت فاسق ہونے کی وجہ سے یا مطلع صاف ہونے کی حالت میں اکیلا ہونے کی وجہ سے غلطی کے احتمال کی بنا پر اس کی گواہی قبول نہیں کی گئی تو اس کو روزہ رکھنا واجب ہے اور یہی صحیح ہے (اگرچہ دوسرے لوگ اس دن روزہ نہیں رکھیں گے کیونکہ اس شخص کو چاند کی رویت حاصل ہو گئی ہے پس یہ دن اس کے حق میں رمضان کا دن ہے اور دوسرے لوگوں کے حق میں شعبان کا دن ہے) اور بعض نے کہا کہ اس کو روزہ رکھنا مستحب ہے اور جن کے نزدیک واجب ہے اس سے ان کی مراد اصطلاحی واجب ہے نہ کہ فرض اس لئے کہ اس دن کا رمضان سے ہونا قطعی نہیں ہے۔ اور اس روزے کے توڑ دینے سے کفارہ لازم نہ ہونا اور دوسرے لوگوں پر اس روزہ کا فرض نہ ہونا بھی اس کے قطعی طور پر رمضان سے نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر قطعی طور پر وہ دن رمضان کا ہوتا تو دیگر سب لوگوں پر بھی روزہ فرض ہو جاتا اور بدائع میں جو مذکور ہے کہ اس اکیلے چاند دیکھنے والے شخص پر اس دن کا روزہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے تو یہ اکثر معتبر کتابوں کے مخالف ہے جن میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ اس شخص پر روزہ واجب ہے پس اگر اس شخص نے روزہ توڑ دیا تو صرف قضا لازم آئے گی کفارہ لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ شہادت رد ہونے کے شبہ کی وجہ سے اس نے ایسا کیا ہے اور اگر قاضی کے گواہی رد کرنے سے پہلے اس نے روزہ توڑ دیا تو صحیح یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا اور یہی راجح ہے اور بہت سے فقہانے اس کی تصحیح کی ہے کیونکہ جو کچھ اس نے دیکھا شاید اس کا محض خیال ہو بلال نہ ہو جیسا کہ روایت کی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جس نے کہا تھا کہ میں نے چاند دیکھا ہے فرمایا تھا کہ اپنی ابروؤں کو پانی سے صاف کر پھر فرمایا اب بتا چاند کہاں ہے

له چه افراد که فتح کرده اند بنایه که مدش بفرستد و نه دیات که عرف شده و نه حیات که مدش را بفرستد و  
از آنکه از حیات

www.maktabeh.com







امدان سب میں صحیح قول یہی ہے کہ یہ امام (حاکم وقت یا جماعتی مسلمین، مؤلف) کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر اس کے دل میں ان لوگوں کی گواہی کا صحیح و درست ہونا واقع ہو اور اس کے نزدیک شہادت دینے والوں کی کثرت ہو تو دفعہ رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ غلبہ ظن کا حاصل ہونا وقت اور جگہوں کے مختلف ہونے اور سچائی کے اعتبار سے لوگوں میں تفاوت پایا جانے کی بنا پر مختلف ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ امام کے نزدیک بعض لوگوں کے صدق سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے اور وہ اس کو قبول کر لے۔ اور بھروسہ فتح القدیر سے منقول ہے کہ حق وہ ہے جو امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ ایسی خبر کا اعتبار ہے جو متواتر ہو اور . . . ہر طرف سے آئے آہ۔ اور ہر الفائق میں ہے کہ یہ اس قول کے موافق ہے جس کی سراج میں تصحیح کی گئی ہے (یعنی امام کی رائے پر موقوف ہونا) غور کر لیجئے۔ اور چاند دیکھنے والوں کی اس بڑی جماعت کے لئے عادل ہونا اور آزاد ہونا اور غوی شرط نہیں ہے۔ اور یہ جو غیر ظاہر الروایت میں امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی رمضان و شوال کے چاند میں بھی قبول کی جائے اگرچہ مطلع صاف ہو جیسا کہ تمام احکام میں قبول کی جاتی ہے یہ روایت مقبول و مختار نہیں ہے بلکہ اصح یہ ہے کہ جب تک کثیر جماعت چاند دیکھنے والی نہ ہو گواہی مقبول نہیں ہوگی پس غیر ظاہر الروایت پر عمل نہیں کرنا چاہئے بلکہ ظاہر الروایت پر عمل کرنا چاہئے (راکی تفصیل بدائع و بدوش سے آگے دیکھو وغیرہ کے چاند کے بیان میں آتی ہے، مؤلف)

(۲) اور جب آسمان صاف ہو تو امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص کی گواہی اس وقت قبول کر لی جائیگی جبکہ وہ شخص شہر کے باہر سے آیا ہو کیونکہ شہر سے باہر روانعات کم ہوتے ہیں یا وہ کسی بلند جگہ پر ہو اور یہی صحیح و معتبر ہے لیکن ظاہر الروایت کے بموجب شہر کے باہر سے آنے والے اور شہر کے اندر چاند دیکھنے والے میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور پہلا قول بھی ظاہر الروایت ہے جیسا کہ محیط میں کہا ہے کہ ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ ہوا کی صفائی اور کدورت اور مکان کی بلندی و پستی کے اعتبار سے روایت مختلف ہوتی ہے کیونکہ جنگل کی ہوا شہر کی ہوا کی بہ نسبت صاف ہوتی ہے اور کبھی ہلال (پہلی شب کا چاند) بلند جگہ سے نظر آ جاتا ہے جبکہ وہ پست جگہ سے نظر نہیں آتا تو اس شخص کا روایت ہلال میں تنہا ہونا خلاف ظاہر نہ ہو بلکہ ظاہر کے موافق ہو اور۔ پس اس کلام میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ ظاہر الروایت ہے اور یہ مسئلہ مبسوط میں بھی ہے اور مبسوط بھی کتب ظاہر الروایت میں سے ہے پس ثابت ہو گیا کہ دونوں روایتیں ظاہر الروایت ہیں امدان دونوں روایتوں میں اختلاف و فرق نہیں ہے کیونکہ جس روایت میں مطلع صاف ہونے کی حالت میں چاند دیکھنے والوں کی بڑی جماعت کا ہونا شرط ہے اور یہ وہ روایت ہے جس کو اصحاب متون نے اختیار کیا ہے یہ روایت اس وقت کے لئے ہے جبکہ چاند دیکھنے والا شہر میں اور اونچی جگہ پر نہ ہو اور دوسری روایت یعنی ایک آدمی کا دیکھنا کافی ہونا اس وقت ہے جبکہ اس نے شہر سے باہر جنگل میں دیکھا ہو یا شہر کے اندر بلند جگہ پر دیکھا ہو شہر میں عام جگہ پر ہونے کی صورت میں



ایک آدمی کا دیکھنا بالکل مجتہد نہیں ہے، مؤلف) پس اس روایت کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی گئی اور اسی لئے محیط میں کہا ہے کہ اس کا روایت ہلال میں تنہا ہونا خلاف ظاہر نہیں ہوگا اور اسی بنا پر خلاصہ و فیوہ میں جو کہا ہے کہ شہر اور غامیہ شہر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تو پہلی روایت پر مبنی ہے جیسا کہ اس کے مطلق ہونے سے معلوم ہوتا ہے  
 و اللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اگر گواہوں نے اتیسویں تاریخ کو گواہی دی کہ ہم نے تمہارے روزہ رکھنے سے ایک دن پہلے چاند دیکھا تھا اگر وہ اسی شہر کے لوگ ہیں تو امام ان کی گواہی قبول نہ کرے کیونکہ ان پر اسی روز خود اگر گواہی دینا واجب تھا جس کو انہوں نے ترک کر دیا اور اگر وہ کسی دُور جگہ سے آئے ہیں تو ان کی گواہی جائز ہوگی اس لئے کہ ان کے ذمہ یہ تہمت نہیں ہے۔ پس جس گواہ پر خود اگر گواہی دینا واجب ہے اگر وہ اپنی گواہی میں بلا عذر تاخیر کرے گا تو فاسق ہوگا اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سال کے تمام مہینوں کے لئے یہی حکم ہے۔

مطلع ابراؤد ہونے کی صورت میں  
 (۱) شوال کا چاند اتیسویں تاریخ کو دیکھنے کی کوشش کی جائے یعنی غروب آفتاب کے بعد وجوب کے طور پر پلو و مغرب سے پہلے استجاب کے طور پر تلاش کیا جائے۔ مؤلف  
 (۲) اگر شوال کا چاند صرف ایک شخص دیکھے تو وہ روزہ افطار نہ کرے (یعنی روزہ

نہ چھوڑے، مؤلف) اس لئے کہ عبارت میں احتیاط پر عمل ہوتا ہے (اور اس کی رویت میں غلطی کا احتمال ہے) اور اگر اس شخص نے روزہ رکھ کر توڑ دیا تو صرف قضا لازم آئے گی اور کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ کسی شخص نے عید کا چاند دیکھا اور گواہی دی لیکن اس کی گواہی قبول نہیں کی گئی تو اس پر واجب ہے کہ روزہ رکھے اور اگر اس نے اس دن کا روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس پر صرف قضا لازم آئے گی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی اپنی رویت کے اعتبار سے اس کے حق میں وہ عید کا دن ہے اور اگر قبل اس کے کہ قاضی اس کی گواہی دیکھے اس نے روزہ توڑ دیا تب بھی اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنے کسی دوست کے سامنے گواہی دی اور اس دوست نے کچھ کھا لیا تو اگر اس کے قول کو سچ جانا تھا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر اکیلے امام (بادشاہ و حاکم) یا اکیلے قاضی نے شوال کا چاند دیکھا تو وہ عید گاہ کی طرف نہ نکلے اور نہ لوگوں کو نکلنے کا حکم دے اور نہ روزہ توڑے نہ پوشیدہ میں نہ ظاہر میں، اس لئے کہ اس چاند میں ایک آدمی کی گواہی کافی نہیں ہوتی۔

(۳) عید الفطر کے چاند میں آسمان پر غلت (ابریا بخار وغیرہ) کی موجودگی میں گواہوں کے عادل ہونے کی شرط کے ساتھ شہادت اموال کا نصاب (یعنی دو مرد یا ایک مرد و دو عورتیں) اور لفظ اَشْهَدُ (میں گواہی دیتا ہوں) اور حدیث قذف سے بچا ہوا ہونا بھی شرط ہے کیونکہ اس سے ہجرہ کا نفع متعلق ہے۔ بخلاف رمضان کے چاند کے اس لئے کہ روزہ ایک دینی امر ہے پس اس میں یہ شرطیں نہیں ہیں اور فطر یعنی روزہ ترک کرنا ایک ایسا امر ہے جن میں بندوں کے لئے دنیوی نفع ہے اور وہ دنیوی نفع روزہ نہ رکھنا ہی



اس لئے دیگر تمام حقوق العباد کی طرح ہے پس جو شرطیں بزور کے جملہ حقوق میں پائی جانی چاہئیں مثلاً عادل ہونا، آزاد ہونا، تعداد، حدیقت سے بچا ہوا ہونا اور لفظ شہادت سے گواہی دینا یہ سب شرطیں عید کے چاند کی گواہی میں بھی پائی جانی چاہئیں لیکن صاحبین کے قول کی بنا پر اس میں دعویٰ شرط نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔ پس اگر آسمان پر غلت ہو یعنی ابراہیم یا دھواں وغیرہ ہو تو دو مسلمان مکلف مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں سے کم کی گواہی مقبول نہیں ہوگی اور ان کا آزاد ہونا اور شہادت کے لفظ سے گواہی ادا کرنا اور ان کا عادل ہونا بھی شرط ہے اور دعویٰ شرط نہیں ہے اور جس شخص کو قذف میں مددگی ہو اگرچہ اس نے توہ کر لی ہو اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ عید الفطر کے چاند میں صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہوگی خواہ وہ بہت سی ہوں۔ اور عید الفطر کے ہلال میں گواہ پر واجب ہے کہ لفظاً آٹھد سے گواہی دے یا دوسری کسی زبان میں اس کے ہم معنی جملہ ہو مثلاً اردو میں کہے میں گواہی دیتا ہوں جیسا کہ در مختار کے باب صفۃ الصلوۃ میں ہے اور بعض ناواقفوں نے جوہر گمان کیلئے کہ لفظاً آٹھد بمعنی عربی زبان میں ہونا واجب ہے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر لفظاً آٹھد (یا اس کے ہم معنی اردو فارسی وغیرہ کا جملہ) نہ کہے بلکہ ایسے لفظ کہے جو کسی چیز کی تحقیق پر دلالت کرتے ہوں شہادت پر دلالت نہ کرتے ہوں مثلاً اَعْلَمُ یا اَتَقَفُّ کہے تو اس کی شہادت مقبول نہیں ہوگی اور اسی طرح لفظاً آٹھد مضارع کے صیغہ میں کہے اگر ماضی کے صیغہ میں یعنی لفظاً شَهِدْتُ (میں نے گواہی دی) کہا تو جائز نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ لفظ گواہی کا نہیں ہے بلکہ زمانہ ماضی کی خبر دیتا ہے پس وہ زمانہ حال کا منجر نہیں ہے لہذا احتیاطاً لفظاً آٹھد پر اقتصار کیا جائے کیونکہ اس میں ناظر کا اتباع ہے۔

(۴) عید الفطر کے چاند میں شہادت کا حاکم کے سامنے ہونا شرط ہے یہ حکم مصر (یعنی شہر یا قصب یا بڑے گاؤں) کیلئے ہے (یعنی جہاں حاکم موجود ہو، مؤلف) لیکن اگر شہر سے باہر دیہات (گاؤں وغیرہ جہاں حاکم نہیں رہتا) میں دو عادل شخصوں نے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ سوال کے چاند کی گواہی دی اور آسمان پر بارود وغیرہ ہے اور وہاں کوئی والی اور قاضی نہیں ہے اگر وہ لوگ روزہ افطار کر دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یعنی دو عادل آدمیوں کی گواہی پر بغیر دعویٰ اور بغیر قاضی کے حکم کے روزہ ترک کریں اور عید کریں تو بوجہ ضرورت کے جائز ہے اور وہ ضرورت اس وجہ سے ہے کہ وہاں کوئی حاکم نہیں ہے جس کے پاس گواہی دیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حکم وہاں جاری ہوگا جہاں حاکم اس جگہ سے دور ہو اور روزہ توڑ دینے میں کوئی حرج نہ ہونے کے بیان کے بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کو روزہ توڑ دینا واجب نہیں ہے۔ اور شامی میں ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان پر روزہ کا افطار یعنی ترک واجب ہے اور لا باس اسلئے کہا ہوگا کہ اس میں حرمت کا گمان پایا جاتا ہے جیسا کہ اس قسم کی اور بھی مثالیں شرع شریف میں موجود ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے کلام فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ لَمَّا تَقَضَوْا مِنْهُ مِنَ الصَّلَاةِ

لہ بحر دوش و ط لہ ش و ط بمصرف و حیات لہ ع و زیادۃ و حیات و مثلاً فی الدرد وغیرہ لہ حیات لہ ع و ع و لہ حیات لہ حیات۔  
لہ حیات وغیرہ لہ ع و زیادۃ و حیات لہ م لہ ش و ط لہ ط۔







دیکھ لینا اور باقی کو نظر آنا ان کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔ "آجکل ٹھیک نہیں ہے کیونکہ دیکھنے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں اس لئے ان دیکھنے والوں کی غلطی کا احتمال غیر ظاہر ہے۔ اور صاحب بھر کے بھائی نے بھی نہر الفائق میں اور اس کے شاگرد نے منع میں اور شیخ علاء الدین حصکفی نے اسی بات کی تصدیق کی ہے اور شیخ اسماعیل نے کہا کہ یہ حسن ہے اور علامہ ربی نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ظاہر الروایت اس کے خلاف ہے کیونکہ ظاہر الروایت میں ایک بڑی جماعت کا چاند دیکھنا شرط ہے پس آج کل بھی لوگوں میں غلبہ فسق اور جہنم کے چاند پر غلط بیانی کرنے کی وجہ سے ظاہر الروایت پر عمل کرتا ہی متعین ہو کر اور علامہ شامی نے کہا کہ تغیر زمانہ کے ساتھ بہت سے احکام بھی بدلتے رہتے ہیں اگر ہمارے زمانے میں ایک بڑی جماعت کا چاند دیکھنا شرط قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ لوگ دو یا تین رات کے بعد روزہ رکھیں جیسا کہ لوگوں کی چاند دیکھنے کے بارے میں کاہلی مشاہدے میں آرہی ہے لہذا آجکل دو آدمیوں کی گواہی میں تفرد یعنی ایک بڑی جماعت میں سے دو ایک کا دیکھنا نہیں کہلائے گا کہ جس کی وجہ سے دیکھنے والے کو غلطی پر کہا جائے۔ پس ظاہر الروایت میں جو دو چار آدمیوں کی گواہی قبول نہ کرنے کی علت بیان ہوئی ہے وہ اس زمانے میں نہیں پائی جاتی اس لئے دوسری روایت پر بھی فتویٰ دینا متعین ہو گیا اور علامہ ربی نے اپنے زمانے اور شہر کے بارے میں کلام کیا ہے۔ (مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاحب بحر الرائق و علامہ شامی وغیرہ نے بھی اپنے اپنے زمانے اور شہر کی بابت کلام کیا ہے اس لئے منفعی کو چاہئے کہ اپنے زمانے کے حالات کے مطابق دونوں روایتوں میں سے جس پر مناسب سمجھے فتویٰ دے واللہ اعلم بالصواب)

(۲) اور شیخ الاسلام نے ذکر کیا کہ دو آدمیوں کی شہادت بھی اس وقت قبول کر لی جائے گی جبکہ وہ دونوں کسی دوسری جگہ سے آئے ہوں یعنی عید الفطر کے چاند میں جبکہ آسمان صاف ہو اور آدمی شہر کے باہر سے آئے ہوں اور میدان یا جنگل میں صاف اور کھلی جگہ میں انھوں نے چاند دیکھا ہو یا وہ دونوں شہر کے اندر کسی بلند جگہ پر چاند دیکھ رہے ہوں اور وہ دونوں عادل و ثقہ ہوں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی جیسا کہ رمضان کے چاند کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ ایسی حالت میں صحیح اور معتد قول کی بنا پر رمضان کے چاند کے بارے میں ایک آدمی کی گواہی قبول کی جائے گی پس غور کر لیجئے (مؤلف) اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ باہر سے آنے والا شخص اس شہر کے ارد گرد یعنی قریب کے علاقے سے (میدان جنگل وغیرہ کھلی جگہ میں چاند دیکھ کر آیا ہو اور اگر کسی دوسری جگہ سے بہت دور سے آیا ہو تو اس مسئلہ کا تعلق اختلاف مطالع کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کے حکم سے ہوگا جس کی تفصیل آگے اسی بیان میں آتی ہے) اور اس مسئلہ میں یہ قید نہایت ضروری ہے اگرچہ اس کو کسی نے بیان نہیں کیا۔



## عید الاضحیٰ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا ثبوت

(۱) عید الاضحیٰ (ذی الحجہ) اور باقی نو مہینوں کے چاند کا حکم صحیح مذہب کی بنا پر عید الفطر کے چاند کی طرح ہے۔ حکم ظاہر الروایت میں ہے اور یہی اصح ہے۔ یعنی ذی الحجہ کا چاند شوال کے چاند کی مانند ہے پس ابرو وغیرہ کی حالت میں تہجدوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے اس سے کم کی نہیں اور باقی نو مہینے بھی شوال کی مانند ہیں پس ان مہینوں میں ..... بھی ابرو وغیرہ کی حالت میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی اس سے کم کی نہیں اور ان کا عادل و آزاد ہونا اور قذف میں محدود نہ ہونا شرط ہے جیسا کہ تمام احکام میں شرط ہے یہ ظاہر الروایت کی بنا پر ہے اور یہی اصح ہے اور مطلع صاف ہونے کی حالت میں ان سب کا حکم رمضان اور شوال کی مانند ہے پس سب یعنی بارہ مہینے اس حکم میں برابر ہیں کہ مطلع صاف ہونے کی حالت میں سب مہینوں میں دیکھنے والوں کا کثیر التعداد یعنی بڑی جماعت ہونا شرط ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور علامہ خیر الرئی نے کہا ہے کہ ظاہر ہے کہ باقی نو مہینے کے ہلال میں دو آدمیوں کی گواہی قبول کرنے میں ابرو وغیرہ کی حالت اور مطلع صاف ہونے کی حالت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ایک بڑی جماعت کے دیکھنے کو ظاہر الروایت میں جس وجہ سے شرط قرار دیا ہے وہ وجہ ان باقی مہینوں میں مفقود ہے اور وہ وجہ چاند دیکھنے والوں کے ایک جم غفیر کا چاند کی طرف متوجہ ہونا ہے (یعنی ان باقی نو مہینوں میں رمضان و عیدین کے چاند کی طرح لوگ عام طور پر یعنی اکثریت کے ساتھ چاند نہیں دیکھتے) اور ظاہر الروایت میں کمافی سائر الاحکام کہنا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

## مہینے کے داخل ہونے کا ضمناً ثبوت

اور مہینے کا داخل ہونا ضمناً بھی ثابت ہو جاتا ہے یعنی مطلع صاف ہونے کی صورت میں چاند کے ثبوت کے لئے جماعت کثیرہ کی شرط اس وقت ہے جبکہ روزہ رکھنے یا عید کرنے کے لئے چاند کی شہادت گزرے لیکن اگر کسی اور معاملے کے لئے چاند کے ثبوت میں دو ثقہ مرد ..... یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت گزری اور قاضی نے شہادت کی بنا پر حکم دیدیا تو اب یہ شہادت کافی ہے اور اس سے روزہ رکھنے یا عید کرنے کے لئے ثبوت ہو جائے گا (مولف) پس عید اور رمضان کے ضمناً اثبات کا طریق یہ ہے کہ کوئی شخص کسی حاضر شخص پر کسی غائب کے دین کے قبضہ کرنے کی وکالت کا دعویٰ کرے جو رمضان یا عید کے آنے پر مشروط ہے پھر حاضر شخص دین اور وکالت کا تو اقرار کرے اور رمضان یا عید کے آجانے سے انکار کرے پھر دو گواہ رویت ہلال پر گواہی دیں پھر اس حاضر شخص پر ادائے دین کا حکم لگا جائے تو اس سے مہینے کا داخل ہونا ضمناً ثابت ہو جائے گا اور اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے حاضر شخص پر دعویٰ کیا کہ فلاں غائب شخص کا تیرے ذمہ اس قدر قرض ہے اور اس قرض خواہ نے مجھ سے کہہ دیا ہے کہ جب رمضان (یا شوال) کا مہینہ آجائے تو میرے



اس دین کے قبضہ کرنے کیلئے جو فلاں شخص کے ذمہ ہے میرا وکیل ہے اور اسی کی مانند یہ مثال بھی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ میرا اس کے ذمہ قرضہ ہے اور اس کی ادائیگی کی معاد یہ پٹھری تھی کہ جب رمضان کا مہینہ آجائے گا تو وہ قرضہ ادا کر دے گا پھر قرضہ ادا اپنے ذمہ دین کے ثابت ہونے کا اقرار کرے اور اس شخص کی وکالت کا بھی اقرار کرے اور رمضان یا شوال کے داخل ہونے سے انکار کرے اور مدعی اس پر چاند لکھنے کے دو گواہ گزارے اور اس پر اس وکیل کے قبضہ کرنے کا حق ثابت ہونے کا فیصلہ دیا جائے تو اس سے اس مہینے کا داخل ہونا ضابطہ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ قرضہ پر قبضہ کے حکم کے مجمع ہونے کے لئے اس ماہ کے چاند کا ثبوت ضروری ہے پس بندہ کا حق ثابت کرنے کے ضمن میں مہینہ بھی ثابت ہو گیا۔ قصداً ثابت نہیں ہوا اور اس طریق پر رمضان کا مہینہ ثابت ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر آسمان صاف ہو تو اس طرح سے اس کا ثبوت بڑی جماعت کے دیکھنے پر موقوف نہیں رہے گا۔ پس جب رمضان کے مہینے کا ثبوت ضابطہ ہو گیا تو اس کا رد و واجب ہو جائے گا اور اس کی نظیر یہ ہے جیسا کہ آگے آتا ہے کہ اگر رمضان کے دن پورے ہو گئے اور آسمان پر علت کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا تو روزہ فطر رکھنا جائز ہے اگرچہ رمضان ایک شخص کی گواہی سے ثابت ہوا ہو کیونکہ شوال کا ثبوت اس کے تابع ہو کر ضابطہ ہو جائے گا اور اگرچہ قصداً اس کا ثبوت تعداد یعنی دو مردوں یا ایک مرد و دو عورتوں کی گواہی اور ان کے عادل ہونے کے بغیر ثابت نہیں ہو گا۔ اور اس وقت اس کا ثبوت ضمنی ہو گا اور ضمنیات میں بعض وہ چیزیں معاف ہو جاتی ہیں جو قصداً میں معاف نہیں ہوتیں۔

کسی شہادت پر شہادت دینے سے چاند کا ثبوت | چاند کی رویت کسی شخص کی رویت ہلال کی گواہی پر گواہی دینے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ پس رمضان کے چاند میں ایک عادل شخص کی شہادت پر ایک عادل شخص کی شہادت قبول کی جائے گی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہ حکم دیگر سب احکام میں گواہی پر گواہی دینے کے برخلاف ہے کیونکہ ان میں جب تک ہر ایک آدمی کی گواہی پر دو مرد یا ایک مرد و دو عورتیں گواہی نہ دیں تب تک وہ گواہی پر گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور قاضی (حاکم) کے فیصلہ پر گواہی دینے کا بھی حکم ہے اور عید الفطر و باقی دس مہینوں کے چاند کا بھی حکم ہے کہ جب تک ہر گواہ کی گواہی پر دو مرد یا ایک مرد و دو عورتیں گواہی نہ دیں اور ان میں باقی شرطیں یعنی عادل ہونا اور لفظ شہادت (گواہی دینے کے لفظ) کا ہونا اور دعویٰ ہونا وغیرہ نہ پائی جائیں وہ شہادت مقبول نہ ہوگی (مؤلف) پس اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ دو مردوں نے فلاں شہر کے قاضی کے پاس فلاں رات میں چاند لکھنے کی گواہی دی ہے اور وہاں کے قاضی نے اس پر چاند ہو جانے کا فیصلہ جاری کیا ہے اور ان گواہوں میں دعویٰ کی سب شرائط پائی جاتی ہیں تو ان گواہوں کی گواہی پر حکم جاری کر دیا جائے گا یعنی اس قاضی کے لئے جائز ہے کہ ان دونوں کی گواہی پر حکم صادر کر دے اس لئے کہ قضائے قاضی محبت ہے اور ان دونوں گواہوں نے اس







اس روایت میں اس بات کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کہ باہر والوں کی شہادت معتبر نہیں ہے اور ہر جگہ والوں کے لئے اپنے اپنے یہاں کے چاند کی رویت کا اعتبار ہوگا اس لئے کہ حضرت کریم رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے شخص کی شہادت پر شہادت نہیں دی اور نہ ہی حاکم کے حکم پر شہادت دی ہے اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو جواب میں کہا جائے گا کہ اس نے لفظ شہادت سے گواہی نہیں دی اور اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ وجہ ہے کہ وہ اکیلا شخص تھا اس لئے اس کی شہادت کی وجہ سے چاند ہونے کا فیصلہ دینا قاضی پر واجب نہیں ہوتا۔ روایت مذکورہ میں یہ لفظ ہیں کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے تو یہ رویت کی شہادت ہو گئی یعنی یہ لفظ شہادت سے گواہی ہندینے کا جواب دیا گیا ہے۔ مؤلف اور بعض نے عدم قبول کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ ایک شخص کی گواہی ہے اور شاید اس روز مطلع صاف ہو جس کو وجہ سے اس روز بڑی جماعت کا شہادت دینا ضروری تھا، اور اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ہماری کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ جب لوگ ابراہیم وغیرہ والے دن ایک شخص کے چاند دیکھنے کی گواہی پر رمضان کے روزے شروع کریں یا وہ دن ابراہیم ہو لیکن وہ شخص شہر سے باہر میدان میں چاند دیکھ کر آیا ہو یا کسی بلند جگہ سے اس ایک ہی شخص نے چاند دیکھا ہو اور اس کی گواہی پر رمضان کے روزے شروع کریں پھر وہ تیس روزے چور کر لیں اور تیس دن کے بعد انھیں چاند نظر نہ آئے تو بعض فقہانے کہا ہے کہ جن لوگوں نے اس ایک شخص کی شہادت پر روزے رکھے تھے ان کا قول مانا جائے گا اور اب وہ لوگ روزہ نہیں رکھیں گے اگر خیال کو چاند نظر نہ آیا ہو۔ اور بعض فقہانے کہا ہے کہ ان کا قول نہیں مانا جائے گا بلکہ وہ اکتیسویں دن بھی روزہ رکھیں گے اور یہ دونوں قول ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی مسئلہ کو مد نظر رکھ کر حضرت کریم رضی اللہ عنہ کا قول نہیں مانا۔ (یعنی ان کا منشا غالباً یہ تھا کہ ابھی ہم تمہارے اس قول کا اثر نہیں لیتے اور اب اہل مدینہ کی رویت پر عمل کرتے ہیں جب مہینہ کا اختتام ہوگا اس وقت دیکھیں گے اگر تمہاری رویت سے ہمارا مہینہ اتنیس یا تیس دن کا پورا ہو گیا تو مان لیں گے ورنہ ہم اپنی رویت کے مطابق مہینہ پورا کر لیں گے، خاکسار مؤلف مزید عرض کرتا ہے کہ شاید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شام کو مدینہ منورہ سے اتنی مسافت بعیدہ تصور فرمایا ہو جس میں چاند کے مطلع کا مختلف ہونا لازمی ہے جیسا کہ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک مسافت بعیدہ کا اعتبار ہے جیسا کہ اختلاف مطلع کے بیان میں آئے گا کہ امام زہلی وغیرہ متاخرین فقہائے حنفیہ نے بھی مسافت بعیدہ کا اعتبار کیا ہے ورنہ مہینہ ستائیس اور اٹھائیس روز یا اکتیس اور تیس روز کا ہونا لازم آئے گا جو شرعاً غلط ہے قلیتہ بر۔ وابتدا علم بالصواب، مؤلف)



رویت ہلال کی خبر کے عام طور پر  
پھیلنے سے چاند کا ثبوت

اور اسی طرح اگر چاند دیکھنے کی خبر کسی دوسرے شہر میں کثرت سے شائع و مشہور ہو جائے تو صحیح مذہب کی بنا پر ان لوگوں پر روزہ رکھنا لازم ہو جائے گا۔ یعنی جب کسی شہر کی خبر دوسرے شہر میں پھیل جائے اور متحقق ہو جائے تو اس شہر والوں پر

بجائے دوسرے شہر والوں کا حکم لازم ہو جائے گا، ایسی خبر کو خبر استفاضہ کہتے ہیں اور استفاضہ یعنی کثرت سے شائع ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آ کر خبر پھیلان کریں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر فلاں دن سے روزے رکھے ہیں، اور اگر یہ خبر شائع ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے شائع کی ہے تو صرف ایسی شہرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ بعض دفعہ تمام شہر میں خبر پھیل جاتی ہے اور یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ اس خبر کو کس نے پھیلا یا ہے اور بعض دفعہ خبر صرف ایک شخص سے شروع ہوتی ہے اور تمام شہر میں پھیل جاتی ہے اور ذخیرہ کا قول بھی اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ قول یہ ہے کہ جب کوئی خبر پھیل جائے اور شہرت پکڑ لے اور ثابت و متحقق ہو جائے (تو اس وقت روزہ لازم ہوگا) اس لئے کہ خبر کا ثابت ہونا محض اس کے شائع ہونے سے نہیں پایا جاتا اور اس استدراک (اصلاح) کی وجہ یہ ہے کہ ایسی خبر کی شہرت جس میں نہ قضاے قاضی پر شہادت ہو اور نہ شہادت پر شہادت ہو لیکن جب وہ خبر متواتر کے درجہ کی ہو اور اس خبر سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے فلاں روز کا روزہ رکھا ہے تو اس شہر والوں کے لئے اس خبر پر عمل کرنا لازمی ہو جائے گا اس لئے کہ شہر (قصبہ) عارۃ شرعی حاکم سے خالی نہیں ہوتا پس لازمی طور پر ان لوگوں کا روزہ حاکم شرعی کے حکم پر مبنی ہوگا تو اس خبر کی شہرت ایسی ہے گویا کہ حاکم مذکور کے حکم کو بیان کر رہے ہیں اور اس شہادت سے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے اور روزہ رکھا ہے یہ خبر استفاضہ زیادہ قوی ہے اس لئے کہ شہادت یقین کا فائدہ نہیں دیتی اس لئے اس وقت قبول کی جاتی ہے جبکہ حاکم (قاضی) کے حکم پر شہادت دی ہو یا کسی دوسرے آدمی کی شہادت پر شہادت دی ہو تاکہ وہ شہادت معتبر ہو سکے ورنہ باقی صورتوں میں وہ صرف خبر کا درجہ رکھتی ہے بخلاف خبر کے پھیل جانے اور مشہور ہوجانے کے کیونکہ وہ خبر یقین کا فائدہ دیتی ہے پس یہ پہلے بیان کے منافی نہیں ہے۔

(تنبیہ) ایسی ظاہری نشانیوں سے بھی چاند ثابت ہو جاتا ہے جو کہ چاند کے ثبوت پر دلالت کرتی ہوں جیسا کہ ہمارے زمانے میں توپوں (اور گولوں) کا چلنا (اور نقارے بجان وغیرہ) اور ان لوگوں کے لئے جو شہر سے دور دیہات وغیرہ میں رہتے ہیں ان توپوں (اور گولوں) و نقاروں وغیرہ کی آوازیں سن کر اس پر عمل کرنا واجب ہونا ظاہر ہے جیسا کہ اس شہر کے ان لوگوں پر ان نشانیوں کو دیکھ کر عمل کرنا واجب ہے جنہوں نے گواہوں کی گواہی سے قبل حاکم کو کبھی نہیں دیکھا۔ اور ظاہر ہے کہ توپوں اور گولوں کی آواز سن کر یا شہر کے میناروں سے لگی ہوئی قندیلیں اور لائٹیں دیکھ کر دیہات کے لوگوں کو روزہ رکھنا لازمی ہے کیونکہ یہ کھلی نشانیاں ہیں جو غلبہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں اور غلبہ ظن عمل کے لئے حجت ہے، اس میں



جماعت کی مخالفت کرنا درست نہیں ہے اور ان کا رمضان کے لئے نہ ہونے کا شک کرنا عقل سے بعید ہے اس لئے کہ چاند کی شک والی رات میں رمضان (وعید الفطر) کے ثبوت کے سوا اس قسم کی چیزیں عادتہ نہیں کی جاتیں۔

(۱) جب کسی جگہ کے لوگ آسمان پر بارش وغیرہ کی صورت میں ایک (عادل) شخص کی گواہی پر رمضان المبارک کے روزے شروع کر دیں پھر تیس روزے پورے کر لیں اور شوال کا چاند نظر نہ آئے اور مطلع صاف ہو تو امام

متفرقات

حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ وہ لوگ احتیاطاً افطار نہ کریں (یعنی وہ اس دن کا روزہ رکھیں، مؤلف) یعنی امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک روزہ رکھنا حلال نہیں ہے۔ اور امام محمد سے روایت ہے کہ وہ افطار

کریں (یعنی روزہ نہ رکھیں) اور غایۃ البیان میں ہے کہ امام محمد کا قول اصح ہے اور زیلعی میں ہے کہ کاشبہ یہ ہے کہ اگر ہر ہوتا افطار حلال ہے ورنہ نہیں۔ اور زیلعی کے اس قول میں افطار نہ کرنے کو ترجیح ہے جبکہ اس روزہ وغیرہ نہ ہو اور مطلع صاف ہو کیونکہ

اس سے اس دیکھنے والے کا غلط ہونا ظاہر ہو گیا جس کی گواہی پر رمضان کے چاند کا ثبوت ہوا تھا اور لفظ اشبہ الفاظ ترجیح میں سے ہے اور علامت فتویٰ ہے۔ اور الدردیہ میں ہے کہ اس دیکھنے والے کو تعزیر کی جائے گی کیونکہ اس کا جھوٹا ہونا

ظاہر ہو گیا۔ لیکن یہ غایۃ البیان کی تصحیح کے خلاف ہے اور ہاں امداد الفلاح میں امام محمد کے قول کو جو غایۃ البیان میں ہے شوال کے چاند میں مطلع ابراؤد ہونے پر محمول کیا ہے اس بنا پر جو کچھ غایۃ البیان میں ہے وہ بے محل ہے کیونکہ اس بنا پر تو

یہ مسئلہ متفق علیہ ہو جاتا ہے اور یہ متفق علیہ کو ترجیح دینا ہوا غور کر لیجئے۔ پس جب آسمان ابراؤد ہو تو وہ لوگ بلا خلاف افطار کریں کیونکہ اب اس گواہ کا غلط ہونا ظاہر نہیں ہوا اور یہی اشبہ ہے (جیسا کہ اوپر زیلعی سے بیان ہو چکا ہے، مؤلف)

اور اگر رمضان کے چاند پر بعد (عادل) آدمیوں نے گواہی دی اور آسمان پر بادل وغیرہ ہے اور قاضی نے ان کی گواہی قبول کر لی، اور لوگوں نے تیس روزے رکھے پھر شوال کا چاند لوگوں کو نظر نہ آیا، اگر آسمان پر بادل وغیرہ ہے تو دوسرے دن بالاتفاق

روزہ افطار کریں گے اور اگر مطلع صاف ہے تب بھی صحیح قول کے بموجب روزہ افطار کر لیں گے یعنی اگر اکتیسویں رات کو آسمان ابراؤد ہو تو بالاتفاق ان کیلئے صبح کو افطار (روزہ نہ رکھنا) حلال ہے اور اگر آسمان صاف ہو تب بھی بعض فقہاء کی تصحیح کے

بموجب افطار حلال ہے اس لئے کہ جب دو گواہوں کی گواہی قبول کر لی گئی تو دیکھنے کے درجہ کو پہنچ گئی۔ اور بعض نے ان کے لئے افطار حلال نہ ہونے کی تصحیح کی ہے۔ اس لئے کہ آسمان صاف ہوتے ہوئے چاند کا نظر آنا رمضان کے چاند کے

ان گواہوں کی غلطی کی دلیل ہے لہذا ان کی شہادت باطل ہو جائے گی۔ اور علامہ نوح نے دوسری صورت یعنی آسمان صاف ہونے کی حالت میں چاند نظر نہ آنے پر بھی روزہ افطار کرنے کے حلال ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے اور اس سے مراد ہمارے

تینوں ائمہ کا اتفاق ہے اور جو اختلاف اس بارے میں حکایت کیا گیا ہے وہ بلاشبہ ہمارے بعض مشائخ کا اختلاف ہے۔

۱۔ ش و مخ تصروف ۲۔ ش ۳۔ ع ۴۔ زیادۃ عن حیات ۵۔ ش ۶۔ ش ۷۔ ش ۸۔ ش ۹۔ ش ۱۰۔ ش ۱۱۔ ش ۱۲۔ ش ۱۳۔ ش ۱۴۔ ش ۱۵۔ ش ۱۶۔ ش ۱۷۔ ش ۱۸۔ ش ۱۹۔ ش ۲۰۔ ش ۲۱۔ ش ۲۲۔ ش ۲۳۔ ش ۲۴۔ ش ۲۵۔ ش ۲۶۔ ش ۲۷۔ ش ۲۸۔ ش ۲۹۔ ش ۳۰۔ ش ۳۱۔ ش ۳۲۔ ش ۳۳۔ ش ۳۴۔ ش ۳۵۔ ش ۳۶۔ ش ۳۷۔ ش ۳۸۔ ش ۳۹۔ ش ۴۰۔ ش ۴۱۔ ش ۴۲۔ ش ۴۳۔ ش ۴۴۔ ش ۴۵۔ ش ۴۶۔ ش ۴۷۔ ش ۴۸۔ ش ۴۹۔ ش ۵۰۔ ش ۵۱۔ ش ۵۲۔ ش ۵۳۔ ش ۵۴۔ ش ۵۵۔ ش ۵۶۔ ش ۵۷۔ ش ۵۸۔ ش ۵۹۔ ش ۶۰۔ ش ۶۱۔ ش ۶۲۔ ش ۶۳۔ ش ۶۴۔ ش ۶۵۔ ش ۶۶۔ ش ۶۷۔ ش ۶۸۔ ش ۶۹۔ ش ۷۰۔ ش ۷۱۔ ش ۷۲۔ ش ۷۳۔ ش ۷۴۔ ش ۷۵۔ ش ۷۶۔ ش ۷۷۔ ش ۷۸۔ ش ۷۹۔ ش ۸۰۔ ش ۸۱۔ ش ۸۲۔ ش ۸۳۔ ش ۸۴۔ ش ۸۵۔ ش ۸۶۔ ش ۸۷۔ ش ۸۸۔ ش ۸۹۔ ش ۹۰۔ ش ۹۱۔ ش ۹۲۔ ش ۹۳۔ ش ۹۴۔ ش ۹۵۔ ش ۹۶۔ ش ۹۷۔ ش ۹۸۔ ش ۹۹۔ ش ۱۰۰۔ ش ۱۰۱۔ ش ۱۰۲۔ ش ۱۰۳۔ ش ۱۰۴۔ ش ۱۰۵۔ ش ۱۰۶۔ ش ۱۰۷۔ ش ۱۰۸۔ ش ۱۰۹۔ ش ۱۱۰۔ ش ۱۱۱۔ ش ۱۱۲۔ ش ۱۱۳۔ ش ۱۱۴۔ ش ۱۱۵۔ ش ۱۱۶۔ ش ۱۱۷۔ ش ۱۱۸۔ ش ۱۱۹۔ ش ۱۲۰۔ ش ۱۲۱۔ ش ۱۲۲۔ ش ۱۲۳۔ ش ۱۲۴۔ ش ۱۲۵۔ ش ۱۲۶۔ ش ۱۲۷۔ ش ۱۲۸۔ ش ۱۲۹۔ ش ۱۳۰۔ ش ۱۳۱۔ ش ۱۳۲۔ ش ۱۳۳۔ ش ۱۳۴۔ ش ۱۳۵۔ ش ۱۳۶۔ ش ۱۳۷۔ ش ۱۳۸۔ ش ۱۳۹۔ ش ۱۴۰۔ ش ۱۴۱۔ ش ۱۴۲۔ ش ۱۴۳۔ ش ۱۴۴۔ ش ۱۴۵۔ ش ۱۴۶۔ ش ۱۴۷۔ ش ۱۴۸۔ ش ۱۴۹۔ ش ۱۵۰۔ ش ۱۵۱۔ ش ۱۵۲۔ ش ۱۵۳۔ ش ۱۵۴۔ ش ۱۵۵۔ ش ۱۵۶۔ ش ۱۵۷۔ ش ۱۵۸۔ ش ۱۵۹۔ ش ۱۶۰۔ ش ۱۶۱۔ ش ۱۶۲۔ ش ۱۶۳۔ ش ۱۶۴۔ ش ۱۶۵۔ ش ۱۶۶۔ ش ۱۶۷۔ ش ۱۶۸۔ ش ۱۶۹۔ ش ۱۷۰۔ ش ۱۷۱۔ ش ۱۷۲۔ ش ۱۷۳۔ ش ۱۷۴۔ ش ۱۷۵۔ ش ۱۷۶۔ ش ۱۷۷۔ ش ۱۷۸۔ ش ۱۷۹۔ ش ۱۸۰۔ ش ۱۸۱۔ ش ۱۸۲۔ ش ۱۸۳۔ ش ۱۸۴۔ ش ۱۸۵۔ ش ۱۸۶۔ ش ۱۸۷۔ ش ۱۸۸۔ ش ۱۸۹۔ ش ۱۹۰۔ ش ۱۹۱۔ ش ۱۹۲۔ ش ۱۹۳۔ ش ۱۹۴۔ ش ۱۹۵۔ ش ۱۹۶۔ ش ۱۹۷۔ ش ۱۹۸۔ ش ۱۹۹۔ ش ۲۰۰۔ ش ۲۰۱۔ ش ۲۰۲۔ ش ۲۰۳۔ ش ۲۰۴۔ ش ۲۰۵۔ ش ۲۰۶۔ ش ۲۰۷۔ ش ۲۰۸۔ ش ۲۰۹۔ ش ۲۱۰۔ ش ۲۱۱۔ ش ۲۱۲۔ ش ۲۱۳۔ ش ۲۱۴۔ ش ۲۱۵۔ ش ۲۱۶۔ ش ۲۱۷۔ ش ۲۱۸۔ ش ۲۱۹۔ ش ۲۲۰۔ ش ۲۲۱۔ ش ۲۲۲۔ ش ۲۲۳۔ ش ۲۲۴۔ ش ۲۲۵۔ ش ۲۲۶۔ ش ۲۲۷۔ ش ۲۲۸۔ ش ۲۲۹۔ ش ۲۳۰۔ ش ۲۳۱۔ ش ۲۳۲۔ ش ۲۳۳۔ ش ۲۳۴۔ ش ۲۳۵۔ ش ۲۳۶۔ ش ۲۳۷۔ ش ۲۳۸۔ ش ۲۳۹۔ ش ۲۴۰۔ ش ۲۴۱۔ ش ۲۴۲۔ ش ۲۴۳۔ ش ۲۴۴۔ ش ۲۴۵۔ ش ۲۴۶۔ ش ۲۴۷۔ ش ۲۴۸۔ ش ۲۴۹۔ ش ۲۵۰۔ ش ۲۵۱۔ ش ۲۵۲۔ ش ۲۵۳۔ ش ۲۵۴۔ ش ۲۵۵۔ ش ۲۵۶۔ ش ۲۵۷۔ ش ۲۵۸۔ ش ۲۵۹۔ ش ۲۶۰۔ ش ۲۶۱۔ ش ۲۶۲۔ ش ۲۶۳۔ ش ۲۶۴۔ ش ۲۶۵۔ ش ۲۶۶۔ ش ۲۶۷۔ ش ۲۶۸۔ ش ۲۶۹۔ ش ۲۷۰۔ ش ۲۷۱۔ ش ۲۷۲۔ ش ۲۷۳۔ ش ۲۷۴۔ ش ۲۷۵۔ ش ۲۷۶۔ ش ۲۷۷۔ ش ۲۷۸۔ ش ۲۷۹۔ ش ۲۸۰۔ ش ۲۸۱۔ ش ۲۸۲۔ ش ۲۸۳۔ ش ۲۸۴۔ ش ۲۸۵۔ ش ۲۸۶۔ ش ۲۸۷۔ ش ۲۸۸۔ ش ۲۸۹۔ ش ۲۹۰۔ ش ۲۹۱۔ ش ۲۹۲۔ ش ۲۹۳۔ ش ۲۹۴۔ ش ۲۹۵۔ ش ۲۹۶۔ ش ۲۹۷۔ ش ۲۹۸۔ ش ۲۹۹۔ ش ۳۰۰۔ ش ۳۰۱۔ ش ۳۰۲۔ ش ۳۰۳۔ ش ۳۰۴۔ ش ۳۰۵۔ ش ۳۰۶۔ ش ۳۰۷۔ ش ۳۰۸۔ ش ۳۰۹۔ ش ۳۱۰۔ ش ۳۱۱۔ ش ۳۱۲۔ ش ۳۱۳۔ ش ۳۱۴۔ ش ۳۱۵۔ ش ۳۱۶۔ ش ۳۱۷۔ ش ۳۱۸۔ ش ۳۱۹۔ ش ۳۲۰۔ ش ۳۲۱۔ ش ۳۲۲۔ ش ۳۲۳۔ ش ۳۲۴۔ ش ۳۲۵۔ ش ۳۲۶۔ ش ۳۲۷۔ ش ۳۲۸۔ ش ۳۲۹۔ ش ۳۳۰۔ ش ۳۳۱۔ ش ۳۳۲۔ ش ۳۳۳۔ ش ۳۳۴۔ ش ۳۳۵۔ ش ۳۳۶۔ ش ۳۳۷۔ ش ۳۳۸۔ ش ۳۳۹۔ ش ۳۴۰۔ ش ۳۴۱۔ ش ۳۴۲۔ ش ۳۴۳۔ ش ۳۴۴۔ ش ۳۴۵۔ ش ۳۴۶۔ ش ۳۴۷۔ ش ۳۴۸۔ ش ۳۴۹۔ ش ۳۵۰۔ ش ۳۵۱۔ ش ۳۵۲۔ ش ۳۵۳۔ ش ۳۵۴۔ ش ۳۵۵۔ ش ۳۵۶۔ ش ۳۵۷۔ ش ۳۵۸۔ ش ۳۵۹۔ ش ۳۶۰۔ ش ۳۶۱۔ ش ۳۶۲۔ ش ۳۶۳۔ ش ۳۶۴۔ ش ۳۶۵۔ ش ۳۶۶۔ ش ۳۶۷۔ ش ۳۶۸۔ ش ۳۶۹۔ ش ۳۷۰۔ ش ۳۷۱۔ ش ۳۷۲۔ ش ۳۷۳۔ ش ۳۷۴۔ ش ۳۷۵۔ ش ۳۷۶۔ ش ۳۷۷۔ ش ۳۷۸۔ ش ۳۷۹۔ ش ۳۸۰۔ ش ۳۸۱۔ ش ۳۸۲۔ ش ۳۸۳۔ ش ۳۸۴۔ ش ۳۸۵۔ ش ۳۸۶۔ ش ۳۸۷۔ ش ۳۸۸۔ ش ۳۸۹۔ ش ۳۹۰۔ ش ۳۹۱۔ ش ۳۹۲۔ ش ۳۹۳۔ ش ۳۹۴۔ ش ۳۹۵۔ ش ۳۹۶۔ ش ۳۹۷۔ ش ۳۹۸۔ ش ۳۹۹۔ ش ۴۰۰۔ ش ۴۰۱۔ ش ۴۰۲۔ ش ۴۰۳۔ ش ۴۰۴۔ ش ۴۰۵۔ ش ۴۰۶۔ ش ۴۰۷۔ ش ۴۰۸۔ ش ۴۰۹۔ ش ۴۱۰۔ ش ۴۱۱۔ ش ۴۱۲۔ ش ۴۱۳۔ ش ۴۱۴۔ ش ۴۱۵۔ ش ۴۱۶۔ ش ۴۱۷۔ ش ۴۱۸۔ ش ۴۱۹۔ ش ۴۲۰۔ ش ۴۲۱۔ ش ۴۲۲۔ ش ۴۲۳۔ ش ۴۲۴۔ ش ۴۲۵۔ ش ۴۲۶۔ ش ۴۲۷۔ ش ۴۲۸۔ ش ۴۲۹۔ ش ۴۳۰۔ ش ۴۳۱۔ ش ۴۳۲۔ ش ۴۳۳۔ ش ۴۳۴۔ ش ۴۳۵۔ ش ۴۳۶۔ ش ۴۳۷۔ ش ۴۳۸۔ ش ۴۳۹۔ ش ۴۴۰۔ ش ۴۴۱۔ ش ۴۴۲۔ ش ۴۴۳۔ ش ۴۴۴۔ ش ۴۴۵۔ ش ۴۴۶۔ ش ۴۴۷۔ ش ۴۴۸۔ ش ۴۴۹۔ ش ۴۵۰۔ ش ۴۵۱۔ ش ۴۵۲۔ ش ۴۵۳۔ ش ۴۵۴۔ ش ۴۵۵۔ ش ۴۵۶۔ ش ۴۵۷۔ ش ۴۵۸۔ ش ۴۵۹۔ ش ۴۶۰۔ ش ۴۶۱۔ ش ۴۶۲۔ ش ۴۶۳۔ ش ۴۶۴۔ ش ۴۶۵۔ ش ۴۶۶۔ ش ۴۶۷۔ ش ۴۶۸۔ ش ۴۶۹۔ ش ۴۷۰۔ ش ۴۷۱۔ ش ۴۷۲۔ ش ۴۷۳۔ ش ۴۷۴۔ ش ۴۷۵۔ ش ۴۷۶۔ ش ۴۷۷۔ ش ۴۷۸۔ ش ۴۷۹۔ ش ۴۸۰۔ ش ۴۸۱۔ ش ۴۸۲۔ ش ۴۸۳۔ ش ۴۸۴۔ ش ۴۸۵۔ ش ۴۸۶۔ ش ۴۸۷۔ ش ۴۸۸۔ ش ۴۸۹۔ ش ۴۹۰۔ ش ۴۹۱۔ ش ۴۹۲۔ ش ۴۹۳۔ ش ۴۹۴۔ ش ۴۹۵۔ ش ۴۹۶۔ ش ۴۹۷۔ ش ۴۹۸۔ ش ۴۹۹۔ ش ۵۰۰۔ ش ۵۰۱۔ ش ۵۰۲۔ ش ۵۰۳۔ ش ۵۰۴۔ ش ۵۰۵۔ ش ۵۰۶۔ ش ۵۰۷۔ ش ۵۰۸۔ ش ۵۰۹۔ ش ۵۱۰۔ ش ۵۱۱۔ ش ۵۱۲۔ ش ۵۱۳۔ ش ۵۱۴۔ ش ۵۱۵۔ ش ۵۱۶۔ ش ۵۱۷۔ ش ۵۱۸۔ ش ۵۱۹۔ ش ۵۲۰۔ ش ۵۲۱۔ ش ۵۲۲۔ ش ۵۲۳۔ ش ۵۲۴۔ ش ۵۲۵۔ ش ۵۲۶۔ ش ۵۲۷۔ ش ۵۲۸۔ ش ۵۲۹۔ ش ۵۳۰۔ ش ۵۳۱۔ ش ۵۳۲۔ ش ۵۳۳۔ ش ۵۳۴۔ ش ۵۳۵۔ ش ۵۳۶۔ ش ۵۳۷۔ ش ۵۳۸۔ ش ۵۳۹۔ ش ۵۴۰۔ ش ۵۴۱۔ ش ۵۴۲۔ ش ۵۴۳۔ ش ۵۴۴۔ ش ۵۴۵۔ ش ۵۴۶۔ ش ۵۴۷۔ ش ۵۴۸۔ ش ۵۴۹۔ ش ۵۵۰۔ ش ۵۵۱۔ ش ۵۵۲۔ ش ۵۵۳۔ ش ۵۵۴۔ ش ۵۵۵۔ ش ۵۵۶۔ ش ۵۵۷۔ ش ۵۵۸۔ ش ۵۵۹۔ ش ۵۶۰۔ ش ۵۶۱۔ ش ۵۶۲۔ ش ۵۶۳۔ ش ۵۶۴۔ ش ۵۶۵۔ ش ۵۶۶۔ ش ۵۶۷۔ ش ۵۶۸۔ ش ۵۶۹۔ ش ۵۷۰۔ ش ۵۷۱۔ ش ۵۷۲۔ ش ۵۷۳۔ ش ۵۷۴۔ ش ۵۷۵۔ ش ۵۷۶۔ ش ۵۷۷۔ ش ۵۷۸۔ ش ۵۷۹۔ ش ۵۸۰۔ ش ۵۸۱۔ ش ۵۸۲۔ ش ۵۸۳۔ ش ۵۸۴۔ ش ۵۸۵۔ ش ۵۸۶۔ ش ۵۸۷۔ ش ۵۸۸۔ ش ۵۸۹۔ ش ۵۹۰۔ ش ۵۹۱۔ ش ۵۹۲۔ ش ۵۹۳۔ ش ۵۹۴۔ ش ۵۹۵۔ ش ۵۹۶۔ ش ۵۹۷۔ ش ۵۹۸۔ ش ۵۹۹۔ ش ۶۰۰۔ ش ۶۰۱۔ ش ۶۰۲۔ ش ۶۰۳۔ ش ۶۰۴۔ ش ۶۰۵۔ ش ۶۰۶۔ ش ۶۰۷۔ ش ۶۰۸۔ ش ۶۰۹۔ ش ۶۱۰۔ ش ۶۱۱۔ ش ۶۱۲۔ ش ۶۱۳۔ ش ۶۱۴۔ ش ۶۱۵۔ ش ۶۱۶۔ ش ۶۱۷۔ ش ۶۱۸۔ ش ۶۱۹۔ ش ۶۲۰۔ ش ۶۲۱۔ ش ۶۲۲۔ ش ۶۲۳۔ ش ۶۲۴۔ ش ۶۲۵۔ ش ۶۲۶۔ ش ۶۲۷۔ ش ۶۲۸۔ ش ۶۲۹۔ ش ۶۳۰۔ ش ۶۳۱۔ ش ۶۳۲۔ ش ۶۳۳۔ ش ۶۳۴۔ ش ۶۳۵۔ ش ۶۳۶۔ ش ۶۳۷۔ ش ۶۳۸۔ ش ۶۳۹۔ ش ۶۴۰۔ ش ۶۴۱۔ ش ۶۴۲۔ ش ۶۴۳۔ ش ۶۴۴۔ ش ۶۴۵۔ ش ۶۴۶۔ ش ۶۴۷۔ ش ۶۴۸۔ ش ۶۴۹۔ ش ۶۵۰۔ ش ۶۵۱۔ ش ۶۵۲۔ ش ۶۵۳۔ ش ۶۵۴۔ ش ۶۵۵۔ ش ۶۵۶۔ ش ۶۵۷۔ ش ۶۵۸۔ ش ۶۵۹۔ ش ۶۶۰۔ ش ۶۶۱۔ ش ۶۶۲۔ ش ۶۶۳۔ ش ۶۶۴۔ ش ۶۶۵۔ ش ۶۶۶۔ ش ۶۶۷۔ ش ۶۶۸۔ ش ۶۶۹۔ ش ۶۷۰۔ ش ۶۷۱۔ ش ۶۷۲۔ ش ۶۷۳۔ ش ۶۷۴۔ ش ۶۷۵۔ ش ۶۷۶۔ ش ۶۷۷۔ ش ۶۷۸۔ ش ۶۷۹۔ ش ۶۸۰۔ ش ۶۸۱۔ ش ۶۸۲۔ ش ۶۸۳۔ ش ۶۸۴۔ ش ۶۸۵۔ ش ۶۸۶۔ ش ۶۸۷۔ ش ۶۸۸۔ ش ۶۸۹۔ ش ۶۹۰۔ ش ۶۹۱۔ ش ۶۹۲۔ ش ۶۹۳۔ ش ۶۹۴۔ ش ۶۹۵۔ ش ۶۹۶۔ ش ۶۹۷۔ ش ۶۹۸۔ ش ۶۹۹۔ ش ۷۰۰۔ ش ۷۰۱۔ ش ۷۰۲۔ ش ۷۰۳۔ ش ۷۰۴۔ ش ۷۰۵۔ ش ۷۰۶۔ ش ۷۰۷۔ ش ۷۰۸۔ ش ۷۰۹۔ ش ۷۱۰۔ ش ۷۱۱۔ ش ۷۱۲۔ ش ۷۱۳۔ ش ۷۱۴۔ ش ۷۱۵۔ ش ۷۱۶۔ ش ۷۱۷۔ ش ۷۱۸۔ ش ۷۱۹۔ ش ۷۲۰۔ ش ۷۲۱۔ ش ۷۲۲۔ ش ۷۲۳۔ ش ۷۲۴۔ ش ۷۲۵۔ ش ۷۲۶۔ ش ۷۲۷۔ ش ۷۲۸۔ ش ۷۲۹۔ ش ۷۳۰۔ ش ۷۳۱۔ ش ۷۳۲۔ ش ۷۳۳۔ ش ۷۳۴۔ ش ۷۳۵۔ ش ۷۳۶۔ ش ۷۳۷۔ ش ۷۳۸۔ ش ۷۳۹۔ ش ۷۴۰۔ ش ۷۴۱۔ ش ۷۴۲۔ ش ۷۴۳۔ ش ۷۴۴۔ ش ۷۴۵۔ ش ۷۴۶۔ ش ۷۴۷۔ ش ۷۴۸۔ ش ۷۴۹۔ ش ۷۵۰۔ ش ۷۵۱۔ ش ۷۵۲۔ ش ۷۵۳۔ ش ۷۵۴۔ ش ۷۵۵۔ ش ۷۵۶۔ ش ۷۵۷۔ ش ۷۵۸۔ ش ۷۵۹۔ ش ۷۶۰۔ ش ۷۶۱۔ ش ۷۶۲۔ ش ۷۶۳۔ ش ۷۶۴۔ ش ۷۶۵۔ ش ۷۶۶۔ ش ۷۶۷۔ ش ۷۶۸۔ ش ۷۶۹۔ ش ۷۷۰۔ ش ۷۷۱۔ ش ۷۷۲۔ ش ۷۷۳۔ ش ۷۷۴۔ ش ۷۷۵۔ ش ۷۷۶۔ ش ۷۷۷۔ ش ۷۷۸۔ ش ۷۷۹۔ ش ۷۸۰۔ ش ۷۸۱۔ ش ۷۸۲۔ ش ۷۸۳۔ ش ۷۸۴۔ ش ۷۸۵۔ ش ۷۸۶۔ ش ۷۸۷۔ ش ۷۸۸۔ ش ۷۸۹۔ ش ۷۹۰۔ ش ۷۹۱۔ ش ۷۹۲۔ ش ۷۹۳۔ ش ۷۹۴۔ ش ۷۹۵۔ ش ۷۹۶۔ ش ۷۹۷۔ ش ۷۹۸۔ ش ۷۹۹۔ ش ۸۰۰۔ ش ۸۰۱۔ ش ۸۰۲۔ ش ۸۰۳۔ ش ۸۰۴۔ ش ۸۰۵۔ ش ۸۰۶۔ ش ۸۰۷۔ ش ۸۰۸۔ ش ۸۰۹۔ ش ۸۱۰۔ ش ۸۱۱۔ ش ۸۱۲۔ ش ۸۱۳۔ ش ۸۱۴۔ ش ۸۱۵۔ ش ۸۱۶۔ ش ۸۱۷۔ ش ۸۱۸۔ ش ۸۱۹۔ ش ۸۲۰۔ ش ۸۲۱۔ ش ۸۲۲۔ ش ۸۲۳۔ ش ۸۲۴۔ ش ۸۲۵۔ ش ۸۲۶۔ ش ۸۲۷۔ ش ۸۲۸۔ ش ۸۲۹۔ ش ۸۳۰۔ ش ۸۳۱۔ ش ۸۳۲۔ ش ۸۳۳۔ ش ۸۳۴۔ ش ۸۳۵۔ ش ۸۳۶۔ ش ۸۳۷۔ ش ۸۳۸۔ ش ۸۳۹۔ ش ۸۴۰۔ ش ۸۴۱۔ ش ۸۴۲۔ ش ۸۴۳۔ ش ۸۴۴۔ ش ۸۴۵۔ ش ۸۴۶۔ ش ۸۴۷۔ ش ۸۴۸۔ ش ۸۴۹۔ ش ۸۵۰۔ ش ۸۵۱۔ ش ۸۵۲۔ ش ۸۵۳۔ ش ۸۵۴۔ ش ۸۵۵۔ ش ۸۵۶۔ ش ۸۵۷۔ ش ۸۵۸۔ ش ۸۵۹۔ ش ۸۶۰۔ ش ۸۶۱۔ ش ۸۶۲۔ ش ۸۶۳۔ ش ۸۶۴۔ ش ۸۶۵۔ ش ۸۶۶۔ ش ۸۶۷۔ ش ۸۶۸۔ ش ۸۶۹۔ ش ۸۷۰۔ ش ۸۷۱۔ ش ۸۷۲۔ ش ۸۷۳۔ ش ۸۷۴۔ ش ۸۷۵۔ ش ۸۷۶۔ ش ۸۷۷۔ ش ۸۷۸۔ ش ۸۷۹۔ ش ۸۸۰۔ ش ۸۸۱۔ ش ۸۸۲۔ ش ۸۸۳۔ ش ۸۸۴۔ ش ۸۸۵۔ ش ۸۸۶۔ ش ۸۸۷۔ ش ۸۸۸۔ ش ۸۸۹۔ ش ۸۹۰۔ ش ۸۹۱۔ ش ۸۹۲۔ ش ۸۹۳۔ ش ۸۹۴۔ ش ۸۹۵۔ ش ۸۹۶۔ ش ۸۹۷۔ ش ۸۹۸۔ ش ۸۹۹۔ ش ۹۰۰۔ ش ۹۰۱۔ ش ۹۰۲۔ ش ۹۰۳۔ ش ۹۰۴۔ ش ۹۰۵۔ ش ۹۰۶۔ ش ۹۰۷۔ ش ۹۰۸۔ ش ۹۰۹۔ ش ۹۱۰۔ ش ۹۱۱۔ ش ۹۱۲۔ ش ۹۱۳۔ ش ۹۱۴۔ ش ۹۱۵۔ ش ۹۱۶۔ ش ۹۱۷۔ ش ۹۱۸۔ ش ۹۱۹۔ ش ۹۲۰۔ ش ۹۲۱۔ ش ۹۲۲۔ ش ۹۲۳۔ ش ۹۲۴۔ ش ۹۲۵۔ ش ۹۲۶۔ ش ۹۲۷۔ ش ۹۲۸۔ ش ۹۲۹۔ ش ۹۳۰۔ ش ۹۳۱۔ ش ۹۳۲۔ ش ۹۳۳۔ ش ۹۳۴۔ ش ۹۳۵۔ ش ۹۳۶۔ ش ۹۳۷۔ ش ۹۳۸۔ ش ۹۳۹۔ ش ۹۴۰۔ ش ۹۴۱۔ ش ۹۴۲۔ ش ۹۴۳۔ ش ۹۴۴۔ ش ۹۴۵۔ ش ۹۴۶۔ ش ۹۴۷۔ ش ۹۴۸۔ ش ۹۴۹۔ ش ۹۵۰۔ ش ۹۵۱۔ ش ۹۵۲۔ ش ۹۵۳۔ ش ۹۵۴۔ ش ۹۵۵۔ ش ۹۵۶۔ ش ۹۵۷۔ ش ۹۵۸۔ ش ۹۵۹۔ ش ۹۶۰۔ ش ۹۶۱۔ ش ۹۶۲۔ ش ۹۶۳۔ ش ۹۶۴۔ ش ۹۶۵۔ ش ۹۶۶۔ ش ۹۶۷۔ ش ۹۶۸۔ ش ۹۶۹۔ ش ۹۷۰۔ ش ۹۷۱۔ ش ۹۷۲۔ ش ۹۷۳۔ ش ۹۷۴۔ ش ۹۷۵۔ ش ۹۷۶۔ ش ۹۷۷۔ ش ۹۷۸۔ ش ۹۷۹۔ ش ۹۸۰۔ ش ۹۸۱۔ ش ۹۸۲۔ ش ۹۸۳۔ ش ۹۸۴۔ ش ۹۸۵۔ ش ۹۸۶۔ ش ۹۸۷۔ ش ۹۸۸۔ ش ۹۸۹۔ ش ۹۹۰۔ ش ۹۹۱۔ ش ۹۹۲۔ ش ۹۹۳۔ ش ۹۹۴۔ ش ۹۹۵۔ ش ۹۹۶۔ ش ۹۹۷۔ ش ۹۹۸۔ ش ۹۹۹۔ ش ۱۰۰۰۔ ش ۱۰۰۱۔ ش ۱۰۰۲۔ ش ۱۰۰۳۔ ش ۱۰۰۴۔ ش ۱۰۰۵۔ ش ۱۰۰۶۔ ش ۱۰۰۷۔ ش ۱۰۰۸۔ ش ۱۰۰۹۔ ش ۱۰۱۰۔ ش ۱۰۱۱۔ ش ۱۰۱۲۔ ش ۱۰۱۳۔ ش ۱۰۱۴۔ ش ۱۰۱۵۔ ش ۱۰۱۶۔ ش ۱۰۱۷۔ ش ۱۰۱۸۔ ش ۱۰۱۹۔ ش ۱۰۲۰۔ ش ۱۰۲۱۔ ش ۱۰۲۲۔ ش ۱۰۲۳۔ ش ۱۰۲۴۔ ش ۱۰۲۵۔ ش ۱۰۲۶۔ ش ۱۰۲۷۔ ش ۱۰۲۸۔ ش ۱۰۲۹۔ ش ۱۰۳۰۔ ش ۱۰۳۱۔ ش ۱۰۳۲۔ ش ۱۰۳۳۔ ش ۱۰۳۴۔ ش ۱۰۳۵۔ ش ۱۰۳۶۔ ش ۱۰۳۷۔ ش ۱۰۳۸۔ ش ۱۰۳۹۔ ش ۱۰۴۰۔ ش ۱۰۴۱۔ ش ۱۰۴۲۔ ش ۱۰۴۳۔ ش ۱۰۴۴۔ ش ۱۰۴۵۔ ش ۱۰۴۶۔ ش ۱۰۴۷۔ ش ۱۰۴۸۔ ش ۱۰۴۹۔ ش ۱۰۵۰۔ ش ۱۰۵۱۔ ش ۱۰۵۲۔ ش ۱۰۵۳۔ ش ۱۰۵۴۔ ش ۱۰۵۵۔ ش ۱۰۵۶۔ ش ۱۰۵۷۔ ش ۱۰۵۸۔ ش ۱۰۵۹۔ ش ۱۰۶۰۔ ش ۱۰۶۱۔ ش ۱۰۶۲۔ ش ۱۰۶۳۔ ش ۱۰۶۴۔ ش ۱۰۶۵۔ ش ۱۰۶۶۔ ش ۱۰۶۷۔ ش ۱۰۶۸۔ ش ۱۰۶۹۔ ش ۱۰۷۰۔ ش ۱۰۷۱۔ ش ۱۰۷۲۔ ش ۱۰۷۳۔ ش ۱۰۷۴۔ ش ۱۰۷۵۔ ش ۱۰۷۶۔ ش ۱۰۷۷۔ ش ۱۰۷۸۔ ش ۱۰۷۹۔ ش ۱۰۸۰۔ ش ۱۰۸۱۔ ش ۱۰۸۲۔ ش ۱۰۸۳۔ ش ۱۰۸۴۔ ش ۱۰۸۵۔ ش ۱۰۸۶۔ ش ۱۰۸۷۔ ش ۱۰۸۸۔ ش ۱۰۸۹۔ ش ۱۰۹۰۔ ش ۱۰۹۱۔ ش ۱۰۹۲۔ ش ۱۰۹۳۔ ش ۱۰۹۴۔ ش ۱۰۹۵۔ ش ۱۰۹۶۔ ش ۱۰۹۷۔ ش ۱۰۹۸۔ ش ۱۰۹۹۔ ش ۱۱۰۰۔ ش ۱۱۰۱۔ ش ۱۱۰۲۔ ش ۱۱۰۳۔ ش ۱۱۰۴۔ ش ۱۱۰۵۔ ش ۱۱۰۶۔ ش ۱۱۰۷۔ ش ۱۱۰۸۔ ش ۱۱۰۹۔ ش ۱۱۱۰۔ ش ۱۱۱۱۔ ش ۱۱۱۲۔ ش ۱۱۱۳۔ ش ۱۱۱۴۔ ش ۱۱۱۵۔ ش ۱۱۱۶۔ ش ۱۱۱۷۔ ش ۱۱۱۸۔ ش ۱۱۱۹۔ ش ۱۱۲۰۔ ش ۱۱۲۱۔ ش ۱۱۲۲۔ ش ۱۱۲۳۔ ش ۱۱۲۴۔ ش ۱۱۲۵۔ ش ۱۱۲۶۔ ش ۱۱۲۷۔ ش ۱۱۲۸۔ ش ۱۱۲۹۔ ش ۱۱۳۰۔ ش ۱۱۳۱۔ ش ۱۱۳۲۔ ش ۱۱۳۳۔ ش ۱۱۳۴۔ ش ۱۱۳۵۔ ش ۱۱۳۶۔ ش ۱۱۳۷۔ ش ۱۱۳۸۔ ش ۱۱۳۹۔ ش ۱۱۴۰۔ ش ۱۱۴۱۔ ش ۱۱۴۲۔ ش ۱۱۴۳۔ ش ۱۱۴۴۔ ش ۱۱۴۵۔ ش ۱۱۴۶۔ ش ۱۱۴۷۔ ش ۱۱۴۸۔ ش ۱۱۴۹۔ ش ۱۱۵۰۔ ش ۱۱۵۱۔ ش ۱۱۵۲۔ ش ۱۱۵۳۔ ش ۱۱۵۴۔ ش ۱۱۵۵۔ ش ۱۱۵۶۔ ش ۱۱۵۷۔ ش ۱۱۵۸۔ ش ۱۱۵۹۔ ش ۱۱۶۰۔ ش ۱۱۶۱۔ ش ۱۱۶۲۔ ش ۱۱۶۳۔ ش ۱۱۶۴۔ ش ۱۱۶۵۔ ش ۱۱۶۶۔ ش ۱۱۶۷۔ ش ۱۱۶۸۔ ش ۱۱۶۹۔ ش ۱۱۷۰۔ ش ۱۱۷۱۔ ش ۱۱۷۲۔ ش ۱۱۷۳۔ ش ۱۱۷۴۔ ش ۱۱۷۵۔ ش ۱۱۷۶۔ ش ۱۱۷۷۔ ش ۱۱۷۸۔ ش ۱۱۷۹۔ ش ۱۱۸۰۔ ش ۱۱



پس ان دونوں میں ترجیح مختلف فیہ ہے اور فیض میں ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ افطار حلال ہے اور محقق ابن الہمام نے اس کی موافقت کی ہے (اور صحیح یہی ہے کہ اس مسئلہ میں آسمان پر علت ہو یا نہ ہو افطار حلال ہے) جلی نے کہا کہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر شوال کی اکتیسویں رات کو آسمان پر برابر ہو تو بالاتفاق صبح کو افطار کریں جبکہ رمضان کا چاند دو عادل گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوا ہو، خواہ اس روز آسمان پر بار تھا یا مطلع صاف تھا اور اگر شوال کی اکتیسویں رات کو آسمان پر برابر نہیں تھا بلکہ آسمان صاف تھا تو بعض نے کہا کہ مطلقاً یعنی خواہ رمضان کے چاند کے بعد مطلع صاف تھا یا صاف نہیں تھا ہر حال میں افطار کریں اور بعض نے کہا کہ مطلقاً افطار نہ کریں اور بعض نے کہا کہ اگر رمضان کے چاند میں بھی آسمان ابراؤد تھا تو افطار کریں ورنہ نہ کریں۔ اور نور الایضاح میں جو کچھ بیان ہے اس کی بنا پر خلاصہ یہ ہوا کہ جب ایک آدمی کی گواہی سے رمضان کا چاند ثابت ہوا دس روزے پورے ہو گئے اور عید الفطر کا چاند نظر نہ آیا اور آسمان صاف ہے تو افطار حلال نہیں ہے اور جب دو عادل گواہوں کی گواہی سے رمضان کا چاند ثابت ہوا اور دس روزے پورے ہو کر عید الفطر کا چاند نظر نہ آیا ہو اور مطلع بھی صاف ہو تو ترجیح میں اختلاف ہے اور اگر آسمان پر برابر وغیرہ ہو تو افطار بلا خلاف حلال ہے اگرچہ رمضان کا چاند ایک آدمی کی گواہی سے ہی ثابت ہوا ہو (مزید کہ اس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر رمضان کی اکتیسویں رات کو مطلع ابراؤد ہے اور شوال کا چاند نظر نہ آیا تو صبح کو بالاتفاق روزہ نہ رکھیں اور عید کریں خواہ رمضان کا چاند آسمان ابراؤد ہوئے کی صورت میں ایک عادل آدمی کی گواہی سے ثابت ہوا ہو یا دو عادل آدمیوں کی گواہی سے ثابت ہوا ہو، اور اگر رمضان کا چاند آسمان پر برابر یا غیرہ ہوئے کی صورت میں ایک شخص کی گواہی سے ثابت ہوا اور شوال کا چاند اکتیسویں شب کو مطلع صاف ہونے کے باوجود نظر نہ آیا تو بعض کے نزدیک افطار حلال ہے اور بعض کے نزدیک افطار حلال نہیں ورنہ طرف ترجیح ہے پس ترجیح مختلف فیہ ہے لیکن عدم افطار ہی ارجح ہے اور اگر رمضان کا چاند ابراؤد وغیرہ کی حالت میں مطلع صاف ہونے کی صورت میں دو عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوا اور شوال کا چاند اکتیسویں شب کو مطلع صاف ہونے کے باوجود نظر نہیں آیا تو اس صورت میں بھی بعض کے نزدیک افطار حلال ہے اور بعض کے نزدیک افطار حلال نہیں ہے اور دونوں طرف ترجیح ہے پس ترجیح میں اختلاف ہے لیکن افطار حلال ہونا ہی ارجح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ شامی وغیرہ سے ظاہر ہے، مؤلف) اور یہ سب بیان دو عادل مرد یا ایک عادل مرد کی گواہی سے رمضان کا چاند ثابت ہونے کی صورت میں ہے لیکن اگر ہیت سے صرف فاسق لوگ یا ہیت سے غلام یا صرف عورتیں گواہی دیں اور ان کی رویت ہر روزے شروع کریں اور دس روزے پورے کر کے چاند نظر نہ آئے تو اس کی تصریح نظر سے نہیں گذری لیکن دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ ان کے قول سے عید الفطر ثابت نہیں ہوگی خصوصاً شیخین کے قول کے بموجب وائند اعلم بالصواب۔

(۲) جس طرح ایک شخص کی گواہی سے رمضان ثابت ہونے کے بعد عید الفطر کے چاند کا حکم ادا پر بیان ہوا ہے اسی طرح



عبدالاضحیٰ کے چاند کا بھی یہی حکم ہے پس اگر ایک شخص کی ریت سے رمضان کا چاند ثابت ہو گیا پھر شوال و ذیقعد اور ذی الحجہ کا چاند ان تینوں مہینوں میں مطلع ابراؤد ہونے کی وجہ سے نظر نہ آیا تو عید الاضحیٰ کے چاند کا حکم دنوں کے لحاظ سے کیا جائے گا۔ یہ حکم امام محمد کے قول پر ہے اور شخین کا اس میں خلاف ہے اور یہ جامع الرموز کی روایت پر مبنی ہے اور شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک ابراؤد ہونے کی صورت میں سب کے قول پر یہی حکم ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر شعبان کے تیس دن پورے کے بغیر رمضان کا چاند ایک شخص کی گواہی سے مثلاً دو شنبہ کے روز ثابت ہو گیا اور اس کے بعد رمضان شوال اور ذیقعد تیس تیس دن کے شمار کر لئے تو ذی الحجہ کی ابتدا یک شنبہ کی رات سے ہوگی یہ امام محمد کے نزدیک ہے اور شخین کے نزدیک یک شنبہ کی رات سے نہیں ہوگی بلکہ دو شنبہ کی رات سے ابتدا ہوگی کیونکہ شعبان کے بھی تیس دن پورے کو کہ رمضان کی ابتدا کی جائے گی اور یہ اختلاف جامع الرموز کی روایت کی بنا پر ہے لیکن امام حلوانی کی روایت کی بنا پر بالاتفاق یک شنبہ کی رات کو ذی الحجہ کی ابتدا ہوگی فلیتأمل۔

(۳) اگر کسی شہر کے لوگوں نے بغیر چاند دیکھے (یعنی شعبان کے تیس دن پورے کرنے کے بعد) ماہ رمضان کے اٹھائیس روزے رکھے پھر انھوں نے شوال کا چاند دیکھ لیا (تو اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ) اگر انھوں نے شعبان کا چاند دیکھ کر تیس دن پورے کئے تھے اور رمضان کا چاند نہیں دیکھا تو وہ ایک دن کا روزہ قضا کریں گے (اس لئے کہ انھوں نے یقیناً ایک دن کی غلطی کھائی ہے) کیونکہ یہ بات مقرر ہے کہ مہینہ انتیس دن سے کم کا نہیں ہوتا اور اس سے زیادہ ہونا یہاں متصور نہیں ہے اور اگر انھوں نے اسی روزے رکھے پھر شوال کا چاند دیکھ لیا تو ان پر بالکل کوئی قضا لازم نہیں آئے گی (دوم یہ کہ) اگر انھوں نے شعبان کا چاند نہیں دیکھا اور رجب کا چاند دیکھ کر اس کے حساب سے تیس دن پورے کر کے شعبان کا مہینہ شروع کیا تھا پھر رمضان کا چاند نظر نہیں آیا اور انھوں نے شعبان کے تیس دن پورے کر کے رمضان کے روزے شروع کئے اور اٹھائیسویں روزے کے بعد شوال کا چاند نظر آ گیا تو وہ لوگ احتیاطاً دو روزے قضا کریں گے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں ہوئی کہ رمضان کے مہینے کا ایک دن کم ہوا ہے اس لئے کہ ان کا شعبان میں دو دن کی غلطی کرنا ممکن ہے جبکہ انھوں نے چاند دیکھے بغیر تیس دن پورے کئے ہوں پس اس میں احتمال ہے کہ انھوں نے رمضان شروع کرنے میں دو دن کی غلطی کھائی ہو، اس کی مزید وضاحت اس طرح پر ہے کہ جب انھوں نے بغیر چاند دیکھے شعبان کے تیس دن پورے کئے تو اس میں احتمال ہے کہ انھوں نے دو دن شعبان کے سمجھ کر روزے نہ رکھے ہوں اور وہ دو دن رمضان کے ہوں اور رمضان کا مہینہ کامل واقع ہوا ہو اس لئے کہ وہ اصل ہے پس ان کے بعد وصال کی قضا لازم ہے (یعنی ہو سکتا ہے کہ رجب اور شعبان دونوں ناقص ہوں اور رمضان کامل ہوا ہو اور اگر اس صورت میں اسیسویں روزے کو شوال کا چاند نظر آیا تو احتیاطاً ایک دن کا روزہ قضا کریں گے واللہ اعلم) پھر یہ بات ظاہر ہے کہ جو کچھ اوپر بیان ہوا اس صورت میں ہے جبکہ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ انھوں نے رجب کا چاند دیکھا ہے اور اس کے

۱۔ علامہ شامی بخلاف اتفاق حاشیہ بخلاف اتفاق میں لکھتے ہیں۔



تیس دن پورے کر کے شعبان کا چاند دیکھے بغیر شعبان کے بھی تیس دن پورے کر لئے پھر رمضان شروع کیا پھر انھوں نے سوال کا چاند اٹھا تیس روزے رکھنے کے بعد دیکھ لیا، ..... لیکن اگر اس صورت میں سوال کے چاند میں بھی آسمان برباد ہو جائے تو وہ لوگ کس طرح کریں؟ اس کا حکم میں نے ..... نہیں دیکھا اور ظاہر یہ ہے کہ وہ لوگ احتیاطاً تیس روزے رکھیں کیونکہ احتمال ہے کہ رجب و شعبان دونوں مہینے ناقص رہ گئے ہوں گے۔

(۴) اور اگر کسی شہر کے لوگوں نے چاند نہیں دیکھا اور شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کئے اور ان میں ایک شخص ایسا ہے جس نے شک کے دن رمضان کی نیت سے روزہ رکھا پھر لوگوں نے رمضان کی انتیسویں تاریخ کو غروب کے وقت چاند دیکھ لیا پس شہر کے لوگوں کے انتیس روزے ہوئے اور اس شخص کے تیس روزے ہوئے تو اہل مصر نے ٹھیک اور اچھا کیا اور اس شخص نے بُرا کیا اور غلطی کی اس لئے کہ اس نے سنت کے خلاف کیا کیونکہ سنت یہ ہے کہ جب مطلع صاف ہو تو رمضان کے روزے چاند دیکھ کر شروع کئے جائیں اور اگر مطلع صاف نہ ہو تو شعبان کے میں دن پورے کر کے شروع کئے جائیں اور شہر والوں پر کوئی قضا واجب نہیں ہے کیونکہ مہینہ کبھی تیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دن کا۔

(۵) اگر کسی شخص نے رمضان کے پہلے دن روزہ نہ رکھا اور دوسرے لوگوں نے اس روز فرض روزہ کی نیت سے روزہ رکھا تو اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر ان لوگوں نے چاند دیکھ کر یا شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزہ رکھا ہے تو ان لوگوں نے اچھا اور ٹھیک کیا ہے اور اس روزہ نہ رکھنے والے شخص نے برا کیا ہے اور اس پر اس روزہ کی صرف قضا لازم آئے گی کفارہ لازم نہیں آئے گا، دوسرے یہ کہ اگر ان لوگوں نے ان دونوں باتوں کے بغیر روزہ رکھا ہے تو ان لوگوں نے بُرا کیا اور اس شخص نے اچھا کیا۔

(۶) اگر ایک شخص نے رمضان کے پہلے دن کا روزہ رکھا اور دوسرے لوگوں نے اس روز کا روزہ نہ رکھا تو اس مسئلہ کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر اس شخص نے چاند دیکھ کر یا شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزہ رکھا ہے تو اس شخص نے اچھا کیا ہے اور ان لوگوں نے برا کیا ہے اور ان پر اس روزہ کی صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اگر اس شخص نے ان دو باتوں کے بغیر روزہ رکھا ہے تو اس آدمی نے بُرا کیا اور ان لوگوں نے اچھا اور ٹھیک کیا ہے۔

(۷) اگر کسی شہر کے لوگوں نے تیس روزے رکھے اور ایک دوسرے شہر کے لوگوں نے انتیس روزے رکھے پھر سب نے روزہ ترک کر دیا تو دیکھنا چاہئے کہ پہلے شہر والوں نے خود رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے جو کہ ان کے قاضی کے سامنے ثابت ہوئی ہے یا شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزہ رکھا ہے ان تینوں صورتوں میں اس دوسرے شہر والوں پر ایک دن کے روزہ کی قضا لازم ہوگی اور اگر ان تینوں صورتوں کے بغیر روزہ رکھا تو وہ برا کرنے والے اور خطا کے مرتکب ہوں گے اور ان کے روزے سے اس شہر والوں پر اس روزہ کی قضا لازم نہیں ہوگی۔

وہ کسی دوسری جگہ کے لوگوں کی نیت پر روزہ رکھا ہے۔

لے نہ تبصرف ذریعة عن حیات لے حیات عن الخلاء لے حیات عن الخلاء لے حیات



## رویت ہلال کیلئے اختلافِ مطالع

معتبر ہے یا نہیں

ظاہر الروایت کے بموجب چاند کی رویت کے ثبوت کے لئے مطالعوں کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہے (یعنی یہ بات اختلاف کے نزدیک معتبر نہیں ہے کہ ہر جگہ والے اپنے اپنے مطالع کا اعتبار کریں اور دوسری جگہ کے مطالع پر عمل نہ کریں)

مؤلف :- اور جاننا چاہئے کہ محض مطالعوں کے مختلف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ کبھی دو شہروں میں اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ ایک شہر میں چاند ایک تاریخ کو نظر آتا ہے اور دوسرے شہر میں نظر نہیں آتا اور اسی طرح سورج کے مطالعوں میں بھی فرق ہوتا ہے کیونکہ سورج کی شعاعوں کا چاند سے فاصلہ مختلف شہروں میں مختلف ہوتا ہے جیسا کہ خود سورج کا طلوع و غروب ہونا بھی مختلف شہروں میں مختلف وقت پر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر مشرق میں سورج غروب ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مغرب میں بھی غروب ہو گیا ہو اور یہی حال طلوع صبح صادق و غروب شمس کا ہے یعنی جب ایک شہر میں صبح صادق طلوع ہوگی تو بعض شہروں میں اس وقت سورج نکل رہا ہوگا اور بعض دور ترین ملکوں میں سورج غروب ہو رہا ہوگا اور بعض میں اس وقت آدھی رات ہوگی اور یہ بات علمِ افلاک و سمیت والوں کے نزدیک ثابت ہے جیسا کہ زلیحی نے اس کی تفصیل بیان کی ہے اور فاصلہ کی مقدار جس میں (چاند کے) مطالعوں کا اختلاف ہوتا ہے وہ ایک ماہ یا زیادہ کے پیدل سفر کی مقدار ہے جیسا کہ قہستانی میں جابر سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کا اعتبار کرتے ہوئے نقل کیا ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح و شام ایک ملک سے دوسرے ملک میں تشریف لے جاتے تھے جن کے درمیان ایک ماہ کے پیدل سفر کی مقدار فاصلہ ہوتا تھا اور صبح کے سفر سے مراد شروع دن سے زوال آفتاب تک چلنا ہے اور جو کچھ اس استدلال میں ہے پوچھ رہے ہیں ہے اور امام ربیع رحمۃ اللہ علیہ کی شرح منہاج میں ہے کہ تاج تبریزی نے متنبہ کیا ہے کہ اختلافِ مطالع چوبیس فرسخ سے کم فاصلہ میں ممکن نہیں ہوتا اور ان کے والد صاحب نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ مقدار تحدیدی ہے جیسا کہ ان کے والد نے اس پر بھی فتویٰ دیا ہے اور اس پر یاد کر لیجئے۔ بیشک مطالع کے مختلف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ چاند کے ثبوت میں مطالعوں کے مختلف ہونے کا اعتبار کیا جائیگا یا نہیں۔ یعنی کیا ہر قوم پران کے اپنے مطالع کا اعتبار لازم ہے اور دوسری جگہ کے مطالع پر عمل کرنا لازم نہیں ہے یا یہ کہ اختلاف کا بالکل اعتبار نہیں ہے بلکہ جس جگہ چاند پہلے نظر آجائے سب کو اسی پر عمل کرنا لازم ہے یہاں تک کہ اگر مغرب میں جمعہ کی رات کو چاند نظر آیا اور مشرق میں ہفتہ کو تو اہل مشرق پر لازم ہے کہ وہ اہل مغرب کی رویت پر عمل کریں، بعض فقہاء پہلے قول کے قائل ہوئے ہیں، امام زلیحی اور صاحب الفیض نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے (ان حضرات نے نقلی و عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے ان کے نزدیک نقلی دلیل حضرت کریم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے اور عقلی دلیل یہ ہے کہ ہر قوم کو شرع شریف نے اس چیز سے خطاب کیا ہے جو ان کے پاس ہے جیسا کہ نماز کے

لے و اکثر - عہ فاذن شامی نے ہمارے ہاں اہل مشرق کی جگہ اہل مغرب کی جگہ اہل مشرق کی جگہ اہل مغرب کی رویت اہل مشرق پر مقدم ہوتی ہے اور اہل مشرق کی جگہ



وقتوں کے بارے میں ہر جگہ والے اپنے اپنے مطلع کا اعتبار کریں گے اور کتاب الدرد میں اسی کی تائید کی ہے جیسا کہ پہلے اوقات نماز میں بیان ہو چکا ہے کہ جس جگہ کے لوگوں کو عشا کا وقت نہیں آتا اور غروب آفتاب کے بعد ابھی شفق غائب نہیں ہوتی کہ صبح صادق طلوع کر جاتی ہے وہاں کے لوگوں پر عشا کی نماز فرض اور ترک نماز واجب ہی نہیں ہوتی۔ اور دوسرا قول یعنی اختلاف مطلع کا معتبر نہ ہونا ظاہر الروایت ہے اور اخاف وبالیکوں اور ضعیلوں کے نزدیک یہی معتبر ہے کیونکہ حدیث شریف میں جو آیا ہے صوموا لیہ ویتیمہ (چاند کی رویت ثابت ہو جانے پر روزے شروع کرو) اس میں مطلق رویت کے ساتھ عام خطاب ہے بخلاف نماز کے اوقات کے۔ پس جب دنیا کے کسی حصہ کے مطلع میں ہلال کا نظر آنا ثابت ہو جائے تو دنیا کے تمام حصوں میں نئے دنوں پر ظاہر المذہب میں روزہ رکھنا لازم ہو جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہ اکثر مشائخ کا قول ہے یہی ظاہر الروایت ہے اور یہی اصول ہے پس جس شہر کے لوگوں نے اتنیس روزے رکھے ہوں گے بوجہ خطاب عام کے ان پر ایک روزہ کی تفصلاً لازم آئے گی۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ ان لوگوں کے نزدیک دوسری جگہ کے لوگوں کا چاند دیکھنا اس طرح پر ثابت ہو جائے کہ اس پر عمل کرنا ضرر واجب ہو جائے یعنی جبکہ دواہل آدمی رویت کی شہادت پر شہادت دیں یا قاضی کے حکم پر شہادت دیں یا رویت ہلال کی خبر مستفیض ہو یعنی حدیث شہرت و تواتر کو پہنچ جائے بخلاف اس کے کہ دواہل خبروں کے فلاں شہروالوں نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ حکایت ہے اور عمل کو واجب کرنے والی نہیں ہے جیسا کہ پہلے مفصل گذر چکا ہے۔ پس جب کسی جگہ والوں نے پہلی رات کا چاند دیکھا اور ان کے دیکھنے کی خبر کسی دوسرے شہر کی طرف پہنچی اور وہ تمام شرائط پائے گئے جن سے وہ خبر شرعاً عمل کو واجب کرتی ہے جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے تو شرعی طریقے سے ان کے لئے بھی چاند ہونے کا ثبوت ہو جائے گا پس ہماری عام کتب میں ہے کہ اس شہر کے رہنے والوں پر اس پہلے شہروالوں کا اتباع واجب ہو جائے گا خواہ ان دنوں شہروں کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہو پس خواہ ان کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ جس میں مطلعوں کا مختلف ہونا ضروری ہے یا اتنا فاصلہ ہو کہ اداس ابتلع کے واجب ہونے کو فقہاء کی اصطلاح میں یہ کہا جاتا ہے کہ مطلعوں کے مختلف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لیکن ہر روز کا روزہ انظار کرنے اور رمضان کی پانچوں نمازوں کے ادا کرنے میں مطلعوں کے اختلاف کا اعتبار کیا جائے گا، اور امام زلیحی شافعی کے نزدیک ہے کہ اختلاف مطلع کا معتبر نہ ہونا قریبی شہروں میں ہے یہ حکم بہت زیادہ فاصلہ والے شہروں کے لئے نہیں ہے اور تجرید القدوری میں بھی اسی طرح کہا ہے اور امام جرجانی نے بھی یہی کہا ہے، حضرت مولانا اور شاہ صاحب رحمہما فرماتے ہیں کہ زلیحی کا قول ماننا ضروری ہے ورنہ لازم آئے گا کہ عید الفطر کبھی ستائیسویں یا اٹھائیسویں تاریخ کو واقع ہو یا کتیسویں یا تیسویں تاریخ کو واقع ہو پس بلاشبہ قسطنطنیہ کے شہروں میں پہلی رات کا چاند ہماری پہلی رات کے چاند پر اکثر روزوں مقدم ہوتا ہے پس اگر ہم اپنے ہاں کی رویت پر روزے رکھیں پھر ہمیں قسطنطنیہ کے شہروں کے چاند کی خبر شرعی طریقے پہنچ جائے تو ہمیں عید الفطر کا دندن پہلے کرنا لازم آئے گا اور اس کے برخلاف اگر بلاد قسطنطنیہ میں کسی شخص نے روزے رکھے پھر وہ

لے ش زیادہ عن ط س م و ط زیادہ سے دروش و ط س م بحر



عید الفطر سے پہلے ہمارے ملک میں آیا تو اس کو عید الفطر میں دودن کی تاخیر کرنی پڑے گی اور میں نے اس مسئلہ کو اپنی کتب میں نہیں پایا اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص جن لوگوں میں عید کر رہا ہے اپنی کی رویت پر عمل کرے اور میں نے اس مسئلہ کو اس مسئلہ پر قیاس کیا ہے جو کہ کتب شافعیہ میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے ظہر کی نماز پڑھی پھر اسی وقت ایسے مقام پر پہنچا جہاں ظہر کا وقت ابھی تک داخل نہیں ہوا تو وہ شخص ان لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اللہ ہی کا علم کامل ترین ہے اور رویت ہلال میں اختلاف کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کے لئے دور اور نزدیک کی کوئی حد ہمارے فقہانے معین نہیں کی ہے بلکہ یہ بتلی یہ پر چھوڑ دی گئی ہے اور فقہائے شافعیہ نے اس کی کچھ حد مقرر کی ہے۔

(تنبیہ) فقہائے کلام سے جو کتاب الحج میں مذکور ہے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حج کے بارے میں اختلاف مطلع معتبر ہے۔ پس اگر یہ بات معلوم ہو جائے کہ کسی دوسری جگہ والوں نے اہل مکہ سے ایک دن پہلے چاند دیکھا ہے تو اہل مکہ پر کچھ نہیں لازم آئے گا یعنی اہل مکہ اور اس کے قرب و جوار والوں کی رویت پر ہی حج کے ارکان کی ادائیگی ہوگی۔ اور حاجیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے قربانی کے متعلق بھی حکم ہے کہ ہر جگہ والے اپنی اپنی رویت پر قربانی کریں گے اور یہی ظاہر ہے کیونکہ اختلاف مطلع کا معتبر نہ ہونا صرف روزے کے بارے میں ہے کیونکہ روزہ کا تعلق مطلق رویت کے ثبوت پر ہے خواہ کہیں بھی نظر آجائے بخلاف قربانی کے۔ پس ظاہر ہے کہ قربانی کا حکم اس بارے میں نماز کی طرح ہے کہ ہر قوم کے لئے اسی پر عمل ضروری ہے جو ان کے پاس ہے یعنی ان کو اپنی اپنی رویت ہلال پر عمل کرنا چاہئے پس اگر ایک جگہ والوں کے یہاں ذی الحجہ کی تیسریوں تاریخ ہے تو ان کے لئے وہ دن قربانی کا نہیں ہے لیکن اگر دوسری جگہ کی رویت کے مطابق وہ دن بارہویں ذی الحجہ کا ہے تو ان لوگوں کے لئے وہ دن قربانی کا ہے اور اس دن ان کی قربانی جائز ہے اگرچہ دوسروں کے لئے وہ دن تیسریوں ذی الحجہ کا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چنانکہ خبر تار، ٹیلیفون یا خط کے ذریعہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس سے رویت ہلال ثابت نہیں ہوگی۔ تار کی خبر میں کئی احتمالات ہیں اول یہی معلوم نہیں کہ جس کا نام لکھا ہے واقعی اسی کا بھیجا ہوا ہے اور اگر فرض کر دیا اسی کا ہو تب

تار، ٹیلیفون، خط اور ریڈیو کے ذریعہ  
رویت ہلال کا حکم

بھی اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے دوم یہ کہ تار میں اکثر غلطیاں ہوتی رہتی ہیں ہاں کا نہیں اور نہیں کا ہاں ہو جانا اور حلیہ استہنامیہ کو خبریہ سمجھ جانا وغیرہ معمولی بات ہے۔ سوم یہ کہ اگر بالکل صحیح و سچا بھی مان لیا جائے تب بھی وہ ایک خبر ہے شہادت نہیں اور وہ بھی کئی واسطوں سے ہے اس لئے کہ اگر تار دینے والا اگر تیری پڑھا لکھا نہیں ہے تو وہ کسی اور سے لکھوائے گا اور اس کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس نے کیا لکھا اور اس لکھوائے والے نے کیا لکھوایا پھر اس نے کسی آدمی کے ذریعہ تار گھر میں بھیجوا یا اس نے تار بابو کو دیا تار بابو کے ذریعہ دوسری جگہ کے تار گھر میں پہنچا اس نے تقسیم کرنے والے کو دیا اگر اس نے کسی

لے عرف تہ عرف تہ ش۔



اور کے حوالہ کر دیا تو معنوم نہیں کتنے واسطوں سے اس کو ملے گا اور اگر اسی کو بھی ملا تب بھی مذکورہ کئی واسطے تو درمیان میں ہو گئے اور پھر اگر وہ انگریزی پڑھا ہو انہیں ہے تو کسی دوسرے انگریزی پڑھے ہوئے شخص سے پڑھوائے گا جس کے صحیح پڑھنے کا اعتماد مشتبہ ہے پھر ان واسطوں میں مسلمان ہونا اور پھر اس مستور الحال کا عادل یا فاسق ہونا معلوم نہیں جو غرضیکہ شمار کیا جائے تو بکثرت ایسی وجہیں ہیں جو تار کے اعتبار کو کھودیتی ہیں فقہانے جب خط کا اعتبار نہیں کیا اگرچہ وصول کرنے والا لکھنے والے کے دستخط و تحریر کو پہچانتا ہو اور اس پر اس کی ہر بھی ہو کیونکہ ایک کا خط دوسرے کے خط کے مشابہ ہو سکتا ہے اور مہر کے مشابہ دوسری مہر ہو سکتی ہے تو پھر تار کا اعتبار کیسے ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ احتمالات جو اوپر بیان ہوئے یا اور جو بھی اس قسم کے احتمالات ہو سکتے ہوں دور ہو جائیں تو تار کی خبر بھی معتبر ہو سکتی ہے لیکن بظاہر ان احتمالات کا دور ہونا محال ہے اس لئے بالعموم تار کی خبر لغو ہوگی۔ اسی طرح اگر خط میں بھی یہ سب احتمالات دور ہو جائیں مثلاً کوئی عادل شخص خط لکھے اور اپنی رویت کسی دوسرے عادل شخص کے دیکھنے کے ساتھ لکھے یا دو عادل شخصوں کا اس سے یہ بیان کرنا لکھے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے اور وہ خط کسی عادل کے ذریعے (ہاتھ) سے آئے تب وہ خط بھی قابل اعتبار ہوگا اور اس سے رویت ثابت ہو جائے گی ادنیٰ کے بالمقابل خط میں اس احتیاط کا ہونا ممکن ہے۔ ان شرائط کے بغیر خط بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح قاضی اور مفتی کا یہ لکھنا کہ یہاں رویت ہوئی ہے قابل اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ فقہانے ایسی خبر کو قابل اعتبار نہیں سمجھا ہے نیز اس زمانے کے قاضی اور بعض اے مفتی دیکھنے میں آتے ہیں کہ وہ مسائل فقہ سے ایسے بے خبر ہوتے ہیں کہ اگر ان کو عوام کہا جائے تو بجا و درست ہے لیکن اُسے عادل ہوں ادویوں بیان کریں کہ چاند دیکھنے والے فلاں فلاں دو عادل شخصوں نے بیان کیا ہے اور وہ عادل بھی یہ ہیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے اور عادل شخص کے ہاتھ اپنا خط روانہ کریں تب اس پر عمل کرنا درست ہو جائے گا، ٹیلیفون کی خبر میں بھی تار کی طرح سے کئی احتمالات ہیں اس لئے غیر معتبر ہے۔ ریڈیو کی خبر کا بھی یہی حال اور یہی حکم ہے لیکن اگر ریڈیو کی خبر کسی اسلامی مملکت میں اسلامی حکمران کی نگرانی میں علمائے اسلام کے مشورہ اور استصواب سے کسی ثقہ مسلمان کے ذریعے نشر کی گئی ہو تو البتہ ریڈیو کی اس انداز کی خبر قابل اعتبار ہوئی چاہئے۔ چنانچہ آج کل علمائے کرام کا اس پر عمل ہے و اللہ اعلم بالصواب، مزید تفصیل کے لئے علمائے کرام سے رجوع کیا جائے، مولف

نوٹ:-

تار، ٹیلیفون، خط، ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ ثبوت ہلال کی مزید تحقیق ۱۳۲۹ تا ۱۳۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔



## روزے کی سنتیں اور مستحبات

(۱) سحری کھانا بعض فقہاء کے نزدیک مستحب ہے اور بعض کے نزدیک سنت ہے (اور یہی قول مشہور ہے، مؤلف) اور دونوں قول مختار ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سحری کھایا کرو بیشک سحری کھانے میں برکت ہے۔ سوائے ابو داؤد کے صحاح کی پانچوں کتابوں نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور تھوڑے کی زبرد کے ساتھ زیادہ مشہور ہے، یہ اس کھانے کا نام ہے جو صبح کے وقت کھایا جائے پس اس کا وقت رات کا آخری حصہ ہے اور وہ رات کے آخری چھ حصے میں صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پہلے ہے۔ اور رات سے مراد سورج غروب ہونے سے شروع ہو کر صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک کا وقت ہے (مؤلف) اور بعض نے کہا کہ سحر کا وقت اول نصف شب گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور تھوڑے کی پیش کے ساتھ سحر کی جمع ہے اور سحر کے کھانے کو کہتے ہیں۔ یا مصدر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ پیش کے ساتھ ہی متعین ہے۔ اور برکت کا لفظ جو حدیث شریف میں آیا ہے لخت میں اس کے معنی زیادتی کے ہیں پس اس میں چند معنی کے لحاظ سے زیادتی ہے مثلاً اس سے روزہ ادا کرنے کی قوت میں زیادتی حاصل ہوتی اور اس سے کھانے پینے کے مباح ہونے میں زیادتی ہے اور ان اوقات پر زیادتی (اضافہ) ہے جن میں دعا مقبول ہوتی ہے۔ کیونکہ جب وہ سحری کیلئے اٹھے گا تو اکثر اس وقت دعائیں مانگے گا اور وہ دعائیں (انشاء اللہ) قبول ہو جائیں گی اور ثواب میں زیادتی ہوگی، کیونکہ سحری کے لئے اٹھنے والے اس وقت ذکر و استغفار وغیرہ عبادات بجالائیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ برکت سے یہ سب معنی مراد ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کھانے سے دن کے روزہ پر مرد حاصل کرو اور دوپہر کے قبلولہ سے رات کے قیام پر مرد حاصل کرو۔ اس کو ابن ماجہ و حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اہل کتاب (یہود و نصاری) کے روزے کے درمیان فرق سحری کھانا ہے (اہل کتاب کے ہاں رات کو سونے کے بعد کھانا حرام تھا ابتداء اسلام میں بھی یہی حکم تھا پھر مباح ہو گیا) بخاری شریف کے سوا پانچوں کتابوں نے اس کو روایت کیا ہے۔ پس روزے دار کے لئے سحری کھانا مستحب ہے اور اس میں برکت ہے اگرچہ ایک لقمہ یا ایک گھونٹ پانی ہی سے سحری کی ہو اس لئے کہ حدیث شریف کے الفاظ سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ محض پانی پی لینے سے سحری کی سنت کی ادائیگی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ حدیث امام احمد نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ سحری کھانا تمام ہی برکت ہے پس تم اس کو نہ چھوڑو اگرچہ تم میں سے

۱۔ بحر متعرف ۲۔ التلح و بحر و ش ۳۔ دفع بقرن ۴۔ جلت عن شرح مشکوٰۃ لملا علی قاری ۵۔ دوش ۶۔ عرف وغیرہ  
۷۔ ش و بحر ۸۔ ط ۹۔ ش ۱۰۔ ط ۱۱۔ مؤلف عن حیات ۱۲۔ التاج وغیرہ ۱۳۔ مظاهر ۱۴۔ التلح و ابدائع وغیرہ ۱۵۔ حیات بنیۃ



کوئی شخص ایک گھونٹ پانی ہی پی لے اس لئے کہ سحری کھانے والے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے ان کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کا رسول ہی اس کی مراد کو بہتر جانتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سحری کھاؤ خواہ ایک گھونٹ پانی ہی پی لیا کرو۔ پس جس شخص کو کھانے پینے کی حاجت نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ کم از کم ایک دو لقمے یا ایک دو کھجور پی کھالے یا ایک دو گھونٹ پانی ہی پی لے تاکہ اس کو سحری کی سنت کی ادائیگی حاصل ہو جائے (مؤلف) اور مستحب یہ ہے کہ سحری میٹھی چیز سے کی جائے یا سحری میں میٹھی چیز بھی شامل ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے اچھی سحری کھجور ہے رواہ ابو داؤد پس سحری میں کھجور کھانے کی تعریف فرمائی گئی ہے اس لئے کہ وہ میٹھی ہے اور سضم ہونے میں سہل، بہت غذائیت والی اور نظر کو قوت دینے والی ہے جبکہ روزہ سے اس میں کمزوری آجاتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے روزہ افطار کرنا پسند فرماتے تھے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ اور سحری کھانے میں ضرورت سے زیادہ کثرت نہ کرے جیسا کہ تن آسان اور فضول خرچ لوگوں کی عادت ہے اس لئے کہ زیادہ کھانا روزہ کے مقصد کے خلاف ہے اور روزہ کا مقصد مجاہدہ دنیا و صفت نفس یعنی کچھ بھوک کی سختی چکھنا ہے تاکہ مسکینوں غریبوں پر رحم کرے اور تاکہ اس کا اجر اس کی مشقت کے مطابق ہو۔

(۲) سحری کا دیر سے کھانا مستحب ہے کیونکہ اس میں روزہ رکھنے پر معاونت کا مطلب زیادہ پایا جاتا ہے۔ پس سحری کھانے میں تاخیر کرنا مستحب در مستحب ہے کیونکہ سحری کھانا ایک الگ مستحب ہے اور اس کا تاخیر سے کھانا ایک الگ مستحب ہے پس تاخیر مستحب در مستحب ہوئی۔ اور معجم الطبرانی میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بائیں انبیائے مرسلین کے اخلاق میں سے ہیں اور وہ یہ ہیں افطار میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر کھانا اور اس کو حضرت ابن شیبہ رضی اللہ عنہ نے موقوفاً روایت کیا ہے اور صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سحری کرتا تھا اور پھر مجھے جلدی ہوتی تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھوں (یعنی اتنا کم وقت باقی رہتا کہ جلدی کر کے نماز میں شامل ہوتا) اور صحیحین میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھاتے تھے پھر ہم نماز پڑھ کر بڑے ہو جاتے تھے میں نے کہا کہ سحری کے ختم اور نماز کے شروع کرنے کے درمیان کس قدر وقفہ ہوتا تھا انھوں نے فرمایا کہ پچاس آیت کی مقدار۔ اور بعض نے کہا کہ سحری میں تاخیر کرنا سنت ہے۔ اور سحری میں تاخیر کا مستحب ہونا اس وقت ہے جبکہ اس کو یقین یا گمان غالب حاصل ہو کہ ابھی رات باقی ہے یعنی جب تک لات باقی رہے میں شک واقع نہ ہو اس وقت تک تاخیر کرنا مستحب ہے اور جب شک واقع ہو جائے تو اب سحری کھانا صحیح روایت کے بموجب

لے بکرم دش کہ طہ شہ ماشیۃ اللع و مظاہر حق لکھ ماشیۃ اللع و الشکرۃ واللح و غیر ما لکھ ماشیۃ اللع شہ م و ط و حیات -  
شہ ش و بحر و برائے شہ شرح انعیانہ شہ نفع شہ بکرم و غیرہ -



مکروہ ہے۔ (صبح صادق سے پہلے یقینی طور پر ایگمان غالب کے مطابق تحری و فلیغ ہو جانا چاہئے، مؤلف) پس جب وقت میں شک واقع ہو جائے تو افضل یہ ہے کہ حرام میں واقع ہونے سے بچنے کے لئے تحری نہ کھائے لیکن ایسا کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔ پس اگر اس نے کھاپی لیا تو جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس نے طلوع فجر کے بعد کھایا اس وقت تک اس کا روزہ پورا ہے کیونکہ اصل میں تودہ رات ہی ہے۔ پس جب بظاہر ہو گیا کہ بلاشبہ اس نے طلوع فجر کے بعد کھایا یا پیلے تو وہ گنہگار ہو گا اور روزہ کی قضا دے گا اور اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور اس مسئلہ کی پوری تفصیل مفسدات روزہ کے بیان میں درج ہے) اور جب صبح صادق طلوع ہونے کی علامات ظاہر ہو جائیں مثلاً نقارہ اور اذان وغیرہ کی آواز سنائی دے تو تحری کھانا مکروہ ہے ورنہ نہیں اور اس پر اعتقاد کرنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ یہ اذان وغیرہ کا ہونا وقت سے پہلے اور وقت کے بعد بھی ہوتا رہتا ہے۔ پس جب اس کا معتقد ہونا معلوم نہ ہو تو چاہئے کہ تحری کرے اور ایگمان غالب پر عمل کرے اور تحری کے مسئلہ کی تفصیل آگے اسی بیان میں ۵ میں درج ہے (مؤلف)۔

(۳) جن صورتوں میں دن میں روزہ رکھنے کی نیت کرنا جائز ہے (اور ان صورتوں کی تفصیل نیت کے بیان میں گذر چکی ہے) ان سب صورتوں میں رات کو یعنی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پہلے روزہ کی نیت کرنا مستحب اور افضل ہے۔

(۴) روزہ کی نیت زبان سے بھی کہنا سنت ہے یعنی یہ مشائخ کرام کی سنت ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان کے ساتھ نیت کا ادا کرنا احادیث میں وارد نہیں ہے۔ پس جب کوئی شخص رمضان المبارک کے روزہ کی نیت رات کے وقت (طلوع فجر سے قبل) کرے تو وہ یہ الفاظ کہے "وَبَصَوِّ عِنْدَ نَوَيْتٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ" (اور میں کل کے رمضان المبارک کے روزہ کی نیت کرتا ہوں) یا یہ الفاظ کہے "تَوَيْتُ أَنْ أَصُومَ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى" (بعض کتابوں میں تعالیٰ کی بجائے عَزَّ وَجَلَّ ہے) مِنْ فَرَضِ رَمَضَانَ هَذَا (میں اللہ تعالیٰ کے لئے کل کے اس رمضان کے فرض روزہ کی نیت کرتا ہوں) یا یہ الفاظ کہے "اللَّهُمَّ أَصُومُ عِنْدَكَ الْكَفَّ فَاعْفُ عَنِّي مَا قَدْ مَنُوتُ وَمَا أَخَرْتُ" (اے اللہ میں کل کے روزہ کی نیت کرتا ہوں میں میرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیجئے) اور اگر دن میں نیت کرے تو یوں کہے "تَوَيْتُ أَنْ أَصُومَ هَذَا الْيَوْمَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ" (اور بعض کتابوں میں ہَذَا الْيَوْمَ کے بعد لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ فَرَضِ رَمَضَانَ ہے ترجمہ:- میں رمضان کے آج کے فرض روزہ کی نیت کرتا ہوں) اور نیت کے الفاظ کا ذکر نیت کے بیان میں بھی گذر چکا ہے (مؤلف)

(۵) روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا افضل ہے۔ یعنی جب سورج غروب ہونے کا یقین ہو جائے اور کوئی شبہ



باقی نہ رہے تو روزہ کھولنے میں جلدی کرنا مستحب ہے کیونکہ اس میں روزہ رکھنے پر مددگار ہونے کے معنی پوری طرح سے پائے جاتے ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ نماز مغرب سے پہلے افطار کرے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ایسا ہی وارد ہے۔ اور افطار میں جلدی کرنے سے مراد یہ ہے کہ ستارے گنتے (بکثرت نمودار ہونے) سے پہلے پہلے افطار کرے اور افطار میں جلدی کا مستحب ہونا ان دنوں میں ہے جبکہ بار و غبار نہ ہو لیکن بار و غبار والے دن زیادہ جلدی نہ کرے اور جب تک سورج غروب ہونے کا گمان غالب نہ ہو جائے افطار نہ کرے اگرچہ مؤذن اذان دیدے۔ اور جو شخص کسی بلند جگہ پر ہو مثلاً اسکندریہ کے مینارہ پر ہو تو جب تک اس کے نزدیک سورج غروب نہ ہو جائے اس وقت تک روزہ افطار نہ کرے اور اس بلندی سے نیچے والے لوگوں کے نزدیک اگر اس سے پہلے غروب ہو چکا ہے تو وہ لوگ اس بلندی والے سے پہلے افطار کر سکتے ہیں اور طلوع فجر و سحری کا بھی یہی حکم ہے کہ بلندی والوں کو اپنے مطلع کا اعتبار کرنا ضروری ہے اور نیچے والوں کو اپنے مطلع کا اعتبار ضروری ہے۔

(فائدہ:۔۔۔ سحری (اکل) سے سحری و افطار کرنے کا مسئلہ) اگر کوئی شخص خود طلوع فجر کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ کوئی اور شخص دیکھ کر اس کو بتا سکتا ہے تو اس کو اپنی اکل سے وقت کا اندازہ کر کے سحری کھانا جائز ہے اور جو شخص اکل سے وقت کا اندازہ کر کے اپنے گمان غالب پر سحری کھائے اگر وہ ایسا شخص ہو جس کی اکل اس قسم کی باتوں میں صحیح ہوتی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں (یعنی جائز ہے) اور اگر اس کی اکل غلط ہوتی ہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ کھانا چھوڑ دے (یعنی احتیاطاً سحری نہ کھائے) اور اگر سحری کے لئے وہاں نقارہ بجتا ہو اور نقارہ کی آواز پر سحری کھانے کا ارادہ کرے تو اگر نقارہ کی آواز شہر کے چاروں طرف سے بکثرت آتی ہو تو سحری کھانے میں مضائقہ نہیں ہے اور اگر ایک ہی جگہ سے آواز آتی ہو اور یہ جانتا ہے کہ وہ نقارہ بجانے والا شخص عادل ہے تو اس پر اعتماد کر لے اور اگر جانتا ہے کہ وہ شخص فاسق ہے تو اعتماد نہ کرے اور اگر اس کا کچھ حال معلوم نہ ہو تو احتیاط کرے اور سحری نہ کھائے اور اگر مرغ کی آواز پر اعتماد کرنا چاہے تو اس میں اختلاف ہے ہمارے بعض مشائخ نے اس کا انکار کیا ہے اور بعض مشائخ کا یہ قول ہے کہ اگر بہت دفعہ کے تجربہ سے ظاہر ہو گیا ہو کہ وہ مرغ ٹھیک وقت پر بولتا ہے تو مضائقہ نہیں اور ظاہر الروایت کے بموجب ہمارے اصحاب کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ گمان غالب پر افطار کر لینا جائز ہے۔ اور ایک عادل مرد کے قول پر سحری کھانا جائز ہے اور اسی طرح ہفتہ افطار کرنے میں ایک عادل مرد کے قول پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ روزہ دار کا دل اس کی تصدیق کرے اور جب وہ اس کی تصدیق نہ کرے تو افطار جائز نہیں ہے اور مستورا الحال مرد کے قول پر مطلقاً افطار و سحری کرنا جائز نہیں ہے پس ایسی صورت میں سحری (اکل) و (دوران) لازمی ہے کیونکہ سحری سے غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے اور غلبہ ظن یقین کا حکم رکھتا ہے اور جب تک اس کے گمان غالب میں آفتاب غروب نہ ہو اور روزہ افطار نہ کرے اگرچہ مؤذن نے اذان بھی دیدی ہو جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

لے بخو غیر بصرف لے ع و حیات لے ع و حیات لے ع و حیات لے ع و حیات لے ع و حیات لے ع و حیات

لے ع و حیات لے ع و حیات لے ع و حیات لے ع و حیات لے ع و حیات لے ع و حیات لے ع و حیات



(۶) چھوہارے یا کھجور سے افطار کرنا مستحب ہے اور ان چھوہاروں یا کھجوروں کا طاق عدد (ایک یا تین یا پانچ وغیرہ) ہونا بھی مستحب ہے اور اگر نہ ہوں تو پھر کسی اور میٹھی چیز سے افطار کرنا مستحب ہے اور اگر کوئی میٹھی چیز بھی نہ ہو تو پانی سے افطار کرنا مستحب ہے۔ سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا جب تم میں سے کوئی شخص افطار کرے تو وہ خشک کھجور (یا چھوہارے) سے افطار کرے اس لئے کہ اس میں برکت ہے اور اگر کسی کو یہ نہ ملے تو پانی سے افطار کر لے کیونکہ یہ پاک چیز ہے، (اس کو اصحابِ یمن نے صحیح سند سے روایت کیا ہے اور اس میں برکت ہے کے الفاظ سوائے ترمذی کے اور کسی روایت میں نہیں ہیں۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ترکھوروں سے نمازِ مغرب ادا کرنے سے پہلے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر ترکھوریں نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرماتے تھے۔ اس کو ابداؤد و ترمذی نے روایت کی ہے اور احمد نے بھی روایت کیا ہے) اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سردیوں میں کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور گرمیوں میں پانی پیتے۔ اور اس سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ افطار حلال اور پاک چیز سے ہونا چاہئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر یہ نہ ہوتیں تو ترکھوروں سے ورنہ پانی سے افطار فرماتے تھے اور گرمیوں میں اکثر پانی ہی سے افطار فرماتے تھے اس لئے کہ یہ پیاس کی حدت (گرمی) کو بھجاتا ہے اور جسم کو سیراب و تر و تازہ کرتا ہے اور کسی بھی چیز سے افطار کرنا مستحب ہے اور افضل ہے کہ وہ خشک کھجور سے ہو پھر ترکھور سے ہونا پھر گرمیوں میں میٹھے اور ٹھنڈے پانی سے ہونا مستحب ہے ورنہ پھر سادہ پانی سے افطار کرنا مستحب ہے اور افطار کے بعد مغرب کی نماز ادا کرے پھر اپنے گھر آکر کھانا کھائے، اس طرح سے وہ روزہ کے افطار اور نماز کی ادائیگی میں تعجیل کی فضیلت حاصل کر لے گا واللہ اعلم بہ سنت یہ ہے کہ تین عدد کھجوریں ہوں اور تین گھونٹ پانی پئے اور یہ کمال سنت کا ادنیٰ درجہ ہے اور اہل سنت ایک خرمائے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور کھجور و پانی کا استعمال میں ترتیب کی رعایت اس وقت ہے جبکہ دونوں چیزیں موجود ہوں پس دونوں کے موجود ہوتے ہوئے صرف پانی سے افطار کرنا خلاف سنت ہے۔ اور اس کا منقضی یہ ہے کہ انگور وغیرہ ہر میٹھی چیز کو پانی پر مقدم کیا جائے اور یہی حکم مکہ معظمہ میں بھی ہے کہ ہر میٹھی چیز خرمائے وغیرہ کو آبِ زمزم پر مقدم کرے افادہ علی القاریؒ۔ اور افطار کے وقت اپنے پیٹ کو شبہ چیزوں سے بچنا مستحب ہے اس لئے کہ روزہ کی حالت میں اپنے آپ کو حلال کھانے پینے سے روکنا ہوتا ہے پھر جب حرام چیزوں سے افطار کیا تو اس کے روزہ کا مقصد ادا نہ ہوا اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص ایک محل بنائے اور ایک شہر کو گردائے اور روزے کے آداب میں سے ہے کہ افطار کے وقت حلال کھانا بھی کھرتے کھائے تاکہ روزہ کا مقصد حاصل ہو جائے اور وہ مقصد خواہشات کو توڑنا ہے تاکہ نفس تقویٰ پر مضبوط ہو جائے اور روزہ کے آداب میں سے بھی ہے کہ دن میں زیادہ نہ سوئے تاکہ بھوک اور پیاس کی سختی محسوس کرے۔

خشک کھجوروں سے افطار فرماتے اور اگر یہ بھی نہ ہوتی تو











دنیا کے امور میں شمار نہیں ہوتے اس لئے ان میں مشغول ہونے سے اخص انخواص کے روزہ میں کوئی حرج نہیں ہوتا لیکن حتی الامکان ان امور سے بھی بچنا ہے اور یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام و صدیقین اور مقربین اولیاء اللہ کے روزہ کا ہے۔ پس اخص انخواص کا روزہ کھانے پینے اور جلاء سے بھی روزہ ہے اور گناہوں سے بھی روزہ ہے اور تعلقات ماسوی اللہ سے بھی روزہ ہے اور یہ روزہ سب کے اعلیٰ درجہ کا روزہ ہے اللہ پاک ہم سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلاصہ لکھایا یہ ہے کہ عوام کا روزہ مفطراتِ ثلاثہ سے رکنا ہے اور خواص کا روزہ مفطرات کے ساتھ منہیات (نگاہوں سے بھی رکنا ہے اور اخص یا خواص کا روزہ مفطرات و منہیات سے رکنے کے ساتھ ماسویٰ اللہ سے اپنی توجہ و التفات بالکل ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے ذکر و نماز تلاوتِ قرآن پاک و مراقبہ و توجہ الی اللہ میں ہر وقت مشغول رہنا ہے۔ پس روزوں میں اپنے ظاہر کو ہر گناہ سے اور باطن کو خطرات سے بچائے اور ہر وقت متوجہ الی اللہ رہے۔ حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑنا تو اس شخص کے کھانا پینا چھوڑ دینے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں ہے رواہ الخمسة الا مسنن۔ اور جھوٹی بات سے مراد جھوٹی شہادت دینا، جھوٹ بولنا اور جعلی وغیبت وغیرہ ہے اور جھوٹی بات پر عمل سے مراد ہر وہ کام ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث ہو، پس جو شخص روزہ دار ہو اور باطل و غلط بات کہے یا حرام فعل کرے تو اس کا روزہ نامقبول ہوتا ہے۔ یعنی اس کا روزہ تو درست ہو جاتا ہے لیکن اس کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ اور روزہ کا درست ہو جانا اس کے ثواب کا مقتضی نہیں ہے جیسا کہ بغیر نیت کے وضو کرنا اور بیاکاری کے ساتھ نماز پڑھنا یعنی ان کی ادائیگی درست ہو جاتی ہے لیکن ثواب نہیں ملتا (مولف) پھر اس عمل کے بارے میں جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہوتا ہو اخاف کے نزدیک بقول میں۔ بعض کے نزدیک اس کا تمام ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک کچھ حصہ ثواب ملتا ہے اور شوافع کے نزدیک اس بارے میں چار قول ہیں جن کا ذکر جمع البجوامع میں ہے۔

(۱۰) سواک کرنا روزہ میں (جس وقت چاہے) ہر وقت مستحب ہے اور جس وقت منہ کی بو متغیر ہو جائے اور سونے سے اٹھنے کے بعد اور ہر عبادت کے وقت یعنی وضو کرتے وقت، نماز پڑھتے وقت، قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت اور درس و تدریس وغیرہ کے وقت اس کی زیادہ تاکید ہے اور سواک کے سنت ہونے اور اس کی کیفیت کی تفصیل وضو کی سنتوں کے بیان میں گذر چکی ہے لیکن زوال کے بعد روزہ کی حالت میں سواک کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے اس لئے یہاں مفتی بہ مذہب کی بنا پر سختات میں شمار کیا ہے۔ (اور اس اختلاف کی تفصیل مکروہات روزہ کے بیان میں درج ہے، مؤلف)۔

(۱۱) رمضان المبارک کے دنوں میں اور دنوں کی نسبت عبادت اور خیرات کی کثرت کرنا خصوصاً رمضان کے اخیر عشرہ میں راتوں کو جاگنا اور مسجد میں اعتکاف کرنا جس کی تفصیل الگ بیان میں آتی ہے مستحب ہے (مؤلف) حضرت ابن عباسؓ



روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خیرات و سخاوت کرنے والے تھے اور رمضان المبارک میں جب جبریل علیہ السلام آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات کرتے تھے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور زیادہ خیرات و سخاوت فرماتے تھے اور جبریل علیہ السلام آپ سے رمضان المبارک کی ہر رات کو ملاقات کرتے تھے یہاں تک کہ رمضان المبارک کی آخری شب ہو جاتی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن شریف کا دور فرماتے تھے (اس طرح پر کہ پہلے حضرت جبریل علیہ السلام قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرماتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے) پس جب جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے تو آپ بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ خیرات کرتے تھے۔ (۱۲) روزہ میں ان چیزوں سے بچنا مستحب ہے جن سے دوسرے مہینوں کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور احناف کے نزدیک ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

### جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا وہ دو قسم کی ہیں ایک وہ ہیں جن کا کرنا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو روزہ توڑنے کی طرف لے جانے والی ہوتی ہیں کیونکہ انسان کی قوتِ جذبہ قوی ہوتی ہے اس لئے ان چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ باطن (سینہ و دماغ) کی طرف جذب ہونے سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ اور دوسری وہ چیزیں ہیں جن کا کرنا روزہ دار کے لئے مکروہ نہیں ہے یعنی ان کا کرنا بلاکراہتِ مباح و جائز ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن میں روزہ توڑنے کی طرف لیجانے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔ اور ان سب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:-

### جو چیزیں روزہ میں مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں ہیں

(۱) مردوں کے لئے روزہ کی حالت میں سر نہ لگانا مکروہ نہیں ہے جبکہ اس سے زینت کا قصد نہ ہو بلکہ دوائی کے طور پر لگایا جائے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں سرمہ لگاتے تھے اس کو ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور یہی روایت سہمی میں ابو ارفح سے ہے۔ اور اگر زینت کے قصد سے لگایا جائے تو مکروہ ہے۔ اور عورتوں کے لئے زینت کے قصد سے لگانا بھی مکروہ نہیں ہے اور سرمہ لگانے کا یہ حکم مطلق ہے یعنی روزہ دار ہو یا بے روزہ سب یکساں ہے۔ اور سرمہ لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اگرچہ سرمہ کا اثر یعنی نافقہ خلق میں محسوس ہو یا سرمہ کی سیاہی کا اثر و رنگ تھوک میں ظاہر ہو یا صبح ہے اور یہی سکر

لہ عاشیت اللہ عہ التاج عہ ش وغیرہ مستفاد من ش دم وطوطیر لہ عہ بحروط لہ التاج و حیات عہ حیات شہ ط  
لہ حیات لہ ش و عہ و بحرو حیات۔



قول ہے اس لئے کہ حلق میں اس کا وہ اثر ہے جو مسامات کے راستے سے جذب ہو کر داخل ہوا ہے خود سرمہ نہیں ہے۔  
 کیونکہ آنکھ اندھا غ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے، آنسو بھی آنکھوں سے پسینہ کی طرح پس کر نکلتے ہیں اور مسامات کے  
 ذریعہ سے کسی چیز کا داخل ہونا روزہ کے خلاف نہیں ہے یعنی روزہ کو نہیں توڑتا۔ بلکہ روزہ کو توڑنے والی چیز وہ ہے جو منفذ  
 (آپا دراستہ) سے بذات خود داخل ہو جائے۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنی آنکھ میں دودھ یا دوائی مع تیل یا سرمہ ڈالی  
 اور اس کا مزہ یا تلخی اپنے حلق میں محسوس کی تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ پس اگر کسی شخص نے اپنی آنکھ میں کچھ دوائی پکائی  
 تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اگرچہ اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو۔ اور خوشبود وغیرہ ملا ہو سرمہ آنکھ میں لگانا بھی روزہ دار کو  
 مکروہ نہیں ہے اور فقہانے کسی قسم کے ساتھ اس کو مخصوص نہیں کیا ہے۔ یعنی خوشبو ملا ہوا ہونا کوئی اور سرمہ جو سب کا یہی  
 حکم ہے مکروہ نہیں ہے۔

(۲) مونچھوں اور ڈاڑھی میں تیل لگانا مکروہ نہیں ہے خواہ اس تیل میں خوشبود وغیرہ ملی ہوئی ہو اور فقہانے تیل کو کسی  
 خاص قسم کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے۔ بلکہ تیل لگانا مستحسن ہے جبکہ زینت کے قصد سے نہ ہو یا تیل کے ذریعے سے ڈاڑھی  
 کو بے جا لمبا کرنا مقصود نہ ہو جبکہ ڈاڑھی بقدر مسنون یعنی بقدر یک مشت ہو۔ اور اگر اس قصد سے تیل لگائے گا تو مکروہ ہوگا اور  
 اس کا روزہ اس سے فاسد نہیں ہوگا۔ (ایسا کرنا روزہ کے بغیر بھی مکروہ ہے اور روزہ کی حالت میں بد جہادوں مکروہ ہے، مولف)  
 اور ڈاڑھی کا لگانا جبکہ وہ ایک مشت سے کم ہو صیحا کہ بعض مغربی لوگ اور محنت کرتے ہیں اس کو کسی فقیہ عالم نے مباح نہیں کہا اور  
 تمام ڈاڑھی کو منڈانا ہندوستان کے کفار اور عجم کے مجوسیوں کا فعل ہے، ڈاڑھی مرد کی زینت ہے تمام انبیاء علیہم السلام  
 ڈاڑھی رکھتے تھے۔ بقدر ایک مشت ڈاڑھی کا رکھنا واجب ہے جن فقہانے اس کو سنت کہا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے  
 کہ یہ دین میں مسلوک طریقہ ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ حکم سنت سے ثابت ہے۔ ایک مشت سے کم ڈاڑھی کا لگانا اور ایک مشت  
 سے کم کرنا اور منڈانا مکروہ تحریمی ہے (ایسے شخص کی شہادت بھی مقبول نہیں ہے، حاشیہ بہشتی گوہر اور یہ فعل چاروں اماموں  
 کے نزدیک مباح نہیں ہے البتہ ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کے کٹانے یا نہ کٹانے میں ائمہ کا اختلاف ہے) احتاف کے  
 نزدیک اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر جو مشت سے زائد ہو اس کو کاٹنا مکروہ نہیں ہے بلکہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے مروی ہے کہ آپ اپنی ریش مبارک کو طول و عرض میں سے تراشتے تھے اس کو ترمذی نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت  
 کیا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی ڈاڑھی کے ایک مشت سے زائد حصہ کو تراشتے تھے۔ امام محمد بن الحسن رحمہما  
 نے کتاب الآثار میں کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے عیثم ابن ابی عیثم سے اور انھوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے  
 روایت کی ہے کہ وہ اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے تھے اور جو اس سے زائد ہوتی اس کو کاٹ دیتے تھے اور ابوداؤد اور

۱۰ حیات ۱۱ بحوش ۱۲ حیات ۱۳ طو حیات ۱۴ ش زیادہ ۱۵ بحر و حیات ۱۶ ش ۱۷ ش ۱۸ ش ۱۹ ش ۲۰ ش ۲۱ ش ۲۲ ش ۲۳ ش ۲۴ ش ۲۵ ش ۲۶ ش ۲۷ ش ۲۸ ش ۲۹ ش ۳۰ ش ۳۱ ش ۳۲ ش ۳۳ ش ۳۴ ش ۳۵ ش ۳۶ ش ۳۷ ش ۳۸ ش ۳۹ ش ۴۰ ش ۴۱ ش ۴۲ ش ۴۳ ش ۴۴ ش ۴۵ ش ۴۶ ش ۴۷ ش ۴۸ ش ۴۹ ش ۵۰ ش ۵۱ ش ۵۲ ش ۵۳ ش ۵۴ ش ۵۵ ش ۵۶ ش ۵۷ ش ۵۸ ش ۵۹ ش ۶۰ ش ۶۱ ش ۶۲ ش ۶۳ ش ۶۴ ش ۶۵ ش ۶۶ ش ۶۷ ش ۶۸ ش ۶۹ ش ۷۰ ش ۷۱ ش ۷۲ ش ۷۳ ش ۷۴ ش ۷۵ ش ۷۶ ش ۷۷ ش ۷۸ ش ۷۹ ش ۸۰ ش ۸۱ ش ۸۲ ش ۸۳ ش ۸۴ ش ۸۵ ش ۸۶ ش ۸۷ ش ۸۸ ش ۸۹ ش ۹۰ ش ۹۱ ش ۹۲ ش ۹۳ ش ۹۴ ش ۹۵ ش ۹۶ ش ۹۷ ش ۹۸ ش ۹۹ ش ۱۰۰ ش ۱۰۱ ش ۱۰۲ ش ۱۰۳ ش ۱۰۴ ش ۱۰۵ ش ۱۰۶ ش ۱۰۷ ش ۱۰۸ ش ۱۰۹ ش ۱۱۰ ش ۱۱۱ ش ۱۱۲ ش ۱۱۳ ش ۱۱۴ ش ۱۱۵ ش ۱۱۶ ش ۱۱۷ ش ۱۱۸ ش ۱۱۹ ش ۱۲۰ ش ۱۲۱ ش ۱۲۲ ش ۱۲۳ ش ۱۲۴ ش ۱۲۵ ش ۱۲۶ ش ۱۲۷ ش ۱۲۸ ش ۱۲۹ ش ۱۳۰ ش ۱۳۱ ش ۱۳۲ ش ۱۳۳ ش ۱۳۴ ش ۱۳۵ ش ۱۳۶ ش ۱۳۷ ش ۱۳۸ ش ۱۳۹ ش ۱۴۰ ش ۱۴۱ ش ۱۴۲ ش ۱۴۳ ش ۱۴۴ ش ۱۴۵ ش ۱۴۶ ش ۱۴۷ ش ۱۴۸ ش ۱۴۹ ش ۱۵۰ ش ۱۵۱ ش ۱۵۲ ش ۱۵۳ ش ۱۵۴ ش ۱۵۵ ش ۱۵۶ ش ۱۵۷ ش ۱۵۸ ش ۱۵۹ ش ۱۶۰ ش ۱۶۱ ش ۱۶۲ ش ۱۶۳ ش ۱۶۴ ش ۱۶۵ ش ۱۶۶ ش ۱۶۷ ش ۱۶۸ ش ۱۶۹ ش ۱۷۰ ش ۱۷۱ ش ۱۷۲ ش ۱۷۳ ش ۱۷۴ ش ۱۷۵ ش ۱۷۶ ش ۱۷۷ ش ۱۷۸ ش ۱۷۹ ش ۱۸۰ ش ۱۸۱ ش ۱۸۲ ش ۱۸۳ ش ۱۸۴ ش ۱۸۵ ش ۱۸۶ ش ۱۸۷ ش ۱۸۸ ش ۱۸۹ ش ۱۹۰ ش ۱۹۱ ش ۱۹۲ ش ۱۹۳ ش ۱۹۴ ش ۱۹۵ ش ۱۹۶ ش ۱۹۷ ش ۱۹۸ ش ۱۹۹ ش ۲۰۰ ش ۲۰۱ ش ۲۰۲ ش ۲۰۳ ش ۲۰۴ ش ۲۰۵ ش ۲۰۶ ش ۲۰۷ ش ۲۰۸ ش ۲۰۹ ش ۲۱۰ ش ۲۱۱ ش ۲۱۲ ش ۲۱۳ ش ۲۱۴ ش ۲۱۵ ش ۲۱۶ ش ۲۱۷ ش ۲۱۸ ش ۲۱۹ ش ۲۲۰ ش ۲۲۱ ش ۲۲۲ ش ۲۲۳ ش ۲۲۴ ش ۲۲۵ ش ۲۲۶ ش ۲۲۷ ش ۲۲۸ ش ۲۲۹ ش ۲۳۰ ش ۲۳۱ ش ۲۳۲ ش ۲۳۳ ش ۲۳۴ ش ۲۳۵ ش ۲۳۶ ش ۲۳۷ ش ۲۳۸ ش ۲۳۹ ش ۲۴۰ ش ۲۴۱ ش ۲۴۲ ش ۲۴۳ ش ۲۴۴ ش ۲۴۵ ش ۲۴۶ ش ۲۴۷ ش ۲۴۸ ش ۲۴۹ ش ۲۵۰ ش ۲۵۱ ش ۲۵۲ ش ۲۵۳ ش ۲۵۴ ش ۲۵۵ ش ۲۵۶ ش ۲۵۷ ش ۲۵۸ ش ۲۵۹ ش ۲۶۰ ش ۲۶۱ ش ۲۶۲ ش ۲۶۳ ش ۲۶۴ ش ۲۶۵ ش ۲۶۶ ش ۲۶۷ ش ۲۶۸ ش ۲۶۹ ش ۲۷۰ ش ۲۷۱ ش ۲۷۲ ش ۲۷۳ ش ۲۷۴ ش ۲۷۵ ش ۲۷۶ ش ۲۷۷ ش ۲۷۸ ش ۲۷۹ ش ۲۸۰ ش ۲۸۱ ش ۲۸۲ ش ۲۸۳ ش ۲۸۴ ش ۲۸۵ ش ۲۸۶ ش ۲۸۷ ش ۲۸۸ ش ۲۸۹ ش ۲۹۰ ش ۲۹۱ ش ۲۹۲ ش ۲۹۳ ش ۲۹۴ ش ۲۹۵ ش ۲۹۶ ش ۲۹۷ ش ۲۹۸ ش ۲۹۹ ش ۳۰۰ ش ۳۰۱ ش ۳۰۲ ش ۳۰۳ ش ۳۰۴ ش ۳۰۵ ش ۳۰۶ ش ۳۰۷ ش ۳۰۸ ش ۳۰۹ ش ۳۱۰ ش ۳۱۱ ش ۳۱۲ ش ۳۱۳ ش ۳۱۴ ش ۳۱۵ ش ۳۱۶ ش ۳۱۷ ش ۳۱۸ ش ۳۱۹ ش ۳۲۰ ش ۳۲۱ ش ۳۲۲ ش ۳۲۳ ش ۳۲۴ ش ۳۲۵ ش ۳۲۶ ش ۳۲۷ ش ۳۲۸ ش ۳۲۹ ش ۳۳۰ ش ۳۳۱ ش ۳۳۲ ش ۳۳۳ ش ۳۳۴ ش ۳۳۵ ش ۳۳۶ ش ۳۳۷ ش ۳۳۸ ش ۳۳۹ ش ۳۴۰ ش ۳۴۱ ش ۳۴۲ ش ۳۴۳ ش ۳۴۴ ش ۳۴۵ ش ۳۴۶ ش ۳۴۷ ش ۳۴۸ ش ۳۴۹ ش ۳۵۰ ش ۳۵۱ ش ۳۵۲ ش ۳۵۳ ش ۳۵۴ ش ۳۵۵ ش ۳۵۶ ش ۳۵۷ ش ۳۵۸ ش ۳۵۹ ش ۳۶۰ ش ۳۶۱ ش ۳۶۲ ش ۳۶۳ ش ۳۶۴ ش ۳۶۵ ش ۳۶۶ ش ۳۶۷ ش ۳۶۸ ش ۳۶۹ ش ۳۷۰ ش ۳۷۱ ش ۳۷۲ ش ۳۷۳ ش ۳۷۴ ش ۳۷۵ ش ۳۷۶ ش ۳۷۷ ش ۳۷۸ ش ۳۷۹ ش ۳۸۰ ش ۳۸۱ ش ۳۸۲ ش ۳۸۳ ش ۳۸۴ ش ۳۸۵ ش ۳۸۶ ش ۳۸۷ ش ۳۸۸ ش ۳۸۹ ش ۳۹۰ ش ۳۹۱ ش ۳۹۲ ش ۳۹۳ ش ۳۹۴ ش ۳۹۵ ش ۳۹۶ ش ۳۹۷ ش ۳۹۸ ش ۳۹۹ ش ۴۰۰ ش ۴۰۱ ش ۴۰۲ ش ۴۰۳ ش ۴۰۴ ش ۴۰۵ ش ۴۰۶ ش ۴۰۷ ش ۴۰۸ ش ۴۰۹ ش ۴۱۰ ش ۴۱۱ ش ۴۱۲ ش ۴۱۳ ش ۴۱۴ ش ۴۱۵ ش ۴۱۶ ش ۴۱۷ ش ۴۱۸ ش ۴۱۹ ش ۴۲۰ ش ۴۲۱ ش ۴۲۲ ش ۴۲۳ ش ۴۲۴ ش ۴۲۵ ش ۴۲۶ ش ۴۲۷ ش ۴۲۸ ش ۴۲۹ ش ۴۳۰ ش ۴۳۱ ش ۴۳۲ ش ۴۳۳ ش ۴۳۴ ش ۴۳۵ ش ۴۳۶ ش ۴۳۷ ش ۴۳۸ ش ۴۳۹ ش ۴۴۰ ش ۴۴۱ ش ۴۴۲ ش ۴۴۳ ش ۴۴۴ ش ۴۴۵ ش ۴۴۶ ش ۴۴۷ ش ۴۴۸ ش ۴۴۹ ش ۴۵۰ ش ۴۵۱ ش ۴۵۲ ش ۴۵۳ ش ۴۵۴ ش ۴۵۵ ش ۴۵۶ ش ۴۵۷ ش ۴۵۸ ش ۴۵۹ ش ۴۶۰ ش ۴۶۱ ش ۴۶۲ ش ۴۶۳ ش ۴۶۴ ش ۴۶۵ ش ۴۶۶ ش ۴۶۷ ش ۴۶۸ ش ۴۶۹ ش ۴۷۰ ش ۴۷۱ ش ۴۷۲ ش ۴۷۳ ش ۴۷۴ ش ۴۷۵ ش ۴۷۶ ش ۴۷۷ ش ۴۷۸ ش ۴۷۹ ش ۴۸۰ ش ۴۸۱ ش ۴۸۲ ش ۴۸۳ ش ۴۸۴ ش ۴۸۵ ش ۴۸۶ ش ۴۸۷ ش ۴۸۸ ش ۴۸۹ ش ۴۹۰ ش ۴۹۱ ش ۴۹۲ ش ۴۹۳ ش ۴۹۴ ش ۴۹۵ ش ۴۹۶ ش ۴۹۷ ش ۴۹۸ ش ۴۹۹ ش ۵۰۰ ش ۵۰۱ ش ۵۰۲ ش ۵۰۳ ش ۵۰۴ ش ۵۰۵ ش ۵۰۶ ش ۵۰۷ ش ۵۰۸ ش ۵۰۹ ش ۵۱۰ ش ۵۱۱ ش ۵۱۲ ش ۵۱۳ ش ۵۱۴ ش ۵۱۵ ش ۵۱۶ ش ۵۱۷ ش ۵۱۸ ش ۵۱۹ ش ۵۲۰ ش ۵۲۱ ش ۵۲۲ ش ۵۲۳ ش ۵۲۴ ش ۵۲۵ ش ۵۲۶ ش ۵۲۷ ش ۵۲۸ ش ۵۲۹ ش ۵۳۰ ش ۵۳۱ ش ۵۳۲ ش ۵۳۳ ش ۵۳۴ ش ۵۳۵ ش ۵۳۶ ش ۵۳۷ ش ۵۳۸ ش ۵۳۹ ش ۵۴۰ ش ۵۴۱ ش ۵۴۲ ش ۵۴۳ ش ۵۴۴ ش ۵۴۵ ش ۵۴۶ ش ۵۴۷ ش ۵۴۸ ش ۵۴۹ ش ۵۵۰ ش ۵۵۱ ش ۵۵۲ ش ۵۵۳ ش ۵۵۴ ش ۵۵۵ ش ۵۵۶ ش ۵۵۷ ش ۵۵۸ ش ۵۵۹ ش ۵۶۰ ش ۵۶۱ ش ۵۶۲ ش ۵۶۳ ش ۵۶۴ ش ۵۶۵ ش ۵۶۶ ش ۵۶۷ ش ۵۶۸ ش ۵۶۹ ش ۵۷۰ ش ۵۷۱ ش ۵۷۲ ش ۵۷۳ ش ۵۷۴ ش ۵۷۵ ش ۵۷۶ ش ۵۷۷ ش ۵۷۸ ش ۵۷۹ ش ۵۸۰ ش ۵۸۱ ش ۵۸۲ ش ۵۸۳ ش ۵۸۴ ش ۵۸۵ ش ۵۸۶ ش ۵۸۷ ش ۵۸۸ ش ۵۸۹ ش ۵۹۰ ش ۵۹۱ ش ۵۹۲ ش ۵۹۳ ش ۵۹۴ ش ۵۹۵ ش ۵۹۶ ش ۵۹۷ ش ۵۹۸ ش ۵۹۹ ش ۶۰۰ ش ۶۰۱ ش ۶۰۲ ش ۶۰۳ ش ۶۰۴ ش ۶۰۵ ش ۶۰۶ ش ۶۰۷ ش ۶۰۸ ش ۶۰۹ ش ۶۱۰ ش ۶۱۱ ش ۶۱۲ ش ۶۱۳ ش ۶۱۴ ش ۶۱۵ ش ۶۱۶ ش ۶۱۷ ش ۶۱۸ ش ۶۱۹ ش ۶۲۰ ش ۶۲۱ ش ۶۲۲ ش ۶۲۳ ش ۶۲۴ ش ۶۲۵ ش ۶۲۶ ش ۶۲۷ ش ۶۲۸ ش ۶۲۹ ش ۶۳۰ ش ۶۳۱ ش ۶۳۲ ش ۶۳۳ ش ۶۳۴ ش ۶۳۵ ش ۶۳۶ ش ۶۳۷ ش ۶۳۸ ش ۶۳۹ ش ۶۴۰ ش ۶۴۱ ش ۶۴۲ ش ۶۴۳ ش ۶۴۴ ش ۶۴۵ ش ۶۴۶ ش ۶۴۷ ش ۶۴۸ ش ۶۴۹ ش ۶۵۰ ش ۶۵۱ ش ۶۵۲ ش ۶۵۳ ش ۶۵۴ ش ۶۵۵ ش ۶۵۶ ش ۶۵۷ ش ۶۵۸ ش ۶۵۹ ش ۶۶۰ ش ۶۶۱ ش ۶۶۲ ش ۶۶۳ ش ۶۶۴ ش ۶۶۵ ش ۶۶۶ ش ۶۶۷ ش ۶۶۸ ش ۶۶۹ ش ۶۷۰ ش ۶۷۱ ش ۶۷۲ ش ۶۷۳ ش ۶۷۴ ش ۶۷۵ ش ۶۷۶ ش ۶۷۷ ش ۶۷۸ ش ۶۷۹ ش ۶۸۰ ش ۶۸۱ ش ۶۸۲ ش ۶۸۳ ش ۶۸۴ ش ۶۸۵ ش ۶۸۶ ش ۶۸۷ ش ۶۸۸ ش ۶۸۹ ش ۶۹۰ ش ۶۹۱ ش ۶۹۲ ش ۶۹۳ ش ۶۹۴ ش ۶۹۵ ش ۶۹۶ ش ۶۹۷ ش ۶۹۸ ش ۶۹۹ ش ۷۰۰ ش ۷۰۱ ش ۷۰۲ ش ۷۰۳ ش ۷۰۴ ش ۷۰۵ ش ۷۰۶ ش ۷۰۷ ش ۷۰۸ ش ۷۰۹ ش ۷۱۰ ش ۷۱۱ ش ۷۱۲ ش ۷۱۳ ش ۷۱۴ ش ۷۱۵ ش ۷۱۶ ش ۷۱۷ ش ۷۱۸ ش ۷۱۹ ش ۷۲۰ ش ۷۲۱ ش ۷۲۲ ش ۷۲۳ ش ۷۲۴ ش ۷۲۵ ش ۷۲۶ ش ۷۲۷ ش ۷۲۸ ش ۷۲۹ ش ۷۳۰ ش ۷۳۱ ش ۷۳۲ ش ۷۳۳ ش ۷۳۴ ش ۷۳۵ ش ۷۳۶ ش ۷۳۷ ش ۷۳۸ ش ۷۳۹ ش ۷۴۰ ش ۷۴۱ ش ۷۴۲ ش ۷۴۳ ش ۷۴۴ ش ۷۴۵ ش ۷۴۶ ش ۷۴۷ ش ۷۴۸ ش ۷۴۹ ش ۷۵۰ ش ۷۵۱ ش ۷۵۲ ش ۷۵۳ ش ۷۵۴ ش ۷۵۵ ش ۷۵۶ ش ۷۵۷ ش ۷۵۸ ش ۷۵۹ ش ۷۶۰ ش ۷۶۱ ش ۷۶۲ ش ۷۶۳ ش ۷۶۴ ش ۷۶۵ ش ۷۶۶ ش ۷۶۷ ش ۷۶۸ ش ۷۶۹ ش ۷۷۰ ش ۷۷۱ ش ۷۷۲ ش ۷۷۳ ش ۷۷۴ ش ۷۷۵ ش ۷۷۶ ش ۷۷۷ ش ۷۷۸ ش ۷۷۹ ش ۷۸۰ ش ۷۸۱ ش ۷۸۲ ش ۷۸۳ ش ۷۸۴ ش ۷۸۵ ش ۷۸۶ ش ۷۸۷ ش ۷۸۸ ش ۷۸۹ ش ۷۹۰ ش ۷۹۱ ش ۷۹۲ ش ۷۹۳ ش ۷۹۴ ش ۷۹۵ ش ۷۹۶ ش ۷۹۷ ش ۷۹۸ ش ۷۹۹ ش ۸۰۰ ش ۸۰۱ ش ۸۰۲ ش ۸۰۳ ش ۸۰۴ ش ۸۰۵ ش ۸۰۶ ش ۸۰۷ ش ۸۰۸ ش ۸۰۹ ش ۸۱۰ ش ۸۱۱ ش ۸۱۲ ش ۸۱۳ ش ۸۱۴ ش ۸۱۵ ش ۸۱۶ ش ۸۱۷ ش ۸۱۸ ش ۸۱۹ ش ۸۲۰ ش ۸۲۱ ش ۸۲۲ ش ۸۲۳ ش ۸۲۴ ش ۸۲۵ ش ۸۲۶ ش ۸۲۷ ش ۸۲۸ ش ۸۲۹ ش ۸۳۰ ش ۸۳۱ ش ۸۳۲ ش ۸۳۳ ش ۸۳۴ ش ۸۳۵ ش ۸۳۶ ش ۸۳۷ ش ۸۳۸ ش ۸۳۹ ش ۸۴۰ ش ۸۴۱ ش ۸۴۲ ش ۸۴۳ ش ۸۴۴ ش ۸۴۵ ش ۸۴۶ ش ۸۴۷ ش ۸۴۸ ش ۸۴۹ ش ۸۵۰ ش ۸۵۱ ش ۸۵۲ ش ۸۵۳ ش ۸۵۴ ش ۸۵۵ ش ۸۵۶ ش ۸۵۷ ش ۸۵۸ ش ۸۵۹ ش ۸۶۰ ش ۸۶۱ ش ۸۶۲ ش ۸۶۳ ش ۸۶۴ ش ۸۶۵ ش ۸۶۶ ش ۸۶۷ ش ۸۶۸ ش ۸۶۹ ش ۸۷۰ ش ۸۷۱ ش ۸۷۲ ش ۸۷۳ ش ۸۷۴ ش ۸۷۵ ش ۸۷۶ ش ۸۷۷ ش ۸۷۸ ش ۸۷۹ ش ۸۸۰ ش ۸۸۱ ش ۸۸۲ ش ۸۸۳ ش ۸۸۴ ش ۸۸۵ ش ۸۸۶ ش ۸۸۷ ش ۸۸۸ ش ۸۸۹ ش ۸۹۰ ش ۸۹۱ ش ۸۹۲ ش ۸۹۳ ش ۸۹۴ ش ۸۹۵ ش ۸۹۶ ش ۸۹۷ ش ۸۹۸ ش ۸۹۹ ش ۹۰۰ ش ۹۰۱ ش ۹۰۲ ش ۹۰۳ ش ۹۰۴ ش ۹۰۵ ش ۹۰۶ ش ۹۰۷ ش ۹۰۸ ش ۹۰۹ ش ۹۱۰ ش ۹۱۱ ش ۹۱۲ ش ۹۱۳ ش ۹۱۴ ش ۹۱۵ ش ۹۱۶ ش ۹۱۷ ش ۹۱۸ ش ۹۱۹ ش ۹۲۰ ش ۹۲۱ ش ۹۲۲ ش ۹۲۳ ش ۹۲۴ ش ۹۲۵ ش ۹۲۶ ش ۹۲۷ ش ۹۲۸ ش ۹۲۹ ش ۹۳۰ ش ۹۳۱ ش ۹۳۲ ش ۹۳۳ ش ۹۳۴ ش ۹۳۵ ش ۹۳۶ ش ۹۳۷ ش ۹۳۸ ش ۹۳۹ ش ۹۴۰ ش ۹۴۱ ش ۹۴۲ ش ۹۴۳ ش ۹۴۴ ش ۹۴۵ ش ۹۴۶ ش ۹۴۷ ش ۹۴۸ ش ۹۴۹ ش ۹۵۰ ش ۹۵۱ ش ۹۵۲ ش ۹۵۳ ش ۹۵۴ ش ۹۵۵ ش ۹۵۶ ش ۹۵۷ ش ۹۵۸ ش ۹۵۹ ش ۹۶۰ ش ۹۶۱ ش ۹۶۲ ش ۹۶۳ ش ۹۶۴ ش ۹۶۵ ش ۹۶۶ ش ۹۶۷ ش ۹۶۸ ش ۹۶۹ ش ۹۷۰ ش ۹۷۱ ش ۹۷۲ ش ۹۷۳ ش ۹۷۴ ش ۹۷۵ ش ۹۷۶ ش ۹۷۷ ش ۹۷۸ ش ۹۷۹ ش ۹۸۰ ش ۹۸۱ ش ۹۸۲ ش ۹۸۳ ش ۹۸۴ ش ۹۸۵ ش ۹۸۶ ش ۹۸۷ ش ۹۸۸ ش ۹۸۹ ش ۹۹۰ ش ۹۹۱ ش ۹۹۲ ش ۹۹۳ ش ۹۹۴ ش ۹۹۵ ش ۹۹۶ ش ۹۹۷ ش ۹۹۸ ش ۹۹۹ ش ۱۰۰۰ ش



نسائی نے کتاب الصوم میں سالم المقنع رحمہ اللہ سے اسی کی مثل روایت کی ہے اور اسی کو امام بخاریؒ نے تعلیقا ذکر کیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے تھے اور مٹھی سے فالترباوں کو کاٹ دیتے تھے۔ ایک مشن سے زائد ڈاڑھی کو کاٹنے کے بارے میں احناف کے تین اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے لکھا صحیح فی النہایہ: دفتح القدیر صاحب بحر الرائق نے کہا ہے کہ اس روایت کا مقتضی یہ ہے کہ اس کا تارک گنہگار ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سنت ہے اختیار و محیط وغایہ وغیرہ میں ایسا ہی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے صریح بہ ذلک فی منہج الفقار شرح تنویر الابصار و معین المفتی و شیخ علی القاری فی شرح مشکوٰۃ۔ ڈاڑھی کو اس کے اطراف سے کترانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے جبکہ لمبی ہو گئی ہو، اور سفید بال اکھاڑنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر زینت کے قصد سے ہو تو مکروہ ہے، بصوفی (ابردوؤں) اور چہرے کے بال لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جب تک کہ ٹخنوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو، اور اپنے حلق کے بال نہ منڈائے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اس مسئلہ میں روزہ دا ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی ایک مشن سے کم ڈاڑھی کا کاٹنا یا منڈانا مکروہ تحریمی ہونے میں روزہ دار کو بے روزہ سب برابر میں (مؤلف) — اور جاننا چاہئے کہ قصدِ جلال اور قصدِ زینت میں فرق ہے، قصدِ جلال سے مراد عیب کا دور کرنا، وفار کا قائم رکھنا، اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرنا جبکہ شکر ادا کرنے کے لئے ہو، فخر کرنے کے لئے نہ ہو، اور قصدِ جلال نفس کی تہذیب اور طبیعت کی تیزی کا اثر ہے پس یہ جائز ہے اور قصدِ زینت نفس کے ضعف کا اثر ہوتا ہے اسلئے یہ ممنوع ہے اور فقہانے کہا ہے کہ خضاب لگانے میں حدیث وارد ہوئی ہے اور یہ زینت کے قصد سے نہیں ہوتا اگرچہ بعد میں نتیجہ اس سے زینت بھی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ مقصد کے ضمن میں حاصل ہوتی ہے اس لئے مضر نہیں ہے جبکہ صرف زینت ہی کے قصد سے نہ لگایا گیا ہو۔ اور اسی لئے خوبصورت کپڑوں کا پہننا مباح ہے جبکہ تکبر کے لئے نہ ہو ورنہ حرام ہے اس لئے کہ تکبر حرام ہے اور تکبر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کپڑوں کے ساتھ بھی اس کے قلب کی دبی کیفیت ہو جو ان کے پہننے سے پہلے تھی۔

لی دہی کیفیت ہو جو ان کے پیچھے سے پیچھے جی۔  
 (۳) تیل ملنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اور بدن پر تیل ملنا یا سر میں تیل ڈالنا مکروہ نہیں ہے (مؤلف) اور بدن کے  
 مساموں سے جو تیل اندر داخل ہو جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ خواہ اس تیل کا ذائقہ اپنے حلق میں محسوس کرے  
 یا نہ کرے اس لئے کہ بدن کو تیل لگانا روزہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس میں نہ صلوٰۃ افطارہ پایا جاتا ہے اور نہ معنا اور جو چیز  
 اسام کے ذریعہ سے داخل ہوتی ہے سو باخوں اور آریاہ استوں سے داخل نہیں ہوتی وہ روزہ کے منافی نہیں ہوتی جیسا کہ اگر  
 کوئی شخص ٹھنڈے پانی سے غسل کرے اور اس کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کرے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

الحج وحيات تصرفا حیات ش و غیر تصرف که ع ش فتح و بحروط و ش له بحروط و ش و حیات که م .  
 احداث له حیات له بحروط .







مکروہ نہیں، مؤلف) مسواک کو منہ سے نکال کر دوبارہ داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا خواہ چند مرتبہ ایسا کرے۔  
 (فائدہ) روزہ کی حالت میں مسواک کرنے کی بارہ صورتیں مرتب ہوتی ہیں یعنی مسواک ترسبز ہوگی یا پانی سے  
 تر ہوگی یا خشک پھر اس کا استعمال یا زوال سے قبل ہوگا یا زوال کے بعد اور وہ روزہ یا فرض ہوگا یا نفل، امام ابو حنیفہ  
 رحمہ اللہ کے نزدیک ان میں سے کسی صورت میں بھی مسواک کرنا روزہ دار کو مکروہ نہیں ہے اور خشک مسواک قبل از  
 زوال کرنا خواہ روزہ فرض ہو یا نفل باتفاق جمیع علماء مکروہ نہیں ہے اور ترسبز مسواک زوال سے قبل کرنا فرض و نفل  
 روزہ میں امام مالکؒ کے سوا کسی امام کے نزدیک مکروہ نہیں اور پانی سے تر مسواک فرض و نفل روزہ میں زوال سے قبل  
 سوائے امام مالکؒ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ہے خشک مسواک زوال کے بعد فرض روزہ  
 میں سوائے امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کے کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور نفلی روزہ میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ  
 کے نزدیک مکروہ ہے۔ پانی سے تر مسواک زوال کے بعد فرض روزہ میں امام مالکؒ و امام شافعیؒ و امام احمد رضی اللہ عنہم اللہ کے  
 نزدیک مکروہ ہے اور امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی روایت ہے۔

(۶) روزہ دار کے لئے مشک و گلاب وغیرہ کسی خوشبو کا سونگھنا مکروہ نہیں ہے لیکن وہ خوشبو ایسی نہ ہو کہ اس کے اجزا  
 اس کے ساتھ حلق کے اندر جاتے ہوں جیسا کہ دھواں۔ (اور یہی حکم خوشبودار تیل لگانے کا ہے کہ مکروہ نہیں ہے جیسا کہ  
 بیان ہو چکا ہے اور دھوئیں کا حکم آگے اسی بیان میں آتا ہے، مؤلف)۔

(۷) روزہ دار کے لئے یہ مکروہ ہے کہ منہ میں اپنا تھوک جمع کر کے نگل جائے۔ اور اس بات سے روزہ نہیں ٹوٹا اگرچہ قصداً  
 ایسا کیا ہو۔ روزہ کے بغیر بھی ایسا کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے (اور قصداً جمع کے بغیر تھوک کو نگلنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس سے  
 بچنا ممکن نہیں ہے، مؤلف)۔

(۸) اگر کسی کے ہونٹ ہاتھ کرتے وقت یا پڑھتے وقت یا کسی اور وقت مثلاً ذکر کرتے وقت تھوک میں تر ہو جائیں پھر  
 وہ اس کو نگل جائے یا ضرورت کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(۹) اگر روزہ دار کے منہ سے لعاب (رال) ٹھوڑی تک پہنچے اور اس کا تار منہ کے اندر کے لعاب سے ملا ہوا ہے تو نا  
 نہیں ہے پھر وہ اس رال کو منہ کے اندر واپس کھینچ کر نگل گیا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اگرچہ اس نے عمدتاً نگل لیا ہو اس لئے کہ  
 (اندر کے تھوک کے ساتھ اتصال ہونے کی وجہ سے) اس کا باہر نکلا پورا نہیں ہوا تھا اور اگر اس کا تار منہ کے لعاب سے ٹوٹ گیا  
 تھا تو اس کا حکم برخلاف یعنی اب اس کے نگل لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اگر کسی شخص کو بیماری ہو کہ اس کے منہ سے پانی  
 نکلتا ہے پھر منہ میں داخل ہوتا ہے اور حلق میں چلا جاتا ہے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(۱۰) اگر کسی نے بعد کچھ تری اس کے منہ میں رہ گئی اور اس کو تھوک کے ساتھ نگل گیا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لے جاتے جاتے شام کے طویات سے زیادہ وحیات سے دس دغیرہ شام سے دس۔



کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے لیکن کلی کا پانی منہ سے گرانے کے بعد تھوکتا شرط ہونا چاہئے کیونکہ پانی تھوک میں مل جاتا ہے پس صرف پانی کے منہ سے نکال دینے سے وہ سب پانی نہیں نکل جاتا ہاں البتہ تھوکنے میں مبالغہ (یعنی بار بار تھوکتا) شرط نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ ایک دفعہ کے تھوکنے کے بعد جو کچھ باقی ہے وہ صرف ایسی تری و طوبت ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ (۱۱) اگر کسی کے دماغ سے ناک میں ریشمھا تر آتی پھر اس نے اس کو سانس کے ساتھ اوپر چڑھا لیا اور عدائے حلق میں لے آیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ وہ بمنزلہ تھوک کے ہے اور اسی طرح اگر ریشمھا یا تھوک روزہ دار کے منہ یا ناک سے نکلے اور اس نے اس کو سانس سے واپس چڑھا لیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور ریشمھا کو اوپر چڑھانے کی بجائے احتیاطاً باہر ڈال دینا چاہئے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اور ان کے اختلاف کے مواقع میں حسب استطاعت ان کے مذہب کی روایت کرنا مستحب ہے تاکہ اس کا روزہ بالاتفاق سب کے نزدیک صحیح ہو جائے کیونکہ وہ اس ریشمھا کو باہر نکال دینے پر قادر ہے۔

(۱۲) اور جس چیز کا کھانا مقصود نہیں ہوتا اور اس چیز سے بچ بھی نہیں سکتا جیسے کمی یا مچھر جب روزہ دار کے پیٹ میں پہنچ جائے تو استحساناً اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اور کمی کے پیٹ میں داخل ہوجانے سے قیاماً روزہ فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ روزہ کو توڑنے والی چیز پیٹ میں پہنچ گئی اگرچہ اس سے غذا حاصل نہیں کی جاتی جیسا کہ مٹی اور کنکری کا حکم ہے۔ اور اگر کسی کے حلق میں پیسے یا پھانے کا غبار یا دوا کا مزہ (یعنی کسی نے دوائی کوئی اور اس کا مزہ اپنے حلق میں محسوس کیا) یا کوٹنے وغیرہ کا غبار یا دھواں یا خاک کا غبار جو ہوا یا جانوروں کے سٹموں (کھروں) سے اڑا ہے داخل ہوا یا اس قسم کی کوئی اور چیز داخل ہوئی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ خواہ اس کو اپنا روزہ یاد ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ انسان چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ روزہ دار کے فعل کے بغیر خود بخود داخل ہو جائے اور اگر روزہ یاد پختہ ہوئے اس نے اپنے فعل سے ان میں سے کسی چیز کو داخل کیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ وہ منہ بند کر کے اس سے بچ سکتا تھا اور لوگ اس بات سے غافل ہیں (اور اس کی مزید تفصیل مفصلات کے بیان میں ہے ہو لفت)۔

(۱۳) اگر کسی نے دھاگا تھوک میں چند بار تر کر کے بٹا لینی جب دھاگا بٹنے کا ارادہ کیا اور اس کو اپنے تھوک سے تر کیا اور اس کو اپنے منہ میں چند بار داخل کیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اگرچہ اس میں تھوک کی گرہ (مجموع تھوک) باقی رہ گئی ہو لیکن اگر دھاگا رنگین ہو اور اس کا رنگ تھوک میں ظاہر ہو جائے پھر اس کو نگل جائے اور روزہ یاد ہو تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا مثلاً کسی روزہ دار نے ابریشم کا کام کیا اور ابریشم کو اپنے منہ میں داخل کیا اور اس کا سبز یا زرد یا سرخ (وغیرہ) رنگ اس سے کٹ کر تھوک میں مل گیا اور تھوک رنگین ہو گیا اور اس کو نگل گیا اور اس کو روزہ یاد ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

لے ش جمع لے مجرد ش لے فیر بکارة ش لے م ش لے ش و حیات ش لے ع و زیارة ش لے ط و غیرہ  
لے ش زیارة ش لے دوش لے لے و بکر۔



(۱۳) کسی چیز کو چکینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ اس میں نہ صورت کوئی روزہ توڑنے والا امر پایا یا ہے نہ حنا۔ اور یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے کیونکہ اس میں روزہ کو توڑنے کی طرف لیجا یا پایا جاتا ہے۔ یعنی بلا عذر کسی چیز کو چکینا اور چبانا مکروہ ہے اور اگر عذر کے ساتھ ہو تو مکروہ نہیں۔ چکینے کے متعلق عذر یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند یا کسی لونڈی کا آقا (مالک) بدر مزاج ہو کہ کھانے میں نمک کے کم و بیش ہو جانے پر بہت ناراض ہوتا ہو اور سختی کرتا ہو تو وہ شور و غیر چکے لے تاکہ اس کی نمکینیت معلوم کر سکے۔ یعنی اگر وہ زبان کی نوک سے چکے لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (اور پھر اس کو تنہا دے اندر نہ گئے مؤلف) چکینے کے معنی کسی چیز کو منہ میں ڈال کر پیچا پنا اس طرح پر کہ اس کا عین حلق کے اندر نہ جائے۔ لیکن اگر خاوند یا مالک کھانے کے معاملہ میں بدر مزاج نہ ہو بلکہ اور دوسری باتوں میں بدر مزاج ہو یا وہ اچھے اخلاق و مزاج کا ہو (اور کھانے میں نمک کی کمی بیشی پر ناراض نہ ہو تا ہو) تو اس عورت یا باندی کو چکینا مکروہ ہے اور کھانا پکانے والے ملازم کا بھی یہی حکم ہے۔ اور چبانے کے متعلق عذر یہ ہے کہ روزہ دار عورت کے پاس کوئی حیض یا نفاس والی عورت یا اور کوئی بے روزہ شخص (مثلاً نابالغ یا مریض وغیرہ) یا سنا ہو جو اس کے بچے کو کھانا چاکر کھلا دے اور اس کو نرم پکا ہوا کھانا بھی نہیں ملتا اور نہ ہی دودھ ہو اور نہ دھما اور نہ بچہ جو کھا ہو) تو اس عورت کو بچہ کی حفاظت کے لئے ضرورت کی وجہ سے چبانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، جبکہ اگر عورت کو روزہ کے ساتھ دودھ کی کمی کے باعث بچہ کے ہلاک ہونے کا خوف ہو تو روزہ افطار کر دینا جائز ہے۔ چکے گرا چھی بری معلوم کی جانے والی چیز کو خریدتے وقت اس لئے چکھنا کہ اس کے عذہ یا بادی ہونے میں تمیز کر سکے بعض کے نزدیک یہ کوئی عذر نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اور بعض فقہانے کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے تاکہ دھوکا نہ کھا جائے۔ پس کسی چیز کو خریدتے وقت روزہ دار کھٹے چکینے کی کراہت میں مدقول ہیں اور نہ الفااق میں ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ پہلا قول یعنی کراہت ہونا اس صورت میں ہے جبکہ چکھنا ضروری نہ ہو بلکہ چکھنے کے علاوہ کوئی اور تدبیر ہو سکتی ہو، اس صورت میں اس کا چکھنا ہر حال میں مکروہ ہے خواہ دھوکے کا خوف ہو یا نہ ہو اور دوسرا یعنی عدم کراہت کا قول اس صورت میں ہے جبکہ اس کا چکھنا ضروری ہو اور بغیر چکھے اس میں دھوکے کا خوف ہو اور اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہ ہو۔ پس اس میں کراہت کے لئے یہ قید بیان کی گئی ہے کہ اس کا چکھنا ضروری نہ ہو بلکہ چکھنے کے علاوہ کوئی اور تدبیر ہو سکتی ہو تو خواہ اس صورت میں دھوکے کا خوف ہو یا نہ ہو اس کا چکھنا مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اور تدبیر ہو سکتی ہو لیکن اس کو دھوکے کا خوف بھی نہ ہو تب بھی چکھنا مکروہ ہے اور یہی ظاہر ہے (کیونکہ اب چکھنا بلا ضرورت ہو گا مؤلف)۔ بلا عذر چکھنے اور چبانے کی کراہت بعض فقہائے نزدیک مطلق طور پر یعنی ہر روزہ میں ہے خواہ وہ فرض روزہ ہو یا نفل، اور بعض کے نزدیک یہ کراہت فرض روزوں کے ساتھ مخصوص ہے اور نفل روزوں میں یہ چیزیں مکروہ نہیں ہیں اور اس رعایت کی بنا پر ہے جس کی رو سے نفلی روزہ بلا عذر توڑنا

لے ہایہ دجیات لے ہایہ شعاع دلی بزادۂ عن مدد لے ہایہ ہجرات شعاع ہجرات کتاب الایمان لے ہایہ مدد لے ہایہ دجیات۔

لے ہایہ ہجرات لے ہایہ دجیات لے ہایہ ہجرات لے ہایہ ہجرات لے ہایہ ہجرات۔



جائز ہے تو اس رعایت کی بنا پر چکنا بدمعہ اولیٰ بلا کراہت جائز ہوا۔ لیکن نفل روزہ بھی بلا عذر افطار کر دینا (توڑ دینا) صحیح مذہب یعنی ظاہر الروایت کی بنا پر مکروہ ہے پس کراہت باقی رہی۔ امام ربیع رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ فرض روزہ میں اس کی قوت کی وجہ سے مکروہ ہے اس لئے حفاظت ضروری ہے اور اس میں ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے روزہ ٹوٹے کا خوف ہو پس اس میں وہ چیز مکروہ ہوگی جو روزہ توڑنے کی طرف لے جانے والی ہو اور نفل روزہ میں مکروہ نہیں اس لئے کہ نفل روزہ اپنی اہلیت کے اعتبار سے محض نفل ہے اور نفل روزہ رکھنے والے کو ابتدا میں اختیار ہے کہ رکھے یا نہ رکھے اگرچہ شروع کر دینے کے بعد اس کا رد لاغیر توڑ دینا حلال نہ ہو۔ پس نفل کا درجہ فرض سے پیچھے رکھا گیا کہ جو چیز اکثر افطار کی نوبت کو نہیں پہنچاتی اس کو نفل روزہ میں بلا کراہت جائز رکھا۔ فرض میں مکروہ قرار دیا (واللہ اعلم بالصواب)

(۱۵) روزہ دار کو گونا گونا گونا چاہنا ظاہر الروایت کے بموجب مکروہ ہے کیونکہ اس میں روزہ کو توڑنے کی طرف لیجانا پایا جاتا ہے اور اس لئے بھی مکروہ ہے کہ ایسے شخص کو افطار کے ساتھ متہم کیا جائے گا۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب میں گوئند کے چبانے سے روزہ فاسد نہ ہونے کو مطلق بیان فرمایا ہے اس سے یہ مطلب حاصل ہوتا ہے کہ کسی قسم کے گوئند میں کوئی فرق نہیں ہے ہر قسم کے گوئند کا یہی حکم ہے کہ اس کے چبانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا لیکن اس کا چانا مکروہ ہے اور یہ ظاہر الروایت ہے اور متاخرین نے گوئند کے چبانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے لئے یہ قید بیان کی ہے کہ وہ گوئند سفید ہو اور وہ پہلے کسی شخص کا چایا ہوا ہو۔ اور محقق ابن الہمام رحمہ اللہ صاحب فتح القدیر نے متاخرین کے کلام کو اختیار کیا ہے۔ پس ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں اس طرح پر تفصیل ہے کہ اگر وہ گوئند چبانے سے نرم ہو کر ڈلی نہیں بنتا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر وہ چبانے سے نرم ہو کر ڈلی بن جائے تو اگر وہ سیاہ ہے تب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر سفید ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ پس سفید گوئند (مصطلحاً) جبکہ کسی شخص کے چبانے سے نرم ہو کر ڈلی بن گیا ہو اس کا چانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کا گوئند گھلتا اور نگھلتا نہیں پس وہ تنہواک کے ساتھ پیٹ میں نہیں پیچھے گا (بلکہ صرف اس کی خوشبو پیچھے گی) پس اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن یہ فعل مکروہ ہوگا کیونکہ یہ فعل روزہ توڑنے کی طرف لے جانے والا ہے اس لئے کہ اس میں سے کسی جزو کے مطلق بن چلے جانے کا اندیشہ ہے، نیز یہ کہ ایسے شخص کو افطار کے ساتھ متہم کیا جائے گا، اور اگر سفید گوئند مصلیٰ پہلے سے کسی کا چایا ہوا نہ ہو یا چایا ہوا ہو لیکن نرم ہو کر ڈلی نہ بنا ہو یا وہ گوئند سیاہ ہو خواہ اس کو کسی نے چایا ہو یا نہ چایا ہو تو چونکہ ان سورتوں میں گوئند گھل جاتا اور ٹوٹ جاتا ہے اور اس میں سے کچھ پیٹ میں چلا جاتا ہے اس لئے اس کے چبانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس گوئند کا کچھ حصہ بھی تنہواک کے ساتھ پیٹ میں نہیں پیچھا اس کے چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جس گوئند کا کچھ حصہ بھی تنہواک میں مل کر پیٹ میں پیچھا جاتا ہو اس کے چبانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کا



گوند کے چبانے سے روزہ نہ ٹوٹنے میں گوند کو مطلق بیان کرنا یہ فرض کرتے ہوئے ہے کہ اس میں سے کچھ بھی پیٹ میں نہیں پہنچتا۔ پس جب یہ بات مان لی گئی کہ بعض گوند کا عادتہ تنہو ک کے ساتھ گھل کر یا ڈوٹ کر پیٹ میں پہنچ جانا معلوم ہو چکا ہے تو اس گوند کے چبانے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جانے کا حکم دینا واجب ہے اس لئے کہ وہ یقین شدہ کی مانند ہے۔

(فائدہ) حالتِ روزہ کے علاوہ سفید گوند (مصطلی) کا چبانا عورتوں کے لئے مستحب ہے کیونکہ وہ ان کے حق میں سواک کے قائم مقام ہے اس لئے کہ عورتیں نازک و کمزور جسم کی ہوتی ہیں پس بعض وقت وہ سواک دیرداشت نہیں کر سکتیں اور سواک سے ان کے سوزھوں اور دانتوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ ان کے لئے سواک کا قائم مقام ہے اگرچہ وہ اس کو وضو کے علاوہ بھی استعمال کریں اور ظاہر ہے کہ ان عورتوں کو وہ ثواب جن کا وعدہ سواک استعمال کرنے والوں کے لئے کیا گیا ہے اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک وہ اس کو سواک کی نیت سے استعمال نہیں کریں گی جیسا کہ سواک کرنے میں بھی سواک کی سنت ادا ہونے کا ثواب نیت کرنے سے ہی ملے گا۔ اور مردوں کو بغیر روزہ کے بھی بلا غندہ مصطلی کا چبانا مکروہ ہے لیکن اگر تنہائی میں عذر کی وجہ سے جائیں تو مکروہ نہیں ہے۔ اور کراہت سے مراد بظاہر کراہت تحریمی ہے۔ اور بیکراہت دو شرطوں سے دُور ہو سکتی ہے روزہ نہیں اور وہ دو شرطیں ہیں اول مصطلی کو تنہائی میں چبانا، دوم کسی عذر سے چبانا مثلاً رخ کی سہولت اور منہ کی گندہ دہنی کو کم کرنے کے لئے چبانا پس جب ان دونوں شرطوں یعنی تنہائی اور عذر کی وجہ سے چبائے تو مکروہ نہیں ہے اور اگر صرف تنہائی میں بلا عذر چبایا یا عذر سے لوگوں کے سامنے چبایا تب بھی مکروہ ہے، مؤلف) اور ایک قول یہ ہے کہ گوند (مصطلی) کا چبانا مردوں کے لئے مباح ہے۔ اور بخیر الاسلام کا قول ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول میں اشارہ ہے کہ یہ بے روزہ دار کے لئے مکروہ نہیں ہے لیکن مردوں کے لئے اس کا ترک مستحب ہے البتہ اگر عذر کی وجہ سے ہو مثلاً منہ میں بد بو ہو تو معاف نہیں آہ۔

(۱۶) اگر کسی نے ہلیلہ (ہڑ) کو چوسا اور تنہو ک اس کے حلق میں داخل ہو گیا تو جب تک اصل ہڑ (یعنی ہڑ کا کوئی جزو) اس کے حلق میں نہ جائے روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اگر شکر یا مصری کی ڈلی یا اس قسم کی کوئی اور چیز چوسی ادا اس کا پانی حلق میں داخل ہوا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

(۱۷) لغو دار کو استنجا کرنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے، کُلی کرنے اور ناک میں پاؤں اٹالنے میں مبالغہ کرنے کا بھی یہی حکم ہے اور یہ حکم مطلق ہے خواہ روزہ فرض ہو یا نفل سب کے لئے ہے، تاکہ روزہ ٹوٹنے سے محفوظ رہے۔ (اور بغیر روزہ دار کے لیٹان

تینوں چیزوں میں مبالغہ کرنا سنت ہے جیسا کہ کتاب الطہارت میں بیان ہو چکا ہے، مؤلف) کُلی میں مبالغہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ منہ میں دیر تک پانی بھرا رکھے اور غرغره کرنا مراد نہیں ہے، اور غرغره منہ میں پانی پھرانے کو کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک

له بحر فتح دش گاهم و طاش دفع گاه ط گاه در زیارة دیجات شه ش و ط گاه ط گاه م و در شه ش و ط گاه ع بنیله و بحر دش تصرفا  
ناه ع الله ط گاه م گاه ع گاه ش و ط فی سن انوشو.















نیت کر لینے پر روزہ کا درست ہو جانا رمضان کے ادائی روزوں اور نذر معین کے روزوں ہی میں متصور ہو سکتا ہے نفل یا کسی اور روزہ میں نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ ادائے رمضان میں اس شخص کے حق میں متصور ہو سکتا ہے جو ماہ رمضان کے شک کے روزہ کھانے پینے سے دوپہر تک رکا رہا ہو کیونکہ وہ شخص معارف روزہ دار ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان المبارک شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے روزہ کے لئے متعین ہے پس جب رمضان کے شک کے دن میں کھانے پینے سے رُکے ہوئے شخص نے بھول کر کھاپی لیا تو اس کو کچھ نقصان نہیں ہے اگرچہ نیت سے قبل ہو اس لئے کہ جب اس دن کا رمضان سے ہونا ظاہر ہو گیا اور وہ کھانے پینے سے رکا ہوا تھا تو وہ معارف روزہ دار ہو پس گویا کہ وہ نیت کے بعد کھانے والا ہوا اور وہ گویا کہ روزہ کی وجہ سے کھانے پینے سے رکا ہوا ہونے کو بھول کر کھانے والا ہوا بخلاف نفلی روزہ کے کہ اگر اس نے بھول کر کھایا یا پیا پھر نفلی روزہ کی نیت کی تو ظاہر ہے کہ اس کا روزہ درست نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ دن شروع سے یعنی صبح صادق سے روزہ کے لئے متعین نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ اس میں نیت نہ حقیقتاً پائی گئی نہ حکماً تو نسیان متحقق نہیں ہوا پس اس کو نسیان نہیں کہا جاسکتا اور اسی طرح نیت سے پہلے بھول کر کھانا پینا قصداً و کفاراً کے ذمے میں بھی متصور نہیں ہو سکتا ہاں بیشک صرف ادائے رمضان اور نذر معین کے روزوں میں ہی متصور ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بھول کر کھا رہا تھا اور کسی دوسرے شخص نے اس کو روزہ یاد دلایا لیکن اس کو یاد نہ آیا اور وہ کھانا رہا تو صحیح روایت کی بنا پر اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا برخلاف بعض کے قول کے، اس لئے کہ اس شخص نے اس کو خبر دی ہے کہ یہ کھانا اس پر حرام ہے اور ریانات میں ایک شخص کا خبر دینا مقبول ہے پس اس پر واجب تھا کہ تامل کرتا اور اس کے یاد دلانے اور روکنے پر غور کرتا اور اس پر توجہ دیتا لیکن اس شخص پر صرف قضا لازم آئے گی کفارہ لازم نہیں ہوگا یہی مختار ہے۔ جیسا کہ خود یاد آئے ہیں بھی اگر کھانا رہے تو صحیح یہ ہے کہ صرف قضا لازم آئے گی (جیسا کہ عنقریب آئے گا) (مؤلف)۔ اگر کوئی شخص کسی روزہ دار کو بھول کر کھاتے ہوئے دیکھے تو اگر اس میں اتنی قوت دیکھے کہ غروب آفتاب تک روزہ بغیر کمزوری کے پور کر لے گا مثلاً وہ جوان ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس کو یاد دلائے اور اس کے لئے یاد نہ دلانا مکروہ تحریمی ہے اور یہی مختار ہے۔ اور اگر وہ ایسا شخص ہو جو روزہ سے ضعیف ہو جائے گا اور اگر کھالے گا تو تمام خیرات کو اچھی طرح سے ادا کر لے گا مثلاً وہ بہت بوڑھا ہے تو گناہ میں ہے کہ اس کو یاد نہ دلائے، کیونکہ اس کا یہ فعل معصیت نہیں ہے اس لئے اس سے سکوت کرنا بھی معصیت نہیں ہے بلکہ ضعیف آدمی رحمت کا مستحق ہے (پس اس کو یاد نہ دلانا بلا کراہت جائز ہے، مؤلف) بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ اس کو یاد نہ دلائے اور جوان و بوڑھے کی مثال اس لئے ہے کہ غالباً جوان میں قوت اور بوڑھے میں ضعف پایا جاتا ہے۔ اور یہ یاد دلانے یا نہ دلانے کا حکم فرض و نفل اور قضا و کفارہ سب کے لئے برابر ہے۔ اگر کوئی روزہ دار شخص بھول کر کھاپی رہا تھا پھر اس کو یاد آیا اور

۱۔ مخدوش تبصرہ ۲۔ بخودش و حیات ۳۔ حیات وغیرہ ۴۔ مخدوش تبصرہ و زیادہ ۵۔ مخدوش و ط ۶۔ حیات ۷۔ بخودش و ۸۔ مخدوش و حیات۔



اُس نے لقمہ سے باہر نکال دیا یا پانی پینا ترک کر دیا یا کوئی شخص سحری کھا رہا تھا پھر صبح صادق طلوع ہو گئی جبکہ وہ پانی پنی رہا تھا پس اس نے پینا ترک کر دیا یا کھا رہا تھا اور اس نے لقمہ سے باہر نکال دیا تو اس کا روزہ پورا ہے اس لئے کہ اس نے یاد آنے یا طلوع فجر ہونے پر کھانا پینا نہیں کیا ہے۔ یعنی اس شخص پر لازم ہے کہ یاد آنے پر یا طلوع فجر ہوتے ہی فوراً اس لقمہ کو اپنے منہ سے باہر نکال دے، اگر اس لقمہ کو نگل گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر کفارہ واجب ہونے میں اختلاف ہے جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر ہے (مؤلف) چنانچہ اگر کسی روزہ دار نے روٹی کا ٹکڑا کھانے کے لئے چایا اور اس کو اپنا روزہ دار ہونا یاد نہیں ہے پس جب اس نے اس کو چایا تو یاد آیا کہ وہ روزہ دار ہے پس وہ روزہ یاد ہوتے ہوئے اس کو نگل گیا تو عیون میں اس مسئلہ میں متاخرین کے چار اقوال ذکر کئے ہیں: بعض نے کہا ہے کہ اس پر مطلقاً کفارہ واجب ہے اور بعض نے کہا کہ اس پر مطلقاً کفارہ واجب نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ اگر اس کو منہ سے باہر نکالے بغیر نگل گیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور اگر منہ سے باہر نکالا پھر منہ میں داخل کر لیا اور نگل گیا تو اس پر کفارہ واجب ہے اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی اگر وہ اپنے منہ سے نکالے بغیر نگل گیا تو اس پر کفارہ واجب ہے اور اگر منہ سے باہر نکال کر دوبارہ منہ میں داخل کیا اور نگل گیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے کہا کہ یہی آخری قول اصح ہے اس لئے کہ جب لقمہ کو منہ سے باہر نکال لیا جائے تو وہ قابل نفرت ہو جاتا ہے اور جب تک لقمہ منہ میں ہے اس سے لذت ... حاصل کی جاتی ہے۔ اور اسی لئے محیط برہانی اور تخمین میں اسی آخری قول کے ذکر پر کفایت کی ہے۔ فتح القدیر میں ایک پانچواں قول نامذموم قول ہے وہ یہ کہ بعض نے کہا ہے کہ اگر لقمہ باہر نکالنے کے بعد ابھی گرم تھا کہ دوبارہ اس کو منہ میں ڈال کر نگل گیا تو کفارہ واجب ہو جائے گا لیکن اگر اتنی دیر کر دی کہ وہ لقمہ ٹھنڈا ہو گیا پھر اس کو منہ میں داخل کر کے نگل گیا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا صرف قصداً لازم ہوگی کیونکہ جب تک وہ لقمہ گرم ہے اس سے نفرت نہیں کی جاتی اور جب ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو قابل نفرت ہو جاتا ہے، کیونکہ بعض وقت لقمہ زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے عادتاً منہ سے باہر نکال لیا جاتا ہے اور پھر دوبارہ منہ میں ڈال کر کھالیا جاتا ہے، اور ان سب اقوال کا حاصل یہ ہے کہ تمام مشائخ کے نزدیک کفارہ ساقط ہونے کے لئے اس لقمہ کا قابل نفرت ہو جانا ضروری ہے صرف اتنے کہ ہر ایک کے گمان میں یہ ہے کہ فلاں صورت میں لقمہ قابل نفرت ہو جاتا ہے اور فلاں صورت میں نہیں ہوتا لیکن ان پانچوں اقوال میں وہی چوتھا قول اصح ہے جس کی فقیہ ابو اللیث نے تصحیح کی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ یہ اقوال جو اوپر بیان ہوئے اس وقت ہیں جبکہ اپنا چایا ہوا لقمہ نگلا ہو لیکن اگر روزہ دار نے کسی دوسرے کا چایا ہوا لقمہ نگلا ہو تو اس پر کسی حال میں بھی کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ کسی دوسرے کا چایا ہوا لقمہ طبعاً قابل نفرت ہوتا ہے۔ لیکن اگر لقمہ کسی ایسے محبوب کا چایا ہو جو جس کے جمع ہونے سے لذت حاصل کی جاتی ہے اور طبیعت اس کی طرف رغبت کرتی ہے تو اس کے کھانے سے بھی کفارہ لازم آئیگا جیسا کہ میان ہو چکا ہے، مؤلف) نیز جانتا چاہئے کہ روزہ دار بھول کر لقمہ چبانے کے بعد یاد آنے پر اس لقمہ کو نگل جانے سے



کفارہ لازم آنے یا نہ آنے کے متعلق جو اقوال اور پرندہ ذکر ہوئے ہیں اس وقت میں جبکہ روزہ بھولنے کی حالت میں نقرہ کا کچھ بھرا حصہ نہ بھلا ہو لیکن اگر روزہ بھولنے کی حالت میں کچھ کھا پی لیا ہو، اس کے بعد روزہ یاد آنے پر بھی عمرہ ادا کیا یا پیا ہو تو ہمارے سب فقہاء کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اشتباہ بالتظہار و خلافہ امام مالک کا شبہ یا جاتلہ ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک بھول کر کھانے پینے یا جملہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ مفسدات میں مذکور ہے لیکن اگر روزہ یاد آنے سے پہلے بھول کر نقرہ چایا اور ابھی اس میں سے کچھ بھی نہیں نگلاتھا کہ روزہ یاد آ گیا تو اب چونکہ امام مالک یا کسی اور امام کے نزدیک بھی اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے روزہ یاد آنے پر اس جیسے نقرہ کو مکمل جانے سے کفارہ لازم آنے میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے جو پرندہ ذکر ہوا ہے غور کر لیجئے (مؤلف)۔ اور اگر کوئی شخص اپنی عورت سے دن میں بھول کر جماع کر رہا تھا پھر اس کو روزہ یاد آیا پس وہ اسی وقت جماع سے الگ ہو گیا یا وہ رات میں جماع کر رہا تھا کہ فجر طلوع ہو گئی جبکہ وہ جماع میں تھا پس اسی وقت وہ جماع سے الگ ہو گیا تو اس کا روزہ پورا ہے اس لئے کہ جماع سے الگ ہونا جماع کو ترک کرنا ہے اور کسی چیز کو ترک کرنے سے اس چیز کا حصول نہیں ہوتا بلکہ اس کے خلاف مشغول ہونا ہے پس جب اس شخص سے طلوع فجر یا روزہ یاد آنے کے بعد سرے سے جماع ہی نہیں پایا گیا تو اس کا روزہ بھی فاسد نہیں ہوگا اور اسی لئے جیسا کہ کھانے پینے کی صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا جماع میں بھی فاسد نہیں ہوتا اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ یاد آنے پر یا فجر طلوع ہونے پر فوراً جماع سے الگ ہو جائے پس اگر فوراً جماع سے الگ نہ ہوا اور جماع پر قائم رہا تو روزہ فاسد ہوگا اس پر قضا لازم ہوگی اور ظاہر الروایت میں اس پر کفارہ لازم نہیں ہے۔ یعنی اگر اسی وقت جماع سے الگ ہو گیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اگرچہ الگ ہونے کے بعد اس کی منی خارج ہو جائے اس لئے کہ وہ احتلام کی مانند ہے اور اگر جماع پر قائم رہا تو جماع پر قائم رہتے ہی فوراً اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ پس اگر پھر اس کو انزال نہیں ہوا تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی اور اگر انزال ہو گیا تو بعض نے کہا ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ یاد آنے یا طلوع فجر کے بعد اپنے آپ کو حرکت نہ دے پس اگر اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو حرکت دی تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ (اور پہلا قول یعنی کفارہ واجب نہ ہونے کا قول ظاہر الروایت ہے جیسا کہ برائے سے اوپر بیان ہوا، مؤلف)۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے صرف اس طلوع فجر کے مسئلہ میں اس پر کفارہ واجب ہونا روایت کیا گیا ہے اس لئے کہ ابتداءً جماع قصد تھا اور جماع ابتداءً انتہاءً ایک ہی ہوتا ہے اور جماع بالقصد سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور بھول کر جماع کرنے والے کو روزہ یاد آنے کے بعد اسی حالت پر باقی رہنے کی صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ ابتداءً اس کا جماع کرنا بھولنے کی صورت میں تھا اور بھول کر جماع کرنا روزہ کو نہیں توڑتا چاہے اس پر کفارہ واجب ہو اور ظاہر الروایت کی وجہ سے ہے کہ کفارہ روزہ توڑ دینے پر واجب ہوتا ہے اور روزے کا توڑنا اس کے موجود ہونے کے بعد



ہوتا ہے اور اس کا حالت جماع پر باقی رہنا وجہ صوم کا مانع ہے پس جبکہ اس کا روزہ دار ہونا متحقق نہیں ہوا تو اس کا روزہ کو فاسد کر دینا بھی متحقق نہیں ہوا پس اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اس پر اس روزہ کی قضا کا واجب ہونا اس لئے نہیں ہے کہ اس نے اس دن روزہ رکھ کر اس کو فاسد کر دیا ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس دن اس کا روزہ شریعت ہی نہیں ہوا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس جماع میں کفارہ کا واجب ہونا ابتداء سے متعلق ہے پس کفارہ کا واجب ہونا اس کے اس جماع پر باقی رہنے سے بھی متعلق نہیں ہوگا اس لئے کہ جماع ابتداء اور انتہا میں فعل واحد ہے اور اس کے لئے اتحاد کا شبہ موجود ہے اور یہ کفارہ شبہ کے ساتھ واجب نہیں ہوتا جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ ظاہر الروایت کی توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو حرکت دینے یا نہ دینے میں کوئی فرق نہیں ہے اور فتاویٰ ہندیہ یعنی عالمگیری میں جو بدائع کی عبارت نقل کی گئی ہے وہ غلط (ناقص) ہے پس سمجھ لیجئے۔ ہدایہ کی یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ یاد آنے کی صورت میں کفارہ کا واجب نہ ہونا متفق علیہ ہے کیونکہ اس صورت میں ابتداء میں جماع عمداً نہیں تھا اور جماع فعل واحد ہے پس اس وجہ سے اس میں شبہ داخل ہو گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف کا شبہ ہے اس لئے کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اب اگر قصداً جماع پر قائم رہے گا تو ان کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اور ہمارے فقہاء کا اختلاف صرف طلوع فجر کے مسئلہ میں ہے۔ اور اگر بھول کر جماع کرنے والا شخص یاد آنے پر جماع سے الگ ہو گیا پھر دوبارہ جماع کی طرف لوٹا یعنی دخول کیا تو اس پر کفارہ واجب ہے اور یہی حکم طلوع صبح کے مسئلہ کا ہے لیکن یاد آنے کے مسئلہ میں کفارہ واجب نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ اس میں خلاف امام مالک کا شبہ ہے اور یہاں جو کفارہ کا وجوب بیان ہوا ہے شاید دوسرے قول پر مبنی ہو جس میں شبہ خلاف کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے فوراً فراموش ہو جائے اور اگر جماع نہ صورت پیا جائے اور نہ معنایا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا (اور جماع صورت و معنایا کی تفصیل مفصلات کے بیان میں ہے، مؤلف) پس اگر کسی روزہ دار نے کسی چوپایہ یا مردہ یا ایسی لڑکی کے ساتھ جو شہوت کے لائق نہیں ہے جماع کیا یا ان یا ناف یا پیٹ یا بغل وغیرہ میں جماع کیا یا بوسہ لیا اگرچہ فاحشہ ہو (یعنی گدگدایا ہو یا ہونٹوں کو چوسا ہو) یا مباشرت کی اگرچہ فاحشہ ہو (یعنی دونوں ننگے ہوں اور دونوں کی فرج ملی ہوں) یا پس کیا (چھوا) یا معانقہ کیا یا مصافحہ کیا یا اپنے ہاتھ سے یا اپنی عورت یا کسی اور شخص کے ہاتھ سے منی خارج کی (یعنی جلق کیا) یا دو عورتوں نے آپس میں مساحقہ یعنی جماع کا عمل کیا تو اگر ان سب صورتوں میں انزال نہیں ہوا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا پس اس پر قضا لازم نہیں ہوگی اور غسل فرض نہیں ہوگا (اور اگر ان صورتوں میں انزال ہو گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور اس پر غسل واجب ہو جائے گا، مؤلف) اور اگر فرج (سبیلین یعنی قبل و دُب) میں یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور جگہ میں مباشرت و جماع کئے بغیر انزال ہو جائے تو بالا جماع اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا پس اگر کسی عورت کے







## جن چیزوں کی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں

جانتا چاہئے کہ روزہ کی نیت سے طلوع صبح مبارق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے و جماع سے اور جو چیزیں ان تینوں کے حکم میں ہیں ان سب سے رُکے رہنا روزہ کا رکن (فرض) ہے پس اس کے بغیر روزہ کا ہونا نہیں پایا جاتا۔ اور روزہ کو توڑنے والی چیزوں کا بیان اسی اصل پر مبنی ہے اس لئے کہ کسی چیز کے رکن (فرض) کے فوت ہو جانے پر اس چیز کا فاسد ہونا اور ٹوٹ جانا ایک ضروری امر ہے اور یہ روزہ کا فاسد ہونا اور ٹوٹ جانا کھانے پینے اور جماع سے ہوتا ہے خواہ صورت و معنا دونوں طرح سے ایک ساتھ ہو یا صرف صورت ہو معنا نہ ہو اور خواہ عند کے ساتھ ہو یا بغیر عند کے ہو اور قصداً ہو یا خطاً ہو اور خوشی سے ہو یا کسی کے زبردستی کرنے سے ہو لیکن ان سب صورتوں میں اس کو روزہ یاد ہو سبھل کر کھانا پینا یا جماع نہ ہو۔ اور روزہ کو توڑنے والی چیزیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے صرف قضا لازم آتی ہے اور دوسری وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔ اور قضا کا واجب ہونا مطلق روزے کے فاسد ہو جانے پر ہے خواہ روزہ صورت و معنا دونوں طرح سے فاسد ہو جائے یا صرف صورت فاسد ہو اور معنا فاسد نہ ہو یا صرف معنا فاسد ہو اور صورت فاسد نہ ہو اور خواہ عمداً ہو یا خطاً ہو اور خواہ عند سے ہو یا بغیر عند کے ہو اور کفارہ کا واجب ہونا روزے کے مخصوص انداز پر فاسد ہونے سے ہے اور وہ کامل طور پر فاسد ہونا ہے اس طرح کہ کھانا پینا یا جماع صورت و معنا ایک ساتھ پایا جائے اور وہ عمداً ہو اور یا کوئی عذر نہ پایا جائے جس کی وجہ سے روزہ توڑ دینا مباح ہو جائے روزہ نہ رکھنے کی رخصت حاصل ہو جاتی ہو اور نہ اس میں اباحت کا شبہ پایا جائے۔ پس جب کوئی ایسا شخص جس پر رمضان کا روزہ فرض ہو روزہ کی حالت میں کوئی روزہ توڑنے والا فعل صورت و معنا اپنی مرضی سے جان بوجھ کر بغیر کسی اضطرار و اکراہ کے کرے اور اس کی دوسری شرطیں بھی پائی جائیں جن کا ذکر آگے آتا ہے تو روزہ ٹوٹ جانے پر اس کی قضا اور کفارہ دونوں اس پر واجب ہو جائیں گے۔ کفارہ ادا کرنے کی تفصیل آگے الگ بیان میں آئے گی اور اگر ان شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو روزہ ٹوٹ جانے پر صرف قضا لازم ہوگی اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ کفارہ واجب ہونے کی شرطیں اپنی جزئیات کے ساتھ ذیل میں نمبر وار صبح کی جاتی ہیں (مؤلف)۔

اور جانتا چاہئے کہ کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے | (۱) کھانا و پینا صورت و معنا دونوں طرح ایک ساتھ پایا جاتا جبکہ افطار صورت و معنا دونوں طرح ایک ساتھ پایا

جائے اس لئے کہ کفارہ کمال درجہ کے قصور پر لازم آتا ہے اور کمال درجہ کا قصور اس وقت پایا جاتا ہے جبکہ افطار صورت و معنا ایک ساتھ پایا جائے اور اسی لئے شبہات کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے پس اگر افطار صرف صورت یا صرف معنا پایا گیا



تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا صرف قضا لازم ہوگی اور کھانے و پینے کی چیزوں میں صورتہ افطار یا اچانے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ افطار کے دینے والی چیز منہ کے راستہ سے پیٹ تک پہنچ جائے اور معنا افطار کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز غذا یا دوا کے طور پر بدن کی اصطلاح کرنے والی ہو یعنی وہ چیز عادتہ غذا یا دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہو یا اس سے لذت حاصل کی جاتی ہو اور طبیعت اس سے نفرت نہ کرتی ہو یعنی صورتہ و معنا کھانے اور پینے کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز سے غذا یا دوا کا قصد کیا جائے اس کو منہ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچایا جائے کہ اس سے پیٹ کی خواہش بطریق کمال حاصل ہو جاتی ہے پس خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز منہ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچتی ہے اور اس سے بدن کی اصلاح مقصود نہیں ہوتی یعنی وہ عادتہ غذا یا دوا کے طور پر نہیں کھائی جاتی اور نہ اس سے لذت حاصل کی جاتی ہے بلکہ نفس اس سے نفرت کرتا ہے تو یہ روزہ توڑنے والی چیز کا صرف صورتہ کھانا و پینا ہے اور جو چیز منہ کے علاوہ کسی اور راستہ سے پیٹ میں پہنچے اور اس میں بدن کی اصلاح مقصود ہو یعنی وہ غذا یا دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہو یا اس سے لذت حاصل ہو تو یہ روزہ توڑنے والی چیز کا صرف معنا استعمال ہے اور جو چیز منہ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچے اور اس میں بدن کی اصلاح مقصود ہو یعنی وہ عادتہ غذا یا دوا کے قصد سے استعمال ہوتی ہو یا اس سے لذت حاصل کی جاتی ہو اور طبیعت اس سے نفرت نہ کرتی ہو تو یہ روزہ توڑنے والی چیز کا صورتہ و معنا ایک ساتھ استعمال ہے (مؤلف) ان سب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(اول) جو چیزیں عادتہ غذا یا دوا کے ارادہ سے کھائی جاتی ہیں ان سب سے کفارہ واجب ہوتا ہے ان کی جزئیات یہ ہیں (۱) اگر کسی روزہ دار نے (گہوں، جو، باجرہ وغیرہ کسی انج یا ماش وغیرہ کی تازہ یا خشک، حیات) روٹی یا دیگر کھانے پینے کی کوئی چیز یا روغنیات یا دودھ دہی کھایا یا پیا کوئی دوا مثلاً ہلیدہ (ہڑ) یا مشک یا زعفران یا کافور یا غالبہ (ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو مشک و کافور و عنبر اور عود کے ریزوں سے مرکب ہوتی ہے، اس سے) کھائی تو اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ کیونکہ یہ چیزیں عادتہ دوا کے طور پر کھائی جاتی ہیں۔

(۲) اور اسی طرح اگر کسی روزہ دار نے سرکہ یا شور یا یا کسم کا پانی یا زعفران کا پانی یا یا قلا (لوبیا) کا پانی یا خربزہ و تر بوڑ و ککڑی کھیر وغیرہ یا انگور کی شاخوں کا پانی پیا تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور اسی طرح اگر بادش کے قطرے یا پرف یا اولہ کھایا یا پیا اگر یہ اپنے قصد سے ہو تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے کیونکہ باسانی منہ بند کر کے اس سے بچنا ممکن ہے۔

(۳) اور اسی طرح اگر کسی روزہ دار نے کوئی ایسی شے کھائی جو دوا کے طور پر کھائی جاتی ہو جیسا کہ گل ارمنی اور بونشی جو بھون لی جاتی ہے پھر کھائی جاتی ہے تو اس پر بھی کفارہ لازم ہوگا۔ یعنی گل ارمنی کے کھانے سے مطلقاً کفارہ لازم آتا ہے خواہ اس کے کھانے کی عادت ہو یا نہ ہو اس لئے کہ وہ بطور دوا کھائی جاتی ہے پس اس سے افطار کامل پانا گیس











اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ انار کے دانے کھانے سے کفارہ لازم آئے گا اور اگر خشک خرما (چھوٹے) کا ٹکڑا کھالیا تو کفارہ لازم آئے گا۔ اور اگر انگور کا دانہ کھالیا تو اگر اس کو چھایا یا تھاتا تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم آئیں گے والا اتفاق ہو گا اس کی ایسے ہی بغیر چبانے نکل گیا تو اس کی دو صورتیں ہیں یعنی اگر اس کے ہمراہ اس کی ڈنڈی کی پوست (ٹوپی) جس سے دانہ ڈنڈی کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے لگی ہوئی نہیں تھی تو بالاتفاق اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور اگر وہ پوست (ٹوپی) اس پر لگی ہوئی تھی تو عادتہ المشائخ کے نزدیک اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور ابو سہیل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس پر کفارہ لازم نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ وہ عادتہ اس پوست کے ساتھ نہیں کھایا جاتا اور سراج میں کہا ہے کہ اس طرح کہنا چاہئے کہ اگر اس کی وہ ٹوپی پہلے پیٹ میں پہنچی تو اس پر کفارہ واجب نہیں اور اگر گودا پہلے پہنچا تو کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ پہلی صورت میں روزہ کا ٹوٹنا پوست سے واقع ہوا اور دوسری صورت میں گودے سے ہوا۔

(۷) اگر کوئی روزہ دار گھوڑوں یا جو یا کئی یا چاول یا باجرہ وغیرہ کے آٹے کو جو کہ گھی یا شہد میں ملایا گیا ہو یا پانی میں ترکر کے اس میں شکر ملائی گئی ہو کھائے تو اس پر کفارہ واجب ہوگا کیونکہ لوگ اس کے کھانے میں رغبت کرتے ہیں۔ اور اگر مکی کے آٹے کو کھایا تو اس پر کفارہ واجب ہے کیونکہ اس میں مٹھاں ہوتی اور اس سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔

(دوم) جس چیز سے لذت حاصل کی جاتی ہے اور طبیعت نفرت نہیں کرتی اس کے کھانے سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور اس کی جزئیات یہ ہیں: (۱) اگر کسی روزہ دار نے اپنے کسی محبوب یا دوست یا اپنی بیوی کا تھوک نکل لیا یا اس کا چبایا ہو لقمہ کھایا تو کفارہ واجب ہوگا اس لئے کہ اس سے طبیعت کو کراہت نہیں ہوتی بلکہ لذت حاصل کی جاتی ہے پس وہ مصلح بدن ہونے کے حکم میں ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کا تھوک یا جو یا لقمہ کھانے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس سے نفرت کی جاتی ہے۔ اور اس میں بدن کی اصلاح نہیں پائی جاتی۔ دوست سے ہر دوست مراد نہیں ہے بلکہ وہ دوست مراد ہے جس کے ساتھ اتنی زیادہ محبت ہو کہ اس کے تھوک اور چبائے ہوئے لقمہ سے نفرت نہ رہے بلکہ اس کی طرف رغبت ہو۔ اسی طرح بیوی بھی ایسی ہو جس سے ایسی محبت ہو (اور اسی طرح بزرگان دین کا تھوک اور ان کا چبایا ہو لقمہ ان کے مریدین و تبعین خوشی سے کھاتے ہیں وہ اس سے نفرت کرنے کی بجائے لذت حاصل کرتے ہیں اس لئے اس پر بھی کفارہ لازم آئے گا حکم ہونا چاہئے۔

(۲) اگر کوئی روزہ دار کچا گوشت کھائے تو کفارہ لازم ہوگا۔ یعنی کچا گوشت کھانے میں کفارہ واجب ہوگا اگرچہ وہ مُردار اور ٹہا ہوا ہو لیکن اگر اس میں کیڑے پڑ گئے ہوں تب اس کے کھانے پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ غذائیت سے خارج ہو گیا۔ اور کفارہ لازم ہونے میں اس کے کھانے کی عادت ہونے کا بھی اعتبار کیا جانا چاہئے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ میں نے کچا گوشت کھانے پر کفارہ لازم ہونے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں دیکھا حالانکہ اس میں منہ سے نکلے ہوئے

لحمہ عظمہ حیات لحمہ عظمہ عروق و طو حیات متقطا لحمہ حیات لحمہ عظمہ دم۔

لحمہ عظمہ دم متقطا لحمہ عظمہ حیات لحمہ عظمہ عروق و غیرہ لحمہ عظمہ دم و غیرہ متقطا لحمہ ط۔



لقمے سے بہت زیادہ نفرت پائی جاتی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ گوشت بذاتِ خود ایسی چیز ہے جس سے غذائیت حاصل کرنے اور بدن کی اصلاح کا قصد کیا جاتا ہے بخلاف منہ سے نکالے ہوئے لقمے اور گندھے ہوئے آنے کے اور بخلاف اس گوشت کے جس میں کیڑے پڑ گئے ہوں اس لئے کہ وہ بدن کو ایذا دینے والا ہوگا پس اس سے بدن کی اصلاح نہیں ہوگی لہذا عیاذ باللہ اگر کسی روزہ دار نے خنزیر کا گوشت کھایا تو اس پر بھی کفارہ لازم آئے گا۔

(۳) کچی چربی کھانے سے کفارہ لازم ہونے میں اختلاف ہے صحیح اور مختار یہ ہے کہ کفارہ واجب ہوگا اور کھائے ہوئے گوشت و چربی کے کھانے میں بالاتفاق کفارہ واجب ہوگا اس لئے کہ وہ عادتاً اس طرح کھایا جاتا ہے۔

(۴) اگر کسی کے منہ میں سحری کا لقمہ باقی تھا کہ صبح صادق ہو گئی پھر اس نے اس لقمہ کو نگل لیا یا کسی نے روٹی کا ٹکڑا لیا

تاکہ اس کو کھائے اور اس کو روزہ یاد نہیں رہا تھا پس جب اس نے اس ٹکڑے کو چایا تو اس کو یاد آیا کہ وہ روزہ سے ہے پھر اس نے روزہ یاد ہوتے ہوئے اس کو نگل لیا تو بعض فقہار نے کہا کہ اگر اس نے اس لقمہ کو منہ سے باہر نکالے بغیر نگل لیا ہے تو

اس پر کفارہ واجب ہے اور اگر منہ سے باہر نکال لیا اور پھر اس کو منہ میں ڈال کر نگل لیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ اس سے نفرت کی جاتی ہے اور یہی اصح ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اگر وہ لقمہ کسی دوسرے شخص کا تھا تو اس پر

کفارہ واجب نہیں ہے اور اگر اس کا اپنا لقمہ تھا اس کو منہ سے نکالا اور پھر دوبارہ منہ میں ڈال کر نگل گیا تو اگر وہ لقمہ ٹھنڈا ہو گیا تھا تب بھی اس پر کفارہ لازم نہیں ہے اس لئے کہ وہ نفرت کے قابل ہو گیا اور اگر وہ لقمہ ٹھنڈا نہیں

ہوا تھا تو کفارہ واجب ہوگا اس لئے کہ کبھی گرم ہونے کی وجہ سے بھی لقمہ منہ سے باہر نکالا جاتا ہے اور پھر دوبارہ داخل کر لیا جاتا ہے اور اس سے نفرت نہیں کی جاتی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حکم لوگوں کی طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوگا

پس بعض طبیعتیں جو اس سے نفرت کرتی ہیں ان کے لئے اس میں بدن کی کوئی اصلاح نہیں ہوگی اور بعض کی طبیعت نفرت نہیں کرتی تو ان کے لئے اس میں بدن کی اصلاح ہوگی۔ اور تحقیق یہ ہے کہ مفتی کو واقعات میں اجتہاد کرنا اور لوگوں کے احوال

کا پہچاننا ضروری ہے اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ کفارہ لازم ہونے کے لئے قصور کا کامل ہونا ضروری ہے پس مفتی کو صاحبِ واقعہ کے اندر دیکھنا چاہئے کہ اگر اس کی طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے تو اس کے حق میں صرف قضا کا حکم

دے ورنہ قضا و کفارہ دونوں کا حکم دے۔

(۲) جماع کا حقیقۃً یعنی صورت و معنا دونوں طرح ایک ساتھ ہونا | صورتہ جماع کا مطلب ہے فرج کا فرج کے اندر داخل ہونا اور وہ یہ ہے کہ مرد کے آلہ تناسل کا سر

(سپاری) کسی عورت کے قبل یا کسی مرد یا عورت کے دہریں پوری طرح داخل ہو جائے (خواہ انزال ہو یا نہ ہو)۔ صورتہ جماع کا یہ مطلب اس وقت ہے جبکہ جماع کا محل مشہی علی الکمال ہو اور صرف مناجارے کا مطلب یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ

لے ش لے حیات لے بحرم و د حیات قضا لے ع لے ش لے ش و بحر لے ط لے ش و حیات بتغیر۔



مباشرت یعنی کسی کے ساتھ سبیلین کے علاوہ کسی اور حصہ جسم میں جماع یا مساس کرنے سے انزال ہو جائے یا اور صورت و معنا دونوں طرح ایک ساتھ جماع سے مراد ہے فرج (سِر ذکر) کا قبل (یا دبر) میں داخل ہونا اس لئے کہ شہوت فرج کا کامل طور پر حاصل ہونا اس کے ساتھ ہی حاصل ہوتا ہے لیکن انزال ہونا چونکہ جماع سے فراغت کیلئے ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس کفارہ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ محلِ شہتی علی الکمال ہو یعنی محلِ جماع عادتہ شہوت کے قابل ہو اس لئے کہ کفارہ کمالی جرم پر لازم آتا ہے اور کمالی جرم اسی وقت ہوگا جبکہ صورت و معنا جماع پایا جائے اور وہ اس وقت ہے جبکہ محلِ شہتی علی الکمال ہو اور دبر میں جماع کا بھی وہی حکم ہے جو قبل میں جماع کا ہے اور یہی صحیح ہے اور مختار یہ ہے کہ یہ حکم بالاتفاق ہے کیونکہ اس سے قضائے شہوت حاصل ہونے کی وجہ سے کمالی جرم ثابت ہے اور اس لئے بھی فرج حکماً دبر کو بھی شامل ہے اور باتفاق اہل لغت فرج مرد و عورت کے قبل کو کہتے ہیں امدان دونوں مقام میں سے کسی ایک میں دخول کے بعد انزال ہونا شرط نہیں اس لئے کہ انزال میں نفس کا سیر ہونا ہے اور انزال نہ ہونے کی صورت میں یعنی صرف ادخال ہونے سے بھی قضائے شہوت متحقق ہے یعنی محض سِر ذکر کے فرج میں داخل ہو جانے سے فرج کی شہوت کا کامل طور پر پورا ہونا حاصل ہو جاتا ہے اور انزال طبیعت کے سیر ہونے کا مکمل درجہ ہے اور کفارہ کا واجب ہونا طبیعت کی سیری پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ ایک لقمہ یا اس سے بھی کم کھانے سے کفارہ واجب ہو جاتا ہے اس کیلئے پیٹ بھرنا ضروری نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ انزال کے بغیر بھی حد لازم ہوتی ہے حالانکہ وہ محض سِر ہے پس کفارہ میں عبادت کے معنی بھی ہیں اس لئے یہ بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا، اس لئے کہ جماع کے احکام مثلاً حد اور غسل واجب ہونا وغیرہ فاعل و مفعول یہ دونوں کے مقامِ فتنہ کے لئے یعنی دخول فرج فی الفرج سے تعلق رکھتے ہیں اور روزہ کا فاسد ہونا اور کفارہ کا واجب ہونا بھی انہیں میں سے ہے۔ شہتی علی الکمال ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ زندہ انسان ہو شہ پس کسی زندہ انسان کے قبل یا دبر میں ذکر کا سِر (حشفہ) پوری طرح داخل ہو جانے سے جبکہ وہ زندہ انسان جماع کے لئے محلِ شہتی علی الکمال ہو حقیقتہً یعنی صورت و معنا جماع پایا جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو پس فاعل و مفعول یہ دونوں پر کفارہ واجب ہوگا خواہ مفعول یہ مرد ہو یا عورت جبکہ جماع اس کی رضا مندی سے ہو، اور اگر وہ محلِ شہتی علی الکمال نہ ہو یعنی عادتہ شہوت کے قابل نہ ہو تو دخول فی الفرج سے صرف صورت جماع پایا جائے گا معنا نہیں پایا جائے گا پس اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا اور دخول حشفہ فی الفرج یعنی فی احد السبیلین کے بغیر صرف شہوتِ مباشرت یعنی سبیلین کے علاوہ جسم کے کسی حصہ کے ساتھ جماع یا مساس کرنے سے انزال ہونے کی صورت میں صرف معنا جماع پایا جائے گا اور اس پر بھی صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اگر دخول فی الفرج بھی نہیں ہو اور بغیر دخول کے صرف شہوتِ مباشرت سے انزال بھی نہیں ہو تو نہ صورت جماع پایا گیا اور نہ معنا ہی پایا گیا اور اسی طرح اگر نہ جماع فی الفرج کیا اور

لہ بھر تصرف لہ یا نہ تصرف لہ بھر و نہ دفع و نہ یا نہ لفظ لہ ط شہ جات وغیرہ



نہ جلع فیما دون الفرج کیا یعنی جسم کے کسی اور حصہ میں جماع یا مساس وغیرہ نہیں کیا اور انزال ہو گیا تب بھی نہ سرورہ جلع ہوا اور نہ معنا اور عدم انزال کی صورت میں بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہے تو ان سب صورتوں میں اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا وائدا علم بالصواب۔ اور فتویٰ اس پر ہے کہ نوسال کی لڑکی محلّ شہوت ہے اس سے کم کی نہیں یعنی نوسال سے کم کی لڑکی مشتبہا نہیں ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ اور یہ حکم مطلق ہے خواہ مونی ہو یا دبلی، اور اسی لئے صاحب معراج نے کہا ہے کہ پانچ سال کی لڑکی بالاتفاق مشتبہا نہیں ہے اور نوسال یا اس سے زیادہ عمر کی لڑکی مشتبہا ہے بالاتفاق اور پانچ اور نوسال کے درمیان کی عمر کے بارے میں روایت و مشروع کا اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ وہ مشتبہا نہیں ہے۔ یا اصل کی تشریح ہے، حقیقۃ جماع کی جزئیات یہ ہیں:-

(۱) اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر اپنے سوا کسی زندہ انسان کے قبل یا دبر میں مجامعت کی اور حشفہ ذکر اندر پوری طرح داخل ہو گیا تو خواہ اس کو انزال ہو یا نہ ہو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور جس سے جلع کیا جائے اگر اس کی رضامندی سے ہو تو اس پر بھی کفارہ واجب ہوگا اس لئے کہ فاعل اور مفعول یہ دونوں پر کفارہ واجب ہوتا ہے جبکہ مفعول یہ بھی رضامند ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور اگر اس سے زبردستی کی گئی ہو تو اس مفعول پر صرف قضا لازم ہوگی اور اسی طرح اگر ابتدائے جلع میں اس پر زبردستی کی گئی پھر دوران جماع میں اس کی رضامندی حاصل ہو گئی تب بھی اس پر صرف قضا لازم ہوگی اس لئے کہ وہ رضامندی افطار کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

(۲) اگر کسی نابالغ لڑکے نے اپنی بیوی سے جلع کیا اور اس کا حشفہ عورت کی فرج میں پورا داخل ہو گیا تو اس عورت پر کفارہ لازم آنے کا حکم ظاہر ہے اس لئے کہ فقہانے اس کو مطلق بیان فرمایا ہے اور اس لئے بھی کہ انھوں نے اس عورت پر غسل واجب ہونے کی اور اس لڑکے پر غسل واجب نہ ہونے کی تصریح کر دی ہے۔

(۳) اگر کسی شخص نے اپنے ذکر پر کپڑا لپیٹ کر عورت سے جلع کیا تو اگر وہ کپڑا حرارت شہوت کا مانع نہیں ہے تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے لیکن اگر حرارت پہنچنے کا مانع ہے تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا لکن فی القیۃ والفتاویٰ المحادی نقلاً عن البرہان صاحب المحیط و لکن فی جامع الرموز صرف کفارہ لازم نہ آنے کے ذکر سے معلوم ہوا کہ اس پر قضا لازم ہوگی لیکن فارسی نسخہ مجموعہ خانی میں فتاویٰ مجتہد سے منقول ہے کہ اس حدیث میں اس پر قضا بھی لازم نہیں ہوگی فلیندر برہ

(۳) عمدہ افطار کرتا اگر کسی شخص نے اپنے قصد سے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا اور اس قید سے خطا روزہ توڑنے والا اکل گیا لہذا خطا روزہ توڑنے والے پر صرف قضا لازم آئے گی۔ پس اگر کسی شخص کے حلق میں بارش کا قطرہ یا برف داخل ہو گئی تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور قصد اپنے فعل سے بچنے کی صورت میں کفارہ بھی واجب ہوگا ورنہ صرف قضا لازم ہوگی۔ اور اسی طرح عمدہ کی قید سے بھولنے والا بھی اس حکم سے خارج ہوگا

لہ استفاد عن مجروش وغیرہ (مؤلف) طعمہ بصرف فی المحرمات لہ ش و بحر حیات لہ ع زیادۃ عن البحر ش لہ حیات



اوس روزہ بھول کر کھانے پینے والے کا روزہ بھی نہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ قصد سے مراد افطار میں قصد ہونا ہے اور بھولنے والا اگرچہ روزہ توڑنے والی چیز کا استعمال اپنے قصد سے کرتا ہے لیکن اس کا ارادہ روزہ توڑنے کا نہیں ہوتا (مزید تفصیل صرف قضا لازم ہونے کے بیان میں ہے، مؤلف)۔

(۴) **رضامندی** کفارہ واجب ہونے کی ایک شرط رضامندی بھی ہے اور عورت بھی کفارہ واجب ہونے کے حکم میں مرد کی مانند ہے۔ پس اگر کسی روزہ دار مرد نے روزہ دار عورت کے ساتھ اس کی رضامندی سے عمدًا مجامعت کی تو ان دونوں پر کفارہ واجب ہوگا مطلقاً۔ اور اسی طرح اگر کسی روزہ دار نے اپنی مرضی سے عمدًا کھایا یا پیا تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے (مؤلف)۔

(۵) **اضطرار نہ ہونا** لزوم کفارہ کی ایک شرط یہ ہے کہ روزہ دار کا روزہ توڑنا اضطرار کی حالت میں نہ ہو۔ پس اگر اضطرار کی حالت میں روزہ توڑا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہے۔

(۶) **روزہ دار کے فعل کا پایا جانا** لزوم کفارہ کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ دیگر شرائط کے ساتھ روزہ کا توڑنا روزہ دار کے اپنے فعل سے ہو۔ پس اگر روزہ توڑنے والی کوئی چیز روزہ دار کے اپنے فعل کے بغیر پائی گئی مثلاً غبار یا دھواں یا اس قسم کی کوئی چیز روزہ دار کے فعل کے بغیر خود بخود داخل ہو گئی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے اس پر نہ قضا لازم ہوگی اور نہ کفارہ کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر روزہ دار کے اپنے فعل سے روزہ توڑنے والی چیز واقع ہوئی اور اس میں دیگر شرائط یعنی رضامندی و قصد و عدم اضطرار وغیرہ بھی پائی گئیں تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور اگر روزہ دار کا فعل تو پایا گیا لیکن وہ سری شرطوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی گئی تو اس کا روزہ فاسد ہو کر صرف قضا لازم ہوگی۔

(۷) **روزہ توڑنے کے بعد کسی ایسے عذر کا لاحق نہ ہونا جس سے روزہ نہ رکھنا مباح ہو جاتا ہو** پس اگر کسی شخص نے ایسا روزہ توڑ دیا پھر اس کو بیماری یا حیض یا نفاس وغیرہ ایسا آسمانی عذر جس سے اس کو روزہ توڑنا مباح ہو جاتا ہو اس روزہ لاحق نہیں ہوتا۔ تو اس پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے لیکن اگر کوئی عذر مذکور لاحق ہو گیا تو کفارہ سا قضا ہو جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی جیسا کہ اس کی تفصیل صرف قضا لازم آنے کے بیان میں مذکور ہے (مؤلف)۔

(۸) **روزہ توڑنے کے پہلے کسی ایسے عذر کا لاحق نہ ہونا جس سے روزہ نہ رکھنا مباح ہو جاتا ہو** اگر کسی روزہ دار کو روزہ توڑنے سے پہلے سفر وغیرہ کوئی عذر صحیح لاحق نہ ہوا تو کفارہ واجب ہوگا ورنہ صرف قضا واجب ہوگی تفصیل صرف قضا لازم آنے کے بیان میں ہے (مؤلف)۔

لحاظ تفریق نہ ش۔ لکھنا کہ م تبصر ف۔ ع۔ حاشیہ نور و دوش تبصر ف۔ لکھنا کہ تبصر ف۔



(۹) روزہ کا توڑنا رمضان کے ادائی روزوں میں سے ہوگا۔ اس لئے کہ ماہ رمضان میں روزہ رکھ کر توڑ دینا بہت ہی بڑا گناہ ہے کیونکہ روزہ توڑ دینے میں ماہ رمضان کی ہتک ہے اور چونکہ کفارہ ماہ رمضان کی ہتک کی وجہ سے واجب ہوا ہے اس لئے رمضان کے ادائی روزوں کے علاوہ اور کوئی روزہ اس حکم میں شامل نہیں ہے پس کسی اور روزہ کے توڑ دینے سے کفارہ واجب نہیں ہوگا حتیٰ کہ قضائے رمضان کا روزہ توڑ دینے سے بھی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

(۱۰) رمضان کے ادائی روزہ میں نیت کا رات کے وقت میں واقع ہونا۔ یعنی روزہ دار کی نیت رمضان کے ادائی روزہ میں صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے واقع ہوئی ہو پس اگر کسی روزہ دار نے کسی روزہ طلوع فجر سے قبل رمضان کے ادائی روزہ کی نیت کی پھر طلوع فجر کے بعد روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور اگر طلوع فجر سے قبل نیت نہیں کی بلکہ طلوع فجر کے بعد شرعی دوپہر سے پہلے نیت کی پھر اس روزہ کو توڑ دیا تو اس پر صرف قضا واجب ہوگی جیسا کہ اس کی تفصیل صرف قضا لازم آنے کے بیان میں آئیگی (مؤلف)۔

(۱۱) روزہ دار کا مکلف ہونا یعنی اس میں جو یہ اوصاف اور صحت اور ادا کی تمام شرطیں پائی جائیں۔ کفارہ واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ روزہ دار مکلف ہو یعنی اس میں ادا کے صوم کے واجب ہونے اور ادائے صوم کے صحیح ہونے کی تمام شرطیں پائی جاتی ہوں پس اگر کسی شخص میں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی مثلاً مریض یا مسافر ہو یا حیض و نفاس والی عورت ہو یا جس نے روزہ کی نیت ہی نہ کی ہو تو ایسے شخص پر روزہ توڑ دینے سے کفارہ واجب نہیں ہوگا اور البتہ روزہ واجب ہونے کی شرطوں میں سے اگر کوئی شرط نہ پائی گئی تو چونکہ اس پر روزہ فرض ہی نہیں ہوا اس لئے اس پر نہ قضا واجب ہے نہ کفارہ، اور ان کی تفصیل روزہ کی شرطوں کے بیان میں گذر چکی ہے اور مزید تفصیل عوارض کے بیان میں آئے گی۔ (مؤلف)

(۱۲) عمدہ روزہ کا توڑنا بغیر شبہ کے ہو یا شبہ کے ساتھ ہو۔ لیکن وہ شبہ کا مقام نہ ہو۔ لازم آنے کے بیان میں ہے (مؤلف)۔ اس کی تفصیل صرف قضا

(۱۳) سورج غروب ہونے میں تردد کی حالت میں افطار کرنا اور تاخیر نہ کرنا۔ غروب آفتاب میں تردد ہو اور افطار کرے تو اس مسئلہ کی تصویریں بنتی ہیں جن میں سے صرف چار صورتوں میں کفارہ واجب ہوتا ہے اول یہ کہ غروب آفتاب میں شک ہو اور افطار کے بعد اس کو کچھ بھی ظاہر نہ ہو۔ دوم یہ کہ اس کو افطار کے بعد یہ ظاہر ہو کہ آفتاب غروب نہیں ہوا۔ سوم یہ کہ اس نے آفتاب غروب ہونے کا گمان کیا اور اس کو افطار کے بعد کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ چارم یہ کہ اس کو افطار کے بعد ظاہر ہو کہ آفتاب غروب نہیں ہوا تو ان چاروں صورتوں میں اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے اور اگر فجر کے طلوع ہونے میں تردد ہو تو اس مسئلہ



کی بھی نوصوتیں بنتی ہیں لیکن ان میں سے کسی صورت میں بھی اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ سبکی تفصیل مرقعہ لازم آنے کے بیان میں ملے گی (مؤلف)  
 (۱۴) وقت میں تردد کی حالت میں نفی کرنے والے کی شہادت پر اعتماد کرنا | اصول یہ ہے کہ مثبت (اثبات کرنا) کی شہادت قبول کی جاتی ہے نفی کرنے والے کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ پس اگر دو شخصوں نے فجر کے طلوع ہونے پر گواہی دی اور دوسرے دو شخصوں نے فجر طلوع نہ ہونے پر گواہی دی اور روزہ دار نے روزہ افطار کر دیا تو ثریا بھیر ظاہر ہو کہ فجر طلوع ہو چکی تھی تو اس شخص پر بالاتفاق قضا اور کفارہ واجب ہے۔ اور اس کی مزید تفصیل صرف قضا لازم آنے کے بیان میں درج ہے (مؤلف)  
 (۱۵) عادی اور یقینی عذر کا گمان نہ ہونا | اور اس کی تفصیل بھی صرف قضا لازم آنے کے بیان میں درج ہے (مؤلف)۔

## رمضان کا روزہ توڑ دینے کے کفارہ کا بیان

(ف) اس بیان کے اکثر مسائل عالمگیری و شامی وغیرہما کے کفارہ ظہار کے بیان سے لئے گئے ہیں (مؤلف)  
 روزہ توڑ دینے کی وجہ سے صرف رمضان المبارک کے ادائی روزوں میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور وہ بھی اس وقت ہی جبکہ کفارہ واجب کرنے والی تمام شرطیں پائی جائیں جن کا بیان اوپر گذر چکا ہے پس اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو کفارہ واجب نہیں ہوگا صرف قضا لازم ہوگی اور رمضان کے ادائی روزوں کے علاوہ اور کسی قسم کا روزہ توڑ دینے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا اور رمضان کا قضا روزہ توڑنے سے بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ ماہ رمضان کی حرمت کی ہتک کرنے کی وجہ سے مقرر ہوا ہے جیسا کہ اوپر شرائط کفارہ میں بیان ہو چکا ہے۔ اور کفارہ کے مسائل مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) روزہ توڑ دینے کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ ایک ہی طرح کے ہیں۔ یعنی رمضان کا ادائی روزہ توڑ دینے کا کفارہ کفارہ ظہار کی مانند ہے۔ یعنی ترتیب میں اس کی مانند ہے پس پہلے غلام آزاد کرنا واجب ہے اگر غلام نہ ملے تو دو پیسے کے بے درپے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے کیونکہ حدیث اعرابی میں اسی طرح وارد ہوا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔ اور روزہ کے کفارہ کا ظہار کے کفارہ کے مثل ہونا ہر لحاظ سے لازمی نہیں ہے کیونکہ اس جگہ وطی (جماع) کا بات کو قصر ہونا اور دن میں بھول کر ہونے کے درپے ہونے کو قطع نہیں کرتا بخلاف کفارہ ظہار کے کہ اس کے روزوں کے درمیان میں وطی (جماع) کرنا پے درپے ہونے کو مطلقاً قطع کر دیتا ہے خواہ جماع عمدہ ہو یا بھول کر ہو اور بات میں ہو یا دن میں۔ کفارہ ظہار میں یہ حکم اس عورت کے لئے ہے جس سے ظہار کیا ہے لیکن اگر



اس کے علاوہ کسی اور عورت سے وطی کرے اس طرح پر کہ اس کا روزہ فاسد نہ ہو یعنی دن میں بھول کر وطی کرے یا رات میں بھول کر یا عہد کسی بھی طرح وطی کرے تو کفارہ کے لئے مضر نہیں ہے بالاتفاق اور اس کو نئے سرے سے روزے رکھنا لازم نہیں اور اگر دن میں کسی دوسری عورت سے عہد وطی کرے گا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنا لازم ہوگا۔ تفسیر مبارک میں علامہ نسفی رحمہ اللہ نے ایک اور فرق ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مظاہر کفارہ ادا نہ کرے تو اس عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ قاضی کے سامنے اپنا مقدمہ لے جائے اور قاضی پر لازم ہے کہ کفارہ ظہار ادا کرنے کے لئے خاوند مظاہر پر جبر کرے اور اس کے ادا کرنے کے لئے قید کرے بخلاف دیگر کفارات کے کہ ان کے ادا کرنے کے لئے قاضی کو جبر و قید کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کفارہ ظہار میں تاخیر کرنے سے استمتاع کے رک جانے سے عذرت کو ضرر ہے پس ان دو وجہ کے علاوہ کفارہ ظہار اور کفارہ صوم میں کوئی فرق نہیں ہے اسی لئے کتابوں میں لکھتے ہیں کہ کفارہ صوم کفارہ ظہار کی مانند ہے۔

(۲) اور اس کفارہ میں ترتیب لازمی ہے اس لئے پہلے اس کو غلام آزاد کرنا ہی واجب ہے پس اگر ادائیگی کے وقت اس کو غلام میسر نہ آئے تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یکے اور ہر اس کفارہ میں جس میں غلام آزاد کرنے کا حکم ہے مثلاً کفارۃ قتل وغیرہ میں یہی ترتیب لازمی ہے (ان تینوں امور کی تفصیل آگے آئے گی، مؤلف)



کفارہ سے آزاد کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، نامرد اور خستی اور خصے کٹا ہوا اور ذکر کٹا ہوا اور بوجہ تنگی فرج ناقابلِ جماع باندی اور برص والا بھی جائز ہے اور جس کے ہر ہاتھ میں سے سوائے انگوٹھے کے کوئی اور دو انگلیاں کٹی ہوئی ہوں تو کفارہ سے آزاد کرنا جائز ہے مرمون (رہن رکھا ہوا) اور بدیون (مفروض) اور وہ غلام جو بھاگ گیا ہے اور اس کا زندہ ہونا معلوم ہے اور ایسا غلام جس کو کسی نے غصب کر لیا تھا جب اس کے ہاتھ آجائے اور ایسا مکاتب غلام جس نے ابھی تک کچھ بھی بدل کتابت ادا نہ کیا ہو جائز ہے اور ایسا مکاتب جو بدل کتابت سے عاجز ہو گیا ہو پھر اس کو کفارہ ظہار سے آزاد کیا تو جائز ہے خواہ اس نے کچھ بدل کتابت ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور وہ مجنون و معزوفہ جس کو کسی جنون ہو جائے ہو یا در کبھی افاقہ ہو جائے ہو، اس کو افاقہ کی حالت میں کفارہ سے آزاد کرنا جائز ہے (اور حالت جنون و دیوانگی میں کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں)۔ اور اگر اس کا کوئی ذی رحم محرم مثلاً اس کا باپ یا اس کا بیٹا اس کی ملک میں اس کے فعل سے داخل ہوا مثلاً خریدنے سے یا مہ یا صدقہ یا وصیت کے قبول کرنے سے اس کی ملک میں آیا تو اگر اپنے فعل کے ساتھ اپنی ملک میں لیتے وقت اس نے ینیت کی کہ یہ میرے کفارہ سے آزاد ہو گا تو ہمارے اماموں کے نزدیک جائز ہے اور اگر وہ اس کے فعل و دخل کے بغیر اس کی ملک میں آیا مثلاً وہ کسی ذی رحم محرم کا وارث ہوا اور اس میں کفارہ کی نیت کر لی تو بالاجماع اس کا کفارہ سے آزاد کرنا جائز نہیں ہو گا (کیونکہ وہ تو خود بخود آزاد ہو جائے گا) اور مرتد غلام بعض کے نزدیک جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے اور مرتد باندی بلا خلاف جائز ہے۔ کیونکہ ان مذکورہ صورتوں میں فوت ہو جانے والی چیز زینت ہے اور یہ غلام میں غیر مقصود ہے۔ اور ان سب صورتوں میں ایسا کوئی عیب نہیں ہے کہ جس سے پکڑنے اور چلنے اور بولنے اور دیکھنے اور عقل وغیرہ کی منفعت فوت ہو جاتی ہو۔ اور کفارہ میں ایسا غلام آزاد کرنا جائز نہیں ہے جس سے منفعت مقصودہ کی جنس ہی پوری طرح جاتی رہی ہو یعنی دیکھنے و سننے و بولنے و پکڑنے و چلنے اور عقل وغیرہ کی منفعت فوت ہو اس لئے کہ وہ حکماً مردہ یعنی نہ ہونے کے برابر ہے پس اندھا اور مختار قول کی بنا پر ایسا بہرہ جو بالکل کچھ بھی نہ سننا ہوا اور گونگا اور جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں اور جس کے ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا دونوں انگوٹھوں کے علاوہ ہر ہاتھ کی تین انگلیاں کٹی ہوئی ہوں کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ ایک ہاتھ کی تین انگلیوں کا کٹا ہونا بالکل انگلیاں کٹنے کے حکم میں ہے پس اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر تین سے کم انگلیاں کٹی ہوں اور وہ انگوٹھے کے علاوہ ہوں تو اس غلام کا کفارہ سے آزاد کرنا جائز ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اور جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں یا ایک ہی جانب کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا ہو یا دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں شل ہو گئے ہوں اور ایسا فالج زدہ غلام جس کا ایک طرف کا دھڑ سوکھ گیا ہو یعنی بیکار ہو گیا ہو، اور ایسا تنجا و پاہج و گشیہ کا مارا ہوا جو ایک ہی جگہ پڑا رہے اور ایسا مجنوں جس کو کسی افاقہ نہ ہو تا ہو اور مغلوب الحال دیوانہ اور ایسا مریض جس کے صغیاب ہونے کی کوئی امید نہ رہی ہو (کیونکہ وہ حکماً مردہ ہے)



اور جس کے تمام دانت گر چکے ہوں کہ جس سے وہ کھانے سے عاجز ہوا اور جس کے دونوں ہونٹ کٹے ہوئے ہوں جس کی وجہ سے وہ کھانے سے عاجز ہو، کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایسے غلام میں دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے پکڑنے کی منفعت موجود نہیں ہے اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے چلنے کی منفعت سے محروم ہے اور اسی طرح گونگا آدمی بات کرنے کی منفعت سے اور جو دونوں آنکھوں سے محروم ہے وہ دیکھنے کی منفعت سے اور جس مجنون کو افاقہ نہ ہوتا ہو وہ عقل کی منفعت سے خالی و بیکار ہو جاتا ہے اور بدبر اوام ولد کا کفارہ سے آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ ایک لحاظ سے آزاد ہیں اور وہ مکاتب غلام بھی کفارہ سے آزاد کرنا جائز نہیں ہے جس نے اپنے بدل کا بعض حصہ ادا کر دیا ہو۔

(۵) اور جب غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا اس کو غلام میسر نہ آئے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے جن میں ماہ رمضان شامل نہ ہو اور پانچ دن جن میں روزہ رکھنا منع ہے یعنی عید الفطر و عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے تین دن درمیان میں نہ آئیں۔ اور غلام میسر نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ غلام اصلی ملکیت میں موجود نہ ہو اور وہ قدر کفایت سے زیادتی رقم نہ رکھتا ہو جس سے وہ غلام خرید سکے۔ پس اگر کفارہ کے روزوں کی مدت میں ایک روزہ بھی توڑ دیا خواہ عذر سے توڑا ہو یا بلا عذر تو جو روزے اس سے پہلے رکھ چکا ہے وہ کفارہ میں شمار نہیں ہوں گے بلکہ اب پھر نئے سرے سے دو مہینے کے روزے رکھے اور یہی حکم کفارہ قتل اور کفارہ ظہار اور کفارہ یمین (قسم) کا بھی ہے کہ ان سب کا پے درپے رکھنا شرط ہے کیونکہ ان میں تتابع پر نفس وارد ہے لیکن حیض کے عذر کی وجہ سے افطار کرنا جائز ہے۔ پس اگر کوئی عہدیت کفارہ کے روزے رکھ رہی تھی اور اس کو حیض آگیا تو اس کی وجہ سے پے درپے ہونا منقطع نہیں ہوتا اس لئے اس کے لئے نئے سرے سے دو روزے رکھنے کا حکم نہیں ہے کیونکہ عورت عادتاً ایسے دو مہینے نہیں پاتی جن میں اس کو حیض نہ آئے لیکن اس عورت کے لئے لازمی ہے کہ جب حیض سے پاک ہو جائے تو متصل ہی پھر روزے شروع کرے تاکہ پہلے روزوں سے ان کا اتصال ہو جائے پس اگر پاک ہونے کے بعد متصل ہی روزہ شروع نہیں کیا اور ایک دن بھی تاخیر کر دیا تو اب چونکہ بلا ضرورت تاخیر کیا ہے اس لئے اس کے روزے بھی پے درپے نہ رہیں گے اور اس کو نئے سرے سے دو ماہ کے روزے رکھنے پڑیں گے۔ اور اسی طرح اگر عورت آئسہ ہو جائے مثلاً کسی عورت نے ایک مہینے کے روزے رکھے پھر حیض آگیا پھر اس حیض کے بعد آئسہ ہو گئی یعنی ایسی عمر ہو گئی کہ اب اس کو حیض نہیں آئے گا تو اب نئے سرے سے روزے رکھے کیونکہ اب وہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھ سکتی ہے اس لئے اب یہی لازم ہو جائے گا لیکن نفاس کا حکم حیض کی طرح نہیں ہے پس نفاس یعنی کچھ پیدا ہونے کے بعد کاتھون ان سب کفاروں میں پے درپے ہونے کو منقطع کر دیتا ہے جن میں پے درپے روزے رکھنا لازمی ہے

لے و در وقت و محل و منقطع منقطع الطہارۃ موطئہ و در وقت و محل و منقطع منقطع الطہارۃ موطئہ و در وقت و محل و منقطع منقطع الطہارۃ موطئہ  
لے و در وقت و محل و منقطع منقطع الطہارۃ موطئہ و در وقت و محل و منقطع منقطع الطہارۃ موطئہ



پس ایسی عورت نئے سرے سے دو ماہ کے روزے رکھے۔ اگر عورت کی عادت یہ ہے کہ اس کا زیادہ تر یعنی دو حیض کے درمیان  
 پاکی کا زمانہ دو ماہ یا اس سے زیادہ ہوتا ہے تو اس عورت کو بھی کفارہ کے روزوں کے درمیان میں حیض کا آنا پے درپے ہونے کو  
 منقطع نہیں کرتا کیونکہ یہ عادت نادر ہے یعنی بہت کم پائی جاتی ہے اور اگر کسی عورت نے کفارے کے روزے رکھتے ہوئے  
 کوئی روزہ عمدۃً افطار کر دیا پھر اسی روز اس کو حیض آگیا تو اس کا پے درپے ہونا منقطع نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح کفارہ قسم  
 کے روزے بھی پے درپے رکھنا لازمی ہے۔ اور اگر کسی عورت کو کفارہ قسم کے روزوں کے درمیان میں حیض آگیا تو اس پر نئے  
 سرے سے روزے رکھنا لازمی ہے اس لئے کہ عورت تین دن لگاتار حیض سے خالی پاسکتی ہے۔ پس یہ چار کفارے ہوئے  
 جن میں پے درپے روزے ہونا شرط ہے یعنی رمضان کا ادائی روزہ توڑ دینے کے کفارہ کے روزے و کفارہ ظہار و کفارہ قتل  
 و کفارہ قسم کے روزے ایسے ہیں جن میں پے درپے ہونا اس طرح پر لازمی ہے کہ اگر درمیان میں ایک دن کا روزہ بھی ناغہ  
 کر دے گا تو نئے سرے سے پورے روزے رکھنا لازمی ہوگا۔ مؤلف) اور جب پے درپے روزے رکھنے کی نذر مانی خواہ وہ  
 نذر معین ہو یا مطلق تب بھی حکم ہے اور باقی تین قسم کے روزے یعنی ادائے رمضان و نذر معین و قسم معین کے روزے ایسے  
 ہیں کہ جن کا اگرچہ پے درپے ہونا لازمی ہے لیکن اگر ان میں سے ایک دن کا روزہ بھی ناغہ کر دیا تو اس کے ذمہ نئے سرے سے  
 ان کی تعداد پوری کرنا نہیں ہے اور اس میں اصول یہ ہے کہ جن روزوں کا پے درپے ہونا وقت کی وجہ سے مقرر ہوا ہے ان میں  
 پے درپے منقطع ہونے پر نئے سرے سے رکھنا لازمی نہیں ہے اور جن روزوں میں پے درپے ہونا فعل کی وجہ سے مقرر ہوا ہے ان  
 روزوں میں انقطاع ہونے پر نئے سرے سے ان کی تعداد پوری کرنا لازمی ہے۔ اور کل تیرہ قسم کے فرض و واجب روزوں  
 میں سے اُن سات کا ذکر ہو چکا جن کا پے درپے ہونا لازمی ہے باقی چھ قسم کے فرض و واجب روزوں  
 قرآن کے روزے، کفارہ ملن و کفارہ جزائے صید و نذر مطلق و قسم مطلق کے روزے ایسے ہیں کہ ان کا پے درپے ہونا لازمی  
 نہیں ہے اور ان میں اصول یہ ہے کہ جن روزوں میں غلام آزاد کرنا شرع شریف کی طرف سے مقرر ہوا ہے وہ روزے  
 پے درپے رکھنے لازمی ہیں اور جن روزوں میں غلام آزاد کرنا شرع نے مقرر نہیں فرمایا ان میں اختیار دیا گیا ہے خواہ لگاتار  
 رکھیں یا متفرق طور پر اور کفارہ رمضان کے روزوں کے پے درپے ہونے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اسی  
 طرح جن روزوں کا پے درپے ہونا شرط نہیں ہے اُن کا پے درپے ہونا بلا خلاف مستحب ہے۔ اور پے درپے ہونے کے لئے  
 یہ ضروری ہے کہ بیماری یا سفر اس میں خلل انداز نہ ہو ورنہ پے درپے ہونا منقطع ہو جائے گا اور اسی طرح رمضان یا عید الفطر  
 یا عید الاضحیٰ یا عید التشریق کے بیچ میں آجانے سے بھی پے درپے ہونا منقطع ہو جائے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے (مؤلف) پس جب  
 کسی نے روزوں سے کفارہ ادا کرنا شروع کیا پھر کسی روز بیماری یا سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا تو اب وہ نئے سرے سے

لہ حیات لہ حیات عن الغنیۃ لہ حیات و ش لہ بحرہ ش بخیر و تصرف لہ بحر تغیر و زیادت و حیات



روزے شروع کرے اور اسی طرح اگر عید الفطر یا عید الاضحیٰ یا ایام تشریق درمیان میں آگئے تب بھی نئے سرے سے شروع کرے گا اور اگر اس نے ان دنوں میں روزہ رکھا اور نافع نہ کیا تب بھی وہ نئے سرے سے شروع کرے گا کیونکہ ان دنوں میں بوجہ ممانعت کے اس کا روزہ ناقص ادا ہوگا اور اس پر واجب کامل روزہ ہے پس اس ناقص سے کامل ادا نہیں ہوگا (اور عورت کے لئے یہ بھی وجہ ہے کہ وہ لگاتار دو مہینے ایسے پاسکتی ہے جو ایام نہیہ سے خالی ہوں) اور عید الفطر کے روز کفارہ کا روزہ رکھنے کی صورت مسافر کے حق میں بنتی ہے جبکہ اس نے رمضان کے مہینے میں کفارہ کے روزے رکھے ہوں کیونکہ مسافر کو ماہ رمضان میں کسی دوسرے واجب کے روزے رکھنا جائز ہے مگر ایام منوعہ میں اسے بھی اجازت نہیں (مؤلف) پس اگر کسی نے حالت سفر میں اپنے کفارہ کیلئے شعبان اور رمضان دو مہینے کے روزے رکھے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

(۶) اگر کفارہ کے روزے چاند دیکھ کر فری جینے کی پہلی تاریخ سے شروع کر دیئے تو چاند کے حساب سے پورے دو مہینے کے روزے رکھے خواہ وہ دونوں مہینے کامل یعنی ساٹھ دن کے ہوں یا دونوں ناقص یعنی اٹھادون دن کے ہوں اس طرح ہر مہینہ انتیس دن کا ہو یا ایک مہینہ کامل اور ایک ناقص ہو اور اگر اس نے چاند دیکھ کر پہلی تاریخ سے روزے شروع نہیں کئے مثلاً برکی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکا یا جینے کے درمیان کسی دن شروع کیا تو وہ ساٹھ روزے پورے کرے۔ پس اس صورت میں اگر ایک مہینہ تیس کا اور ایک انتیس کا قرار دیکر اس نے انیس روزے پورے کر کے افطار کر دیا اور ساٹھ روزے پورے نہ کئے تو اس پر نئے سرے سے روزے رکھنا لازم ہوگا۔ اگر کسی شخص نے ایک جینے کے انتیس روزے چاند دیکھ کر اس کے حساب رکھے اور ایک مہینہ کے روزے دنوں کے حساب سے تیس روزے رکھے تو جائز ہے یعنی اگر کسی نے پندرہ روزے کے روزے رکھ کر چاند دیکھ کر ایک مہینہ چاند کے حساب سے انتیس روزے رکھے اور پھر پندرہ روزے اور رکھے تو کافی ہے اور یہ صاحبین کے قول کی بنیاد پر ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کافی نہیں ہے۔ اور غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہونے یا نہ ملنے سے مراد یہ ہے کہ دو ماہ کے روزوں کے آخری وقت تک بھی غلام نہ مل سکے پس اگر کفارہ کے روزوں میں سب سے آخری دن بھی غلام آزاد کرنے پر قادر ہو گیا تو اب اس کو غلام آزاد کرنا ہی لازم ہو جائے گا اور وہ اس دن کا روزہ نفل روزے کی حیثیت سے پورا کرے گا اور اگر غلام آزاد کرنے پر قادر ہوتے ہی فوراً اس روزہ کو توڑ دے گا تو اس پر اس کی قضا لازم نہیں آئے گی اگرچہ وہ نفل ہو گیا ہے اس لئے کہ اس نے اس کو اپنے ذمہ سے اتارنے کے لئے شروع کیا تھا اس کو اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے شروع نہیں کیا تھا اور وہ شخص ظان یعنی اپنے اوپر فرض روزے کے گمان سے شروع کرنے والے کے حکم میں ہوگا جس کی تفصیل غوارض کے بیان میں ہے اور اگر کچھ دیر بعد توڑے گا تو قضا لازم ہوگی۔ پس اگر کوئی شخص دو مہینے کے روزے پئے درپے رکھنے کے بعد آخری روز میں آفتاب غروب ہونے سے پہلے غلام آزاد کرنے پر قادر ہو گیا تو اب اس پر غلام آزاد کرنا واجب ہو جائے گا اور اس کے

له حيات منه ش من كفارة الظهار منه ش بتعرف وزيادة عن ع من كفارة الظهار وحيات منه ع من كفارة الظهار  
له جميع من كفارة الظهار منه ع وش من كفارة الظهار منه ع من كفارة الظهار منه ع وش بتعرف وتغير من كفارة الظهار -











اس میں مفاد کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس مسئلہ میں بھی دونوں وقت میں ان فقہاء کا اتحاد شرط ہے یعنی جو ایک وقت میں کھائیں دوسرے وقت بھی وہی چاہئیں۔ اور اگر ایک سو میں مسکینوں کو ایک وقت کھانا کھلا دیا تو یہ صرف ساٹھ مسکینوں کو ایک وقت کھلانا سمجھا جائے گا پس ان ایک سو میں مسکینوں میں سے کوئی سے ساٹھ مسکینوں کو دوبارہ ایک وقت صبح یا شام کا کھانا کھلائے تب کفارہ ادا ہوگا ورنہ نہیں۔ اگرچہ وہ کسی دوسرے دن کے کسی ایک وقت میں کھلائے کیونکہ اس کو تعداد یعنی ساٹھ مسکین کا پورا کرنا اور دو وقت پیٹ بھر کر کھلانا لازمی ہے جبکہ اباحت کے طور پر ہو اور جب تملیک کے طور پر ہو تو ایک صاع جو وغیرہ یا نصف صاع گہوں کا دینا ہے۔ اور جن لوگوں کو صبح کے وقت کھلایا ہی اگر وہ غائب ہو جائیں تو اس کو چاہئے کہ ان کے آنے کی انتظار کرے یا پھر دوسرے آدمیوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے اور اگر کھانا کھلانے والا وہی ہو تو اس وقت تک اس کو انتظار کرنا واجب ہے جب تک اس کو یہ گمان غالب نہ ہو جائے کہ اب وہ نہیں آئیں گے اس کے بعد وہ نئے سرے سے کھلائے۔

(۱۱) اور اگر ایک ہی فقیر کو ساٹھ دن تک دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا تو جائز ہے۔ کیونکہ ہر روز ضرورت کی تجدید ہوتی رہتی ہے پس وہ بمنزلہ دوسرے فقیر کے ہو گیا۔ اور یہ حکم تملیک اور اباحت دونوں صورتوں کے لئے ہے۔ پس اگر ایک ہی مسکین یا فقیر کو ساٹھ دن تک ہر روز صدقہ فطر کی مقدار دینا رہا تب بھی جائز ہے۔ اور اگر ہر روز صبح کے وقت کسی ایک فقیر کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اور شام کو کسی دوسرے فقیر کو کھلایا تب بھی کفارہ ادا نہیں ہوگا جب تک دوبارہ ان میں سے کسی ایک فقیر کو صبح یا شام ایک وقت کا کھانا کھلائے۔ اور اگر ایک مسکین کو ایک ہی دن میں کفارہ کا سب طعام ایک دفعہ میں یا کئی دفعہ کر کے بطور اباحت کے دیدیا تو وہ صرف ایک دن کی بجائے ادا ہوگا بالاتفاق اور اسی طرح اگر کفارہ کا سب طعام ایک فقیر کو ایک دن میں ایک دفعہ میں بطور تملیک کے دیدیا تب بھی بلا خلاف یہی حکم ہے کہ صرف ایک ہی دن کی بجائے ادا ہوگا لیکن اگر ایک دن میں کئی دفعہ کر کے بطور تملیک کے دیدیا تو اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ جائز ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ بھی اسی ایک دن کا ادا ہوگا کیونکہ اس میں تعداد یعنی ساٹھ مسکینوں کا ہونا نہ حقیقتاً پایا گیا نہ حکماً۔ اور یہ علت ان دونوں مسئلوں کی ہے اس لئے کہ جب اس کی اس دن کی حاجت پوری ہوگئی تو پھر اس کو دینا ایسا ہو گیا جیسا کہ پیٹ بھرے ہوئے کو کھلانا جو کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس طرح حاجت کی تجدید نہیں ہوتی اور اگر تیس مسکینوں کو ایک ایک صاع گہوں یا دو دو صاع بھجور یا خود دیئے تو اگر دو دن میں دیئے تو جائز ہے اور اگر ایک دن میں دیئے تو صرف تیس کو دینا قرار پائے گا اور تیس مسکینوں کو اور نصف نصف صاع گہوں یا ایک ایک صاع بھجور یا خود دینا لازمی ہوگا۔ اور اگر ساٹھ مسکینوں کو پاؤ پاؤ صاع گہوں دیئے تو ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو پاؤ پاؤ صاع گہوں اور دے اور اگر اس کو وہ پہلے ساٹھ مسکین نہیں ملے

لے مجمع من كفارة النهار ستة دروش دے من كفارة النهار ستة دروش من كفارة النهار ستة دروش من كفارة النهار ستة دروش من كفارة النهار  
دم ستة م شدة من كفارة النهار ستة دروش من كفارة النهار ستة دروش من كفارة النهار ستة دروش من كفارة النهار  
لے ش من كفارة النهار ستة دروش من كفارة النهار ستة دروش من كفارة النهار ستة دروش من كفارة النهار



اور ان کی بجائے دوسرے ساتھ مسکینوں کو پاؤ پاؤ وصل کیے ہوں دیکھئے تو کفار ادا نہ ہوگا۔ یعنی اب ان دوسرے ساتھ مسکینوں کو نصف نصف صاع دینا لازمی تھا (مؤلف)

(۱۲) اور کفارہ واجب ہونے میں مذکور مؤنث اور آزاد و غلام میں کوئی فرق نہیں ہے اسی لئے اس لونڈی پر کفارہ واجب ہو جائے گا جس نے اپنے آقا کو خبر دی ہو کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ فجر طلوع ہو چکی ہے پس اس مالک نے اس لونڈی سے جماع کیا لیکن اس مالک پر کفارہ واجب نہیں ہوگا صرف قضا ہوگی اور اسی طرح بادشاہ اور غیر بادشاہ میں کوئی فرق نہیں ہے اسی لئے جب بادشاہ پر کفارہ لازم ہو جائے اور اس کے پاس حلال مال ہے اور اس پر کسی کا قرض نہیں ہے تو غلام آزاد کرنے کا فتویٰ دیا جائے گا اور ابو نصر محمد بن سلام نے کہا کہ بادشاہ اور عیسے دوسرے شخص کے بارے میں کفارہ کے لئے دو مہینے کے روزے رکھنے کا فتویٰ دیا جائے کیونکہ کفارہ سے مقصود زجر کرنا ہے اور اس کو سارے مہینے کے روزے توڑ دینا اور غلام آزاد کر دینا یا کھانا دینا آسان ہے اس سے تو اس کو زجر حاصل نہیں ہوگا۔

(۱۳) تمام کفاروں میں کفارہ دینے والے کے اس حال کا اعتبار کیا جاتا ہے جو کفارہ ادا کرتے وقت ہو اور اس حال کا اعتبار نہیں جو کفارہ واجب ہونے کے وقت تھا پس اگر کفارہ ادا کرتے وقت وہ شخص مفلس ہے تو اس کو روزے رکھنا جائز ہے اگرچہ وہ کفارہ واجب ہونے کے وقت مالدار تھا۔ اور اس کے برعکس اگر کفارہ واجب ہونے کے وقت مفلس تھا اور ادائیگی کے وقت مالدار ہو گیا تو اس کو روزے رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

(۱۴) اگر کسی نے ایک سال کے رمضان کے دنوں میں کئی بار جماعت کی اور کفارہ نہ دیا تو اس پر ایک کفارہ واجب ہوگا۔ اس لئے کہ کفارہ زجر کے لئے مشروع ہوا ہے اور ہر ایک دفعہ سے حاصل ہو جاتا ہے اور اگر جماعت کی اور کفارہ ادا کر دیا پھر دوبارہ جماعت کی تو اس پر ظاہر الروایت کے بموجب دوسرا کفارہ واجب ہوگا کیونکہ معلوم ہو گیا ہے کہ اس کو پہلے کفارہ سے زجر حاصل نہیں ہوا۔ اور بیشک کفاروں میں تداخل ادائیگی کفارہ سے پہلے ہوتا ہے ادائیگی کے بعد تداخل جائز نہیں ہے۔ اور اگر دو رمضانوں میں جماعت کی اور پہلے رمضان کا کفارہ نہیں دیا ہے تو ظاہر الروایت کے بموجب ہر جماع کے عوض کفارہ لازم ہوگا یعنی اس پر دو کفارے لازم ہوں گے اور یہی صحیح ہے اور امام محمد نے کہا کہ اس پر ایک کفارہ لازم ہے اسرار میں ہے کہ اس پر اعتماد ہے اور اسی طرح بزازیہ میں ہے، اور یہی صحیح ہے کیونکہ بقدر امکان تداخل جائز ہے پس ترجیح مختلف فیہ ہے جیسا کہ معلوم ہے اور پہلے قول کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ ظاہر الروایت ہے۔ اور بعض فقہاء نے فتویٰ کے لئے یہ اختیار کیا ہے کہ اگر غیر جماع کے یعنی کھانے پینے سے روزہ توڑا ہے تو تداخل جائز ہے یعنی ایک ہی کفارہ کافی

لجماع من كفارة النهار سنة بمردش و جات سنة ع ش من كفارة النهار سنة بمردش ع بمردش ع  
ع بمردش و ش سنة بمردش م۔



ہوگا ورثہ نہیں۔ یعنی اگر روزہ کا توڑ دینا دونوں میں جلے کے ساتھ ہوا تو کفارہ میں تداخل جائز نہیں ہے اگرچہ اس نے پہلا کفارہ ادا کیا ہو، کیونکہ جلے کے ذریعے روزہ توڑنے کی جنایت (قصود بہت بڑی ہے اور اسی لئے امام شافعیؒ کے نزدیک جلے سے روزہ توڑنے ہی سے کفارہ لازم آتا ہے کھانے پینے کے ساتھ روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

(۱۵) اگر کسی نے ایک دن کاروبار تولدیا اور غلام آزاد کر دیا پھر دوسرے دن کاروبار تولدیا اور غلام آزاد کر دیا پھر تیسرے دن کاروبار تولدیا اور غلام آزاد کر دیا پھر پہلا غلام کسی اور کی ملک ثابت ہوا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب دوسرا غلام کسی اور کی ملک ثابت ہوا یعنی تب بھی کچھ واجب نہیں ہے اس لئے کہ بعد والا غلام اس کی بجائے کافی ہو جائے گا اور اگر تیسرا غلام کسی اور کی ملک ثابت ہوا تو اس پر ایک غلام آزاد کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ جو کفارہ پہلے دیا تھا وہ بعد والے کا عوض نہیں ہو سکتا اور اگر دوسرا تیسرا دونوں غلام کسی اور کی ملک ثابت ہوئے تب بھی دونوں دن کے عوض ایک ہی غلام آزاد کرنا لازم ہوگا اور اسی طرح ان دونوں کے ساتھ پہلا غلام بھی کسی اور کی ملک ثابت ہوا (یعنی تینوں غلام کسی اور کے ثابت ہوئے) تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہے کیونکہ جس غلام کا حق دار پیدا ہو گیا وہ معدوم کی مانند ہو گیا اور اگر دوسرے کے علاوہ پہلا اور تیسرا غلام کسی اور کی ملک ثابت ہوا تو صرف تیسرے دن کے عوض ایک غلام آزاد کرے گا اس لئے کہ دوسرا کفارہ پہلے کفارہ کی بجائے کافی ہو جائے گا اور اصل اس میں یہ ہے کہ دوسرا کفارہ اپنے سے پہلے کے لئے کافی ہو جائے اپنے سے بعد والے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

(۱۶) اگر غلام پر کفارہ واجب ہو جائے تو اس کو کفارہ میں دو ماہ کے لگا تا روزہ رکھنا ہی متعین ہے غلام آزاد کرنا یا کھانا کھلانا یا دینا جائز نہیں ہے کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اگرچہ وہ چیز اس کی تملیک کر دی جائے اور اسی طرح غلام کا آقا اس کی طرف سے غلام آزاد کر دے یا کھانا دیدے یا کھلا دے تب بھی جائز نہیں ہے خواہ وہ اس غلام کے کہنے سے ایسا کرے کیونکہ آقا کے کسی چیز کو اس کی ملک کر دینے سے بھی وہ مالک نہیں بنتا۔

(۱۷) جو آزاد کہ نوانی کی وجہ سے اس کو جدا کر دیا گیا ہو اس کا حکم بھی غلام کی مانند ہے کہ اس پر کفارہ میں صرف دو ماہ کے لگانا روزے رکھنا ہی متعین ہے یہ صاحبین کے نزدیک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے

روزہ توڑنے پر کفارہ لازم آنے کیلئے جو شرطیں پہلے بیان ہو چکی ہیں اگر روزہ فاسد ہونے کی صورت میں ان شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا پس صرف قضا لازم ہونے کی شرطیں کفارہ لازم ہونے کی شرطوں کے بالمقابل ہوں اس بیان میں وہ شرطیں مع فروعات مسائل صبح کی جاتی ہیں (مکلف)















اور طبائع بھی اس سے نفرت کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مَنْ قَاءَ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَمَنْ  
 اسْتَقَاءَ عَامِدًا فَلَعْنَةُ الْقَضَاءِ" یعنی جس کسی کو خود بخود قے آجائے اس پر روزہ کی قضا نہیں ہے (یعنی اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا)  
 اور جو اپنے قصد سے قے کرے اس پر قضا لازم ہے اس کو حاکم و ترمذی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور قیاس کا مقتضی تو  
 یہ تھا کہ قصد اٹانے کرنے کی صورت میں بھی روزہ نہ ٹوٹتا کیونکہ کسی چیز کے اندر داخل کرنے سے روزہ ٹوٹتا ہے خارج کرنے سے  
 نہیں لیکن حدیث شریف میں خالص صوم وارد ہونے کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے لیکن کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ  
 نص میں صرف قضا کا ذکر ہے اور قیاس اس کے برخلاف ہے اس لئے یہ نص وجوب کفارہ کے حق میں ظاہر نہیں ہوگی۔ اور  
 جاننا چاہئے کہ خود بخود قے ہو جانے اور قصد اٹانے کرنے کے مسئلہ کی چوبیس صورتیں مرتب ہوتی ہیں کیونکہ قے خود بخود آئے گی  
 یا وہ قصد کرے گا اور ان دونوں صورتوں میں یا منہ بھر کر ہوگی یا اس سے کم ہوگی پھر ان چاروں صورتوں میں یا منہ بھر  
 یا ہلکا جلتے گی یا بلا قصد خود بخود پیٹ میں ٹوٹ جائے گی یا وہ اپنے قصد سے ٹوٹائے گا، یہ بارہ صورتیں ہوں گی۔ پھر ان  
 سب صورتوں میں اس کو روزہ یاد ہوگا یا روزہ یاد نہیں ہوگا۔ اس طرح کل چوبیس صورتیں ہو گئیں ان میں سے صرف دو  
 صورتوں میں روزہ ٹوٹتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے یعنی اول جبکہ خود بخود منہ بھر قے ہوئی اور روزہ یاد ہوتے ہوئے  
 اس کو منہ کے اندر سے ہی پیٹ میں ٹوٹا لیا جبکہ چنے کی مقدار یا اس سے زیادہ ٹوٹائی ہو۔ دوم جبکہ روزہ یاد ہوتے ہوئے اپنے  
 قصد سے منہ بھر قے کی ہو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ باقی کسی صورت میں اصح روایت کی بنا پر  
 روزہ نہیں ٹوٹتا۔ منہ بھر قے ہونے کی حد یہ ہے کہ اس کو تکلف و حرج کے بغیر منہ میں روکنا ممکن نہ ہو یہی اصح و صحیح و مختار ہے  
 اگرچہ اور بھی کئی قول ہیں۔ اور یہ سب تفصیل اس قے کی ہے جس میں کھانا یا پانی یا صفرادیت (یا خون بستہ) دھا ہوا ہو لیکن  
 اگر وہ قے بلغم کی ہو تو امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مطلقاً روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ قے خود بخود ہو جائے یا قصد  
 کرے اور خواہ منہ بھر کر ہو یا کم ہو اور خواہ خود بخود ٹوٹ جائے یا قصداً ٹوٹائی جائے یا۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہو یعنی  
 یا ہلکا جلتے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے اس اختلاف کی بنا وضو ٹوٹنے کا مسئلہ ہے کیونکہ  
 اس صورت میں وضو ٹوٹنے میں بھی ان کا اختلاف ہے یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک قصد بلغم کی قے منہ بھر کرنے کی  
 صورت میں بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور طرفین کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ پس امام ابو یوسف کے نزدیک اگر بلغم کی قے  
 اپنے قصد سے منہ بھر کر کی ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور محقق کمال نے فتح القدیر میں کہلے کہ امام ابو یوسف کا قول روزہ  
 کے بارے میں طرفین کے قول سے احسن ہے اور طرفین کا قول وضو ٹوٹنے کے بارے میں احسن ہے اس لئے کہ افطار میں یہ  
 قید ہے کہ کوئی چیز پیٹ میں جلتے یا قصد اٹانے کرے یہ حکم اس چیز کی پاکی یا ناپاکی پر نظر کے بغیر ہے۔ اس بارے میں بلغم اور  
 غیر بلغم میں کوئی فرق نہیں ہے بخلاف وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے مسئلہ کے۔ اور یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ بلغم پیٹ کی



طرف سے چڑھ کر اس کی تہ ہوئی ہو لیکن اگر بلغم سر کی طرف سے اترتا ہو تو بلا خلاف اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ اس سے  
بلا خلاف وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔ اور اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار قصد اٹھے کی اور وہ سب مل کر منہ بھر ہونے کی مقدار  
تھی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر کئی مجالس میں تھوڑی تھوڑی تہ کی ہو یا ایک دفعہ صبح کو پھر دوپہر کو پھر شام کو  
قصد اٹھے کی اور یہ سب مل کر منہ بھر ہو گئی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ یعنی اگر ایک ہی جگہ میں متفرق طور پر اس قدر  
تہ کی ہو کہ اگر اس کو جمع کیا جائے تو منہ بھر ہونے کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ حکم امام ابو یوسف  
رحمہ اللہ کے قول پر متفرع ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اتحاد سبب کا اعتبار کیا جانا چاہئے اتحاد مجلس کا نہیں جیسا  
کہ وضو ٹوٹنے کے بارے میں ہے اور یہی قول صحیح ہونا چاہئے جیسا کہ وضو ٹوٹنے کے بارے میں بھی یہی قول صحیح ہے۔ اور  
اتحاد سبب کا مطلب ایک مرتبہ کی متلی ہے یعنی اگر ایک مرتبہ جی متلا کر تہ آئی اور وہ متلی موقوف نہ ہوئی اور اسی حالت  
میں دوبارہ تہ آئی تو ان دونوں کا سبب ایک ہے خواہ مجلس ایک ہی ہو یا مختلف ہوں اور اگر ایک مرتبہ کی متلی موقوف  
ہونے کے بعد دوبارہ تہ آئی تو سبب مختلف ہو گیا۔ اور یہ مسئلہ رباعیہ ہے یعنی اس کی چار صورتیں ہیں، اول یہ کہ اتحاد  
مجلس و اتحاد سبب دونوں پائے جائیں تو بالاتفاق وضو و روزہ ٹوٹ جائے گا۔ دوم مجالس بھی متعدد ہوں اور سبب  
بھی متعدد ہوں تو بالاتفاق وضو و روزہ نہیں ٹوٹیں گے۔ سوم سبب متحد ہو اور مجالس متعدد ہوں تو امام محمد کے نزدیک  
وضو و روزہ ٹوٹ جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا۔ چہارم سبب متعدد ہوں اور مجلس متحد ہو تو امام ابو یوسف  
کے نزدیک وضو و روزہ ٹوٹ جائے گا اور امام محمد کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا۔

(۴) سحری کھانے میں جو کھانا گوشت وغیرہ دانتوں کے درمیان میں رہ گیا تھا اس کو کھالیا اگر وہ تھوڑا تھا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا خواہ اس کو بغیر چائے نگلا ہو یا چاکر نگلا ہو اور خواہ قصداً نگلا ہو یا بغیر قصد کے نگلا ہو اور اگر وہ زیادہ تھا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اور چنے کی مقدار یا اس سے زیادہ ہو تو وہ زیادہ ہے اور چنے کی مقدار سے کم ہو تو وہ تھوڑا ہے۔ چنے کی مقدار کو صدر الشہید نے اختیار کیا ہے اور ابامحمد دہلوی نے کہا ہے کہ یہ اندازے کے لئے ہے اور تحقیق یہ ہے کہ زیادہ وہ ہے جس کو بھگنے کے لئے تھوک کی امداد یعنی پیسے اور محقق کمال نے فتح القدیر میں اس کو مستحسن جانا ہے اور اسی کی مثل نہر الفائق میں ہے کیونکہ جس مقدار سے بچنا مشکل ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور یہ وہ مقدار ہوگی جو بغیر ارادہ کے خود بخود تھوک کے ساتھ اندر چلی جائے اور جو مقدار ایسی نہیں ہے بلکہ اس کو اپنے ارادہ و فعل سے اندر داخل کیا جائے تو چونکہ وہ اس میں مضطرب نہیں ہے اور اس سے بچنا آسان و ممکن ہے اس لئے اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر دانتوں کے درمیان سے نکلی ہوئی غذا کو اپنے منہ سے نکال کر اپنے ہاتھ میں لے کر

سه ش سه ش و بگرد فتح سه ش سه ش بگرد حیات سه ش و دوش و بگردنی نوا قاض الوضوء سه ش فی نوا قاض الوضوء بطل بگرد و بیست و هفت

هـ بحروف متعدده لعمري و غير السلام و ط و ش و فتح ملقطاً.



(۱) باطلال کے سرے پر ہے، اس کو کھالیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ وہ معمولی مقدار کی ہو کہ تو کتاب یا مصلیٰ باہر سے داخل کرنے کے حکم میں ہے اور اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا (یہی صحیح ہے) کیونکہ نفس اس سے نفرت کرتا ہے۔ پس وہ منہ سے نکالے ہوئے لقمے کی مانند ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں یہ قید ہونی چاہئے کہ جس شخص کی طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اس کے لئے صرف قضا کا حکم ہے اور جس کی طبیعت نفرت نہیں کرتی اس کے لئے قضا و کفارہ دونوں کا حکم دیا جائیگا اور خود سے کم مقدار کو منہ سے نکال کر دوبارہ کھانے سے روزہ فاسد ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو چایا نہ ہو پس اگر مقدار خود سے کم ہو اور اس کو منہ سے نکال کر پھر دوبارہ منہ میں داخل کر کے چاکر کھائے گا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ وہ غذا دانتوں میں ہی لائے ہوئے ہو جائے گی جیسا کہ تل کے مسئلہ میں بیان ہو چکا ہے۔

(فائدہ ۱) جانتا چاہئے کہ اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں باتو دانتوں کے درمیان کا طعام منہ سے نکالے بغیر نکل گیا ہو یا باہر نکال کر دوبارہ منہ میں لیکر پیٹ میں داخل کیا ہو پھر ہر ایک کی چار صورتیں ہیں یعنی وہ چیز قلیل ہوگی یا کثیر اور اس کو چاکر نکلایا ہوگا یا بغیر چبائے۔ اس طرح آٹھ صورتیں ہوں گی ان کے احکام یہ ہیں کہ منہ کے اندر سے ہی کثیر چیز کے چاکر یا بغیر چبائے نکلنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور قلیل مقدار کے چاکر یا بغیر چبائے نکلنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا یہ چار صورتیں پہلی صورت کی ہیں، دوسری صورت یعنی منہ سے باہر نکال کر پھر منہ میں داخل کر کے نکلنے کی تین صورتوں یعنی کثیر چیز کو چاکر نکلنے یا بغیر چبائے نکلنے اور قلیل چیز کو بغیر چبائے نکلنے میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور ایک صورت یعنی قلیل چیز کو چاکر نکلنے میں روزہ فاسد نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ ان دونوں مسئلوں میں صرف ایک صورت میں فرق ہے وہ یہ کہ پہلے مسئلہ کی چوتھی صورت میں قلیل مقدار کو منہ کے اندر سے بغیر چبائے نکلنے کی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اگر منہ سے باہر نکال کر قلیل مقدار کو دوبارہ منہ میں لیکر بغیر چبائے نکل جائے گا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، (مؤلف)۔

(فائدہ ۲) اگر روزہ دار دانتوں کے درمیان کی چیز کو مجلس واحد میں متعدد بار نکل گیا یا متعدد مجالس میں نکل گیا اس طرح پر کہ اگر اس کو جمع کیا جائے تو وہ مقدار خود یا اس سے زیادہ ہو جائے تو اس کا روزہ فاسد ہونے یا نہ ہونے کے متعلق کہیں نظر سے نہیں گذرا لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ اس مسئلے کو قے کے متعلق اتحاد سبب یا اتحاد مجلس کے اختلاف پر اعتبار کیا جائے۔

(فائدہ ۳) بغیر روزہ دار کو دانتوں کے درمیان کی غذا کا دانتوں سے نکال کر کھانا جائز ہے لیکن جو زبان کی مدد سے باہر نکل سکتی ہے اس کو کھالینا احسن ہے اور جو ضلال وغیرہ کی مدد سے نکالی جائے اس کو کھانا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح اس کے ساتھ خون کے شامل ہو جانے کا احتمال ہے۔

(۵) خون اگر دانتوں سے نکل کر حلق میں داخل ہو جائے اور تھوک غالب ہے اور خون کا مزہ حلق میں نہیں پایا







حلق میں خود بخود داخل ہو جائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر روزہ یاد ہوتے ہوئے اپنے فعل سے قصداً دھواں اپنے اندر داخل کیا (یعنی منہ یا ناک کے ذریعے سے پیٹ یا دماغ میں داخل کیا) تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا خواہ وہ دھواں کوئی سا بھی ہو، اگرچہ عمدہ وغیرہ کا ہو اور دھوئیں کا اپنے اندر داخل کرنا خواہ کسی طرح سے بھی ہو حتیٰ کہ اگر خود سلگایا اور اس کو اپنی طرف کیا اور روزہ یاد ہوتے ہوئے اس کو ناک سے اوپر کھینچا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس سے بہنا ممکن ہے اور اس بات سے اکثر لوگ غافل ہیں اور اس کو گلاب کا پھول یا گلاب کا پانی اور مشک سوئگنے کے مانند نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ مشک وغیرہ کی خوشبودار ہوا کے ناک میں پہنچنے میں اور دھوئیں کے جوہر کو خود اپنے فعل سے پیٹ میں پہنچانے میں بہت واضح فرق ہے اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حقہ سگریٹ وغیرہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور غبر و غود کا دھواں قصداً اپنے اندر لینے سے اور نیز حقہ و سگریٹ وغیرہ کا دھواں اپنے اندر کھینچنے سے کفارہ بھی لازم آئے گا کیونکہ اس سے علاج و دوا کا کام لیا جاتا ہے اور عادی لوگ اس سے لذت حاصل کر کے پیٹ کی طلب پوری کرتے ہیں اور حقہ سگریٹ وغیرہ کا دھواں اپنے اندر لینے سے کفارہ اس وقت لازم آتا ہے جبکہ منہ کے راستے سے اندر داخل کرے لیکن اگر ناک کے راستے سے اندر داخل کرے تو صرف قضا لازم ہوگی) اور ان کے علاوہ کسی اور چیز کے دھوئیں کو اپنے اندر داخل کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا جبکہ اس میں نفع و علاج نہ پایا جائے اور اس سے پیٹ کی خواہش دور نہ ہوتی ہو۔ اگر کوٹنے چھاننے وغیرہ کا غبار یا جانوروں کے کھروں یا ہوا وغیرہ سے اٹا ہوا غبار روزہ دار کے اپنے فعل سے داخل ہو یعنی وہ اس سے بچنے کی کوئی تدبیر رکھتا ہو لیکن اس پر عمل نہ کرے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی اور اگر خود بخود اندر چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے اپنی ہتھیلی غبار پر رکھی پھر اس غبار کو اپنے منہ میں داخل کیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائیگا اور صرف قضا لازم ہوگی۔

(ب) کھانے پینے میں معثا افطار ہے کہ روزہ توڑنے والی چیز منہ کے علاوہ کسی اور راستے سے پیٹ میں پہنچے جبکہ اس چیز سے بدن کی اصلاح و درستی مقصود ہوتی ہو، اور اس کی فروعات دو قسم کی ہیں اول روزہ توڑنے والی کسی چیز کا منہ کے علاوہ دیگر مخارجِ اصلیہ (مقارر استوں) مثلاً ناک و کان و پاخانہ کے راستے و پیشاب کے راستے سے پیٹ یا دماغ میں پہنچنا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے پیٹ میں پہنچنے کی صورت میں تو روزہ کا فاسد ہو جانا ظاہر ہے اور اسی طرح دماغ میں پہنچ جانے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ دماغ سے پیٹ تک منفذ (راستہ) ہے پس گویا کہ دماغ پیٹ ہی کا ایک گوشہ ہے اور دوسری قسم کی فروعات وہ ہیں جن میں روزہ توڑنے والی چیز مخارجِ اصلیہ کے علاوہ کسی اور راستے سے پیٹ یا دماغ میں پہنچے تو اس صورت میں اس چیز کے پیٹ یا دماغ میں پہنچ جانے کا اعتبار ہے پس اگر اس چیز کا پیٹ یا دماغ میں پہنچنا معلوم ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ مخارجِ اصلیہ سے کسی چیز کا پہنچنا یقینی ہے اور مخارجِ غیر اصلیہ سے پہنچنا مشکوک ہے پس شک کے ساتھ روزہ فاسد ہونے کا حکم نہیں دیا جائیگا، اور ان دونوں قسم کے مفسدات کی فروعات مندرجہ ذیل ہیں۔

له یلت من خزانة الاكل له حیات كه ش دم و حیات بثمرت كه حیات شه ام الملقى في التبركة دوش و سات و فراك حیات شه مع خیر و







اور دماغ میں پہنچ جائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر تیل کان میں ڈالا تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا۔  
 (خواہ روزہ دار نے اپنے فعل سے ڈالا ہو یا اس کے فعل کے بغیر خود بخود داخل ہوا ہو، مؤلف) اور اگر پانی روزہ دار کے فعل کے بغیر  
 خود بخود کان میں داخل ہو گیا تو بالاتفاق اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر اپنے فعل سے کان میں پانی ڈالا تو اس میں اختلاف ہے  
 اور دونوں قول صحیح ہیں پس تصحیح مختلف فیہ ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ اپنے فعل سے پانی کان میں ڈالنے سے روزہ فاسد  
 ہونے یا نہ ہونے کے متعلق دو قول ہیں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ دن میں پانی میں غوطہ لگانے  
 وغیرہ سے پرہیز کرے اور اگر پانی کان میں داخل ہو جائے تو کان کو پانی کی طرف جھکا کر پانی نکال دے۔ یہ حکم کان میں ترددی ڈالنے کا  
 تھا لیکن اگر کسی روزہ دار نے اپنے کان میں کوئی خشک چیز ڈالی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا  
 ہے کہ کسی روزہ دار نے اپنے کان میں کسی تنکے سے خارش کی پھر اس تنکے کو باہر نکالا اور اس کے سب سے پرہیز وغیرہ لگی ہوئی تھی  
 پھر دوبارہ اس میل لگے ہوئے سرے کو کان میں داخل کیا اور پھر باہر نکالا لیکن اس کی کچھ میل کان میں ہی رہ گئی تو اس کا روزہ  
 فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ روزہ نہ توڑنے والی چیزوں کے بیان میں گذر چکا ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ جو ف دماغ اور جو ف شکم  
 کے درمیان اصلی منفذ ہے پس جو چیز جو ف دماغ میں پہنچ جائے گی وہ جو ف شکم میں بھی پہنچ جائیگی جیسا کہ تہایت اور بدلت  
 میں ہے اور اسی لئے اگر کوئی شخص رات کو ناک کے ذریعے سے کوئی دوائی وغیرہ دماغ کی طرف پڑھائے اور وہ دماغ تک  
 پہنچ جائے پھر دن میں باہر نکل جائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے کہ جب وہ دوا وغیرہ باہر نکل گئی تو معلوم ہوا کہ  
 جو ف شکم میں نہیں پہنچی اور نہ ہی جو ف دماغ میں ٹھہری رہی جو دماغ میں دوائی یا تیل یا پانی وغیرہ کے پہنچنے سے روزہ  
 فاسد ہونے کی دفعہ ہے۔ ایک وجہ اور بیان ہو چکی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان پیٹ کی تربیت کا  
 مخرج ہے اسی طرح دماغ کی تربیت کا بھی مخرج ہے اس لئے کہ بدن کی درستی ان دونوں کے ساتھ قائم ہے پس  
 دماغ کو بھی احتیاطاً پیٹ کا حکم دیدیا گیا ہے۔

(۲) اگر کسی مرد نے اپنے پیشاب کے مقام (ذکر) میں پانی یا تیل وغیرہ کچھ ٹپکایا اگر وہ مثانہ تک پہنچ گیا تو امام ابو یوسف  
 کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا یہی صحیح مذہب ہے  
 اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ مثانہ اور جو ف شکم کے درمیان منفذ آریاراستہ ہے یا نہیں اور  
 ظاہر ہے کہ اس میں منفذ نہیں ہے اور اس میں پیشاب ٹپک ٹپک کر جمع ہوتا ہے اور جو چیز ٹپک ٹپک کر خارج ہوتی ہے  
 وہ ٹپک ٹپک کر واپس نہیں جاتی جیسا کہ اطباء کہتے ہیں اور اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو مان لیا جائے کہ خانہ سے  
 جو ف شکم تک منفذ ہے تب بھی اس کے راستے سے کوئی پانی یا دوائی وغیرہ پیٹ کی طرف اور نہیں چڑھے گا اس لئے کہ خانہ کا  
 آخری منفذ جو قصبہ ذکر کے ساتھ متصل ہے وہ منطبق ہوتا ہے صرف اس وقت کھلتا ہے جبکہ پیشاب باہر نکلتا ہے

مسلمہ دروش و مکر و فتح و حیات مطلقاً شہ طہ حیات شہ بمویدائے حیات بصوف۔

جو کسی کی تصحیح قلیل سے ہے کہ دعاوات کے وقت ٹپکانا لگی اور وہ روزہ کا وقت نہیں ہے اور دن میں اس چیز کا انفرادے باہر آنا روزہ کو فاسد نہیں کرتا اسی طرح اگر کسی میں خشک دوا داخل ہو یا کان میں دوائی



پس قصہ ذکر پیشاب گاہ کی نالی کو چوٹ یعنی کھوکھلا ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا غور کر لیجئے۔ اور اگر وہ پانی یا تیل وغیرہ مثلاً تک نہ پہنچے اور ذکر کی نالی (ڈنڈی) میں ہی رہ جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت اپنی پیشاب گاہ میں پانی یا تیل وغیرہ کچھ پکائے تو بلا خلاف اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور یہی صحیح ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے اور اصرار یہ ہے کہ بلا خلاف اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ حقنہ کی مانند ہے۔

(۳) اگر کسی روزہ دار مرد یا عورت نے اپنے پاخانے کے مقام میں روئی یا کپڑا یا لکڑی یا پتھر کا ٹکڑا داخل کیا یا عورت نے اپنی پیشاب گاہ کے اندرونی حصہ میں داخل کیا اگر وہ سب اندر چلا گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائیگا اور اگر اس کا ایک سرا باہر نکلا رہا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اگرچہ باہر والا سرا عورت کی پیشاب گاہ کے خارجی حصہ میں باقی رہا ہو۔ اور اگر کسی روزہ دار مرد یا عورت نے اپنی خشک انگلی اپنے پاخانے کے مقام میں داخل کی یا عورت نے اپنی پیشاب گاہ کے داخلی حصہ میں داخل کی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا یہی مختار ہے لیکن اگر وہ پانی یا تیل وغیرہ سے تر ہو تو پانی یا تیل وغیرہ کے اندر پہنچنے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ انگلی حقنہ کے مقام تک پہنچ گئی ہو اور اس کو روزہ بھی یاد ہوا ہے بہتر تنبیہ ہے اور ضروری ہے کہ اس کو یاد رکھا جائے کیونکہ ان سب مسئلوں میں روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جبکہ روزہ یاد ہو ورنہ نہیں ٹوٹتا اور ان سب صورتوں میں روزہ ٹوٹنے پر صرف قضا لازم ہوگی بقاء لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی مرد نے اپنے ذکر میں روئی داخل کی اور وہ سب اندر چلی گئی تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ دوا ڈالتے سے جب تک وہ پیشاب گاہ کی نالی میں ہے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح اگر کسی روزہ دار شخص نے گوشت کی بوٹی (یا روٹی کا ٹکڑا) کو ڈورے (دھاگے) سے باندھ کر نگلا اور پھر اسی وقت باہر نکال لیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا لیکن اگر اس میں سے کچھ حصہ ٹوٹ کر پیٹ میں رہ گیا یا اس نے ڈورے کو چھوڑ دیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اگر کسی لکڑی کو نگل گیا اور اس کا سرا اس کے ہاتھ میں ہے اور پھر اس کو باہر نکال لیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ وہ اندر ٹھہری نہیں رہی اور اگر ٹکڑی کو نگل گیا اس طرح پر کہ اس کا کچھ حصہ بھی باہر باقی نہیں رہا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور پیٹ میں ٹھہر جانے سے یہی مراد ہے اور اگر وہ چیز لپٹی اندر نہیں گئی بلکہ اس کا ایک سرا منہ وغیرہ منہ سے باہر یا اس کا سرا اس چیز سے لگا ہوا ہے جو منہ وغیرہ منہ سے باہر نکلی ہوئی ہے جیسا کہ ڈورے میں بندھی ہوئی بوٹی یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ جب تک اس میں کچھ الگ ہو کر پیٹ میں نہ رہ جائے، مؤلف) تو اندر قرار نہ پکڑنے کی وجہ سے اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(۴) اگر روزہ دار نے استنجاء میں مبالغہ کیا یہاں تک کہ پانی حقنہ کے مقام تک پہنچ گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ استنجاء کا پانی حقنہ کے مقام تک پہنچے اور اگر ایسا واقع ہو جائے تو یہ سخت بیماری کا سبب بنتا ہے۔

۱۔ روزہ دار کو مطلقاً ۱۰ دفعہ فتح دروش و حیات تفرقہ ۱۰ دفعہ درود و حیات شمع و در زیادہ و تفرقہ ۱۰ دفعہ شمع و حیات۔

۲۔ ۱۰ دفعہ حیات شمع و زیادہ ۱۰ دفعہ شمع و زیادہ ۱۰ دفعہ شمع و حیات تفرقہ ۱۰ دفعہ درود و حیات۔

اس لئے کہ جو چیز جو منہ داخل ہو جائے اگر وہ تمام چیزیں گئی ہوں تو اس کا کچھ حصہ بھی باہر باقی نہیں رہا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔



اور حقہ کے مقام سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دوا آتے کے ذریعے سے امعاء آنت) میں گرتی ہے اور مدغم ہونے کے بعض نسخوں میں حقہ لکھا ہے یعنی حقہ کرنے کا آتہ، اس سے مراد حقہ کرنے کے آتہ کی وہ ٹی ہے جو اس میں دوا پہنچانے کے لئے لگی ہوتی ہے۔ (اور وہ تقریباً چار انگلی مقدار کی ہوتی ہے) اور روزہ دار کو استنجا میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے تاکہ روزہ ٹوٹنے سے حفاظت رہے اور مرد و عورت کو ترانگلی لہنے یا خانہ کے مقام میں اور عورت کو اپنی پیشاب گاہ میں داخل کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ یہ بھی جب حقہ کے مقام تک پہنچ جائے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ روزہ دار پانی سے استنجا کرنے میں شدت سے سانس نہ لے تاکہ روزہ کی حفاظت رہے اس کے متعلق علامہ نوح رحمہ اللہ نے افادہ کیا ہے کہ اس میں حرج ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ سانس لینے سے کوئی چیز اندر بالکل داخل نہیں ہوتی (اور تائید الروایات وغیرہ میں لایتنفس کے معنی لا یتخرج الروح یعنی روح خارج نہ کرے لکھا ہے اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے جیسا کہ تعلیل مذکور سے ظاہر ہے، مؤلف)

(۵) اگر کسی روزہ دار کی کانچ (سیدی آنت کا ٹمبہ) باہر نکل آئی اور اس نے اس کو دھویا، اگر وہ اس کے خشک کرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں (یعنی اگر کھڑا ہونے سے پہلے اس کو پونچھ لیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا) کیونکہ جو پانی اس کے ظاہری حصہ کو لگ گیا ہے وہ اس کے اندرونی حصہ میں مقعد کے واپس پہنچنے سے پہلے زائل ہو گیا ہے پس جب کسی روزہ دار کی کانچ باہر نکل آئے تو اس کو چاہئے کہ جب تک اس کو کپڑے سے نہ پونچھ لے تب تک اپنی جگہ سے نہ اٹھے تاکہ اس کے اندر پانی داخل ہو کر روزہ کو فاسد نہ کر دے۔

(دوم) روزہ ٹوٹنے والی پیکر جو شکم یا جوف دماغ میں غیر مغادر مٹاؤ کے ذریعے سے پہنچا اسکی جزئیات مندرجہ ذیل میں ہیں۔ (۱) اگر کسی کے پیٹ میں ایسا زخم ہو جو پیٹ کے جوف تک پہنچ گیا ہو یا سر میں ایسا زخم ہو جو ام الدماغ (مغز) تک پہنچ گیا ہو اور روزہ یاد ہوتے ہوئے اس زخم میں دوائی ڈالے تو خواہ وہ دوائی خشک ہو یا تر، اگر وہ دوائی حقیقت میں زخم کے ذریعہ پیٹ کے جوف یا ام الدماغ تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی۔ یعنی اکثر مشائخ کا یہ قول ہے کہ زخم کے ذریعہ دوائی کے پیٹ یا دماغ کے اندر پہنچنے کا اعتبار ہے اس کے نزدیک خشک ہونے کا اعتبار نہیں یہاں تک کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خشک دوا اندر پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر یہ معلوم ہو کہ تر دوا اندر نہیں پہنچی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا اور ان دونوں باتوں میں سے کچھ بھی یقینی طور پر معلوم نہ ہو اور دوا تر ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ تر دوا اندر پہنچ جاتی ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ اس کا اندر پہنچنا معلوم نہیں ہوا اور شک سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر دوا خشک ہو تو اس صورت میں بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۲) اگر کسی نے کسی روزہ دار کے نیرہ یا تیرہ حصہ یا جو پیٹ تک پہنچ گیا تو اگر اس کو نوک (آبی) سمیت باہر نکال لیا تو اس کا



روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر نیزہ یا تیر کی آنی (نوک) ٹوٹ کر اندر پیٹ میں رہ گئی تو اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور بعض نے کہا کہ اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں نہ تو روزہ دار کی طرف کوئی فعل پایا گیا اور نہ ہی اس کے پیٹ میں ایسی چیز پہنچی جس میں اس کے بدن کی اصلاح ہو جیسا کہ اگر کسی روزہ دار کے پیٹ تک پہنچنے والے زخم میں کوئی دوسرا شخص کنکری ڈال دے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس میں روزہ دار کا فعل نہیں پایا گیا اور نہ ہی اس میں اس کے بدن کی کوئی اصلاح ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ روزہ کا ٹوٹنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ روزہ دار کے فعل سے ہو یا اس میں اس کے بدن کی اصلاح و نفع ہو اور اس کا جوٹ کے اندر ٹھہرے رہنا بھی روزہ توڑنے کے لئے شرط ہے۔ اور اگر اس نیزہ یا تیر کا ایک سرا باہر رہا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں اس کا جوٹ میں ٹھہرنا نہیں پایا جاتا۔ اور اسی طرح اگر تیر ایک طرف سے لگا اور دوسری طرف سے باہر نکل گیا تب بھی اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا (کیونکہ اس صورت میں بھی جوٹ میں ٹھہرنا نہیں پایا گیا مؤلف) قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر تیر یا نیزہ یا لکڑی یا ڈورہ میں بندھی ہوئی بوٹی یا روٹی یا کپڑا یا روٹی وغیرہ کوئی چیز روزہ دار کے بدن کے منافذ میں سے کسی منفذ میں داخل ہو کر اندر بالکل غائب ہو جائے اور اس کا کچھ سرا بھی باہر نکلا ہو اور نہ رہے تو اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے جبکہ روزہ دار نے اپنے فعل سے اس کو داخل کیا ہو یا اس میں بدن کے لئے نفع ہو، اور اگر اس کا ایک سرا یا کوئی حصہ باہر نکلا رہ گیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اور یہ کلیہ قاعدہ اس وقت ہے جبکہ وہ چیز جو اندر داخل کی گئی ہے خشک ہو لیکن اگر وہ چیز پانی یا روغن وغیرہ سے تر ہوگی تو خواہ اس کا ایک سرا باہر بھی رہے اس کا روزہ اس پانی یا روغن کے پہنچنے کی وجہ سے فاسد ہو جائیگا جبکہ اس کو داخل کرتے وقت روزہ یاد ہو۔

(فائدہ) جاننا چاہئے کہ بدن کے منافذ (آر پار راستے) تین قسم کے ہیں (۱) منہ (۲) منہ کے علاوہ باقی منافذ منقاد یعنی ناک، کان، عورت کے پیشاب کا مقام و مرد و عورت کے پاخانہ کا مقام، البتہ مرد کے پیشاب کا مقام منفذ منقاد کے حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ صحیح قول کی بنا پر اس کے راستے سے جو بے شکم میں کوئی مائع چیز داخل نہیں ہو سکتی مؤلف) (۳) منافذ غیر مختارہ مثلاً پیٹ یا سر کے زخم کا منفذ نیز جاننا چاہئے کہ جو چیز روزہ دار کے اندر داخل ہوتی ہے وہ چار طرح پر ہے یا وہ مصلح بدن ہے یا مصلح بدن نہیں ہے اور پھر ان دونوں صورتوں میں وہ یا روزہ دار کے فعل سے اندر پہنچی ہے یا روزہ دار کے فعل کے بغیر پہنچی ہے، منافذ کی تین قسموں کے ساتھ ضرب دینے سے یہ کل بارہ قسمیں ہو گئیں، ان بارہ قسموں کو تین قسموں میں بیان کیا جاتا ہے قسم اول، اگر منہ کے راستے سے کوئی چیز پیٹ کے اندر پہنچی تو اگر وہ روزہ دار کے فعل سے پہنچی ہے اور مصلح بدن بھی ہے یعنی دوا یا غذا ہونے کے قابل ہے یا اس سے لذت حاصل کی جاتی ہے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور باجماع علماء قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور اگر وہ روزہ دار کے فعل کے بغیر پیٹ میں پہنچی یا وہ مصلح بدن نہیں ہے















اور یہ شخص بے نکاح یعنی مجرد ہے اور اس کی بیوی یا باندی نہیں ہے یا اس کی بیوی یا باندی تو ہے لیکن اس کو اس تک پہنچنے کی قدرت نہیں توفیقہ ابو اللیث نے کہا کہ میں تو قہر رکھتا ہوں کہ اس پر وبال نہ ہوگا لیکن اگر شہوت رانی کے لئے ایسا کرے گا یا اس پر ہمیشگی کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ رمضان میں یہ فعل مطلقاً حلال نہیں ہے۔ اور رمضان کے علاوہ بھی حلال نہیں ہے جبکہ اس سے شہوت رانی کا ارادہ کرتے۔

**فائدہ ۱:-** جانا چاہیے کہ روزہ توڑنے والا جماع وہ ہے جو یا صورتاً جماع ہو اور وہ ظاہر ہے یعنی قبل یا دبر میں سر ذکر کا داخل کرنا خواہ انزال نہ بھی ہو جبکہ محل شہتی علی الکمال نہ ہو۔ (مؤلف) یا جماع معنا ہو یعنی قبل و دبر کے علاوہ جماع کرنے میں انزال ہو جانا صورتہ و معناد دونوں قسم کے جماع کی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ یا وہ فرج کے ساتھ مباشرت غیر فرج میں ہوگی اور اس سے انزال ہوگا یعنی ذکر سے قبل و دبر دونوں کے علاوہ کسی جگہ پیٹ یا ران یا ناف وغیرہ میں مباشرت کرنا یا ہاتھ سے ذکر کرنا یا دعوں کا آپس میں جماع کا عمل کرنا کیونکہ یہ فرج کی مباشرت فرج کے ساتھ ہے نہ کہ فرج میں اور ان سب صورتوں میں انزال ہو جانا، یا فرج کے ساتھ مباشرت ایسی فرج میں ہونا جو عادتاً شہوت کا محل نہیں ہے اور انزال ہو جانا اور وہ مردہ عورت یا مرد سے یا جانور سے یا غیر مشتبہہ خفوی لڑکی سے فرج میں جماع کرنا ہے جبکہ انزال ہو جائے، یا وہ شہوت کا محل تو ہے لیکن اس کے ساتھ بغیر فرج کے مباشرت کرنا یعنی آدمی (مرد یا عورت) کو مس کرنا یا اس کا بوسہ لینا وغیرہ جبکہ اس سے انزال ہو جائے پس جماع کی یہ تین صورتیں ہوئیں جن میں سے ایک و تین میں جماع پایا جاتا ہے اور نمبر دہویں صورتاً جماع پایا جاتا ہے، (مؤلف) لیکن چہ پایہ کو مس کرنے (چھونے) یا اس کا بوسہ لینے سے اگر انزال ہو جائے یا احتلام سے انزال ہو جائے تو اس میں نہ صورتہ جماع پایا جاتا ہے نہ معنا تو وہ ایسا ہوگا جیسا کہ دیکھنے یا فکر سے انزال ہو جائے تو ان صورتوں میں بالا جماع اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ان سب کی جزئیات اوپر بیان ہو چکی ہیں (یہ گئی یہ صورت کہ عادتاً شہوت کے لائق عورت یا مرد کے قبل یا دبر میں ذکر سے مباشرت کرنا تو جب حشفہ (سر ذکر) اندر پوری طرح داخل ہو جائے تو جماع حقیقہ یعنی صورتاً و معناد دونوں طرح متحقق ہو جائے گا خواہ اس کو انزال ہو یا نہ ہو پس ایسے جماع سے قاعل و مفعول دونوں پر کفارہ بھی واجب ہوگا اور قبل و دبر دونوں فرج کے حکم میں ہیں جیسا کہ مروجبات کفارہ میں بیان ہو چکا ہے، (مؤلف)

(۳) روزہ توڑنے والی چیز کا بلا قصد یعنی خطا صادر ہونا اگر کسی نے روزہ یاد ہوتے ہوئے خطا (غلطی) کو انظار کیا تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں

ہوگا اور خطا سے انظار کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے جس کو روزہ یاد ہو اور اس کے توڑنے کا قصد نہ ہو اور پھر وہ کھاپی لے لے اور بھولنے والا اس کے برخلاف ہے پس خطا روزہ توڑنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو ایسا فعل مقصود کرے جس سے روزہ



ٹوٹ جائے لیکن اس کا قصہ روزہ توڑنے کا نہ ہو۔ اس اصول کی جزئیات یہ ہیں:-

(۱) اگر کسی روزہ دار نے کئی یا ناک میں پانی چڑھایا اور پانی بغیر اس کے قصد کے پیٹ کے اندر چلا گیا تو اگر اس کو روزہ یاد تھا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر صرف قضا لازم ہوگی اور اگر اس کو روزہ یاد نہیں تھا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اسی پر اعتماد ہے۔ اسی طرح روزہ یاد ہوتے ہوئے اگر کسی نے ناک میں پانی چڑھایا اور پانی دماغ میں پہنچ گیا تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی لیکن اگر پانی ناک کے بانسہ سے داخل ہو کر منہ کی طرف سے باہر آگیا اور پیٹ یا دماغ میں نہیں گیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(۲) اگر کسی نے روزہ داری کی طرف انگور کا دریا یا نان پاویا سگریز وغیرہ کچھ پھینکا اور وہ اس کے حلق میں داخل ہو گیا اور پیٹ میں پہنچ گیا اور اس کو اس وقت روزہ یاد تھا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر صرف قضا لازم ہوگی (مؤلف) اس لئے کہ وہ خطا کھانے والے کے حکم میں ہے اور اسی طرح اگر نہایا اور بلا اختیار اس کے حلق میں پانی چلا گیا تب بھی یہی حکم ہے کہ صرف قضا لازم ہوگی۔

(۳) اگر کسی کو جانی آئی اس نے اپنا سراٹھایا اور اس کے حلق میں پانی کا قطرہ بارش سے یا کسی پرنا لہ سے ٹپک گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا (اور اس پر صرف قصا لازم ہوگی، مؤلف) اگر بارش کا پانی یا برف کسی کے حلق میں داخل ہو گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اگرچہ ایک ہی قطرہ داخل ہوا ہو یہی صحیح ہے کیونکہ منہ بند کر کے اس سے بچ سکتا تھا۔ پس اگر وہ خود بخود اس کے حلق میں چلا گیا اور اس نے اپنے فعل سے اس کو نہیں نکلایا تو اس پر صرف قصا لازم ہوگی لیکن اگر اس کو اپنے فعل سے نکلایا ہو تو اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔

(۴) اگر سوئے ہوئے کے حلق میں کوئی ایسی چیز پہنچ گئی جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً کسی نے سوتے ہوئے پانی پی لیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور ہمارے نزدیک اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر روزہ دار کے حلق میں نمیند کی حالت میں بارش کا قطرہ چلا گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی اور اسی طرح جب سوئی ہوئی عورت سے اس کے خاوند نے جماع کیا اور وہ نہ جاگی تب بھی یہی حکم ہے (یعنی اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا) اس لئے کہ سونے والا خطا اُفطار کرنے والے کے حکم میں سمجھولنے والے کی مانند نہیں ہے اس لئے کہ اگر سوتا ہوا یا مجنون آدمی کسی جانور کو ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ کھانا حلال نہیں ہے اور جو شخص ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا بھول جائے تو اس کا ذبیحہ کھانا حلال و جائز ہے اور اس لئے بھی کہ نسیان اکثر واقع ہوتا رہتا ہے تو ترک بسم اللہ اللہ اکبر میں اور کھانے پینے سے روزہ ٹوٹنے میں یہ عذر

[illegible]



مانا جائے گا لیکن نیند یا جنون کی حالت میں دفع کرنا یا روزہ توڑنے والی چیز کا استعمال کرنا اور الوقوع ہے تو اس کو نسیان کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ (پس یہ عذر نہیں بنے گا اور اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، مؤلف) اور اسی طرح جس سوئی ہوئی یا مجنونہ عورت سے جماع کیا گیا اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا، اور اگر وہ سوئی ہوئی عورت اثناء جماع میں بیدار ہو جائے پھر جماع میں اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے تو ظاہر یہ ہے کہ تب بھی اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس کا روزہ رضامندی سے پہلے فاسد ہو چکا ہے۔ اسی طرح اگر اس عورت نے جماع کے بعد کھایا پیا تو بھی صرف قضا لازم ہوگی جیسا کہ اکراہ کے مسئلہ میں آئے گا۔ لیکن جو شخص سوئی ہوئی یا مجنونہ عورت سے عمدہ جماع کرے گا اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے کیونکہ اس کے حق میں عاقل اور مجنون عورت سے جماع کرنا برابر ہے (لیکن اگر جماع کرنے والا مرد بھی مجنون ہو تو اس پر بھی صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا) اور مجنونہ سے مراد یہاں وہ عورت ہے جو پہلے عاقل تھی اور اس نے روزہ کی حالت میں صبح کی پھر اس کو جنون ہو گیا کیونکہ اس صورت میں روزہ کی نیت پائی گئی جو کہ مجنون کا روزہ صحیح ہونے کے لئے شرط ہے اور یہی حکم اس وقت ہے جبکہ اس نے رات میں روزہ کی نیت کی اور پھر رات ہی میں اس کو جنون ہو گیا پھر اس سے کسی نے دن میں جماع کیا اور اسی طرح اگر دن میں دوپہر شرعی سے قبل نیت کی پھر اس کو جنون ہوا پھر اس کے بعد کسی نے اس سے جماع کیا تب بھی یہی حکم ہے (مجنون کے مسائل کی تفصیل عوارض کے بیان میں درج ہے، مؤلف)

(۵) جس شخص نے فجر طلوع نہ ہونے اور رات باقی ہونے کے گمان سے سحری کھائی یا جماع کیا پھر اس کو معلوم ہوا کہ اس وقت فجر طلوع ہو چکی تھی اور وہ اسی وقت جماع سے الگ ہو گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ وہ خطا سے ایسا کرنے والا ہے اور اس پر کفارہ لازم نہیں ہے کیونکہ اس کا ارادہ روزہ کو فاسد کرنے کا نہیں تھا۔ اسی طرح اگر کسی نے افطار کیا اور اس کو گمان تھا کہ سورج غروب ہو گیا ہے اور پھر معلوم ہوا کہ ابھی غروب نہیں ہوا تھا تب بھی صرف قضا لازم ہوگی۔ خطا جماع کی ایک ممکن صورت یہ ہے کہ روزہ دار اپنی بیوی سے مباشرت فاحشہ کرتا تھا کہ بلا ارادہ اس کا سر ذکر قبل یا دبر میں اندھا داخل ہو گیا۔ اور علامہ شامی نے کہا ہے کہ خطا جماع کی اس صورت کو بیان کرنا تکلف ہے اور مسئلہ سحر جو ادھر بیان ہوا خطا جماع کی مثال کے لئے کافی ہے جو اس تکلف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

(۴) عدم رضامندی یعنی اکراہ یا اجانا اکراہ یعنی کسی کی زبردستی کی وجہ سے روزہ توڑ دینا اگرچہ اکراہ اس کی زوجہ کی طرف سے جماع کرنے پر ہی ہو، صحیح روایت کی بنا پر اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے

اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پس اگر کسی شخص نے اکراہ یعنی کسی کی زبردستی کی وجہ سے کھایا پیا یا جماع کیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کسی روزہ دار عورت کے ساتھ زبردستی

لشہ شہوات حیات ۳۰۰ دروش بصری تغیر ۳۰۰ دروش دجیات وغیرہ ۳۰۰ جات ازہر شہ ۳۰۰ دروش بصری ۳۰۰ دروش بصری

میں مسئلہ کی تفصیل حالت تعدد میں ہوئی ہاں خطا سے ایسا کرنے کی نیت پائی گئی



جملہ کیا گیا تو اس عورت پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اسی پر فتویٰ ہے، اگرچہ دخول کے بعد اس کی رضامندی پائی گئی ہو۔  
 کیونکہ یہ رضامندی روزہ ٹٹنے کے بعد پائی گئی ہے یعنی کفارہ واجب ہونے کا حکم اس وقت ہی جبکہ جملہ کی ابتدا اکراہ کی حالت  
 میں ہوئی ہو اگرچہ دورانِ جملہ میں عورت کی رضامندی حاصل ہو گئی ہو تو دخول پہلے ہی روزہ ٹٹ گیا اور رضامندی روزہ ٹٹنے کے بعد پائی گئی جیسا کہ ظہیر بیگ  
 اختیار میں ہے کہ اگر اکراہ عورت کی طرف سے ہو تو کفارہ دونوں پر واجب ہوگا اور درالمنشیٰ میں یہ مضمرات کی طرف مہربان  
 اور قاضی ظہیر یہ میں ہے کہ عورت جب اپنے خاوند کو رمضان میں جملہ کرنے پر مجبور کر دے اور وہ اس سے اکراہ کی وجہ سے  
 جملہ کر لے تو واضح یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ اس پر اس بارے میں زبردستی کی گئی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے  
 اور درالمنشیٰ میں بھی اسی طرح ہے اور اس کی عبارت یہ ہے "مضمرات میں ہے کہ اگر عورت نے اپنے خاوند کو جملہ پر مجبور کیا تو  
 دونوں پر کفارہ واجب ہے لیکن ذخیرہ میں ہے کہ خاوند پر کفارہ واجب نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہ حکم اس وقت ہی  
 جبکہ مرد اس عورت کو روکنے پر قادر نہ ہوتا کہ اکراہ متحقق ہو جائے تب اس سے کفارہ ماقفا ہوگا ورنہ نہیں کزانی سراج الوہاج۔  
 لہذا مضمرات میں ہے کہ اگر عورت نے اپنے خاوند پر جملہ کے لئے زبردستی کی اور مرد کو نیچے ڈال دیا اور خود اس کے اوپر ہو گئی تو  
 اس مرد پر کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اس عورت پر کفارہ لازم ہوگا جس کی طرف سے زبردستی کی گئی ہے۔ اور آئہ ذکر کا انتشار  
 رضامندی پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ایسا تو سونے کی حالت میں بھی ہو جاتا ہے اور چھوٹے بچوں کو بھی انتشار ہوتا ہے۔ پس  
 ہر وہ شخص جس کے ذکر کو انتشار ہو ضروری نہیں کہ وہ جملہ کرتا ہو جیسا کہ چھوٹا بچہ یا سوتا ہوا شخص۔ اور جس صورت میں  
 روزہ دار پر کسی چیز کے پینے میں زبردستی کی جائے تو اس بارہ میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ چیز زبردستی اس کے منہ میں ڈالی گئی ہو  
 یا اس نے کسی کے زبردستی کرنے پر خود پی لیا ہے۔ (مسئلہ اکراہ کی مزید تفصیل عوارض کے بیان میں ہے، مؤلف)

(۵) اضطراب ہونا

بیان میں آئے گا (مؤلف)

(۶) روزہ دار کے فعل کا پایا جانا لیکن روزہ فاسد ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ روزہ توڑنے والا امر روزہ دار  
 کے اپنے فعل سے واقع ہوا ہو پس اگر روزہ دار کے فعل کے بغیر  
 روزہ کے منافی امر پایا گیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے

اس پر یہ قضا لازم ہوگی نہ کفارہ اور اگر اس کے اپنے فعل سے وہ منافی امر واقع ہوا اور وہ تمام شرائط بھی پائی گئیں جن  
 کے پائے جانے سے کفارہ لازم ہوتا ہے تو اس پر کفارہ بھی لازم ہوگا اور اگر کفارہ کی شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی  
 مفقود ہوگی تو صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا جیسا کہ کفارہ واجب ہونے کے بیان میں بھی گذر چکا ہے۔

لے م بحرہ درالمنشیٰ لے حیات لے م و م لے ش لے حیات لے م مؤلف عن نوادہ و ش بمصرف



(۷) روزہ توڑ دینے کے بعد کوئی ایسا عذر لاحق ہونا جس سے روزہ نہ رکھنا مباح ہوتا ہے۔

اور اس عذر کی وجہ سے اس کو روزہ نہ رکھنا یا روزہ توڑ دینا جائز ہو جاتا ہو مثلاً اس کو روزہ توڑ دینے کے بعد اسی روز مرض لاحق ہوا یا حیض یا نفاس جاری ہوا تو کفارہ واجب ہونے کے بعد اس سے ساقط ہو جائے گا مثلاً کسی عورت نے اپنا روزہ عذر توڑ دیا اس کے بعد اسی دن میں اس کو حیض جاری ہوا یا نفاس جاری ہوا تو اس سے کفارہ ساقط ہو جائے گا اور اسی طرح اگر عورت کو کوئی آسمانی بیماری لاحق ہوئی جس سے روزہ افطار کرنا جائز ہو جاتا ہے اور جس میں اس کے فعل کو کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس کے سبب میں اس کے فعل کا تعلق ہے تو اس عورت سے کفارہ ساقط ہو جائے گا اور اسی طرح اگر کسی آدمی کو عذر روزہ توڑ دینے کے بعد بیماری لاحق ہوئی یا کسی کو عذر روزہ توڑ دینے کے بعد بیہوشی طاری ہو گئی تب بھی کفارہ ساقط ہو جائے گا بخلاف اس کے اگر کسی نے عذر روزہ توڑ دینے کے بعد اپنے فعل سے اپنے آپ کو زخمی کر لیا ہو یا اس نے اپنے آپ کو پہاڑ یا بلند جگہ سے گرا لیا ہو جس سے اس کو ایسی سخت بیماری لاحق ہو گئی ہو جس سے روزہ نہ رکھنا یا توڑ دینا جائز ہو جاتا ہے تو اس میں شارع کا اختلاف ہے، مختار قول کی بنا پر اس کا کفارہ ساقط نہیں ہوگا اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ بندوں کا اپنا فعل ہے جو شرع کا حق ساقط کرنے میں اثر انداز نہیں ہو سکتا اور اس لئے بھی کہ مرض اب اس زخم کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور زخم فی الحال ہی پایا گیا لہذا مرض کا وجود بھی فی الحال ہی ہوا پس اس کا اثر زمان ماضی کے روزہ پر نہیں پڑ سکتا کیونکہ اس کا روزہ صبح صادق سے شروع ہو چکا ہے اور پھر عذر روزہ کا توڑ دینا بھی اپنے آپ کو زخمی کرنے سے پہلے ہو چکا ہے اس لئے فی الحال کا مرض ماضی پر اثر انداز نہ ہونے کی وجہ سے اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ اگر کسی شخص نے نیت کرنے کے بعد طلوع فجر کے بعد روزہ افطار کر دیا تو اس پر کفارہ واجب ہو گیا پھر اسی روز اس نے سفر کیا تو اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ سفر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے نکلنے کا نام ہے جو فی الحال پایا گیا اور وہ عذر روزہ افطار کر دینے کے وقت موجود نہیں تھا پس وہ کفارہ واجب ہونے میں اثر انداز نہیں ہوگا۔ یعنی چونکہ سفر کا عذر فی الحال پایا گیا اس لئے ماضی میں روزہ توڑ دینے کے وقت اس کا مانع ہونا اثر انداز نہیں ہوگا۔ بخلاف مرض و حیض و نفاس کے کیونکہ بیماری کے معنی میں طبیعت کا صحت سے فساد کی طرف تبدیل ہونا اور یہ بات اول طبیعت سے باطن میں پیدا ہوتی ہے پھر اس کا اثر ظاہر میں پیدا ہوتا ہے پس جب اس روز بیمار ہوا تو ظاہر ہو گیا کہ روزہ توڑنے کے وقت باطن میں وہ مرض تھا لیکن ظاہر میں اس کا اثر پیدا نہیں ہوا تھا پس روزہ توڑنے کو جائز کرنے والا امر روزہ توڑنے کے وقت موجود تھا جس نے روزہ توڑنے پر کفارہ لازم آنے کو منع کر دیا یا یہ کہیں گے کہ اس کی اصل کا موجود ہونا وجوب کفارہ میں شبہ پیدا کرتا ہے اور

لے فتح و بقاء و مجروح و دم و طمطغان و تصرفاً لہ براء دفع تصرفاً لہ براء دفع۔







(۱۰) رمضان کے ادائی روزوں میں نیت کا رات میں واقع نہ ہونا جب کسی نے رات کے وقت یعنی طلوع فجر سے پہلے رمضان کے ادائی روزے کی نیت نہیں کی اور

دوپہر شرعی سے پہلے روزے کی نیت کی تو اس پر روزہ توڑ دینے سے کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا روزہ درست ہونے کی وجہ سے شہرہ اقل ہوگا کیونکہ امام شافعی کے نزدیک دن کے وقت نیت کرنے کا روزہ درست نہیں ہوتا جیسا کہ مطلق نیت سے بھی روزہ صحیح نہیں ہوتا تو ان کے نزدیک روزہ ہی نہیں ہوا جس کے توڑنے سے کفارہ لازم آتا اور اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ چاہئے کہ جب رات کے وقت مطلق روزے کی نیت کی اور اس کو فرض روزے کے ساتھ معین نہیں کیا تو اس پر بھی روزہ توڑ دینے سے کفارہ لازم نہ ہوگا کیونکہ اس میں بھی شبہ خلاف امام شافعی پایا جاتا ہے۔ پس جس شخص نے کسی دن رمضان کا ادائی روزہ رکھا اور اس روزہ کی نیت طلوع فجر کے بعد دوپہر شرعی سے پہلے کی پھر عدا اس روزہ کو توڑ دیا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا اور یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور یہی ظاہر الروایت ہے اور جن کے نزدیک اگر زوال کے بعد روزہ توڑا ہو تو یہی حکم ہے کہ کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اگر زوال سے پہلے روزہ توڑ دیا تو صاحبین کے نزدیک اس پر کفارہ واجب ہوگا اس لئے کہ اس نے روزہ حاصل ہونے کے امکان کو ضائع کر دیا پس وہ غاصب کے غاصب کی مانند ہوگا کیونکہ زوال (دوپہر شرعی) سے پہلے روزہ کی نیت کر لینا ممکن تھا جس کو اس نے کھانے پینے کے استعمال سے ضائع کر دیا بخلاف زوال کے بعد کھانے پینے کے۔ کفارہ کے بغیر صرف قضا واجب ہونے کی یہ علت اس وقت ہے جبکہ اس نے نیت کے بعد کھایا ہو لیکن اگر روزہ کی نیت کرنے سے پہلے عدا کھالیا تب بھی صرف قضا بغیر کفارہ کے لازم ہوگی لیکن اس کی علت یہ ہے کہ اس کا روزہ شروع ہی نہیں ہوا کیونکہ شرط یعنی نیت نہیں پائی گئی اس لئے کہ کفارہ اس پر لازم آتا ہے جس نے اپنے روزہ کو فاسد کر دیا ہو اور صورت مذکورہ میں تو اس کا روزہ ہی نہیں ہے اور اگر نیت سے پہلے بھول کر کھایا ہو پھر ادائے رمضان کے روزہ کی نیت دوپہر شرعی سے پہلے کر لی ہو تو صحیح روایت کی بنا پر اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا جیسا کہ نیت کے بیان میں گذر چکا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے ایک دن پورا کھانے پینے و جماع (مفطرات روزہ) سے رکارہنے کے باوجود روزہ کی نیت نہیں کی اور روزہ نہ ہونے کی نیت بھی نہیں کی اور اسی طرح تمام رمضان کے روزے رکھے کہ ان میں روزہ کی نیت کی نہ افطار کی اور مفطرات سے رکا بھی رہا تو اس پر ان سب روزوں کی صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ روزہ صحیح ہونے کی شرط یعنی نیت نہیں پائی گئی اور ہمارے فقہاء کے نزدیک نیت کا ہونا لازمی ہے کیونکہ یہ بات واجب ہے کہ روزہ میں کھانے پینے و جماع سے رکنا عبادت کے لئے ہو اور عبادت بغیر نیت کے نہیں ہوتی پس جب بغیر نیت کے مفطرات سے رکا رہا تو وہ روزہ دار نہ ہوا۔ اس پر قضا کا لازم ہونا اس لئے ہے کہ شرط کے بنپائے جانے کی وجہ سے اس کا روزہ شروع ہی نہیں ہوا اور کفارہ اس لئے واجب نہیں ہے کہ کفارہ روزہ کے توڑ دینے پر واجب ہوتا ہے اور اس کا روزہ



مشرع ہی نہیں ہوا ہذا روزہ کا توڑ دینا بھی نہ پایا گیا۔ نیز اس صورت میں امام زفر رحمہ اللہ کے خلاف کا شبہ بھی پایا جاتا ہے کیونکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک تندرست مقیم آدمی کا روزہ مفطرات سے رکے رہنے سے ادا ہو جاتا ہے خواہ اس نے نیت نہ بھی کی ہو، حتیٰ کہ اگر وہ عمدًا اس روزہ کو توڑ دے گا تو امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

(۱۱) روزہ دار کا مکلف نہ ہونا یعنی ایسے وجوب ادا اور جس شخص میں وجوب ادا اور صحت ادکی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی مثلاً وہ مریض یا مسافر ہو، یا صحت ادا کی شرطوں میں سے کسی شرط کا نہ پایا جانا

حیض یا نفاس والی عورت ہو تو اس پر روزہ توڑ دینے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا بلکہ صرف قضا لازم ہوگی (اس کی تفصیل عوارض کے بیان میں ہے) اور اسی طرح جس شخص نے رمضان کے چہینے میں نہ روزہ رکھنے کی نیت کی اور نہ ہی روزہ نہ رکھنے کی نیت کی اور پورا دن مفطرات روزہ سے رکھا تو اس پر بغیر کفارہ کے صرف قضا لازم ہوگی اسلئے کہ ہمارے نزدیک سرے سے اس کا روزہ مشروع ہونا ہی نہیں پایا گیا کیونکہ شرط صحت ادا یعنی نیت مفقود ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔

(۱۲) عمدًا روزہ توڑنا شبہ کے موقع پر شبہ کی وجہ سے ہونا اور اس سلسلہ شبہ کی چار صورتیں ہوتی ہیں یعنی اشتباہ بالنظر

یا اس کا عالم نہ ہونا اجداس کو کسی ایسی حدیث کا پہنچنا جس کی وہ تاویل نہیں جانتا یا اس کو کسی معتد مفتی نے فتویٰ دیا ہو اگرچہ اس مفتی نے غلطی کی ہو اور کوئی حدیث اس کے لئے ثابت نہ ہوئی ہو اور ان چاروں صورتوں کی فروعات یہ ہیں:-

(۱) اگر کسی نے بھول کر کچھ کھایا یا پیا یا مجامعت کی اور اس کو یہ گمان ہوا کہ اس سے اس کا روزہ ٹوٹ گیا پھر اس نے عمدًا کھالیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا یعنی صرف قضا لازم ہوگی اور اگر وہ جانتا ہے کہ بھول کر کھانے پینے وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا تب بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک کفارہ لازم نہیں ہوگا یہی صحیح ہے۔ اور یہی ظاہر الروایت ہے۔ اس لئے کہ اس نے یہ گمان اشتباہ بالنظر کی صورت میں کیا ہے اور وہ نظیر عمدًا کھانا ہے کیونکہ کھانا روزہ کی ضد ہے خواہ سہواً ہو یا عمدًا یعنی سہواً کھانا پینا یا جماع کرنا قصداً کھانے پینے یا جماع کرنے کے مشابہ ہے پس اس کو شبہ پیدا ہو گیا کہ جیسے قصداً اس سے روزہ ٹوٹا ہے سہواً سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس صورت میں اختلاف علماء کا شبہ بھی ہے کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھول کر کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲) اگر کسی کو بلا قصد خود بخود قے ہوئی اور اس نے گمان کیا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا پھر اس نے عمدًا کھایا یا پیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس میں اشتباہ بالنظر کا شبہ موجود ہے اس لئے کہ خود بخود قے ہونا اور قصداً قے کرنا دونوں کا مخرج منہم ہونے کی وجہ سے متشابہ ہیں۔ اور اسی طرح اگر کسی کو اختلام ہوا یا کسی عورت کے محاسن (چہرہ وغیرہ)



کی طرف دیکھا (یا کسی عورت کے حسن و جمال میں تفکر کیا) اور اس کو انزال ہو گیا اور اس نے گمان کیا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے پھر اس کے بعد قصد اکھایا تو اس کا حکم حق کی مانند ہے یعنی اس پر بھی کفارہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں قصائے شہوت سے تشابہ پایا جاتا ہے اور اگر وہ یہ جانتا ہے کہ ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا تو اس پر کفارہ واجب ہے کیونکہ ابناشتباہ بالنظیر کا شبہ پایا جاتا ہے اور اختلاف علماء کا شبہ ہے۔

(۳) اگر کسی نے پچھنے لگوائے یا کسی کی غیبت کی پھر گمان کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہے پھر اس نے عذر اکھایا اگر اس نے کسی فقیہ سے فتویٰ نہیں لیا اور اس کو حدیث پہنچی تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے کیونکہ یہ محض چالت ہے (اس کے پاس اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے یعنی نہ کوئی حدیث وہ جانتا ہے اور نہ قیاس اس کا مقتضی ہے کیونکہ قیاس میں روزہ کسی چیز کے اندر داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے خروج سے نہیں ٹوٹتا اور اس صورت میں دخول و خروج کچھ بھی نہیں ہے) اور چالت دارالاسلام میں عند نہیں بنتی اور اگر اس نے کسی فقیہ عالم سے فتویٰ لیا اور اس نے فتویٰ دیا کہ روزہ ٹوٹ گیا ہے تو اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ عامی (آن پڑھ) آدمی کے لئے عالم کی تقلید واجب ہے جبکہ وہ عالم ایسا ہو جس کے فتویٰ پر اعتقاد کیا جاتا ہو پس وہ شخص اس فعل میں معذور ہو گیا اگرچہ اس مفتی نے اس فتویٰ میں غلطی کی ہو اور اگر اس نے کسی مفتی سے فتویٰ تو نہیں پوچھا لیکن اس کو حدیث پہنچی اور وہ پچھنے لگانے کی حدیث یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أَقْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمُحْجِمُ الْحَدِيثَ** (پچھنے لگانے والا اور جس کو پچھنے لگائے گئے دونوں کا روزہ جاتا رہا) اور غیبت کی حدیث یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الْغَيْبَةُ تَقْطِرُ الْحَدِيثَ** (غیبت سے روزہ دار کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے) اور اس نے اس حدیث پر اعتماد کیا اور اس کے نسخہ ہونے اور اس کی تاویل کو نہیں جانتا تو طرفین کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا واجب ہے برخلاف امام ابو یوسف کے کہ ان کے نزدیک اس پر کفارہ واجب ہو گا اس لئے کہ ان کے نزدیک عامی (جاہل) آدمی کو ناخ مسوخ اور متروک و مصروف کا علم حاصل کئے بغیر ظاہر حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر حدیث کی تاویل معلوم ہے اور پھر کھایا یا تو کفارہ واجب ہو گا بالاتفاق کیونکہ اب اشتباہ نہیں پایا گیا۔ اور غیبت والی حدیث کی بالا جملہ یہ تاویل کی گئی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے روزہ کا ثواب جاتا رہتا ہے پس وہ ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے روزہ رکھا ہی نہیں اور بالا جملہ کا مطلب یہ ہے کہ علمائے اہل ظاہر کا خلاف معتبر نہیں ہے کیونکہ اہل ظاہر علماء کا یہ اختلاف اس وقت رونما ہوا ہے جبکہ سلف اس حدیث کے وہ معنی جو اوپر مذکور ہوئے بیان کر چکے تھے، بخلاف پچھنے لگوانے والی حدیث کے کہ بعض علماء مثلاً امام اوزاعی و امام احمد نے اس کے ظاہری الفاظ کو اختیار کیا ہے اور خانیہ میں ہے کہ بعض فقہانے کہا ہے کہ پچھنے لگوانے اور غیبت کے مسئلہ کا ہر لحاظ سے ایک ہی حکم ہے اور عامہ بخاری نے کہا کہ غیبت کے بعد عذر اکھانے پینے والے پر ہر حال میں کفارہ ہے (خواہ اس کو حدیث پہنچی ہو











اس لئے کہ اس نے عمدہ روزہ نہیں توڑا (بلکہ خطا ایسا ہوا ہے) اور اس لئے بھی کہ قصور (جائز) کامل نہیں ہے اور وہ قصور  
یہ ہے کہ اس کو خشک کی حالت میں یقین حاصل ہونے تک تاخیر کرنا اور ثابت قدم رہنا چاہئے تھا روزہ توڑنے کا قصور نہیں ہے  
کیونکہ اس نے روزہ توڑنے کے قصد سے نہیں کھایا اور کفارہ واجب نہ ہونے کی دلیل سے معلوم ہوا کہ اس پر ہرگز کوئی  
گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے ایسا فعل خطا سے سرزد ہوا ہے قصد سے نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ يَسْخَرُ مِنكُمْ وَاللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُنَاصِيكُمْ یعنی تم پر کسی چیز کو خطا و غلطی سے کرنے پر کوئی گناہ نہیں بلکہ اس چیز پر گناہ ہے کہ  
جس کو تم اپنے دل کے قصد سے کرو۔ اور جاننا چاہئے کہ طلوع فجر یا غروب آفتاب میں تردد کے وقت سحری کھانے یا افطار کرنے  
کے مسئلہ کی صحیح طور پر اٹھارہ صورتیں مرتب ہوتی ہیں اس لئے کہ یا اس کو کھانے پینے و جمار کو مبلح کرنے والی چیز یعنی  
رات کے ہونے کا گمان ہوگا یا آن تینوں کو حرام کرنے والی چیز یعنی دن کے ہونے کا گمان ہوگا یا خشک ہوگا کہ رات ہے  
یا دن، پھر ان تینوں میں سے ہر ایک روزہ کی ابتدا میں ہوگا یا اس کی انتہا میں ہوگا اس طرح چھ صورتیں ہوں گی پھر ان چھ  
صورتوں میں یا تو بعد میں یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس وقت دن تھا یا یہ ظاہر ہوگا کہ رات تھی یا کچھ بھی ظاہر نہیں ہوگا  
پس یہ اٹھارہ صورتیں ہوں گی جن میں سے نو صورتیں روزے کی ابتدا میں ہوں اور نو صورتیں روزے کی انتہا میں ہوں اور  
ان کے احکام یہ ہیں کہ اگر اس نے رات باقی ہونے کے گمان سے سحری کھائی تو اگر رات کا باقی رہنا ظاہر ہو یا کچھ بھی ظاہر ہو  
تو ان صورتوں میں اس پر قضا و کفارہ کچھ بھی لازم نہیں ہے اور اگر معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی تو اس پر صرف قضا لازم  
ہوگی اور یہی حکم اس وقت ہے جبکہ طلوع فجر میں شک ہو اور اس وقت سحری کھائی ہو یعنی اگر ظاہر ہو کہ فجر طلوع ہو چکی  
تھی تو اس پر صرف قضا لازم ہے ورنہ کچھ نہیں، مؤلف) اور اگر فجر طلوع ہو چکے کے گمان پر سحری کھائی تو اگر معلوم ہو کہ  
فجر طلوع ہو چکی تھی تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی اور اگر کچھ بھی ظاہر نہ ہو تو ظاہر الروایت میں اس کے ذمہ کچھ بھی لازم نہیں ہے  
(اور بعض نے اس کی تصحیح کی ہے اور یہی راجح ہے) اور بعض نے کہا کہ اس پر صرف قضا لازم ہوگی (احتیاطاً اور بعض نے اس کی  
تصحیح کی ہے، پس تصحیح مختلف فیہ ہے اور راجح وہ ہے جو ظاہر الروایت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ظاہر ہے کیونکہ  
دوسرا قول قیل کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، مؤلف) اور اگر رات کا باقی ہونا ظاہر ہو تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے پس یہ  
روزہ کی ابتدا کی صورتوں کے احکام ہوئے اور اگر سورج غروب ہونے کے گمان سے افطار کیا پھر اگر سورج کا غروب  
نہ ہونا ظاہر ہو تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی اور اگر غروب ہونا ظاہر ہو یا کچھ بھی ظاہر نہ ہو تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہے  
اور اگر غروب ہونے میں شک تھا پھر کچھ بھی ظاہر نہ ہو تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی اور کفارہ لازم ہونے میں نقص و عیب  
ہیں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے لیکن مختار یہ ہے کہ اس پر کفارہ لازم ہوگا اور اگر یہ ظاہر ہو کہ ابھی سورج غروب  
نہیں ہوا تھا تو اس پر بلا خلاف قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں اور اگر یہ ظاہر ہو کہ سورج غروب ہو چکا تھا تو اس پر کچھ















(فائدہ) جانتا چاہئے کہ جن صورتوں میں کفارہ لازم نہیں آتا ان میں یہ حکم اس وقت ہے جب کس شخص سے روزہ توڑنے والا وہ فعل گناہ کے قصد سے بار بار صادر نہ ہو پس اگر اس فعل کو دوبارہ کرے گا تو نہج کے لئے اس پر کفارہ واجب ہوگا شہر و ملک کے اندر سے یہی حکم دیا ہے اور کسی پر فتویٰ ہے اور یہ جن (اچھا) ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فعل دوسری دفعہ کرنے میں اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا اگرچہ اس میں بہت دنوں کا فاصلہ ہو اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر گناہ کے قصد سے نہ ہو تو اس کے دوبارہ توڑ دینے پر بھی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

(فائدہ) جو شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت علانیہ سب کے سامنے بلا عذر قصداً کھائے تو اس کو قتل کی جاتی ہے یعنی حکومت کو چاہئے کہ اس کو قتل کرے ہر شخص ایسا نہ کرے اور نظام حکومت اپنے ہاتھ میں نہ لے (مؤلف) کیونکہ یہ دلیل ہے کہ وہ اس کو حلال جانتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دین کے ساتھ تسخر کرتا ہے یا اس چیز کا منکر ہے جو دین میں یقیناً ثابت ہے اور اس کا قتل حلال ہونے اور اس کا حکم دینے میں کوئی خلاف نہیں ہے۔

## عذرات کا بیان جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا یا توڑ دینا مباح ہو جاتا ہے

جانتا چاہئے کہ وہ عذرات جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا یا توڑ دینا مباح ہو جاتا ہے تو ہیں (۱) مرض (۲) سفر (۳) جبر و اکراہ (۴) حمل (محل) (۵) ارضاع (دودھ پلانا) (۶) بھوک (۷) پیاس (۸) بڑھاپا (شیخ فانی ہوتا) (۹) قاتی و قاتی (۱۰) جہاد بعض نے یہ چار عذرات زیادہ کئے ہیں: حیض، نفاس، بیہوشی، جنون، اس طرح کل عذرات تیرہ ہو گئے اور نفلی روزے میں حیافت بھی روزہ توڑنے کے لئے عذر ہے، اور یہ بھی جانتا چاہئے کہ یہ مذکورہ بالا عذرات دو قسم کے ہیں اول دائمی یعنی وہ عذر جو مرتے وقت تک زائل نہیں ہوتا جیسا کہ شیخ فانی اور ایسا مریض جس کی صحت سے بالکل یقین ہو گئی ہو، اس پر اپنی زندگی میں فدیہ دینا واجب ہے اس لئے کہ اس کا عذر زائل ہونے والا نہیں ہے پس وہ قضا پر قائم نہیں ہوگا اور اس پر فدیہ واجب ہوگا اور دوم عارضی عذرات ہیں یعنی جو زائل ہونے والے ہیں جیسا کہ مریض و مسافر وغیرہ پس ان پر عذر جاتے رہنے کے بعد ان روزوں کی قضا واجب ہے اس کو زندگی میں فدیہ دینا جائز نہیں اور اگر وہ روزے قضا نہیں کئے حتیٰ کہ موت کا وقت آ پہنچا تو اب اس پر فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔ اب ان عذرات کی تفصیل الگ الگ عنوان کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

(۱) مرض (۱) اگر مریض کو اپنی جان کے ضائع ہونے یا کسی عضو کے بیکار ہو جانے یا بگڑ جانے کا یا کسی اور نئے مرض کے پیدا ہو جانے یا موجودہ مرض کے بڑھ جانے یا دیر میں صحت ہونے کا خوف ہو یا آنکھ کے درد کا یا کسی زخم کا یا سر کے درد کا

نہ در دہا ش نہ بحر و در سہ ش نہ استفاد عیش۔







غالب ہو کہ اگر اس کی دوائی یعنی دودھ پلانے والی عورت فلاں دوائی پیئے گی تو وہ بچہ صحتیاب یا قریب الصحت ہو جائیگا اور اس دودھ پلانے والی عورت کو رمضان المبارک میں دن کے وقت اس دوائی کا پینا ضروری ہے تو اس کو اس کی اجازت ہے جبکہ یہ بات حاذق اور مسلمان اہل علم نے کہی ہو اور اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جس کو سانپ نے کاٹ لیا ہو اور اس نے دوائی پینے کے لئے روزہ افطار کر دیا ہو تو فقہانے کہا ہے کہ اگر یہ دوائی اس کو نفع دینے والی ہے تو اس کو روزہ افطار کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے یعنی اس پر صرف قضا لازم آئے گی، مؤلف)

(۶) اگر کسی شخص کو باری کا بخارا آتا ہو اور اس نے باری دلے دن بخار ہونے سے پہلے اس خیال سے روزہ افطار کر دیا یعنی کھاپی لیا کہ اس کو بخار ہو جائے گا اور کمزور کر دیگا تو کچھ مضائقہ نہیں اور اس کے لئے اولیٰ و افضل یہ ہے کہ جب تک بخار کا ہو جانا متحقق نہ ہو جائے افطار نہ کرے۔ پھر اگر اس کو اس روز بخار نہ ہو تو اس پر کفارہ لازم ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے بحر الرائق میں کہا ہے کہ اس پر کفارہ لازم آئے گا جیسا کہ اگر کسی عورت نے اس گمان پر افطار کر لیا کہ یہ اس کے حیض کا دن ہے پھر اس کو اس روز حیض نہیں آیا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا اھ پس کفارہ کا واجب ہونا صحیح ہے تاہم رخیہ میں اس پر نفی کی ہے اور اسی لئے سراج اور فیض میں وجوب کفارہ پر ہی اعتماد کیا گیا ہے اور بد مختار میں کہا ہے معتد یہ ہے کہ اس سے کفارہ ساقط ہو جائے گا اور بزازیہ میں اور قاضی خاں نے شرح جامع صغیر میں اس کی تصحیح کی ہے اور اس مسئلہ کو اس شخص کے مشابہ قرار دیا ہے جس نے غروب آفتاب کے گمان پر افطار کر لیا پھر ظاہر ہوا کہ غروب نہیں ہوا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا اور علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں پس اس مسئلہ میں تصحیح مختلف فیہ ہے۔ (اس کی تفصیل مفادات میں صرف قضا لازم ہونے کے بیان میں گذر چکی ہے، مؤلف) اور حکم اس وقت ہے جبکہ اس نے روزہ کی نیت کر لی ہو اور روزہ شروع کر دیا ہو اس کے بعد توڑ دیا ہو لیکن اگر روزہ کی نیت نہیں کی تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

(۷) کوئی شخص رمضان کے مہینے میں اگر روزہ رکھتا ہے تو اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں ہے لیکن اگر روزہ نہ رکھے تو نماز کھڑا ہو کر پڑھ سکتا ہے تو اس کو چاہئے کہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر پڑھے تاکہ دونوں عبادتیں جمع ہو جائیں۔

(۸) اگر کسی پیشہ ور کو پینا نفقہ کمانے کے لئے روزہ کے ساتھ اپنے پیشے میں مشغول ہونے سے ایسی بیماری و ضرر کا خوف ہو جس سے روزہ توڑ دینا مباح ہو جائے تو اس کو بیمار ہونے سے پہلے توڑ دینا حرام ہے۔

(۹) جس سفر میں نماز قصر کرنا مباح ہوتا ہے اس میں روزہ کا افطار کرنا یعنی نہ رکھنا مباح ہو جاتا ہے۔ سفر (۲) سے مراد سفر شرعی ہے اور سفر شرعی وہ ہے جس میں نماز قصر ہوتی ہے اور وہ تین دن کی مسافت ہے (انگریزی میں کے حساب سے جو آجکل ہمارے ملک میں رائج ہے اڑتالیس میل ہے اس کی تفصیل مسافر کی نماز کی بیان میں درج ہوئی ہے)

لے بوجیات لے فتح و بکرو د و د م ط م ط ط آ لے ش تصرفا لے بحر شہ بحر د جات لے ع لے بحر۔



خواہ وہ سفر جائز ہو یا ناجائز یعنی سفر معصیت ہو اس لئے کہ برائی یعنی معصیت کا سفر کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔۔۔۔۔ سفر میں نماز کے قصر ہونے اور روزہ کے افطار وغیرہ کے مشروع ہونے کو نہیں رکھتا۔

(۲) مسافر کو اختیار ہے کہ سفر والے دنوں میں روزہ رکھے یا نہ رکھے لیکن روزہ نہ رکھنا رخصت ہے اور روزہ رکھنا عزیمت ہے پس یہ افضل ہے لیکن اگر اس سے ہلاکت کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھنا واجب ہے۔ پس مسافر کے لئے روزہ رکھنا مستحب و افضل ہے جبکہ روزہ اس کو ضرر و نقصان نہ کرتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ** **إِلَّا تَرْمِیْہِ** اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور چونکہ رمضان المبارک سب سے افضل مہینہ ہے پس روزہ کا اس میں ادا ہونا افضل ہے اور ضرر و نقصان نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس میں ہلاکت کا خوف نہ ہو اس لئے کہ جس صورت میں روزہ رکھنے سے ہلاکت کا خوف ہو تو ایسی صورت میں اس کو روزہ نہ رکھنا واجب ہے پس اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اور اگر مسافر کو روزہ رکھنے سے جہد و مشقت لاحق ہوتی ہے لیکن اس حد تک نہ ہو جس سے ہلاکت کا خوف ہو تو اس کو روزہ نہ رکھنا افضل ہے اور روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ افضلیت کی دلیل سے ظاہر ہے اور ضرر و نقصان سے مطلق مشقت مراد ہے خاص جسم ہی کا ضرر مراد نہیں ہے۔ پس اگر اس پر یا اس کے ساتھیوں پر مشقت ہو جو جماعت کی موافقت کے لئے افطار افضل ہے، یعنی اگر ایک یا چند لوگ اس کے ہمراہ ہوں اور وہ سب یا اکثر روزہ نہ رکھیں اور ان میں کھانے پینے کا خرچ مشترک ہو تو اس کو روزہ نہ رکھنا افضل ہے اس لئے کہ تمہا اس کے روزہ رکھنے کی صورت میں کھانے وغیرہ کے انتظام اور نفقہ (خرچ) کی تقسیم میں ان لوگوں کو تکلیف ہوگی اور ان کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے مشقت ہوگی۔ اور اس لئے بھی کہ اس طرح سے اس کے حصے کے مال کا نقصان ہوگا اور مال کا نقصان بدن کے نقصان کی مانند ہے۔ لیکن یہ توجیہ کہ اس کے روزہ رکھنے سے اس کا مال ضائع ہونے کا ضرر لازم آتا ہے ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ اس کو اپنے حصے کا لے لینا یا اپنا حصہ ان کو معاف کر دینا جائز ہے۔ اس لئے ہی توجیہ مناسب ہے کہ اپنے گروہ کی موافقت کیلئے روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ اور اگر اس کے اکثر ساتھی بے روزہ نہ ہوں یا ان میں نفقہ مشترک نہ ہو تو اس کو روزہ نہ رکھنا افضل نہیں ہے (یعنی اس کو روزہ رکھنا افضل ہے، مؤلف) ساتھیوں میں سے سب یا اکثر کے بے روزہ ہونے کی قید سے معلوم ہو گیا کہ اگر ان میں سے تنہا بے روزہ نہ رکھا ہو اور زیادہ ساتھی روزہ دار ہوں تو باس کو بھی روزہ نہ رکھنا افضل نہیں ہے۔

(۳) جس روز رمضان کا روزہ رکھنے کے بعد سفر شروع کیا وہ دن روزہ توڑنے کیلئے عذر نہیں ہے اور اس کو اس روزہ روزہ توڑ دینا جائز نہیں ہے اور آئندہ کے باقی دنوں کے لئے سفر عذر ہے۔ اس لئے کہ سفر روزہ توڑ دینے کو مباح نہیں کرتا البتہ روزہ نہ رکھنے کو مباح کرتا ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ رمضان المبارک میں سفر شروع کرنا جائز ہے بوجہ اطلاق نص کے

لے ط و دوش تصرف لے بکروش لے بکروش و دوش و ط لے حیات تصرف لے ش لے در ش ش بکروش لے ط۔

لے ط و حیات لے ط لے بکروش لے ط و ط لے بکروش لے ط۔







باقی وقت میں کھانے پینے وغیرہ سے رُکے رہنا واجب ہے۔

(۵) اگر کسی مسافر نے نصف النہار شرعی اور کچھ کھانے پینے وغیرہ سے پہلے کسی اقامت کی جگہ میں اقامت کی نیت کر لی یا اپنے وطن اصلی میں سفر سے واپس لوٹ آیا اور اپنے شہر میں داخل ہو گیا اور ابھی تک اُس سے کوئی روزہ توڑنے والا فعل واقع نہیں ہوا اور اس نے اس وقت میں یعنی نصف النہار شرعی اور کچھ کھانے پینے وغیرہ سے قبل روزہ کی نیت کر لی تو اس کا وہ روزہ جس میں نیت کارات میں ہونا شرط نہیں ہے صحیح ہو جائے گا اور وہ روزہ جس میں نیت کارات کو ہونا شرط نہیں ہے وہ ماہ رمضان میں رمضان کا ادائی روزہ ہے اور رمضان کے علاوہ دنوں میں نذر معین یا نفل روزہ ہے پس جس کی نیت کی ہے وہ صحیح ہو جائے گا اس لئے کہ سفر اہلیت و جوب کے منافی نہیں ہے اور نہ ہی صحت مشروع کا مانع ہے۔ اور اگر ایسے روزہ کی نیت کی جس میں نیت کارات کو ہونا شرط ہے تو وہ روزہ نفل واقع ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں مشروع دن میں مسافر تھا اور اُس نے اُس دن کے کسی حصہ میں اپنے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا (یعنی داخل ہوا) اور اقامت کی نیت کر لی یا اپنے شہر میں داخل ہوا تو اس کو اس روز کا روزہ رکھنا واجب ہے بوجہ تزیج محرم کے جو کہ اقامت ہے اور اس کو افطار یعنی روزہ نہ رکھنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس نے اس روز بیچ یعنی سفر اور محرم یعنی اقامت کو جمع کیا ہے پس احتیاطاً محرم کو تزیج ہوگی اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس کا شہر میں داخل ہونا نیت کے وقت میں ہوا اور ابھی تک اس سے روزہ کے منافی کوئی فعل واقع نہ ہوا ہو لیکن اگر اس نے افطار کر دیا یعنی روزہ نہ رکھا اور کھایا یا تو شبہ اباحت کے پائے جانے کی وجہ سے اس پر کفایہ واجب نہیں ہے۔ اور اگر نیت کے وقت مسافر تھا پھر روزہ کی نیت کا وقت گزرنے کے بعد یعنی ضحوة کبریٰ کے وقت یا اس کے بعد یا اس سے پہلے کسی مقرر کے استعمال کے بعد اپنے شہر میں داخل ہوا یا کسی دوسرے شہر میں داخل ہو کر اقامت کی نیت کی تو اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا اور اس پر اس دن کے بقیہ حصہ میں مخطرات سے رُکے رہنا واجب ہے۔ اور اگر اس کا گمان غالب یہ ہو کہ وہ آفتاب غروب ہونے سے پہلے اپنے شہر میں داخل نہیں ہو سکے گا تو اس دن کا روزہ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۶) اگر کسی مسافر نے کسی دوسرے شہر میں پندرہ دن سے کم مدت ٹھہرنے کی نیت کی تو کیا اس کو اس مدت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے جیسا کہ نماز کا قصر کرنا جائز ہے؟ قواعد کا مقتضی یہ ہے کہ جائز ہے جب تک اس کے خلاف صریح نفل نہ پائی جائے خود کر لیجئے اور جس روزہ اس شہر میں داخل ہوگا اس روز بھی جب تک اقامت کی نیت نہ کرے روزہ نہ رکھنا جائز ہے خواہ وہ دن کے اول حصہ میں داخل ہو اس لئے کہ محرم نہیں پایا گیا اور وہ اقامت شرعی ہے اور جب تک اقامت کی نیت نہ کرے باقی دنوں میں بھی یہی حکم ہے۔ اور کسی شہر میں اقامت کرنے پر یا اپنے شہر میں داخل ہونے پر روزہ کی نیت کا وقت ہوتے ہوئے اور کوئی منافی روزہ فعل نہ کرنے کی صورت میں روزہ رکھنا مکروہ ہونے سے بھی اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔

لے ش مہ مستقل من بحوش لکہ برائے دوش و بحر و مقلعاً لکہ مستند عن خود و شرف برائے دوش و بحر و مقلعاً لکہ مستند عن خود و شرف۔



جیسا کہ کراہت کا یہ مسئلہ بحر الرائق وغیرہ سے اوپر ذکر کیا گیا ہے پس صاحب بحر نے اپنے شہر اور دوسرے شہر کے حکم میں فرق بیان کیا ہے پس اپنے شہر میں محض دخول پر کراہت کو معلق کیا ہے اور اپنے شہر کے علاوہ دوسرے شہر میں نیت اقامت کر کے داخل ہونے کے ساتھ مشروط کیا ہے، نیز وہ اصول بھی اس مسئلہ پر دلیل ہے جو کہ شروع بیان میں مذکور ہے یعنی انطا (روزہ رکھنے کو) بدل کر نہ ملا سفر وہ ہے جو کہ نماز کے قصر ہونے کو مباح کرتا ہے و اشہر اعلم بالصواب۔

(۳) جبر و اکراہ | (۱) اکراہ کی دو قسمیں ہیں اول بلیغی عدم غیر بلیغی، اگر اول بلیغی وہ ہے جس میں اپنی جان کے ضائع کرنے یعنی قتل وغیرہ کا یا کسی عضو کے کاٹنے و ضائع کر دینے کا خوف دلیا جائے اور غیر بلیغی وہ ہے جس میں قید اور معمولی مارنے وغیرہ کی دھمکی دی جائے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اکراہ کی شرط یہ ہے کہ اکراہ سلطان کی طرف سے ہو اور صاحبین کے نزدیک وہ اکراہ جو سلطان (بادشاہ) کی طرف سے ہوتا ہو اگر وہ کسی اور کی طرف سے پایا جائے تب بھی شرعیاً صحیح اکراہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یعنی اگر اکراہ کرنے والا اس فعل اکراہ پر قادر ہو تو اکراہ صحیح ہوگا ورنہ نہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ جس پر اکراہ کیا جائے اس کو اس فعل کے واقع ہونے کا خوف ہو پس ان دو باتوں کے بغیر اکراہ متحقق نہیں ہوگا اس لئے اس کو روزہ توڑ دینا بھی جائز نہیں ہوگا۔

(۲) پس جب کسی شخص کو مثلاً مردار یا خون یا خنزیر کھانے پر مجبور کیا جائے تو اگر وہ اکراہ غیر بلیغی ہے مثلاً قید یا معمولی مار وغیرہ کی دھمکی ہو تو اس کو اس کا کھانا حلال نہیں ہے اور اگر وہ اکراہ بلیغی ہے مثلاً اس کو قتل کر دینے یا اس کے کسی عضو کو کاٹ دینے یا ضرب شدید پر مجبور کیا گیا ہو تو اس کو اس مردار وغیرہ کا کھانا حلال ہے پس اگر اس اکراہ پر صبر کرے گا یعنی مردار وغیرہ کو نہیں کھائے گا اور اس کی وجہ سے اس کو قتل کر دیا جائے گا تو گنہگار ہوگا اور اگر کسی شخص کو کفر کے اظہار پر باکراہ بلیغی مجبور کیا گیا تو اس کے لئے اس کفر کا اظہار جائز ہے جبکہ اس کا قلب ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور اگر اس نے اس تکلیف پر صبر کیا تو اس کو اس پر اجر و ثواب دیا جائے گا اور تمام حقوق اللہ کا حکم اسی کی مانند ہے مثلاً روزہ توڑ دینا یا نماز ترک کرنا یا حرم کے شکار کا قتل کرنا یا احرام کی حالت میں اس شکار کا قتل کرنا اور ہر وہ چیز جس کی فرضیت شرع شریف سے ثابت ہے ان سب کا یہی حکم ہے اور اگر ان امور کے لئے اکراہ غیر بلیغی ہو تو ان کے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور پہلی صورت یعنی اکراہ بلیغی کی صورت میں اگر صبر کرے گا تو گنہگار ہوگا کیونکہ یہ چیزیں ضرورت کی حالت میں حرمت سے مستثنیٰ کر دی گئی ہیں اور حرمت سے استثناء جلال ہے بخلاف کلمہ کفر زبان پر جاری کرنے کے کہ اس کی حرمت دور نہیں کی گئی ہے اس میں صرف گناہ کے ساقط ہونے کیلئے اجازت دی گئی ہے (یعنی اکراہ بلیغی کی وجہ سے کلمہ کفر زبان سے ادا کرنے پر وہ شخص گنہگار نہیں ہوگا اگرچہ کلمہ کفر کا ادا کرنا اب بھی اس کے لئے حرام ہے اور اگر اس پر وہ صبر کرے گا تو اس کو اجر و ثواب ہوگا مؤلف)۔



(۳) آدراگر کسی مریض یا مسافر کو مجبور کیا گیا کہ وہ رمضان کا روزہ توڑ دے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا تو اس کو روزہ توڑ دینا واجب ہے اور اس کو شرعاً روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اس نے روزہ نہ توڑا اور وہ قتل کر دیا گیا تو گنہگار ہوگا جیسا کہ مردار رکھنے پر اکراہ کی صورت میں بھی حکم ہے بخلاف اس کے اگر تندرست و مقیم شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ روزہ توڑ دے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا تو اس کو روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے اور روزہ رکھنا اس کے لئے افضل ہے پس اگر اس نے روزہ توڑنے سے انکار کیا یا ہانک کہ اس کو قتل کر دیا گیا تو اس کو اس پر ثواب ملے گا کیونکہ اکراہ کی حالت میں بھی روزہ کا وجوب اس پر ثابت ہے اور حالت اکراہ میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت کا اثر گناہ کے ساقط ہونے میں ظاہر ہوگا جو اس کو روزہ ترک کرنے پر ہوگا روزہ کے وجوب کے ساقط کرنے میں نہیں جیسا کہ کفر پر اکراہ کی صورت میں حکم ہے (جواد پر بیان ہو چکا ہے) پس مکرہ بلخی کے مریض یا مسافر ہونے اور صحیح و مقیم ہونے کے حکم میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مریض یا مسافر پر روزہ نہ رکھنے کے لئے اکراہ بلخی کیا گیا اور اس نے افطار نہیں کیا یا ہانک کہ قتل کر دیا گیا تو گنہگار ہوگا اور اگر وہ صحیح و مقیم ہو تو گنہگار نہیں ہوگا اس لئے کہ مریض یا مسافر پر اس حالت میں افطار واجب ہے اور اس کو شرعاً روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور صحیح و مقیم کو افطار کی اجازت ہے اور اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور اکراہ بلخی میں اپنی جان کے قتل کئے جانے کی قید سے معلوم ہو گیا کہ جب کسی کو یہ کہا جائے کہ اگر تو روزہ افطار نہیں کرے گا تو تیرے لڑکے کو قتل کر دیا جائے گا تو اس کے لئے افطار جائز نہیں ہے جیسا کہ کسی کو یہ کہنا کہ تو شراب پی ورنہ تیرے لڑکے کو قتل کر دیا جائے گا پس وہ اس کی مانند ہے جس کو قید کی دھمکی دی جائے (مسائل اکراہ کی مزید تفصیل کتب فقہ میں اکراہ کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں، مؤلف)۔

(۴) اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ رمضان میں دن کے وقت (روزہ کی حالت میں) اپنی بیوی سے جماعت کرے یا کھائے ہے پس اس نے ایسا کیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا صرف قضا واجب ہوگی، خواہ اکراہ کرنے والا بادشاہ ہو یا کوئی اور ہو یا ہانک کہ اگر کسی عورت نے اپنے خاوند کو جلع پر اکراہ کیا تو اصرار قول کی بنا پر اس آدمی پر کفارہ لازم نہیں ہوگا اسی پر فتویٰ ہے اور یہی صحیح ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ مرد اپنی بیوی کو روکنے کی قوت نہ رکھتا ہو تاکہ اکراہ متحقق ہو جائے ورنہ اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا اور اس عورت پر کفارہ لازم ہوگا کیونکہ اکراہ اس کی جانب سے واقع ہوا ہے اور جس شخص پر اکراہ کیا جائے اس سے کفارہ ساقط ہونے کا حکم اس وقت ہے جبکہ اکراہ روزہ توڑنے والی چیز کے استعمال پر کیا جائے لیکن اگر کسی روزہ دار کو مغطرات ثلاثہ کے علاوہ کسی اور چیز پر مجبور کیا جائے اور وہ اس خیال سے کہ اب قتل کیا جائے گا کچھ کھاپی لے اور پھر اس کو معاف کر دیا جائے اور قتل نہ کیا جائے تو اس پر کفارہ واجب ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کو کھانے پینے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ (ان سب کی تفصیل مسندات میں بھی گند چکی ہے، مؤلف) اگر کسی شخص نے اکراہ کی وجہ سے



روزہ تو دیا تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا خواہ اکراہ کھانے پینے میں ہو یا جماع کرنے میں ہو اور خواہ پانی وغیرہ زبردستی روزہ دار کے منہ میں ڈالا جائے یا اکراہ کی وجہ سے وہ خود اپنے فعل سے پئے، ان سب صورتوں میں صرف قضا ہی لازم ہوگی، جماع کے لئے اکراہ میں شرط یہ ہے کہ دخولی ذکر کے وقت اکراہ ہو کیونکہ روزہ دخول کے وقت فاسد ہو جاتا ہے، اگرچہ درمیان جملع میں رضامندی حاصل ہو جائے (جیسا کہ مفردات میں ش و بحر سے گزر چکا ہے، مؤلف)

(۳) حمل (۵) ارضاع (دودھ پلانا) (۱) اگر کوئی حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی عورت اپنی یا اپنے بچہ کی جان پر نقصان یا ہلاکت کا خوف کرے تو اس کو روزہ افطار کر دینا جائز ہے اور

اس پر صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں، کیونکہ یہ افطار غرر کی وجہ سے ہے۔

(۲) دودھ پلانے والی کو مطلق بیان کرنے اور کوئی قید نہ لگانے سے معلوم ہو گیا کہ یہ حکم بچہ کو دودھ پلانے والی ماں اور دانی دونوں کے لئے یکساں ہے اس لئے کہ دایہ پر عقیدہ اجارہ کی وجہ سے دودھ پلانا واجب ہے اگرچہ یہ عقیدہ اجارہ رمضان میں ہی واقع ہو ہی صحیح ہے۔ اور ماں پر دودھ پلانا مطلقاً ہر حالت میں واجب ہے اور اگر اس بچہ کا باپ مفلس ہو یا بچہ کسی غیر کا دودھ نہ پیتا ہو تو ماں پر قضا بھی دودھ پلانا واجب ہے۔ پس ماں پر دودھ پلانا صرف دیانۃ اس وقت واجب ہے جبکہ وہ دودھ پلانے کے لئے متعین نہ ہو اور اگر وہ دودھ پلانے کے لئے متعین ہو مثلاً یہ کہ بچہ کسی اور عورت کا دودھ نہ پیتا ہو یا اس کا باپ مفلس ہو تو قضا و دیانۃ دونوں طرح اس پر دودھ پلانا واجب ہے اور یہ ظاہر روایت ہے، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پس ماں دودھ پلانے کیلئے دیانۃ مطلقاً متعین ہے اور قضا اس وقت متعین ہے جبکہ دودھ پلانے والی دایہ نہ ملے یا خاوند کو اجرت پر دایہ رکھنے کی طاقت نہ ہو یا بچہ ماں کے سوا کسی اور عورت کا دودھ نہ پیتا ہو۔

(۳) اور خوف سے مراد عورت کے حق میں عقل میں نقصان (فتور) آجانے کا خوف ہے اور عورت و بچہ دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں ہلاکت یا بیماری کا خوف ہے (یا بھوک و پیاس کی وجہ سے درد میں زیادتی کا خوف ہو) اکثر دیکھا گیا ہے کہ روزہ کی حالت میں دودھ خشک ہو جاتا ہے اور بچہ بھوک کے سبب سے تڑپتا ہے اور دودھ میں کچھ حرارت بھی آجاتی ہے جو بچہ کو نقصان کرتی ہے تو ایسی حالت میں دودھ پلانے والی کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اگر روزہ کی نیت کر لیضاً اور صبح صادق کے بعد دن میں کسی وقت ایسی صورت پیش آجائے تو افطار کر دینا جائز ہے اور اس روزہ کی صرف قضا لازم ہوگی لیکن اگر دایہ مفت دودھ پلاتی ہو اور کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی مل جائے اور وہ بچہ بھی اس سے دودھ پینے پر راضی ہو جائے تو پھر ایسی حالت میں اس کو روزہ نہ رکھنا یا توڑ دینا جائز نہیں، بعض بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر دودھ پلانے والی عورت کا دودھ نہیں پیتے بلکہ جس سے طبیعت مانوس ہو جاتی ہے اس کے سوا

لحہ حیات سے پہلے دغ و دعات سے ہوا دحیات سے بحر زیارۃ و ش و ط سے ش تغیر زیارۃ سے ط منتفی و بحر جعفر







بعض نے کہا کہ اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ پس اگر کسی شخص نے اپنی مرضی سے گرمی میں کام کے اندر اس قدر مشقت کی کہ وہ بیمار ہو گیا اور پھر اس نے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ واجب ہونے میں رد قول ہے، وہاں یہ میں بھی اسی طرح ہے اور علامہ شرنبلالی نے اس کی شرح میں کہا ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی روزہ دار نے اپنے آپ کو کسی کام میں اس قدر تھکا دیا کہ اس کو پیاس کی شدت لاحق ہو گئی اور اس کی وجہ سے اس نے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا اور بعض نے کہا کہ اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا اور امام بقالی نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، لہذا غلام کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی اگر وہ کام کی مشقت سے مریض ہو کر افطار کریں تو ان پر کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ اپنے آقا کے حکم کے تحت معذور ہیں اور باندی یا غلام کو اس کام سے رک جلنے کا حق حاصل ہے یعنی ان پر اپنے آقا کی اطاعت اس بارے میں واجب نہیں ہے اور اس اطاعت کے جائز ہونے یا نہ ہونے کے متعلق بظاہر یہ حکم ہے کہ جائز نہیں۔ جیسا کہ بحر الرائق میں ظہیر یہ اور ولواجیہ، اور وہ مختار میں ظہیر یہ سے منقول ہے کہ اگر باندی کو آقا کا حکم فرائض شرعیہ کی ادائیگی سے عاجز کر دے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل سے باز رہے کیونکہ شرع نے اس کو فرائض کی ادائیگی کے بارے میں اصل حرمت پر باقی رکھا ہے اور یعنی باندی پر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل اس بارے میں واجب نہیں ہے جیسا کہ اگر ناز کا وقت تنگ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کو مقدم کرے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر وہ اس صورت میں اپنے آقا کی اطاعت کرے گی اور روزہ توڑ دے گی تو اس پر کفارہ لازم آئے گا اور شرع شرنبلالیہ میں منتفی ہے جو منقول ہے اس میں بھی وجوب کفارہ کو ترجیح ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن شرح وہبیانیہ شرنبلالی سے جو کچھ اوپر مذکور ہوا ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ باندی کو آقا کی اطاعت جائز ہے جیسا کہ اس کا قول للامتنان تمنع من امتثال اہل المولیٰ الخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس کو حوازی اطاعت کا فائدہ دیتا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اس کے قول کے یہ معنی ہیں کہ اگر ممکن ہو تو اس کو آقا کے حکم کی مخالفت حلال ہے تو اگر وہ اپنے اختیار سے اس کی اطاعت کرے گی تو اس پر کفارہ لازم آئے گا اور کفارہ لازم نہ آنے کا قول اس وقت ہے جبکہ اپنے اختیار سے نہ کرے جیسا کہ تعلیل کی دلیل سے معلوم ہوتا ہے و اللہ اعلم۔

(۸) جہاد (قتال عدو) اگر کسی غازی کو یقیناً یا گمان غالب سے یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان میں اس کو کسی دشمنین سے لڑنا پڑے گا اور سفر رکھنے کی صورت میں اس کو کمزوری اور لڑنے میں کمی آنے کا خوف ہو

تو اس کو لڑائی شروع ہونے سے پہلے روزہ افطار کرنا یعنی روزہ نہ رکھنا یا روزہ رکھنے کے بعد توڑ دینا جائز ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم ہو۔ پھر اگر روزہ توڑ دینے کے بعد اس روزہ لڑائی کا اتفاق نہ ہو تو اس پر اس روزہ کی صرف قصداً لازم ہوگی بخلاف اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس کو جہاد کی خاطر قوت حاصل کرنے کیلئے پہلے سے کھانا پینا ضروری ہے بخلاف مرض کے پس جس شخص کو دشمن سے قتال کا یقین یا گمان غالب ہو اس کے روزہ توڑ دینے پر کفارہ مطلقاً ہونے میں فقہاء کا کوئی اختلاف















بدل ہوا و بذات خود اصل نہ ہو مثلاً کسی شخص پر کفارہ یمن (قسم) یا کفارہ قتل کے روزے لازم ہوئے (اور اس نے وہ روزے نہ کئے)  
پھر وہ ان سے عاجز ہو گیا اور شیخ فانی ہو گیا یا شیخ فانی ہونے کی حالت میں اس پر کفارے کے روزے لازم ہوئے (تو اب اس کو  
اپنی زندگی کی حالت میں فدیہ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں روزہ دوسری چیز کا بدل ہے (یعنی مال سے کفارہ ادا کر کے  
کی وجہ سے اس کے بدلے میں اس پر روزے رکھنا واجب ہوا ہے پس اس بدل کی بجائے فدیہ دینا جائز نہیں ہے، اسلئے  
کہ بدل کا بدل نہیں ہوتا اور اگر ان دونوں کفاروں میں فدیہ کی وصیت کو تو درست ہے، بلکہ اس پر اپنے وارثوں کے لئے  
وصیت کرنا واجب ہے کہ وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے متروکہ مال سے ان دونوں کا فدیہ ادا کر دیں۔ البتہ کفارہ ظہار  
اور رمضان کا روزہ تو روزے کے کفارہ میں جب تنگدستی کے سبب غلام آزاد کرنے سے اور بڑھاپے کے سبب  
روزے رکھنے سے عاجز ہو جائے تو اس کو جائز ہے کہ ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے کیونکہ نص سے ثابت ہے کہ یہ فدیہ  
روزوں کا بدل ہے۔ اور کفارہ یمن میں اطعام (کھانا دینا) روزوں کا بدل نہیں ہے بلکہ روزے اس کا بدل ہیں یا سب طرح  
اگر کسی نے احرام کی حالت میں تکلیف کی وجہ سے اپنا سر نہ ڈالیا اور اس کو جانور ذبح کرنے کی طاقت نہیں ہے اور نہ ہی  
تین صلہ گیہوں ہیں کہ چھ مسکینوں کو دیتا اور وہ شخص شیخ فانی ہو گیا ہے روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا پس اس نے  
روزوں کے بدلے کھانا دیا تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ روزہ بدل ہے۔

(۳) اگر فدیہ ادا کر دینے کے بعد اتنی طاقت آگئی کہ وہ روزہ رکھے پر قادر ہو گیا تو جو فدیہ وہ دے چکا ہے اس کا حکم باطل  
ہو گیا اس لئے اب اس پر وہ روزے واجب ہو جائیں گے۔ یعنی شیخ فانی نے روزے نہیں رکھے اور فدیہ دیا پھر اگر وہ پورے  
روزے رکھنے پر قادر ہو جائے تو ان سب روزوں کی قصاص سے اس لئے کہ فدیہ کو روزہ کا خلیفہ ہونے کے لئے عجز کا دائمی ہونا  
شرط ہے (اور وہ فدیہ اس کی طرف سے نفلی صدقہ ہو جائے گا، مؤلف) اگر شیخ فانی نے تیس روزوں کا فدیہ دیا یا پھر وہ پندرہ  
روزے قصا کرنے پر قادر ہو گیا تو یہ مسئلہ کسی کتاب میں بالتصریح نہیں ملا کہ وہ تمام فدیہ باطل ہو جائے گا یا صرف پندرہ دن کا  
باطل ہوگا عصام نے شرح وقایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ میں نے بھی یہ مسئلہ صریحاً نہیں دیکھا لیکن قیاس یہ ہے کہ بقدر  
ایام قدرت فدیہ باطل ہو جائے گا یعنی صورت نہ کو میں صرف پندرہ روز کا فدیہ باطل ہوگا تمام یعنی تیس دن کا نہیں تمام  
(۴) اور ہر روز کے روزے کا فدیہ ہر فرض نماز کے فدیہ کی طرح ہے اور وہ جنس یا قیمت دینے کے اعتبار سے صدقہ فطر  
کی مانند ہے۔ یعنی یہ مقدار و جنس اور قیمت دینا جائز ہونے کے اعتبار سے صدقہ فطر کی مانند ہے اور وہ ہر روز کے بدلے میں  
نصف صلہ گیہوں یا کمشش اور ایک صلہ کھجور (چھوہارے) یا جو یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت دینا ہے جیسا کہ صدقہ  
فطر میں ہے (اور اس کی تفصیل صدقہ فطر میں گذر چکی ہے، مؤلف) اور صدقہ فطر کے برخلاف اس میں تملیک شرط نہیں ہے

لے فتح دیات لے دیات لے دیات دفع دیات تصرف لے بحروش و غیرہ لے ش لے دیات شمع و ش لے دیات۔

لے بحروش لے دیات لے صدقہ و کبر دیات لے دیات لے کلمہ و تیر و زیار لے ش لے تیر لے بحر زیارہ۔







جن میں اس پر فوت شدہ روزوں کی قضا واجب ہوتی اور اس پر فدیہ کے لئے وصیت کرنا بھی واجب نہیں ہے کیونکہ فدیہ کی وصیت کا واجب ہونا قضا لازم آنے کی فرع ہے یعنی اگر قضا لازم آتی تو فدیہ کی وصیت واجب ہوتی پس جب وہ اس عذر کی حالت میں مر گیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ لیکن اگر کچھ بھی اس نے وصیت کی ہو کہ اس کے روزوں کے عوض میں فدیہ دیا جائے تو یہ وصیت صحیح ہو جائے گی اگرچہ اس پر وصیت کا کرنا واجب نہیں تھا اس لئے کہ وصیت کی صحت اس کے وجہ پر موقوف نہیں ہے اور اس کے تہائی مال سے فدیہ دیا جائے گا یہ جو بیان ہوا کہ اگر مریض نے حالت مرض میں وفات پائی تو اس پر ان دنوں کے روزوں کی قضا واجب نہیں ہوگی اور اسی لئے اس پر ان دنوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا بھی واجب نہیں ہے یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ مریض یہ امید رکھتا ہو کہ اس کا مرض جاتا رہے گا لیکن اگر مریض اس وقت روزہ رکھنے سے عاجز ہو اور آئندہ بھی مرتے وقت تک اس کو روزہ رکھنے کی قدرت حاصل ہونے سے ناامید رہے ہو تو وہ شیخ فانی کے حکم میں ہے (جیسا کہ شیخ فانی کے بیان میں گذر چکا) اور اس پر بیماری کے دنوں کے ہر روزہ کا فدیہ اپنی زندگی میں ادا کرنا لازمی ہے اور اگر زندگی میں ادا نہ کیا تو مرتے وقت اس کی وصیت کرنا لازمی ہے اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔ اسی طرح اگر شیخ فانی نے ماہ رمضان میں روزے نہیں رکھے اور نہ ہی ان کا فدیہ ادا کیا اور رمضان کے بعد وہ فوت ہو گیا اور ایک دن بھی زندہ نہیں رہا تو اس کو لازمی ہے کہ اپنے وارثوں کو وصیت کرے کہ وہ اس کے رمضان کے روزوں کا فدیہ ادا کریں بخلاف مریض و مسافر کے کہ اگر وہ عذر کے زائل ہونے سے پہلے مرجائیں تو ان پر کچھ لازم نہیں آتا جیسا کہ اوپر بیان ہوا کیونکہ وہ امید رکھتے ہیں کہ عت اور اقامت کے دن پالیں گے اور وہ ان دنوں میں ان روزوں کی قضا کر لیں گے پس ان میں ناامید متحقق نہیں ہوتی اور شیخ فانی میں ناامید متحقق ہو چکی ہے اور مریض سے مراد مطلق مریض ہے یعنی خواہ وہ حقیقتاً مریض ہو یا حکماً ہو مثلاً حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت اور حیض یا نفاس والی عورت وغیرہ۔ یعنی حمل والی عورت و دودھ پلانے والی عورت اور ہر اس شخص کے لئے جس نے کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو اور وہ اس عذر کے زائل ہونے سے پہلے مر گیا ہو یہی حکم ہے کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی پس اس حکم میں اگر وہ والا شخص اور عذرات کی باقی آٹھ قسمیں بھی داخل ہیں۔ اور شیخ فانی اگر مسافر تھا اور مقیم ہونے سے پہلے مر گیا تو اس پر بھی فدیہ کی وصیت کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ شیخ فانی تخفیف میں دوسروں کے برخلاف ہے لہذا یعنی حکم کو سخت و مشکل کرنے میں دوسروں کے برخلاف نہیں ہے اور اس پر جزم کرنا اولیٰ ہے۔

(۸) اگر عذر والے لوگ عذر دور ہونے کے بعد مریض تو ان کو جب قدر دن عذر دور ہونے کے بعد ملے ہیں اتنے دن کے روزوں کی وصیت کرنا ان پر واجب ہے اور یہ حکم مسافر و مریض و حمل والی و دودھ پلانے والی عورت اور ہر اس شخص کے لئے ہے جس نے کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو، اور وصیت واجب ہونے کے اس حکم میں وہ شخص بھی داخل ہے جس نے قصداً روزہ توڑ دیا ہو اور اس پر اس روزہ کی قضا واجب ہوئی ہو بلکہ ایسے شخص پر وصیت کرنا بالادنی واجب ہے، پس اگر

لے دوش تغیرتہ بحر تہ ہزارۃ عن ہر و جیات تک جیات بزبانہ و تغیرت شہ جمع شہ بحر و شہ ہر و جیات دہات شہ درہ متغیرتہ بحر و جیات



مریض اچھا ہو جائے یا مسافر سفر سے واپس آجائے اور اس قدر وقت اس کو مل جائے کہ جس قدر روزے اس کے فوت ہوئے ہیں وہ ان کو قضا کر کے تو اس پر ان سب کی قضا لازم ہے جن کا اس نے وقت پایا ہے پس اگر اس نے وہ قضا روزے نہیں رکھے یہاں تک کہ اس کو موت آگئی تو اس پر واجب ہے کہ فدیہ کی وصیت کرے اور وصیت کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ اس کے پاس مال ہو اور صرف ان دنوں کے فدیہ کی وصیت کرے جتنے دن بیماری سے صحت یا سفر سے واپسی کے بعد زندہ رہا اور قضا پر قادر ہونے کے باوجود وہ روزے قضا نہیں کئے یہاں تک کہ مرگیا اور ان دنوں کی وصیت واجب نہیں جو اس نے مرض سے صحت کے بعد یا سفر سے واپسی کے بعد نہیں پائے۔ یعنی اگر مریض تندرست ہوا اور مسافر مقیم ہوا پھر کچھ دن بعد وہ دنوں مر گئے تو جتنے دن ان کو صحت و اقامت حاصل ہوئی ان دنوں پر صرف ان ہی دنوں کی قضا لازم ہوگی بالاتفاق سب فقہاء کا یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ پس اگر کسی شخص کے مثلاً دس روزے فوت ہوئے پھر اس کو پانچ دن کی قدرت حاصل ہوئی یعنی وہ عذر دور ہونے کے بعد پانچ دن زندہ رہا تو وہ صرف پانچ دن کے فدیہ کی وصیت کرے، پس اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صرف اتنے ہی دن کے روزوں کے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی جتنے دن پر وہ قادر ہوا ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور اسی طرح مثلاً اگر بیماری یا سفر کی وجہ سے کسی شخص کے پانچ روزے فوت ہو گئے اور وہ عذر دور ہونے کے بعد تین دن زندہ رہا تو اس پر صرف تین دن کے فدیہ کی وصیت واجب ہے، اور امام طحاویؒ نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ذکر کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اور صحیح یہی ہے کہ بالاتفاق صرف بقدر صحت و اقامت دنوں کی قضا لازم ہوگی اور شیخین اور امام محمدؒ کا اختلاف نذر کے روزوں کے مسئلہ میں ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی مریض نے کہا کہ میرے ذمہ اللہ کے واسطے مثلاً ایک مہینے کے روزے واجب ہیں پھر وہ صحت کے بعد صرف ایک دن زندہ رہا تو شیخین کے نزدیک کل روزوں کے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک بقدر صحت دنوں کے روزوں کے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی یعنی مثالی مذکور میں صرف ایک روزہ کے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی۔ بقدر قدرت دنوں کے فدیہ کی وصیت کرنا اس وقت واجب ہے جبکہ مریض کو صحت کی امید ہو اور اگر صحت سے ناامیدی متحقق ہو چکی ہو تو ہر روزے کا فدیہ اپنی زندگی میں دینا واجب ہے اور اگر زندگی میں نہ دیا تو ان سب روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ایام قدرت سے ایام منہیہ کو تثنیٰ کیا جائے یہاں تک کہ اگر صرف ان ایام کو پایا تو اس پر ان دنوں کی قضا لازم نہیں ہوگی کیونکہ ان دنوں میں روزہ کی قضا جائز نہیں ہے۔

(۹) جو شخص مرگیا اور اس کے ذمہ روزوں کی قضا ہے تو اس کا ولی فدیہ ادا کرے، اور ولی سے مراد وہ شخص ہے جس کو اس کی وفات کے بعد اس کے مال میں تصرف کرنے کی دلائی حاصل ہے پس اس میں وصی بھی شامل ہے اور ولی کو لازم ہے کہ میت کے مال میں سے تجہیز و تکفین اور ادائے قرضہ کے بعد بچے اگر ہیں سے تہائی مال فدیہ میں دے اس سے

ملو ع م ش تبرک ملو ع وہاب ملو ع رش م زیادہ ملو ع مح م ش حیات ملو ع بحر ملو ع ش بحر



نیاہ دینا واجب نہیں ہے۔ بین وارثوں کی اجازت سے دے سکتا ہے اور اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو اور فدیہ اس کے ترکہ کے کل مال کی مقدار کو پہنچ جائے تو تمام مال سے فدیہ ادا کیا جائے (اور اگر مال فدیہ سے کم ہو تب بھی کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں وہ تمام مال دیدیا جائے گا، مؤلف) کیونکہ تہائی سے زائد کی ممانعت وارث کے حق کی وجہ سے ہے جب وارث ہی نہیں ہے تو ممانعت بھی نہیں ہے جیسا کہ اگر وارث ہو اور وہ اجازت دیدے تب بھی کل مال سے فدیہ دینا منع نہیں ہوا کی طرح اگر وارث ایسا ہو جس پر وہ ترکہ رد نہیں ہوتا مثلاً زوجین میں سے کوئی ہو تو وارث کے حصہ کے بعد تہائی مال سے زائد میں سے بھی فدیہ کی ادائیگی کی جائے گی (اور اس کی تفصیل کتب فقہ میں میراث کے بیان میں ہے) اور سب حکم ولی کے لئے اس وقت ہے جبکہ میت نے وصیت کی ہو اور اگر میت نے وصیت نہیں کی تو ولی پر فدیہ دینا لازم نہیں ہے بلکہ جائز ہے، یعنی وارثوں پر جبر نہیں کیا جائے گا لیکن اگر وہ اپنی طرف سے بطور احسان ادا کر دیں تو جائز ہے۔ پس اگر اس نے وصیت نہیں کی اور وارثوں نے بطور احسان اپنی طرف سے فدیہ دیدیا تو جائز ہے لیکن بغیر وصیت کے ان پر واجب نہیں ہے کیونکہ فدیہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے اور اس میں وصیت کا ہونا لازمی ہے تاکہ اختیار کا ہونا متحقق ہو جائے اور اس کے باوجود اگر اس کے وارث بطور احسان اس کا فدیہ دیدیں تو انشاء اللہ تعالیٰ میت کی طرف سے کافی ہو جائے گا، اور وارث کو بھی اس کا ثواب ملے گا۔ شاید کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میت سے آخرت میں اس روزہ کا مطالبہ ساقط ہو جائے گا اگرچہ اس پر اس کی تاخیر کا گناہ باقی رہے گا اور اسی لئے امام محمد رحمہ اللہ نے وارث کی طرف سے بطور احسان فدیہ دینے کے کافی ہونے کو بغیر جرم کے انشاء اللہ کے ساتھ کہا ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ میت نے فدیہ کی وصیت کی ہو تو اس کے کافی ہونے کو جرم کے ساتھ بغیر لفظ انشاء اللہ کے کہا ہے اور اگر تبرعاً (بطور احسان) دینے سے صدقہ مراد لیا جائے تو اس میت کو اس کا ثواب پہنچے گا اور اس وارث کے ثواب میں سے کچھ بھی کمی نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح زکوٰۃ کا حکم ہے کہ وارث پر اس کا نکالنا لازم نہیں ہے لیکن جب میت وصیت کر جائے تو لازم ہے اور اگر وصیت نہ کی ہو اور وارث اپنی طرف سے بطور احسان ادا کر دے تو جائز ہے۔ اور تبرعاً (بطور احسان ادا کرنے) کے جوازیں وارث اور غیر وارث برابر ہیں، اور ولی کو میت کی طرف سے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ نسائی کی حدیث میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے۔ اور یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا گیا تھا کہ کیا کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے اور نماز پڑھ سکتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے اس کو مؤطایں روایت کیا ہے اس کے جوازیں جو روایت صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ نسخہ ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے

لے ش معروف لے جات وغیرہ سے کہ بحر غنادیات لے جات لے ش لعماد وغیرہ لے ش لے طرہ بحر مدخل و جلائد  
لے مدین لے ش لے مکتبہ دہلی الفوائد۔



فرمایا کہ میں نے مدینہ منورہ کے کسی صحابی اور کسی تابعی سے یہ بات نہیں سنی کہ ان میں سے کسی نے کسی شخص کو دوسرے کیلئے روزہ رکھنے یا نماز پڑھنے کا حکم دیا ہو اور یہ روایت جواز کی حدیث کے منسوخ ہونے کی تائید کرتی ہے لہٰذا یہی آخری حکم ہے جس پر شرع مقرر ہو چکا ہے۔ اور ولی کے میت کی طرف سے روزہ نہ رکھنے اور نماز نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ فرض نماز روزہ سے جو کچھ میت پر باقی ہے اس کی قضا اس کی طرف سے وارث وغیرہ کسی دوسرے شخص کو جائز نہیں ہے ورنہ اگر وہ اپنے نفل روزہ و نماز کا ثواب کسی میت کو بخشے تو جائز ہے کیونکہ انسان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے شخص کو بخش دے خواہ وہ عمل نماز یا روزہ یا صدقہ وغیرہ جیسا کہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے (حج بدل) کے بیان میں آئے گا انشاء اللہ اہل اس کی بحث جائز کے بیان میں شہید کے بیان سے پہلے بھی گزر چکا ہے پس اس کی طرف بھی رجوع کر لیں اور وہاں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص کی طرف سے کچھ صدقہ دے گا تو دینے والے کے اجر میں سے بھی کچھ کم نہیں ہوگا۔

(۱۰) اگر کوئی شخص نماز کے آخری وقت میں فوت ہوا تو اس پر اس وقت کی نماز کا فدیہ واجب نہیں ہے بخلاف روزہ کے پس اگر کسی شخص نے رمضان کا روزہ رکھا اصدان کے کسی حصہ میں اس کو موت آگئی تو اس پر اس روزہ کا فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب ہے ان دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ روزہ میں وقت کے جزو اول کا اعتبار کیا جائے گا اور نماز میں وقت کے آخری جزو کا اعتبار ہوگا۔

(۱۱) جو شخص ایسے روزہ سے عاجز ہو جو کسی دوسری چیز کا بدل ہے جیسے کفارۃ یمین اور کفارۃ قتل، اگر وہ اپنی زندگی میں اپنی طرف سے اس وجہ سے فدیہ دے کہ وہ شیخ فانی ہے تو ان دونوں کفاروں میں اس کو فدیہ دینا صحیح نہیں ہے اور اگر دونوں کفاروں میں وہ فدیہ کی وصیت کر جائے تو صحیح ہے (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے) اور اگر اس کا ولی اس کی طرف سے بطور احسان فدیہ کو کفارۃ قتل میں صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں ابتداء غلام آزاد کرنا واجب ہے اور غلام آزاد کرنا بطور احسان درست نہیں ہے اور روزہ اس میں غلام آزاد کرنے کا بدل ہے اس لئے اس میں فدیہ دینا صحیح نہ ہوا اور کفارۃ یمین میں بطور احسان فدیہ دینا جائز ہے لیکن بطور احسان فدیہ دینا کپڑا یا کھانا دینے میں درست ہے غلام آزاد کرنے میں نہیں پس بطور احسان فدیہ دینا صرف کفارۃ یمین میں جائز ہے کفارۃ قتل میں جائز نہیں کیونکہ اس میں کپڑا پہنانا اور کھانا دینا نہیں ہے۔

(۱۲) حیض (۱۱) نفاس (۱۲) اگر کسی عورت کو حیض یا نفاس جاری ہو تو وہ روزہ نہ رکھے اور ان دونوں کو رمضان المبارک کے بعد قضا کرے اس لئے کہ حیض و نفاس دونوں روزہ کی ادا کے صحیح اور جائز ہونے کے مانع ہیں اور ان کو ان دونوں میں روزہ رکھنا حرام ہے اور یہ دونوں روزہ کے وجوب کے مانع نہیں ہیں۔ پس حیض و نفاس طالی عورت ان دونوں کی قضا نماز کی قضا نہ دے۔ کیونکہ یہ دونوں نماز کے وجوب و صحت و جواز میں مانع نہیں ہیں۔

(۱۳) اگر کسی عورت نے حیض کی حالت میں رات کے وقت روزے کی نیت کی پھر فجر طلوع ہونے سے پہلے







(۱۲) بیہوشی (۱) ایام بیہوشی کے تمام روزوں کی قضا دے اگرچہ تمام ماہ رمضان بیہوش رہا ہو اور یہ حکم بالا جملہ ہے، کیونکہ بغیر کھائے پئے اتنی لمبی مدت تک زندہ رہنا اور الوقوع ہے اور تاہم واقعات میں حرج نہیں ہے یعنی دفع حرج کے لئے معافی ہوتی ہے اور حکم بدلتا ہے جب حرج نہ ہو تو حکم بھی نہ بدلتا۔

(۲) اور جس شخص کو ماہ رمضان میں بیہوشی ہوگئی تو جس دن اس کو بیہوشی شروع ہوئی ہے اس دن کے روزہ کی قضا نہ دے کیونکہ اس کا اس دن کا روزہ پایا گیا ہے اور اس کے بعد کے دنوں کی قضا دے کیونکہ ان دنوں میں روزہ کی نیت نہیں پائی گئی، اور اگر کسی کو رمضان کی پہلی رات میں بیہوشی طاری ہوگئی تو وہ سوائے پہلے دن کے تمام روزوں کی قضا دے۔

(۳) اگر کسی شخص کو سورج غروب ہونے کے بعد بیہوشی ہوگئی اور کسی روز تک بیہوشی کی حالت میں رہا تو شروع بیہوشی والی رات کے بعد جو دن آئے گا صرف اس دن کا روزہ قضا نہ کرے باقی دنوں کے روزے قضا کرے، اس لئے کہ اگر اس کو معلوم ہے کہ اس دن کے روزے کی نیت کر لی تھی تو ظاہر ہی ہے کہ وہ روزہ ہو گیا اور اگر یہ بات معلوم نہیں تو اس کا ظاہر حال اس بات کا مقتضی ہے کہ اس نے رات میں نیت کی ہوگی کیونکہ مسلمان کا ظاہر حال یہی ہے کہ وہ رمضان المبارک کی راتوں میں روزے کی نیت کے بغیر نہیں ہوتا اور ظاہر حال پر عمل واجب ہے اور اگر اس کو بیہوشی دن کے وقت میں طاری ہوئی تو بطریق اولیٰ اس پر حمل کر سکتے ہیں کہ اس نے رات میں نیت کی ہوگی، کیونکہ اس کا مفطرات سے رکنا اس وقت پایا گیا جبکہ وہ بیہوش نہیں تھا پس بیہوشی خواہ رات میں طاری ہوئی ہو یا دن میں اس کے لئے اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس دن کا روزہ قضا کرنا اس پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر وہ شخص مریض یا مسافر ہو یا ایسا بیباک شخص ہو جس کو تمام رمضان میں روزے رکھنے کی عادت ہی نہ ہو (جیسا کہ فاسق و فاجر لوگ ہوتے ہیں) تو اس پر بیہوشی والے دن کے روزہ کی قضا بھی واجب ہوگی کیونکہ اس کا ظاہر حال روزہ کی نیت کے پلئے جانے پر دلالت نہیں کرتا، اور یہاں مسافر کے ہاتھ میں تنقید ہونی چاہئے کہ روزہ رکھنا اس کو نقصان دیتا ہو لیکن اگر روزہ رکھنا اس کو نقصان نہ دیتا ہو تو وہ بھی اس دن کے روزے کی قضا نہ دے کیونکہ اس کا معاملہ بھی نیکی پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ گذر چکا ہے کہ اس کے حق میں روزہ رکھنا افضل ہے، لیکن جو شخص بیہوشی سے پہلے بھی سفر میں روزے نہیں رکھتا تھا تو اس پر اس دن کی قضا بھی لازم ہے کیونکہ اس کا ظاہر حال نیت کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جو شخص بیہوشی سے پہلے اس سفر میں روزے رکھتا تھا یا اس کی عادت تھی کہ وہ سفروں میں روزے رکھتا تھا تو وہ اس دن کے روزہ کی قضا نہ دے، غور کر لیجئے۔ اور یہ سب حکم اس وقت ہے جبکہ اس کو یہ یاد نہیں ہے کہ اس نے روزہ کی نیت کی ہے یا نہیں اور اگر وہ جانتا ہے کہ اس نے روزہ کی نیت کی ہے تو اس کا اس دن کا روزہ صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اگر وہ جانتا ہے کہ اس نے روزہ کی نیت

لہ صفحہ ۳۴۸ سے ۳۴۹ ش رفع لہ حاشیہ غایۃ الاوطال دیات ش ہدایہ و بحر لہ ہدایہ ش ع زیارۃ عن کنز دفرہ ۔

ش و بحر لہ بحر لہ ع زیارۃ عن رفع و غایۃ و بحر لہ ش و غم لہ استفاد عن ش ۔







اگر رمضان کے درمیان میں کسی رات کو افادہ ہو گیا یا رمضان کے آخری دن نصف النہار شرعی کے بعد افادہ ہو گیا تو ان تینوں صورتوں میں ائمہ کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ اس کو قضا لازم نہیں ہے کیونکہ نصف النہار شرعی کے بعد سے طلوع فجر سے ذرا پہلے تک کے وقت میں افادہ ہونا معتبر نہیں ہے خواہ اس وقت میں روزانہ افادہ ہوتا رہے اس لئے کہ رات کا وقت اگرچہ روزہ کی نیت کا وقت ہے لیکن رات میں روزہ کا بالفعل شروع ہونا درست نہیں ہوتا اور نصف النہار شرعی کے بعد بھی درست نہیں ہے (اور نصف النہار شرعی میں یا اس کے بعد تو نیت کا وقت بھی نہیں رہتا، مؤلف) اور بہت سے فقہاء مثلاً صاحب النہایۃ و ظہیریہ و قاضی خاں و غنائیہ وغیرہم نے اس کی تصحیح کی ہے، اور اگر افادہ ایسے وقت میں ہوا کہ جس میں روزہ کا شروع ہونا ممکن ہو اور وہ ہر روز طلوع فجر سے لیکر دوپہر شرعی سے ذرا پہلے تک کا وقت ہے تو اس کو گزرے ہوئے دنوں کی قضا لازم ہے۔ اسی طرح اگر مجنون کو رمضان کے آخری دن نصف النہار سے پہلے افادہ ہو جائے تو اس کو تمام ماہ رمضان کے روزوں کی قضا لازم ہوگی، اور بعض نے کہا ہے کہ اگر ماہ رمضان کی کسی ایک ساعت میں بھی اس کو افادہ ہو گیا تو اس پر گزشتہ دنوں کے روزوں کی قضا لازم ہوگی خواہ افادہ رات کے وقت میں ہو یا نصف النہار کے بعد ہو کیونکہ ان کے نزدیک نیت کے وقت میں افادہ ہونے اور نیت کا وقت گزرنے کے بعد افادہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ ظاہر الروایت ہے اور اس کی بھی تصحیح کی گئی ہے، فتح القدیر، شرح الملتقى للمبہنی و برباع و معراج میں اسی کی تصحیح درج ہے اور ذیلی وغیرہ نے اسی پر جزم کیا ہے اور حاضریہ ہے کہ ان دنوں قولوں کی تصحیح کی گئی ہے اور معتقد دوسرا قول ہے کیونکہ وہ ظاہر الروایت ہے اور متون میں مذکور ہے پس اصح اور فتویٰ کیلئے مختار یہی قول ہے کہ ماہ رمضان میں مطلق کسی وقت میں افادہ سے گزرے ہوئے دنوں کے روزوں کی قضا لازم ہوگی خواہ وہ افادہ ایک ساعت ہی کا ہو اور خواہ رات میں ہو یا دوپہر شرعی شروع ہونے کے بعد میں یا پہلے ہو اور خواہ رمضان کے آخری دن میں کسی وقت افادہ ہو سوائے اس رات کے بعد آنے والے دن کے جس میں اس کو جنون لاحق ہوا ہو، اور جس رات میں اس کو جنون لاحق ہوا ہے اس کے بعد آنے والے دن کا روزہ قہماً نہ کرے اس لئے کہ اگر وہ جانتا ہے کہ اس نے روزہ کی نیت کی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا روزہ درست ہو گیا اور اگر یہ معلوم نہیں ہے تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا ظاہر حال اس بات کا مقتضی ہے کہ اس نے نیت کی ہوگی اور ظاہر حال پر عمل واجب ہے لیکن اگر وہ مریض یا مسافر ہو یا ایسا بیک شخص ہو جس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی عادت ہو تو وہ اس دن کے روزہ کی بھی قضا دے کیونکہ اس کا ظاہر حال نیت پر دلالت نہیں کرتا، اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس کو یہ یاد نہ ہو کہ اس نے نیت کی تھی یا نہیں لیکن اگر وہ جانتا ہو کہ نیت کی تھی تو اس دن کا روزہ صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے (کیونکہ نیت کرنے کے بعد جنوں یا بیہوشی کا طاری ہونا روزہ کی اہلیت کے منافی نہیں ہے اسی لئے اگر کسی شخص نے غروب آفتاب کے بعد روزہ کی

لے مستطعمین و بکر و غیرہ مستطعم و حیات و غیرہما۔



نیت کر لی پھر وہ اس رات میں یا اس کے بعد آنے والے دن میں مجنون ہو گیا لیکن اس سے تمام دن میں روزہ توڑنے والا کوئی امر واقع نہیں ہوا تو اس کا روزہ درست ہے جب ہوش میں آئے گا اس پر اس دن کے روزہ کی قضا لازم نہیں ہوگی اور اگر وہ جانتا ہو کہ اس نے نیت نہیں کی تھی تو اس دن کا روزہ صحیح نہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے (جیسا کہ بیہوشی کے بیان میں تفصیل سے گذر چکے ہیں وہاں پر بھی ملاحظہ فرمائیں، مؤلف)۔

(۳) اور جانتا چاہے کہ جنون ممتد جو فرض کو ذمہ سے ساقط کر دیتا ہے اس کا اندازہ نماز کے لئے شیخین کے نزدیک ایک دن رات کی نمازوں سے زیادہ وقت تک جنون کا رہنا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک پوری چھ نمازوں تک جنون کا رہنا اور یہی قیاس کے زیادہ لائق ہے اور ماہ رمضان کے روزوں میں سالم ہیبتہ دن رات جنون کا رہنا ہے اور زکوٰۃ میں پورا سال ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے سال کے اکثر حصہ کو کل کی مانند قرار دیا ہے اور بیہوشی کا حکم فرض کو ساقط کرنے والا عذر ہونے کیلئے نماز میں جنون کے حکم کی طرح ہے کیونکہ اتنے وقت تک بیہوشی کا ہونا اکثر واقع ہوتا ہے اس لئے دفع حرج کے لئے اس کو جنون کی طرح عذر قرار دیا گیا اور روزہ میں اس کو عذر قرار نہیں دیا گیا کیونکہ پورا ہیبتہ بیہوشی کا ہونا نادر الوقوع ہے پس اس پر روزہ واجب ہونے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ اور سونے والے شخص کا حکم یہ ہے کہ چونکہ نیند عاجز ہونے کا سبب ہے اس لئے اس کے حق میں فرض کی ادائیگی میں تاخیر لازم آتی نہ کہ اصل وجوب میں اسی لئے اگر وقت گزرنے کے بعد نیند نازل ہوئی تو اس پر اس نماز یا روزہ کی قضا واجب ہوگی اور چونکہ نیند بالعموم زیادہ لمبے عرصہ تک نہیں رہتی تو اس میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا اس لئے اس کی وجہ سے عبادات میں سے کچھ بھی اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا۔ پس اگر کوئی شخص نماز کا پورا وقت سوتا رہا تو اس پر شرعاً اس کی قضا واجب ہوگی اور اسی طرح اگر دو یا تین دن تک متواتر سوتا رہا تو ان دنوں کی نمازوں اور روزوں کی بھی قضا لازم ہوگی کیونکہ ایسا ہونا نادر الوقوع ہے اور نادر واقعات میں کوئی حرج پیش نہیں آتا۔ اور نابالغ بچہ جب تک سمجھ دار نہیں ہوا اس کا حکم مجنون ممتد کی طرح ہے (یعنی اس پر نماز و روزہ وغیرہ فرض عبادات کی ادا و قضا واجب نہیں ہے) اور جب سمجھ دار ہو جائے تو نماز و روزہ وغیرہ عبادات کی ادائیگی کا اہل ہو جائے گا اور اصل وجوب کا اہل نہیں ہوگا سوائے ایمان کے، اور اس سے معلوم ہوا کہ یہ عزرات چار ہیں، نابالغ بچہ ہونا، جنون، بیہوشی اور نیند، اور ان چاروں کے احکام اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

(فائدہ) نشے والا آدمی اگر نیت کا وقت گزرنے سے پہلے ہشیار ہو گیا اور اس وقت اس نے روزہ کی نیت کر لی تو اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا کیونکہ رمضان کے روزہ کے لئے رات کو نیت کرنا شرط نہیں ہے اور اگر ہشیار ہونے سے پہلے روزہ کی نیت کا وقت گزر گیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس روزہ کی قضا اس پر لازم ہوگی۔

لے حیات لے ش و منی لے بحر تصرف و حیات لے بحر ش فح لے بحر ملخصاً لے حیات۔







شرعی) سے قبل ہوا ورنہ دلال نصف النہار شرعی شروع ہونے کے بعد کسی صورت میں روزہ نہ توڑے لیکن اگر اس میں ماں باپ دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک کی نافرمانی ہوئی ہو تو روزہ توڑ دے۔ اور اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ حکم ان سب اقوال پر جاری ہوا ہے نہ کہ صرف ایک قول پر جو دوسروں کے مخالف ہیں ہمارے اس قول کی تائید ہو گئی جو اوپر بیان ہوا ہے کہ اس طرح ان تینوں اقوال میں مطابقت حاصل ہو جائے گی پس سمجھ لیجئے۔ اور ماں باپ میں سے کسی ایک یا دونوں کی فرمانبرداری کے لئے دوپہر شرعی سے عصر کے وقت تک بھی نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ افطار کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے انتظار کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

(۳) اور بیشک ضیافت فرض اور واجب روزوں میں عند نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے رمضان کا قضاء روزہ رکھا ہو تو اس کو توڑ دینا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ بھی رمضان کے حکم میں ہے یعنی یہ جو فقہانے کہا ہے کہ نفلی روزہ کو ضیافت کے عند سے توڑنا جائز ہے اس میں اشارہ ہے کہ نفل کے سوا باقی کوئی روزہ نہ توڑے جیسا کہ محیط میں ہے اور ایام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ قضاے رمضان و کفارہ (یعنی کفارہ ظہار و جزائے صید و متعہ حج وغیرہ) و نذر کے روزہ کو افطار کر سکتا ہے (اور وہ اس کی بجائے کسی دوسرے دن روزہ رکھے)۔

(۴) اگر کسی شخص نے کسی روزہ دار کو اپنی بیوی کی طلاق کی قسم دی اس صورت میں جبکہ وہ افطار نہ کرے تو معتد روا ہے کہ وہ روزہ افطار کر دے اگرچہ وہ روزہ قضاے رمضان کا ہو اور اس شخص کو قسم میں حانت (قسم توڑنے والا) نہ بنائے۔ یعنی اگر کسی شخص کی روزہ دار کو کہے کہ اگر تو نے یہ روزہ نہ توڑا تو میری بیوی کو طلاق ہے پس بزاز یہ میں ہے کہ اگر وہ روزہ نفلی ہے تو روزہ اور اگر رمضان کا قضا کی روزہ ہے تو نہ توڑے لیکن معتد قول یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں روزہ توڑ دے اور اس کو قسم میں حانت (قسم توڑنے والا) نہ بنائے، یعنی اپنے مسلمان بھائی کو جس نے ایسی قسم کھائی ہے اذیت سے بچانے کیلئے روزہ توڑ دینا مندوب ہے۔ یعنی اپنے مسلمان بھائی کے حق کی رعایت کرتے ہوئے ایسا کرے، اور ضروری ہے کہ حلف (قسم) کا مسئلہ بھی روزہ توڑ دینے کا عند ہونے کے لئے ان تینوں قیود کے ساتھ مشروط کیا جائے جو مسئلہ ضیافت میں بیان ہو چکی ہیں جیسا کہ علامہ خامی نے رد المحتار میں کہا ہے کہ ذخیرہ میں ذکر کیا ہے کہ مسئلہ ضیافت و مسئلہ حلف اور ان دونوں کے بارے میں جو اقوال ہیں انہی اور صاحب بکرنے کہا ہے کہ مسئلہ یمن میں بھی اسی تفصیل پر جواب دینا لازم ہے ام۔

.. ————— x x x ————— ..

لے غایہ دوش عہ ش عہ در تلمیر عہ ش عہ ش دہ د حیات لے بحر دوش حیات لے حیات عہ ش تصوف عہ دہ  
لے ش لے بحر دوش عہ ش عہ د حیات لے مستفاد من ش۔



## نفلی روزہ کے احکام

(۱) جب کسی نفلی روزے کو قصد شروع کیا جائے تو وہ واجب ہو جاتا ہے۔ پس جب اس روزہ کو توڑ دے گا تو اس پر اس کی قضا واجب ہوگی اگر اس کو قصد اپنے فعل سے توڑا ہے تو بلا خلاف اور اگر بلا قصد کے توڑا ہے تو اصرار روایت کی بنا پر اس پر قضا واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی دونوں صورتوں میں اس پر قضا واجب ہوگی۔ پس خواہ عذر کے ساتھ توڑا ہو یا بلا عذر دونوں حالتوں میں قضا لازم ہوگی۔ اور بلا قصد سے مراد اس کے فعل کے بغیر روزہ کا ٹوٹنا ہے مثلاً کسی عورت نے نفلی روزہ شروع کیا پھر روزہ کی حالت میں اس کو حیض جاری ہو گیا، پس اس پر قضا واجب ہونے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ واجب ہے، اور یہ قضا واجب ہونے کا حکم ان پانچ دنوں کے علاوہ ۱۰۰ جن میں روزہ رکھنا منع ہے باقی دنوں کے لئے ہے (جیسا کہ آئے گا)۔

(۲) اپنے قصد سے نفلی روزہ رکھنے کی قید سے معلوم ہو گیا کہ اگر کسی نے روزہ اس گمان پر شروع کیا کہ اس کے ذمہ واجب ہے پھر اس کو روزہ کی حالت میں معلوم ہوا کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے تو وہ روزہ نفل ہو جائے گا اور اس کیلئے احسن یہ ہے کہ اس کو پورا کرے لیکن اگر اس نے اس کو توڑ دیا تو اس پر اس کی قضا واجب نہیں ہوگی لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ جب اس کو معلوم ہوا کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے ایک ساعت بھی اس پر اس روزہ کی حالت میں نہ گزرے بلکہ معلوم ہوتے ہی فوراً اس روزہ کو توڑ دے اگر ایک ساعت اس پر گزر گئی اس کے بعد روزہ توڑا تو اس پر اس روزہ کی قضا لازم ہوگی اسلئے کہ جب اس پر ایک ساعت گزر گئی تو ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے اس ساعت میں نیت کر لی ہے پس اگر نفل سے پہلے ایسا ہوا ہے تو وہ نفلی روزہ شروع کرنے والا ہو جائے گا اور وہ روزہ اب اس پر واجب ہو جائے گا۔ اور قبل نفل سے مراد قبل نصف النہار شرعی ہے اور اس عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر نصف النہار شرعی میں یا اس کے بعد ایسا ہوا تو اس پر اس کی قضا واجب نہیں ہے خواہ اس کو معلوم ہوتے ہی فوراً توڑ دیا ہو یا ایک ساعت گزرنے کے بعد توڑا ہو اور یہی ظاہر ہے بعض فضلاء نے ہی فرمایا ہے۔ اور ساعت سے مراد وقت کا ایک جزو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس روزہ دار کو یاد آ گیا کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور اس نے روزہ کی حالت میں ایک ساعت گزار دی اور روزہ توڑنے والی کوئی چیز استعمال نہ کی اور نہ روزہ توڑنے کا عزم کیا تو وہ گویا اب سے نیت کرنے والا ہو گیا اور ابھی نیت کا یعنی دوپہر شرعی سے پہلے کا وقت ہے تو وہ شخص نفلی روزہ شروع کرنے والا ہو جائے گا، اور اگر یہ یاد آنے کے بعد کہ اس پر وہ روزہ واجب نہیں ہے اس کے توڑنے کی نیت کر لی اور روزہ توڑنے والی کوئی چیز استعمال نہیں کی صرف روزہ توڑنے کا عزم کر لیا تو وہ نفلی



روزہ شروع کرنے والا نہیں بنے گا حالانکہ اگر کوئی روزہ داری روزہ توڑنے کی نیت کر لے تو جب تک کوئی روزہ توڑنے والی چیز کا استعمال نہ کرے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یہاں نفلی روزہ شروع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صوم میں نئے سرے سے روزہ شروع کرنے والا بنانے میں گفتگو ہے اس کو سابقہ روزہ پر باقی رکھنے میں گفتگو نہیں ہے اور اسی لئے اس میں یہ شرط ہے کہ وہ وقت ایسا ہو جس میں نیت درست ہو سکتی ہو۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص نے کفارہ کا روزہ شروع کیا پھر روزہ کی حالت میں وہ مالدار ہو گیا اور اس نے قصداً روزہ توڑ دیا تو اس پر اس کی قضا لازم نہیں ہوگی (اور اس مسئلہ کو مسئلہ معظون یا مسئلہ ظان سے تعبیر کیا جاتا ہے، مؤلف)۔

(۳) جب کسی نے ان پانچوں دنوں میں نفلی روزہ شروع کیا جن میں روزہ رکھنا منع ہے یعنی عید الفطر و عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے تین دن تو ظاہر الروایت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان دنوں میں روزہ شروع کرنے کے بعد اس کے توڑ دینے سے قضا لازم نہیں ہوگی کیونکہ اگر کوئی ان دنوں میں روزہ رکھ لے تو اس کو توڑ دینے کا حکم ہے پس اس کو توڑ دینا واجب ہے اور اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس کو شروع کرتے ہی اللہ تعالیٰ کی ضیافت سے روگردانی کرنے کی وجہ سے ممنوعہ فعل کا مرتکب ہوا ہے پس اس کو اس کے توڑ دینے کا حکم ہوا ہے تو جیسے اس کو پورا کرنا واجب نہ ہوا اس کی قضا بھی واجب نہیں ہوئی بخلاف اس کے کہ اگر کسی نے ان دنوں کے روزوں کی نذر کی (مشت مانی) تو وہ نذر لازم ہو جاتی ہے اور اس نذر کے روزوں کو دوسرے کامل دنوں میں قضا کرے (جیسا کہ نذر کے بیان میں آئے گا، مؤلف) اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ان پانچ ممنوعہ دنوں میں نفلی روزہ شروع کرنے کے بعد اس کے توڑ دینے سے اس پر قضا لازم ہوگی اگرچہ اس روزہ کا توڑ دینا اس پر واجب ہے، اس لئے کہ اس روزہ کا شروع کر دینا نذر کی طرح اپنے اوپر لازم کر لینا ہے اور جیسا کہ مکروہ اوقات میں نماز کا شروع کرنا ہے اور امام صاحب کے نزدیک نذر اور نفلی روزہ میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ شروع کرنے کے بعد توڑ دینے پر قضا اس وقت لازم آتی ہے جب اس روزہ کا پورا کرنا واجب ہو ورنہ یہ بات اس صورت میں نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ ان دنوں میں روزہ شروع کرنے سے ممنوعہ فعل کا مرتکب ہوتا ہے پس اس کو اس کے توڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے بخلاف نذر کے کہ نذر کرنے سے وہ فعل ممنوعہ کا مرتکب نہیں ہوتا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنے اوپر لازم کی ہے اور وہ اس کے کرنے پر گناہ گار ہوتا ہے پس فعل کے ساتھ گناہ کا ہونا فعل کے لوازمات میں سے ہے فعل کے واجب کرنے کے لوازمات میں سے نہیں ہے۔

(۴) جنانا چاہئے کہ نفلی روزہ نماز کو شروع کرنے کے بعد بلا عند توڑ دینا مکروہ ہے (صحیح قول کی بنا پر جیسا کہ ضیافت کے بیان میں گذر چکا ہے، مؤلف) اس کو مطلق بیان کرنے سے یہ ظاہر ہے کہ کراہت تحریمی ہے، اور اس کا بلا عند توڑ دینا حرام نہیں ہے اگرچہ اس کی قضا لازم آتی ہے کیونکہ اس کی دلیل قطعی الدلالتہ نہیں ہے اور وہ دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے

لے ش سہ بحر و بائع دے سہ موش لفظاً سہ ط بزیان عن ش سہ م سہ ط ۔



”وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ“ (اپنے عملوں کو ضائع مت کرو) اور اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ ریاء و سمع وغیرہ کے ساتھ اپنے اعمال کا ثواب ضائع مت کرو، اور جب کسی نفلی روزہ رکھنے والے کو کوئی عذر پیش آجائے تو بالاتفاق اس کو روزہ توڑ دینا جائز ہے کیونکہ جب عذر کے ساتھ فرض روزہ توڑ دینا جائز ہے تو نفلی روزہ توڑ دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہو جائیگا اور ضیافت اظہر قول کی بنا پر یہاں اور میرزاں دونوں کیلئے عذر ہے (جیسا کہ ضیافت کے بیان میں گذر چکا ہے، مؤلف)۔

(۵) غلام اور نوکر و مزدور اور عورت کے لئے مکروہ ہے کہ وہ نفلی روزہ رکھیں (مطلق کراہت بیان کرنے سے ظاہر ہے کہ کراہت تحریمی ہے) لیکن اگر صاحب حق کی اجازت سے رکھیں تو مکروہ نہیں ہے اور صاحب حق کو اجازت ہے کہ وہ اس کا روزہ افطار کر دے، تاکہ وہ اپنا حق اور اپنی ضرورت حاصل کر سکے۔ اور اس روزہ دار کو شروع کر دینے کے بعد روزہ توڑ دینا لازم ہے تاکہ اس کا یہ گناہ دور ہو جائے اور یہ اس کے لئے عذر ہے، نفل کو مطلق بیان کیا گیا ہے پس اس میں نفل بھی شامل ہے جو اپنی اصل میں نفل ہے لیکن کسی عارض کی وجہ سے واجب ہو گیا ہے (یعنی واجب لغیرہ کا بھی یہی حکم ہے) اور اسی لئے بحر میں قنیہ سے روایت ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو ان تمام چیزوں سے منع کر سکتا ہے جن کا واجب ہونا اس عورت کی جانب سے ہے جیسا کہ نفل روزہ و نماز وغیرہ اور نذر و کفارۃ قسم کا روزہ اور ان چیزوں سے منع نہیں کر سکتا جن کا واجب ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جیسا کہ ماہ رمضان کے روزوں کی قضا اور یہی حکم غلام کا ہے لیکن جب غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کیا ہو تو اس غلام کا آقا اس کو کفارۃ ظہار کے روزوں سے منع نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے ساتھ اس کی عورت کا حق متعلق ہے۔ اور عورت کو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا اس وقت مکروہ ہے جبکہ خاوند کو اس سے ضرر ہو لیکن اگر خاوند کو اس کے روزہ رکھنے سے کوئی ضرر نہ ہو مثلاً یہ کہ خاوند خود بھی روزہ سے ہو یا مرض ہو یا مسافر ہو یا حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہو تو اس کی عورت نفلی روزہ رکھ سکتی ہے اور ایسے خاوند کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی بیوی کو نفلی روزہ سے منع کرے کیونکہ ان صورتوں میں خاوند کا وظی کا حق ضائع نہیں ہوتا تو اس کو منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، غلام ویدر برہام ولد و باندی کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ ان کو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا کسی حال میں جائز نہیں ہے اور ان کے مالک کو ہر حال میں منع کرنے کا حق ہے اگرچہ اس کو اس سے کوئی ضرر نہ ہو کیونکہ غلام کے منافع اس کے مالک کی ملک ہیں بخلاف عورت کے کہ اس کے منافع خاوند کی ملک نہیں ہیں اور خاوند کو اپنی عورت سے اس کے ساتھ استمتاع (وظی) کا حق ہے اور غلام ہر قسم کی عبادات میں اصل آزادی پر باقی نہیں ہے وہ صرف فرائض میں آزاد ہے لیکن نوافل میں آزاد نہیں ہے۔ پس ان صورتوں میں اگر عورت نفلی روزہ شروع کرے توڑ دے تو اس کی قضا اس وقت کرے جب اس کا خاوند اجازت دے یا طلاق کے ذریعہ جدائی کے بعد قضا کرے اور غلام جو اس کے حکم میں ہیں یعنی باندی ویدر برہام و ام ولد اس وقت قضا کریں جب ان کا آقا

لہ حیات مہم و طو حیات بقصر مہم بحرف مہم ش و بحر مہم بحرف زیادہ عن ش و حیات ۔



اس کی اجازت دے یا وہ آزاد ہو جائیں۔ اور اگر (مزدور نوکر) کے بارے میں بھی مستحیر (مزدوری کرانے والے) کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا مکروہ کہا ہے اس لئے کہ اس کا روزہ رکھنا بھی خدمت میں کی آنے کی وجہ سے مستحیر کے حق میں ضرر کا باعث ہے پس اس کو بھی مستحیر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع یعنی مکروہ ہے۔ اور اگر اس کا روزہ رکھنا مستحیر کو نقصان نہیں کرتا تو احیر کھلا اجازت مستحیر روزہ رکھنا جائز ہے کیونکہ اس کا حق صرف منفعت میں ہے پس جب منفعت میں کوئی نقص نہیں آیا تو اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے (اور اس کی تفصیل اقسام روزہ میں بھی گذر چکی ہے، مؤلف)

(۶) کسی آدمی کی بیٹی اور کوئی اور قریبی رشتہ دار یعنی ماں یا بہن اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھ سکتے ہیں کیونکہ وہ اس کے حق کو ضائع نہیں کرتے، اس لئے کہ اس کو ان کے منافع میں کوئی حق نہیں ہے اور جب والدین میں سے کوئی اپنی اولاد میں سے کسی کو مرض کے زیادہ ہونے کے خوف سے روزہ سے منع کرے تو اس کے لئے افضل یہ ہونا چاہئے کہ وہ ماں باپ کا حکم مانے اور ان کی اطاعت کرے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ جب روزہ وجہ و ممانعت نفلی ہوں تو ان میں سے کسی کا حکم ان میں برابر ہوگا۔

## روزہ داروں کے ساتھ مشابہت کیلئے مفطرات سے رکنا

جن لوگوں پر روزہ داروں کے ساتھ مشابہت واجب ہے (۱) جس شخص نے اپنا روزہ توڑ دیا ہو اس کو صحیح روایت کی بنا پر اس دن کا باقی حصہ مفطرات سے رکنا واجب ہے خواہ اس نے روزہ بلا عذر توڑ دیا ہو مثلاً بلا عذر عذر کھاپی لیا ہو یا عذر کے ساتھ روزہ توڑا ہو اور پھر وہ عذر زائل ہو گیا ہو جیسا کہ دشمن سے قتال کرنا یا بخلاف ہو جانا اور پھر یہ عذر جاتا رہا ہو۔ اس لئے کہ دن کے باقی حصہ میں مفطرات سے رکنا وقت کا حق ادا کرنے کیلئے واجب ہوا ہے کیونکہ یہ وقت یعنی ماہ رمضان المبارک بہت عظمت والا ہے اور اس لئے بھی واجب ہوا ہے کہ فرض روزوں کے دنوں میں کھانا پینا شرعاً برائے اور جو چیز شرعاً بری ہو اس کو ترک کرنا واجب ہے پس کھانا پینا وغیرہ مفطرات کے استعمال کو ترک کرنا اس کے لئے واجب ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے لئے مفطرات روزہ یعنی کھانا پینا و جماع وغیرہ سے رکنا مستحب ہی اور صحیح یہ ہے کہ واجب ہے۔

(۲) اگر کسی شخص نے (روزہ نہ رکھا یا رکھ کر توڑ دیا اور) کچھ کھاپی لیا تو اس شخص کو دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے وغیرہ مفطرات سے رکنے کا حکم صرف فرض عین ادا کی روزہ میں کیا جائے گا بخلاف فضلت رمضان کے کہ اگر اس کو توڑ دیا تو اس شخص پر باقی حصہ دن میں مفطرات سے رکنا لازمی نہیں ہے۔ نیز ماہ رمضان کی فضیلت اور عظمت کی وجہ سے اس وقت کی

لے بحروش لے بحروش و حیات لے بحروش و حیات لے شہ جات من بحر لے م و بحر و دنیا لے بحر۔  
شہ شہ بحر و حیات لے بحر و حیات لے شہ جات من بحر لے م و بحر و دنیا لے بحر۔



حرمت کا حق ادا کرنے کے لئے اس شخص پر روزہ رکھنا فرض ہوا ہے جو روزہ ادا کرنے کا اہل ہو اور جو شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو گیا ہو اس پر دن کے باقی حصہ میں روزہ داروں سے مشابہت کے لئے مفطرات سے رُکنا واجب ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن صورتوں میں باقی دن میں روزہ داروں کی مشابہت کے لئے مفطرات سے رُکنا واجب ہے یہ رُکنا صرف رمضان کے ادائی روزے کے ساتھ مخصوص ہے قضاۃ رمضان یا اور کسی قسم کے روزے کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

(۳) مفطرات سے رُکنا واجب ہونے سے یہ اصول ہیں اور ہر ایک کے ماتحت کچھ فروعیات ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ جس شخص پر رمضان کا روزہ اہلیت وجوب پائے جانے کی وجہ سے واجب ہوا لیکن اس کو رمضان کے روزے میں شروع دن میں طلوع فجر سے پہلے (پہلے) کوئی ایسا عذر لاحق ہو جس کی وجہ سے روزہ رکھنا اس وقت اس پر فرض نہ ہو یا اس کی وجہ سے اس کو روزہ نہ رکھنا مباح ہو اور پھر دن میں وہ عذر نازل ہو جائے اور وہ اس حالت پر ہو جیسے کہ اگر وہ اس حالت پر شروع دن میں یعنی طلوع فجر سے پہلے ہوتا تو اس کو روزہ رکھنا فرض ہو جاتا یا اس کو روزہ نہ رکھنا مباح نہ ہوتا تو اس شخص کو اس دن کا باقی حصہ روزہ داروں کی طرح کھانے پینے و جماع سے رُکنا واجب ہے مثلاً طلوع فجر ہوتے ہی یا طلوع فجر کے بعد دن کے کسی حصہ میں کوئی نابالغ بچہ بالغ ہو یا کافر مسلمان ہو یا مجنون کو افاقہ ہو یا حیض یا نفاس والی عورت پاک ہوئی خواہ قبل از دوپہر شرعی پاک ہوئی ہو یا اس کے بعد میں اور خواہ کھانے پینے سے پہلے پاک ہوئی ہو یا بعد میں یا مرتضیٰ تندرست ہو یا مسافر اپنے سفر سے واپس آیا یا اس نے ایسی جگہ اقامت کی جہاں قیام کرنے سے شرعاً مقیم ہو جاتا ہے یا کسی شخص نے اپنے دشمن سے قتال کیا اور روزہ نہیں رکھا پھر اس کا عذر نازل ہو گیا تو ایسے شخص پر اس دن کا باقی حصہ مفطرات سے رُکنا واجب ہے تاکہ ان سب صورتوں میں جس قدر ممکن ہو سکے وقت کی حرمت قائم رہے پس روزہ داروں کی مشابہت کرتے ہوئے مفطرات سے رُکنا وقت کا حق ادا کرنا ہے۔ اور مسافر کے بارے میں یہ حکم اس وقت ہے جبکہ نصف النہار شرعی میں یا اس کے بعد یا نصف النہار سے پہلے کھانے پینے کے بعد واپس آیا ہو یا کسی اقامت کی جگہ مقیم ہو گیا ہو لیکن اگر نصف النہار شرعی سے پہلے واپس آگیا یا اقامت کے لائق جگہ میں مقیم ہو گیا اور ابھی تک... اس نے کھانا پینا وغیرہ کوئی فعل جو روزہ کے منافی ہو نہیں کیا تو اس کو روزہ رکھنا واجب ہے جیسا کہ عوارض کے بیان میں اس کی تفصیل مذکور ہے) اور ان سب پر فوت شدہ روزہ کی قضا واجب ہے سوائے پہلے دو کے یعنی اگر کوئی نابالغ لڑکا دن میں بالغ ہو جائے یا کافر دن میں مسلمان ہو جائے تو اس پر اس روزہ کی قضا لازم نہیں ہے (اگرچہ وہ نیت کرنے کے بعد اس روزہ عذر اٹھائے ہے) کیونکہ وہ دونوں طلوع فجر کے وقت جبکہ روزہ شروع ہونے کا اول وقت ہے (یعنی وہ ہر دن کا جزو اول ہے) شرعی فرائض کے لئے مخاطب و اہل نہیں ہیں پس جب اہلیت نہ پائی گئی تو ان دونوں پر اس روزہ کی قضا بھی واجب نہیں ہوگی (کیونکہ وہ دونوں شروع دن میں روزہ واجب ہونے کے اہل نہیں تھے اور وجوب و حجازہ کے اعتبار سے اسے مستفاد من نفع و بحر و غیر ہا سہ حیات سہ حیات سہ بحر و دس و برائے و طحیات لقطا سہ ش تصرفاً۔



روزہ کے اجزائیں کئے جاتے ہیں جب دن کے بعض حصے میں روزہ واجب نہ ہو تو باقی حصہ میں بھی واجب نہیں ہوگا اور نماز کا حکم اس کے برخلاف ہے یعنی اگر نابالغ نماز کے وقت کے کسی جزو میں بالغ ہوا خواہ شروع میں یا درمیان میں یا آخر میں یا کافر مسلمان ہوا تو اس وقت کی نماز کی قضا واجب ہوگی کیونکہ نماز کے واجب ہونے کا سبب وقت کا وہ جزو ہے جس میں نماز ادا کر دیا ہے اور اس جزو کے وقت اس میں وجوب کی اہلیت پائی گئی ہے۔ اور جنوں کو جب طلوع فجر کے بعد نیت کے قابل وقت میں یعنی دوپہر شرعی سے پہلے پہلے افادہ ہو جائے اور وہ روزہ کی نیت کر لے تو اس کا روزہ درست ہے (یعنی اس کا روزہ فرض کی بجائے ادا ہو جائے گا کیونکہ جب جنون پورا ہینے قائم نہ رہے تو مرض کے حکم میں ہے اور مرض روزہ واجب ہونے کے منافی نہیں ہے بخلاف نابالغ ہونے اور کفر و حیض و نفاس کے یہ سب روزہ واجب ہونے کے منافی ہیں) اور اگر کھانے پینے کے بعد یا نیت کا وقت جاتے رہنے کے بعد افادہ ہوا تو اس پر اس دن کا باقی حصہ منقعات سے رکنا واجب ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ لزوم قضا کے لئے نیت کے لائق وقت میں افادہ ہونا ضروری ہے یا کسی بھی وقت افادہ ہو جانے کا اعتبار ہے۔ اور عوارض کے بیان میں گذر چکے ہیں کہ دھڑولوں کی تصحیح کی گئی ہے اور معتبر دوسرا قول ہے کیونکہ یہ ظاہر الروایت ہے اور متون میں بھی یہی مذکور ہے پس یہی اصح اور فتویٰ کے لئے مختار ہے کہ مہینے کے کسی حصہ میں کسی وقت بھی افادہ ہو جائے خواہ رات میں ہو یا دن میں نصف النہا سے پہلے یا بعد میں ہو اور خواہ رمضان کے آخری دن میں کسی وقت افادہ ہو اور خواہ افادہ ایک ساعت کے لئے ہو اس پر گندے ہوئے دنوں کی قضا لازم ہوگی سوائے اس دن کے جس کی رات میں اس کو جنون لاحق ہوا ہے کہ اس دن کی قضا لازم نہیں ہوگی۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس پر روزہ کے وجوب کا سبب اس روزہ کی اہلیت موجود ہونے کی وجہ سے دن کے اول حصہ میں یعنی طلوع فجر کے وقت روزہ فرض ہو پھر (کوئی ایسا امر روزہ کے منافی پایا جائے جو روزہ کے افطار کو مباح کرنے والا نہیں ہے) اور اس کی وجہ سے اس کو روزہ دار رہنا دشوار ہو جائے مثلاً جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا یا شک کے روز صبح کو کھاپی لیا پھر ظاہر ہوا کہ وہ رمضان کا دن تھا یا سحری کھائی تو اس وقت یہ گمان تھا کہ فجر طلوع نہیں ہوئی پھر ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی یا روزہ افطار کیا اور اس کا اس وقت یہ گمان تھا کہ سورج غروب ہو چکا ہے پھر ظاہر ہوا کہ سورج غروب نہیں ہوا تھا اور اسی طرح جس نے خطا کے طور پر یا کسی کی زبردستی واکراہ کی وجہ سے روزہ توڑ دیا تو ان میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ بقدر امکان وقت کا حق ادا کرنے کے لئے روزہ داروں کے ساتھ مشابہت کرتے ہوئے باقی تمام دن غروب آفتاب تک ان چیزوں سے جو روزہ کو توڑنے والی ہیں پرہیز کرے اور کالہ ہے۔ (ان میں سے ہر ایک کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر گذر چکی ہے، بخلاف اسی طرح اگر حمل والی عورت نے رمضان میں دن کے وقت کچھ کھاپی لیا پھر اس کو اپنے بچے پر کوئی خوف نہیں رہا تو

لے براء منہ موطعہ و نذیرة عن بھوئی لہ بحر ش لہ داخل لفظا و تفرنا ش استفاد ش و بحر فیرا لہ حیات لہ و بحر و نذیرا فیرا لہ



اس کو باقی حصہ دن میں مفطرات سے نہ کھنا چاہئے اور اسی طرح اگر وعدہ پلانے والی عورت نے اول دن میں کچھ کھا پی لیا پھر اس کو اپنے بچہ پر کوئی خوف نہیں بہایا اس نے اپنے بچہ کے لئے اس کے بعد اسی دن میں کوئی اور وعدہ پلانے والی مفطر کر لی تو اس کو بھی دن کے باقی حصہ میں مفطرات سے نہ کھنا چاہئے جیسا کہ اگر کسی عورت نے اول دن میں حیض وغیرہ کے شب سے انقطاع کر دیا پھر اسی روز وہ شہد ہو گیا تو باقی دن مفطرات سے نہ کھنا چاہئے جس نابالغ بچے کو عادت ڈالنے کے لئے روزہ رکھوایا جائے اگر وہ دن میں کھالے تو اس کو بھی عادت ڈالنے کے لئے باقی روز کھانے پینے سے روکا جائے۔

(۴) کوئی نابالغ نوال سے پہلے بالغ ہوا اور نصرانی (کافر) اسلام لایا اور ان دونوں نے نوال (دوپہر شرعی) سے پہلے اور روزہ توڑنے والی کوئی چیز استعمال کرنے سے پہلے روزہ کی نیت کی تو ان دونوں کا روزہ فرض کی جگہ ادا نہیں ہوگا لیکن اس نابالغ کا روزہ نفلی ہو جائے گا پس اگر وہ اس روزہ کو توڑ دے گا تو اس پر اس کی قضا واجب ہوگی بخلاف کافر کے کیونکہ اس کے حق میں روزہ واجب ہونے کی اہلیت نہیں پائی گئی اور ان دونوں کا روزہ فرض کی جگہ ادا نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر شروع دن میں روزہ رکھنا واجب نہیں تھا کیونکہ وجوب روزہ کے اہل نہیں تھے اور جب شروع دن میں روزہ واجب نہیں تھا تو باقی تمام دن میں بھی واجب نہیں ہوگا کیونکہ وجوب کے حق میں ایک دن کے روزہ کے اجزاء نہیں کئے جاتے البتہ ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ نابالغ اگر بالغ ہونے کے دن نصف النہار شرعی سے پہلے نفلی روزہ کی نیت کر لے تو اس کا نفلی روزہ صحیح ہے اور نیت کرنے کے بعد اس کے توڑ دینے پر اس کی قضا لازم ہوگی کیونکہ وہ شروع دن میں روزہ کی ادا کا اہل ہے اگرچہ وجوب کا اہل نہیں یعنی شروع دن سے نابالغ کا نفلی روزہ رکھنا درست ہے اس لئے دوپہر شرعی سے قبل نیت کر لینے پر بھی درست ہے لیکن کافر اگر نفلی روزہ کی نیت کرے گا تو اس کا نفلی روزہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ وہ شروع دن میں نہ وجوب روزہ کا اہل ہے اور نہ ادا کے روزہ کا اہل۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کو شروع دن سے بھی نفلی روزہ رکھنا درست نہیں ہے اور اس بارے میں نابالغ کے متعلق کوئی فرق نہیں ہے کہ بالغ عمر کے لحاظ سے ہو یا عیال و اہل کے لحاظ سے ہو اور وہ لڑکا ہو یا لڑکی، سب کے لئے یہ حکم برابر ہے اور اسی طرح کافر خواہ اصلی ہو یا مرتد، اس حکم میں برابر ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ نابالغ کا بالغ ہونا یا کافر کا اسلام لانا طلوع فجر کے بعد ہو لیکن اگر طلوع فجر سے پہلے ہو تو اس روزہ کا روزہ رکھنا اس پر فرض ہوگا اگرچہ رات کی ایک ساعت (لحمہ) ہی باقی ہو لیکن اگر عین طلوع فجر کے ساتھ ہی کافر اسلام لایا یا بالغ بالغ ہوا تو اس پر بھی روزہ فرض ہو جائے گا اگرچہ وہ رات کا اور اک نہ کر سکا ہو علیٰ ہر دوئی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور مجنون کو جب ماہ رمضان میں دن کے وقت نوال سے پہلے فاقد ہو جائے اور ابھی تک اس نے کچھ کھایا پیا نہ ہو اور وہ روزہ کی نیت کر لے تو وہ روزہ رمضان کا ہو جائے گا اس لئے کہ مجنون کو جب پورا مہینہ جنون نہیں رہا تو وہ مریض کی مانند ہو گیا اور ایسا جنون اس کے لئے روزہ واجب ہونے کا



مانع نہیں ہے بخلاف عدم بلوغیت و کفر و حیض کے کیونکہ یہ چیزیں وجوب صوم کی مانع ہیں اور قبل زوال سے مولا قبل نصف النہار شرعی ہے اور یہ عبارت اکثر کتب فقہ میں بہت جگہ یا تو استعمال ہوئی ہے یا قول ضعیف کی بنا پر ہے۔  
 (یعنی صحیح قول میں زوال سے مراد نصف النہار شرعی ہے جیسا کہ پہلے نیت کے بیان میں گذر چکا ہے، مؤلف)۔ اور اسی طرح اگر مسافر اور مریض نصف النہار شرعی سے پہلے جب تک کسی مفطر کا استعمال نہ کیا ہو روزہ کی نیت کر لیں تو ان کا فرض روزہ صحیح ہو جائے گا کیونکہ وہ اول وقت میں یعنی طلوع فجر کے وقت وجوب روزہ کے اہل ہیں مگر چنانچہ سے مگر مرض کے عند کی وجہ سے روزہ ادا کرنے کا وجوب ساقط ہو گیا ہے اور اگر حیض یا نفاس والی عورت نصف النہار شرعی سے پہلے پاک ہو جائے تو اس کا روزہ ہرگز درست نہیں ہوگا۔ فرض کی جگہ اور نہ نفل کی جگہ کیونکہ حیض و نفاس دونوں میں ہر ایک مطلقاً روزہ کی صحت کے منافی ہے کیونکہ روزہ کی صحت کے لئے حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے اور روزہ ایک واحد عبادت ہے اس کے اجزاء نہیں ہو سکتے پس جب اس کے اول میں منافی روزہ پایا گیا تو اس کا حکم باقی وقت میں بھی متحقق ہو گیا۔  
 جن لوگوں پر روزہ داروں کے ساتھ مشابہت واجب نہیں ہے جو شخص دن کے آخری حصہ میں ایسی حالت پر نہ ہو کہ جس حالت پر طلوع فجر کے وقت ہونے سے اس پر روزہ

فرض ہو جاتا ہے تو اس کو مفطرات سے رکنا واجب نہیں ہے، جیسا کہ وہ عورت جو حیض یا نفاس کی حالت میں ہو تو اس کیلئے مفطرات سے رکنا حرام ہے کیونکہ اس کے لئے روزہ رکھنا حرام ہے اور حرام کے لئے تشبیہ بھی حرام ہے۔ اور اسی طرح مسافر اور مریض بھی مفطرات سے رکنا واجب نہیں ہے کیونکہ ان کے انکار کی خصصت حرج کی وجہ سے ہے تو اگر ان کے لئے روزہ داروں سے تشبیہ لازمی قرار دیا جائے تو چیز اپنے موضوع کی طرف نقص کے ساتھ لوٹ آئے گی لیکن یہ لوگ علائقہ لوگوں کے سامنے نہ کھائیں ہیں بلکہ پوشیدہ کھائیں۔ یعنی اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ حیض اور نفاس والی عورت اور مریض اور مسافر پر زوال عذر سے پہلے روزہ داروں کے ساتھ مشابہت واجب نہیں ہے۔ اور حیض والی عورت کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ پوشیدہ کھائے یا ظاہر (لوگوں کے سامنے) کھائے۔ بعض نے کہا کہ پوشیدہ کھائے اور بعض نے کہا کہ اس کو اختیار ہے خواہ پوشیدہ کھائے یا ظاہر، اور مریض و مسافر کے لئے ایک روایت میں بالاتفاق ظاہر کھانا جائز ہے۔ لیکن ان لوگوں کے سامنے کھائے جن کو معلوم ہے کہ وہ مریض یا مسافر ہے دوسروں کے سامنے نہ کھائے۔

—X—











## شرائط نذر کی مزید تفصیل

(۱) جس چیز کی نذر کرے اس کی جنس سے شرع میں کوئی واجب نہ ہونا، واجب سے یہاں فرض مراد ہے، پس اگر نذر کی چیز کی جنس سے کوئی فرض شرع میں نہیں ہے تو وہ نذر لازم نہ ہوگی۔ اور فرض سے مراد یہاں فرض عین ہے فرض کفایہ نہیں اور حدیث کی عبارت اس طرح ہے اگر نذر کی ہوئی چیز کی کوئی اصل شرعی فرضوں میں موجود ہو تو وہ نذر لازم ہو جائے گی جیسا کہ روزہ و نماز و صدقہ و اعتکاف، اور اگر نذر کی ہوئی چیز کی کوئی اصل شرعی فرضوں میں موجود نہیں ہے تو وہ نذر کرنے والے پر لازم نہیں ہوگی مثلاً مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ چلنا، مسجد میں داخل ہونا، پل و سرائے کی دپائی کی بیل وغیرہ بتانا، اور یہ کلیہ قاعدہ ہے۔

(۲) نذر کی چیز کا بالذات عبادت مقصودہ ہونا، مقصود لغیرہ یعنی وسیلہ نہ ہونا، پس وضو کی نذر ماننے سے وضو کرنا واجب نہیں ہوتا کیونکہ وضو کرنا ایسی عبادت نہیں ہے جو مقصود بالذات ہو بلکہ یہ ایک مقصود بالذات عبادت یعنی نماز کے لئے شرط ہے اور یہی غسل کا حکم ہے۔ اور قرآن شریف تلاوت کرنے کی نذر ماننے سے قرآن شریف کی تلاوت کرنا واجب نہیں ہوتا کیونکہ تلاوت کا فرض ہونا نماز کے لئے ہے خود قرأت مقصود بالذات فرض عبادت نہیں ہے۔ اور اسی طرح میت کو کفن دینے کی نذر کرنے کی بھی یہ نذر لازم نہیں ہوتی کیونکہ یہ بھی بالذات مقصود عبادت نہیں ہے بلکہ یہ میت پر نماز درست ہونے کے لئے ہے کیونکہ ستر ڈھانپنا اس کی نماز جنازہ کی صحت کے لئے شرط ہے۔ اور دخول مسجد کی نذر کرنے کا حکم بھی اسی طرح ہے خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہو یا مسجد الحرام یا مسجد الاقصیٰ ہو کیونکہ اس کی جنس سے کوئی فرض مقصود لذاتہ نہیں ہے اگرچہ مسجد الحرام میں طواف کے لئے اور جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے داخل ہونا ہو جبکہ امام مسجد میں موجود ہو پس بیشک اس وقت مسجد میں داخل ہونا فرض ہے لیکن مقصود لذاتہ نہیں ہے اور اسی طرح والد کا عیادت کرنے کا حکم ہے جبکہ وہ اس کے محتاج ہوں کیونکہ ان کے ساتھ حسن سلوک فرض ہے لیکن نذر کی چیز کا بذات خود مقصودہ عبادت ہونا شرط ہے نہ کہ اس کی جنس سے کسی اور چیز کا عبادت مقصودہ ہونا اور عیادت مریض اگرچہ عبادت ہے لیکن مقصود بالذات نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے نماز کے بعد تہنیت پڑھنے کی نذر کی تو یہ نذر اس پر لازم نہیں ہوگی۔ شاید اس سے مراد تین تین بار سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھنا ہو کیونکہ اس کی جنس سے نہ کوئی عبادت واجب ہے اور نہ فرض ہے اور بحر میں ہے کہ اگر کسی نے نذر کی کہ وہ ہر نماز کے بعد فلاں دعا دس مرتبہ پڑھے گا تو یہ نذر صحیح نہیں ہوگی۔ اور اگر کسی شخص نے یہ نذر کی کہ وہ ہر روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے گا

لے بکر لے ش فی احکام النذر من باب الایمان لے ش کتاب الایمان و ما تعرف لے ش کتاب الایمان  
لے ش تعرف و تغیر من کتاب الایمان لے ش در من کتاب الایمان لے ش بجز من کتاب الایمان



تو نہ لازم ہو جائے گی کیونکہ اس کی جنس سے فرض ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمر بھر میں ایک بار وود شریف پڑنا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ذکر کیا جائے تو وود شریف پڑنا واجب ہے جو کہ فرض علی ہے اور اس بات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی جنس سے کوئی فرض مراد ہونے سے مراد فرض قطعی نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ اس پر نہ لازم نہیں ہوگا اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی جنس سے کوئی فرض ہونے سے مراد فرض قطعی ہے۔

(۳) جس چیز کی نذر کی جائے وہ اس پر نذر سے پہلے واجب نہ ہو اور نہ آئندہ کسی وقت واجب ہو جیسا کہ اس کی مثال پہلے گندھکی ہے اور ایک مثال یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے حجۃ الاسلام یعنی فرض حج ادا کرنے کی نذر کی تو فرض حج کے علاوہ اس پر اور کچھ لازم نہیں ہوگا کیونکہ حجۃ الاسلام یعنی فرض حج فریضہ عمری کا نام ہے جیسا کہ رمضان کے روزے اور ظہر کی نماز ایک مخصوص وقت کے فریضوں کے نام ہیں پس ان فرضوں کی نذر ماننا درست نہیں ہے بخلاف اس کے کہ کبھی وہ عبادت نفلی اور واجب بھی ہوتی ہے جیسا کہ (مطلقاً) نماز، روزہ، قربانی، پس اگر کسی شخص نے نذر کی کہ وہ ایک بکری قربانی کرے گا اور یہ قربانی کے دن میں ہے اور وہ مالدار ہے تو اس پر ہمارے فقہاء کے نزدیک دو بکریوں کی قربانی واجب ہوگی ایک بکری نذر کے لئے اور دوسری اس قربانی کے لئے جو اس پر شرع کی طرف سے واجب ہے کیونکہ قربانی کی نذر کرنا صحیح ہے البتہ جو قربانی پہلے سے شرع کی طرف سے اس پر واجب ہے نذر اس کے علاوہ دوسری بکری کی طرف لوٹائی جائے گی لیکن اگر اس نے اس نذر سے اپنے اوپر واجب قربانی کی خبر دیے کا قصد کیا ہو اور قربانی کے دنوں میں واقع ہو تو ایک ہی بکری جو شرع کی طرف سے اس پر واجب ہے کرنی ہوگی اور اگر قربانی کے دنوں سے پہلے ایسا قصد کیا ہو تو بلا خلاف اس پر دو بکریوں کی قربانی لازم ہوگی کیونکہ اس وقت اس صیذہ میں اپنے اوپر واجب کی خبر دینے کا احتمال نہیں ہے اس لئے کہ وقت سے پہلے شرعی قربانی واجب نہیں ہوتی ماسی طرح اگر وہ شخص پہلے مطلقاً اور پھر قربانی کے دنوں میں مالدار ہو جائے تو اس پر دو قربانیاں واجب ہوں گی اور اسی طرح مطلق حج کی نذر کرنے کا حکم ہے کیونکہ یہ قربانی اور حج کبھی غیر واجب یعنی نفلی بھی ہوتے ہیں بخلاف حجۃ الاسلام یعنی فرض حج کے کہ وہ تو اس پر فرض ہے ہی جیسا کہ اوپر اس کا حکم بیان ہوا۔

(۴) وہ چیز جس کی نذر کی جائے بذات خود معصیت نہ ہو، پس اگر کسی گناہ کا (یعنی حرام) کام کرنے کی نذر کی مثلاً یوں کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر واجب ہے کہ میں فلاں شخص کو قتل کروں تو یہ نذر نہیں بلکہ قسم ہوگی اور اس کی توڑنا لازم ہے اور اس کے توڑنے پر کفارہ واجب ہے، اور اگر ایسی نذر کو پورا کرے گا تو اس کا کفارہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور وہ شخص گنہگار ہوگا۔ اور اگر اصل کے اعتبار سے اس جنس کا کوئی واجب شرع میں ہو لیکن اس کے وصف کے اعتبار سے اس کا کرنا حرام ہو تو اس نذر کا لازم کرنا صحیح ہے پس قربانی کے دن کے روزہ کی نذر کرنا صحیح ہے



اوستا کا پورا کرنا اس پر واجب ہے کیونکہ روزہ رکھنا بذات خود ایک عبادت ہے جس کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے لیکن  
 ہر اس وصف کے ساتھ لازم نہیں ہے جس کے ساتھ اس نے اس کو اپنے اوپر لازم کیا ہے، پس اس حیثیت سے کہ نذر کی  
 چیز روزہ ہے اس پر روزہ کا لازم ہونا صحیح ہے لیکن اس کا عید کے دن ہونا لغو ہو جائے گا کیونکہ روزہ لذائذ معصیت نہیں ہے  
 لیکن عید کے دن کا روزہ معصیت لغیر ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے روگردانی ہے۔ اور اسی طرح  
 عید الفطر کے دن اور ایام تشریق کے روزوں کی نذر کرنا درست ہے پس ان پانچ ایام منہیہ کے روزوں کی نذر کرنا  
 درست ہے لیکن اتنا امیر الہی کے لئے ان دنوں میں روزہ رکھنا واجب ہے تاکہ روزہ دار ہونے کی وجہ سے اللہ کریم کی  
 ضیافت سے روگردانی کرنے والا نہ بنے اور ان روزوں کی قضا دوسرے دنوں میں لازم ہے کیونکہ اصل کے اعتبار سے ان کی  
 نذر درست ہے اور اگر انہی دنوں میں روزہ رکھ لے گا تو نذر کے روزے ادا ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی ضیافت سے  
 اعراض کرنے کی وجہ سے حرام (یا مکروہ تحریمی) کا مرتکب ہوگا، یعنی اگر اس نے ان دنوں کے روزے رکھے تو درجوب کی  
 ذمہ داری سے حرمت کے ساتھ بری ہوگا اس لئے کہ جیسے ناقص اس پر واجب ہوئے تھے ویسے ہی ناقص ادا ہو گئے ہیں  
 اگر کسی شخص نے دو رکعت نماز بلا وضو ادا کرنے کی نذر کی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر دو رکعت وضو کے ساتھ لازم  
 ہوں گی اور امام محمدؒ کا اس میں خلاف ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دلیل یہ ہے کہ مشروط کے لازم ہو جانے سے  
 مشروط بھی لازم ہو جاتی ہے پس اس کے بعد اس کا بلا وضو کہنا لغو ہو جائے گا اس کے کہنے کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور اس کی  
 نظیر یہ ہے کہ اگر شخص نے دو رکعت بلا قنات پڑھنے کی نذر کی تو اس پر دو رکعت قنات کے ساتھ پڑھنا لازم ہو جائیگا  
 یا اگر کسی نے یہ نذر کی کہ ایک رکعت نماز پڑھے گا تو اس پر دو رکعت پڑھنا لازم ہو جائیگا یا تین رکعت نماز کی نذر کی تو  
 چار رکعت پڑھنا لازم ہوگا۔

(۵) جس چیز کی نذر کرے اس کا ہونا محال نہ ہو، یہ حکم شرعی طور پر محال ہونے کو بھی شامل ہے، پس اگر کسی عورت نے  
 اپنے حیض کے دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر کی یا کسی عورت نے یہ کہا کہ مجھ پر اللہ کے واسطے کل آئندہ کا روزہ واجب ہے  
 پھر وہ حیض سے ہو گئی تو یہ نذر امام محمدؒ فرجہا اللہ کے نزدیک باطل ہو گئی اس لئے کہ اس عورت نے روزہ کی نسبت  
 ایسے وقت کی طرف کی ہے جس میں اس کے لئے روزہ رکھنا مستحب نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ دوسرے  
 مسئلے میں اس نذر کے روزہ کی قضا کرے کیونکہ اس نذر کا اپنے اوپر واجب کرنا اس وقت میں صحیح طور پر جاری ہوا ہے  
 جبکہ اس پر روزہ کے منافی کوئی حالت طاری نہیں تھی جیسا کہ اگر عورت ایک مہینے کے روزوں کی نذر کرے تو اس عورت پر  
 ایام حیض کے روزوں کی قضا لازم ہوگی اس لئے کہ مہینے کا حیض سے خالی ہونا جائز ہے پس ان دنوں کی نذر کا اپنے لوہے  
 واجب کرنا صحیح ہے۔ اور اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ جس روز فلاں شخص آئے گا



اس روز کا روزہ رکھوں گا پھر وہ شخص ایسے وقت آیا جبکہ وہ کھانا کھا چکا تھا یا نذر کرنے والی عورت تھی اور وہ شخص ایسے وقت آیا جبکہ اس عورت کو حیض آگیا تھا تو امام محمد کے قول کے بموجب اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور یہی مختار ہے، اور اگر وہ شخص زوال (نصف النہار شرعی شروع ہونے) کے بعد آیا تو امام محمد کے قول کے بموجب اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور کسی اور امام سے اس مسئلہ میں کچھ روایت نہیں ہے۔ اور اگر یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ جس دن فلاں شخص آئے گا اس دن روزہ رکھوں گا اور وہ شخص رات میں آیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا اور اگر دن میں زوال (نصف النہار شرعی) سے پہلے آیا اور ابھی تک نذر کرنے والے نے کچھ نہیں کھایا تو روزہ رکھے نہ اور اگر وہ شخص رمضان میں آیا تو اس نذر کرنے والے پر بالاتفاق کوئی قضا واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ظاہر ہو گیا کہ اس کی نذر رمضان کے روزے پر واقع ہوئی ہے اور جو شخص رمضان کے روزے کی نذر کرے تو جب وہ رمضان کو پائے سمائے رمضان کے روزہ کے اس پر کچھ واجب نہیں ہے، اور اگر یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ جس دن فلاں شخص آئے گا اس دن ہمیشہ روزہ رکھوں گا پھر وہ شخص ایسے دن آیا کہ اس نے کھانا کھالیا تھا تو اس دن کا روزہ اس پر واجب نہیں ہوگا اور اگر دن میں زوال (نصف النہار شرعی) سے پہلے آیا اور اس نے ابھی تک کچھ کھایا یا نہیں تو اس دن کا روزہ رکھے اور اگر زوال (دوپہر شرعی) سے پہلے آیا لیکن نذر کرنے والے نے اس کے آنے سے پہلے کچھ کھاپی لیا تھا یا کچھ کھایا یا تو نہیں تھا لیکن وہ شخص زوال کے بعد آیا تو اس دن کا روزہ اس پر لازم نہیں ہے (پس اس کی قضا بھی لازم نہیں ہے) لیکن ان سب صورتوں میں آئندہ ہمیشہ اُس دن کا روزہ رکھنا اس پر واجب ہے۔ اور اگر کسی شخص نے اپنے اوپر یہ واجب کر لیا کہ جس روز فلاں شخص آئے گا اس روز کا ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا پھر دوسری نذر اس نے یہ کی کہ جس روز فلاں مریض اچھا ہوگا اس روز کا ہمیشہ روزہ رکھوں گا پھر جس دن وہ شخص یا جس کے آنے کی نذر کی تھی اسی دن وہ مریض اچھا ہوا جس کے اچھا ہونے کی نذر کی تھی تو اس پر ہمیشہ صرف اسی ایک دن کا روزہ رکھنا واجب ہوگا اس سے زیادہ اور کچھ واجب نہ ہوگا۔ کسی نے نذر کی کہ وہ اغنیا پر ایک دینار صدقہ کرے گا تو یہ نذر صحیح نہیں ہونی چاہئے شاید اس کی وجہ اس کا عبادت نہ ہونا ہے یا اس کا محال ہونا ہے اس لئے کہ یہ غنی کے لئے ہے جیسا کہ کسی فقیر کو کوئی چیز ہب کرنا صدقہ ہوتا ہے اور اگر اس نے اغنیا سے اُن مسافروں کی نیت کی ہو جو وطن میں غنی ہوں اور سفر میں حاجت مند ہوں تو پھر اس نذر کو صحیح ہونا چاہئے کیونکہ اس صورت میں وہ زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔

(۶۱) ایک شرط یہ ہے کہ نذر کے الفاظ زبان سے ادا ہونے چاہئیں، صرف دل میں نیت کر لینا کافی نہیں ہے

لغة بزيادة عن الجرح لغة و مجروح لغة و لغة ش لغة ش من كتاب الامان لغة مجروح لغة و لغة ش تصرف من كتاب الامان لغة حرف و ش



(اور زبان سے جو کچھ ادا ہوگا اس کا اعتبار ہوگا، مؤلف) پس اگر کسی نے یوں کہنے کا ارادہ کیا کہ مجھ پر اللہ کے واسطے ایک دن کا روزہ واجب ہے اور اس کی زبان سے بجائے ایک دن کے ایک ہینے کا لفظ ادا ہوا تو اس پر ایک ہینے کے روزے واجب ہوں گے اس لئے کہ نذر کے الفاظ ادا ہونے میں قصد سے اور غیر قصد دونوں کا حکم یکساں ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی بات کہنے کا ارادہ کیا اور زبان سے نذر کا لفظ ادا ہو گیا تو وہ نذر اس پر لازم ہو جائیگی کیونکہ ہنسی مذاق کے طور پر نذر کے الفاظ کہنے کا وہی حکم ہے جو قصد رکھنے کا ہے جیسا کہ طلاق میں بھی یہی حکم ہے۔ یعنی اگر کوئی بات کہنے کا ارادہ کیا اور اس کی زبان پر طلاق کا لفظ نکل گیا تو اس پر وہی چیز واجب ہو جائے گی جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں جن کا قصد اگر بنا بھی قصد اگر اور ہنسی مذاق کے طور پر کرنا بھی قصد ہے اور وہ نکاح کرنا طلاق دینا اور حبت کرنا ہے اس کو احمد و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور نذر بھی طلاق و عتاق کے معنی میں ہے کیونکہ اس میں بھی واقع ہونے کے بعد فسخ کا احتمال نہیں ہے۔ اور نذر کا صیغہ شرط و جزا کا صیغہ یعنی نذر کا جملہ شرط و جزا سے مرکب ہونا چاہئے یا یہ لفظ ہوں یا یہ لفظ علی یعنی مجھ پر اللہ کے واسطے واجب ہے یا صرف علی یعنی مجھ پر واجب ہے۔ کہے تب بھی نذر واجب ہونے کے لئے کافی ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ مجھ پر نذر واجب ہے اور اس جملہ پر اور کچھ زیادہ نہ کیا اور اس کی کوئی نیت نہیں ہے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص نذر دے لیکن اس نذر کی چیز کا نام نہ لے، یعنی روزہ نماز صدقہ و فیو کچھ نہ کہے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہو جائیگا اس کو ابو داؤد و ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کسی نے یوں کہا کہ اگر میں تندرست ہو گیا تو اس قدر روزے رکھوں گا تو جب تک یوں نہ کہے کہ اللہ کے واسطے میں یہ اپنے اوپر واجب کرتا ہوں تب تک وہ روزے واجب نہیں ہوں گے یہ حکم قیاس کے بموجب ہے اور امتحان یہ ہے کہ واجب ہوں گے اور اگر نذر کو کسی چیز پر موقوف نہیں کیا تو کسی طرح واجب نہ ہوں گے نہ بموجب قیاس کے اور نہ بموجب امتحان کے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں حج کروں گا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور اگر یوں کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو حج کروں گا پھر اس نے ایسا کیا تو اس کو حج لازم ہو جائے گا۔

(۸۷) مال میں سے جس چیز کی نذر کرے وہ مال نذر کی مقدار اس کی ملکیت میں موجود ہونا چاہئے، اور وہ مال کسی دوسرے کی ملکیت میں ہونا چاہئے۔ اور یہ دونوں شرطیں نذر کی بعض صورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، پس اگر وہ اس مقولہ سے کم کا مالک ہے جتنی کہ اس نے نذر کی ہے تو جس قدر اس کے پاس ہے صرف اسی قدر صدقہ کرنا لازم ہوگا

لعمدہ بکرمہ ش و بکرمہ حیات ۱۰۰ مشکوٰۃ و جمع الفوائد و منظرہ و حیات ۱۰۰ مشکوٰۃ ۱۰۰ بکرمہ حیات ۱۰۰ عرف  
۱۰۰ درمیں کتاب الایمان و ۱۰۰ مشکوٰۃ و جمع الفوائد و اشراج فی التفسیر ۱۰۰ و بکرمہ ۱۰۰ طووش۔



یہی مختار ہے مثلاً اگر کسی نے نذر کی کہ وہ اپنے مال میں سے ایک ہزار روپیہ صدقہ کرے گا اور اس کے پاس صرف سو روپے ہیں تو اس کو صرف سو روپے صدقہ کرنا لازم ہے اس لئے کہ جقدر کا وہ مالک نہیں ہے اس میں نذر ملک میں نہیں پائی گئی، جیسا کہ اگر وہ یوں کہے کہ میرا مال مسکینوں پر صدقہ ہے اور اس کے پاس کچھ مال نہیں ہے تو اس کی نذر بالاتفاق صحیح نہیں ہے لیکن اگر اس کے پاس مال ہے تو اس کی یہ نذر صحیح ہے اور اگر اس کے پاس سو روپے کا سامان اور خادم ہے تو اس کو بیچے اور صدقہ کرے اور اگر دس روپے کا سامان ہے تو بیچے اور دس روپے صدقہ کرے اور اگر کوئی چیز نہ ہو تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہے جیسا کہ اگر کسی شخص نے اپنے اوپر ایک ہزار حج لازم کر لئے تو جتنے سال وہ زندہ رہے گا ہر سال ایک حج اس پر لازم ہوگا۔ اور اگر یہ کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر لازم ہے کہ میں اس بکری کو بیت اللہ شریف کی طرف بطور ہدیہ بھیجوں حالانکہ وہ بکری کسی دوسرے شخص کی ملکیت ہے تو وہ نذر صحیح نہیں ہوگی۔

(۹) اپنی نذر کے الفاظ کے ساتھ متصل ہی لفظ انشاء اللہ نہ کہا ہو پس اگر نذر کے الفاظ کے ساتھ متصل لفظ انشاء اللہ بھی کہا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا وہ نذر باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ انشاء اللہ ساتھ میں کہنے سے ہر قول باطل ہو جاتا ہے خواہ وہ عبادت سے متعلق ہو یا معاملہ سے متصل ہوئے کی قید اس لئے ہے کہ اگر نذر کے الفاظ اور انشاء اللہ کہنے کے درمیان میں بلا ضرورت بہت ذریعہ خاموش رہا تو اس نذر کو پورا کرنا لازم ہو جائے گا لیکن اگر وہ خاموشی کسی ضرورت کے باعث ہو مثلاً سانس لے یا کوئی دوسرا شخص اس کی زبان کو بند کر دے یا اس کی زبان میں لکنت ہونے کی وجہ سے ہو، اور انشاء اللہ کا لفظ خواہ قصداً کہے یا بغیر قصد کے کہے دونوں صورتوں میں وہ نذر باطل ہو جائے گی اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا اور اگر وہ انشاء اللہ کے معنی نہیں جانتا تب بھی یہی حکم ہے اور لفظ انشاء اللہ ہی کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں ہے بلکہ جو کلمہ بھی اس کے ہم معنی ہوگا اس کا بھی یہی حکم ہوگا خلافاً لآل انشاء اللہ یا ما شاء اللہ یا اذ شاء اللہ یا بحیثیۃ اللہ کہے اور مشیت کا لفظ بھی مخصوص نہیں بلکہ جو لفظ بھی اس کے ہم معنی ہو اس کا یہی حکم ہے مثلاً ارادہ، محبت اور رضا اور اسی طرح اگر نفی مشیت کے ساتھ معلق کیا مثلاً ان شاء اللہ کہتا تب بھی اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، یہ سب جزئیات بحر الرائق کی کتاب الطلاق میں ہیں اور اگرچہ یہ منہائیل تصریح کے ساتھ نذر کے بیان میں نہیں پائے گئے لیکن ان کو اس مقام پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ان مسائل میں طلاق اور نذر میں کسی لحاظ سے فرق معلوم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اعلم۔

اقسام نذر | جانتا چاہئے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں اول نذر معین دوم نذر غیر معین جیسا کہ روزہ کی اقسام میں بیان ہو چکا ہے اور پھر ان دونوں کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ کسی شرط پر معلق ہو اور وہ شرط پائی جائے مثلاً کسی نے یوں کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو صحت عطا فرمائی تو مجھ پر ایک دن کا روزہ واجب ہے پھر اس مریض کو صحت حاصل ہو گئی دوسرے یہ کہ وہ نذر بغیر کسی تعلیق کے یعنی مطلق ہو مثلاً یوں کہا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے واسطے ایک دن کا



روزہ واجب ہے یا ایک سال کے روزے واجب ہیں یا اس ہفتہ میں جمعرات کے دن کا روزہ واجب ہے۔ نذر مطلق کو نذر منجز و نذر غیر معلق بھی کہتے ہیں۔ جو نذر کسی شرط پر معلق ہوتی ہے جب وہ شرط پائی جائے (یعنی پوری ہو جائے) تو اس وقت یہ نذر بھی مطلق یعنی منجز کے حکم میں ہو جاتی ہے پس اس وقت اس کا پورا کرنا بھی اسی طرح سے واجب ہے جیسا کہ مطلق کا اور نذر معلق کا یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ کسی ایسی شرط پر معلق ہو جس کے وجود کا ارادہ کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دی یا میرا فلاں غائب آگیا یا میرا دشمن مر گیا تو فلاں چیز میرے ذمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے واجب ہے اور اگر اس شرط کے وجود کا ارادہ نہ کیا جاتا ہو مثلاً یہ کہنا کہ اگر میں فلاں مکان میں داخل ہوں یا فلاں شخص سے کلام کروں تو اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ اس نذر کا پورا کرنا بھی واجب ہے اور بعض نے کہا کہ اس کو اختیار ہے خواہ قسم کا کفارہ دے یا اس نذر کو پورا کرے اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے تین روز یا سات روز پہلے اس قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ پس معلق بالشرط میں اگر شرط ایسی ہو جس کے وجود کا ارادہ کیا جائے مثلاً یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا بخشی یا میرا غائب واپس آگیا تو مجھ پر روزہ رکھنا واجب ہے اس کو نذر تردد کہتے ہیں اور اگر وہ شرط مکرر ہو یعنی اس کے وجود کا ارادہ نہ کیا جائے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں زید سے بات کروں تو مجھ پر حج کرنا واجب ہے اس کو نذر کمال کہتے ہیں۔ پھر جانتا چاہئے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب نہیں ہیں وہ تین قسم کی ہیں یا وہ طاعت ہیں یا معصیت ہیں یا امور بایہ کہ نہ ان میں طاعت کے معنی ہیں اور نہ معصیت کے پس قسم اول یعنی نذر بالطاعت کا پورا کرنا بالاجماع واجب ہے پھر نذر بالطاعت اگر منجز یعنی مطلق ہو تو اس کی بجائے کفارہ ادا کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ اس کے ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بعض فقہانے کہا ہے کہ اس پر کفارہ عین واجب ہے اور اگر وہ کسی شرط پر معلق ہو اور وہ شرط پائی جائے تب بھی امام ابو حنیفہ و امام مالک و اکثر علماء رحمہم اللہ کے نزدیک یہی حکم ہے کیونکہ ان کے نزدیک معلق بالشرط بھی منجز کے حکم میں ہے پس وہ ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے شرط کے پائے جانے کے وقت کہا ہے کہ مجھ پر اللہ کے واسطے اتنا واجب ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے مرنے سے سات روز پہلے اس سے رجوع کر لیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب نذر معلق بالشرط ہو تو اس کو اختیار ہے خواہ بعینہ اس کو ادا کرے یا قسم کا کفارہ دیدے اور یہی امام محمد کا قول ہے پس اگر کسی نے کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو مجھ پر حج واجب ہے یا ایک سال کے روزے واجب ہیں تو خواہ وہ اپنی نذر کو پورا کرے یا قسم کا کفارہ ادا کرے پس اگر وہ فقیر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ وہ ایک سال کے روزے رکھے یا تین دن کے روزے رکھے اور پہلا قول ظاہر المذہب ہے اور اختیار کا قول امام ابو حنیفہ سے نوادر کی روایت میں ہے اور صاحب ہدایہ و دیگر محققین علمائے خفیہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ معلق بالشرط نذر جس میں نذر کرنے والے کو اختیار ہے اس سے مراد







عمل کرتے ہوئے جمع کر دیا ہے جیسا کہ ہمہ میں بشرط عوض تبرع اور معاوضہ کی دونوں جہتوں میں جمع کر دیا ہے اور اس دلیل پر پوری بحث فتح القدیر و دیگر کتب اصول میں مذکور ہے۔ پس جب میں (قسم) کی نیت کی تو ان دونوں سے عموم مجاز پر عمل کرنے کا ارادہ کیا جائے گا نہ کہ حقیقت و مجاز میں جمع کرنے کا۔ اور ایام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی صورت میں یعنی نذر اور قسم دونوں کی نیت کرنے میں صرف نذر لازم ہوگی اور دوسری صورت یعنی صرف قسم کی نیت کرنے اور نذر کی نفی نہ کرنے کی صورت میں صرف قسم ہوگی اس لئے کہ صیغہ کا استعمال نذر میں حقیقی ہے اور قسم میں مجازی یہاں تک کہ پہلی صورت نیت پر موقوف نہیں ہے اور دوسری صورت نیت پر موقوف ہے پس اول صورت میں حقیقت کو ترجیح ہے اور دوسری صورت میں نیت کے باعث مجاز متعین ہے۔

**نذر بمال کے مصارف** | نذر بمال کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں لیکن ذمی کا فرض زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے اور نذر کا مصرف ہے، نذر کرنے والے کے لئے اپنی نذر میں سے کوئی چیز کھانا حلال نہیں ہے اگر اس میں سے کھالے گا تو اس حصہ کی قیمت ادا کرنا واجب ہوگا، اس کا ایک حیلہ ہے وہ یہ ہے کہ جب نذر کرنے والے نے کسی مستحق کو نذر کا کھانا دے کر اس کی بیک کر دیا اب اگر وہ شخص اس میں سے اس نذر کرنے والے کو دیدے تو اس صورت میں اس کھانے کی قیمت نذر کرنے والے پر لازم نہیں ہوگی۔

## نذر معین و غیر معین کے فزوں کے مسائل

**نذر صیام یک سال** | اگر کسی نے اپنے اوپر ایک سال کے روزے واجب کرنے کی نذر کی تو یہ مسئلہ تین قسم پر ہے۔  
 ۱۔ کیونکہ اس نے سال معین کا ذکر کیا ہوگا یا بغیر تعیین کے سال کا ذکر کیا ہوگا لیکن اس کے روزوں کو لگاتار رکھنے کی شرط کی ہوگی یا بغیر معین سال کی نذر کرنا اور اس میں لگاتار ہونے کی شرط نہ کرنا ان تینوں صورتوں کے احکام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سال معین کے روزوں کی نذر کرنا، اگر یوں کہہ کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ اس سال کے روزے واجب ہیں تو اس پر اس سال کے روزے واجب ہو جائیں گے پس وہ اس سال کے روزے رکھے لیکن ایام منوعہ کے روزے نہ رکھے اور وہ پانچ دن ہیں، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے تین دن، اور بعد میں ان پانچ روزوں کو قضا کرے، اس لئے کہ کسی معین سال کے روزوں کی نذر کرنا ان ایام منوعہ کی نذر کو بھی شامل ہے کیونکہ سال ان ایام سے خالی نہیں ہوتا اور ایام منہیہ کی نذر کرنا صحیح ہے مگر یہ فعل ہمارے نزدیک حرام ہے (یعنی ان دنوں میں اس کو روزہ رکھنا حرام یا مکروہ

لہ ہذا و فتح دل مستطاعہ حاشیہ ہایہ عن کافی ص ۴۷۲ ج ۱ ج ۲ ج ۳ ج ۴ ج ۵ ج ۶ ج ۷ ج ۸ ج ۹ ج ۱۰ ج ۱۱ ج ۱۲ ج ۱۳ ج ۱۴ ج ۱۵ ج ۱۶ ج ۱۷ ج ۱۸ ج ۱۹ ج ۲۰ ج ۲۱ ج ۲۲ ج ۲۳ ج ۲۴ ج ۲۵ ج ۲۶ ج ۲۷ ج ۲۸ ج ۲۹ ج ۳۰ ج ۳۱ ج ۳۲ ج ۳۳ ج ۳۴ ج ۳۵ ج ۳۶ ج ۳۷ ج ۳۸ ج ۳۹ ج ۴۰ ج ۴۱ ج ۴۲ ج ۴۳ ج ۴۴ ج ۴۵ ج ۴۶ ج ۴۷ ج ۴۸ ج ۴۹ ج ۵۰ ج ۵۱ ج ۵۲ ج ۵۳ ج ۵۴ ج ۵۵ ج ۵۶ ج ۵۷ ج ۵۸ ج ۵۹ ج ۶۰ ج ۶۱ ج ۶۲ ج ۶۳ ج ۶۴ ج ۶۵ ج ۶۶ ج ۶۷ ج ۶۸ ج ۶۹ ج ۷۰ ج ۷۱ ج ۷۲ ج ۷۳ ج ۷۴ ج ۷۵ ج ۷۶ ج ۷۷ ج ۷۸ ج ۷۹ ج ۸۰ ج ۸۱ ج ۸۲ ج ۸۳ ج ۸۴ ج ۸۵ ج ۸۶ ج ۸۷ ج ۸۸ ج ۸۹ ج ۹۰ ج ۹۱ ج ۹۲ ج ۹۳ ج ۹۴ ج ۹۵ ج ۹۶ ج ۹۷ ج ۹۸ ج ۹۹ ج ۱۰۰ ج ۱۰۱ ج ۱۰۲ ج ۱۰۳ ج ۱۰۴ ج ۱۰۵ ج ۱۰۶ ج ۱۰۷ ج ۱۰۸ ج ۱۰۹ ج ۱۱۰ ج ۱۱۱ ج ۱۱۲ ج ۱۱۳ ج ۱۱۴ ج ۱۱۵ ج ۱۱۶ ج ۱۱۷ ج ۱۱۸ ج ۱۱۹ ج ۱۲۰ ج ۱۲۱ ج ۱۲۲ ج ۱۲۳ ج ۱۲۴ ج ۱۲۵ ج ۱۲۶ ج ۱۲۷ ج ۱۲۸ ج ۱۲۹ ج ۱۳۰ ج ۱۳۱ ج ۱۳۲ ج ۱۳۳ ج ۱۳۴ ج ۱۳۵ ج ۱۳۶ ج ۱۳۷ ج ۱۳۸ ج ۱۳۹ ج ۱۴۰ ج ۱۴۱ ج ۱۴۲ ج ۱۴۳ ج ۱۴۴ ج ۱۴۵ ج ۱۴۶ ج ۱۴۷ ج ۱۴۸ ج ۱۴۹ ج ۱۵۰ ج ۱۵۱ ج ۱۵۲ ج ۱۵۳ ج ۱۵۴ ج ۱۵۵ ج ۱۵۶ ج ۱۵۷ ج ۱۵۸ ج ۱۵۹ ج ۱۶۰ ج ۱۶۱ ج ۱۶۲ ج ۱۶۳ ج ۱۶۴ ج ۱۶۵ ج ۱۶۶ ج ۱۶۷ ج ۱۶۸ ج ۱۶۹ ج ۱۷۰ ج ۱۷۱ ج ۱۷۲ ج ۱۷۳ ج ۱۷۴ ج ۱۷۵ ج ۱۷۶ ج ۱۷۷ ج ۱۷۸ ج ۱۷۹ ج ۱۸۰ ج ۱۸۱ ج ۱۸۲ ج ۱۸۳ ج ۱۸۴ ج ۱۸۵ ج ۱۸۶ ج ۱۸۷ ج ۱۸۸ ج ۱۸۹ ج ۱۹۰ ج ۱۹۱ ج ۱۹۲ ج ۱۹۳ ج ۱۹۴ ج ۱۹۵ ج ۱۹۶ ج ۱۹۷ ج ۱۹۸ ج ۱۹۹ ج ۲۰۰ ج ۲۰۱ ج ۲۰۲ ج ۲۰۳ ج ۲۰۴ ج ۲۰۵ ج ۲۰۶ ج ۲۰۷ ج ۲۰۸ ج ۲۰۹ ج ۲۱۰ ج ۲۱۱ ج ۲۱۲ ج ۲۱۳ ج ۲۱۴ ج ۲۱۵ ج ۲۱۶ ج ۲۱۷ ج ۲۱۸ ج ۲۱۹ ج ۲۲۰ ج ۲۲۱ ج ۲۲۲ ج ۲۲۳ ج ۲۲۴ ج ۲۲۵ ج ۲۲۶ ج ۲۲۷ ج ۲۲۸ ج ۲۲۹ ج ۲۳۰ ج ۲۳۱ ج ۲۳۲ ج ۲۳۳ ج ۲۳۴ ج ۲۳۵ ج ۲۳۶ ج ۲۳۷ ج ۲۳۸ ج ۲۳۹ ج ۲۴۰ ج ۲۴۱ ج ۲۴۲ ج ۲۴۳ ج ۲۴۴ ج ۲۴۵ ج ۲۴۶ ج ۲۴۷ ج ۲۴۸ ج ۲۴۹ ج ۲۵۰ ج ۲۵۱ ج ۲۵۲ ج ۲۵۳ ج ۲۵۴ ج ۲۵۵ ج ۲۵۶ ج ۲۵۷ ج ۲۵۸ ج ۲۵۹ ج ۲۶۰ ج ۲۶۱ ج ۲۶۲ ج ۲۶۳ ج ۲۶۴ ج ۲۶۵ ج ۲۶۶ ج ۲۶۷ ج ۲۶۸ ج ۲۶۹ ج ۲۷۰ ج ۲۷۱ ج ۲۷۲ ج ۲۷۳ ج ۲۷۴ ج ۲۷۵ ج ۲۷۶ ج ۲۷۷ ج ۲۷۸ ج ۲۷۹ ج ۲۸۰ ج ۲۸۱ ج ۲۸۲ ج ۲۸۳ ج ۲۸۴ ج ۲۸۵ ج ۲۸۶ ج ۲۸۷ ج ۲۸۸ ج ۲۸۹ ج ۲۹۰ ج ۲۹۱ ج ۲۹۲ ج ۲۹۳ ج ۲۹۴ ج ۲۹۵ ج ۲۹۶ ج ۲۹۷ ج ۲۹۸ ج ۲۹۹ ج ۳۰۰ ج ۳۰۱ ج ۳۰۲ ج ۳۰۳ ج ۳۰۴ ج ۳۰۵ ج ۳۰۶ ج ۳۰۷ ج ۳۰۸ ج ۳۰۹ ج ۳۱۰ ج ۳۱۱ ج ۳۱۲ ج ۳۱۳ ج ۳۱۴ ج ۳۱۵ ج ۳۱۶ ج ۳۱۷ ج ۳۱۸ ج ۳۱۹ ج ۳۲۰ ج ۳۲۱ ج ۳۲۲ ج ۳۲۳ ج ۳۲۴ ج ۳۲۵ ج ۳۲۶ ج ۳۲۷ ج ۳۲۸ ج ۳۲۹ ج ۳۳۰ ج ۳۳۱ ج ۳۳۲ ج ۳۳۳ ج ۳۳۴ ج ۳۳۵ ج ۳۳۶ ج ۳۳۷ ج ۳۳۸ ج ۳۳۹ ج ۳۴۰ ج ۳۴۱ ج ۳۴۲ ج ۳۴۳ ج ۳۴۴ ج ۳۴۵ ج ۳۴۶ ج ۳۴۷ ج ۳۴۸ ج ۳۴۹ ج ۳۵۰ ج ۳۵۱ ج ۳۵۲ ج ۳۵۳ ج ۳۵۴ ج ۳۵۵ ج ۳۵۶ ج ۳۵۷ ج ۳۵۸ ج ۳۵۹ ج ۳۶۰ ج ۳۶۱ ج ۳۶۲ ج ۳۶۳ ج ۳۶۴ ج ۳۶۵ ج ۳۶۶ ج ۳۶۷ ج ۳۶۸ ج ۳۶۹ ج ۳۷۰ ج ۳۷۱ ج ۳۷۲ ج ۳۷۳ ج ۳۷۴ ج ۳۷۵ ج ۳۷۶ ج ۳۷۷ ج ۳۷۸ ج ۳۷۹ ج ۳۸۰ ج ۳۸۱ ج ۳۸۲ ج ۳۸۳ ج ۳۸۴ ج ۳۸۵ ج ۳۸۶ ج ۳۸۷ ج ۳۸۸ ج ۳۸۹ ج ۳۹۰ ج ۳۹۱ ج ۳۹۲ ج ۳۹۳ ج ۳۹۴ ج ۳۹۵ ج ۳۹۶ ج ۳۹۷ ج ۳۹۸ ج ۳۹۹ ج ۴۰۰ ج ۴۰۱ ج ۴۰۲ ج ۴۰۳ ج ۴۰۴ ج ۴۰۵ ج ۴۰۶ ج ۴۰۷ ج ۴۰۸ ج ۴۰۹ ج ۴۱۰ ج ۴۱۱ ج ۴۱۲ ج ۴۱۳ ج ۴۱۴ ج ۴۱۵ ج ۴۱۶ ج ۴۱۷ ج ۴۱۸ ج ۴۱۹ ج ۴۲۰ ج ۴۲۱ ج ۴۲۲ ج ۴۲۳ ج ۴۲۴ ج ۴۲۵ ج ۴۲۶ ج ۴۲۷ ج ۴۲۸ ج ۴۲۹ ج ۴۳۰ ج ۴۳۱ ج ۴۳۲ ج ۴۳۳ ج ۴۳۴ ج ۴۳۵ ج ۴۳۶ ج ۴۳۷ ج ۴۳۸ ج ۴۳۹ ج ۴۴۰ ج ۴۴۱ ج ۴۴۲ ج ۴۴۳ ج ۴۴۴ ج ۴۴۵ ج ۴۴۶ ج ۴۴۷ ج ۴۴۸ ج ۴۴۹ ج ۴۵۰ ج ۴۵۱ ج ۴۵۲ ج ۴۵۳ ج ۴۵۴ ج ۴۵۵ ج ۴۵۶ ج ۴۵۷ ج ۴۵۸ ج ۴۵۹ ج ۴۶۰ ج ۴۶۱ ج ۴۶۲ ج ۴۶۳ ج ۴۶۴ ج ۴۶۵ ج ۴۶۶ ج ۴۶۷ ج ۴۶۸ ج ۴۶۹ ج ۴۷۰ ج ۴۷۱ ج ۴۷۲ ج ۴۷۳ ج ۴۷۴ ج ۴۷۵ ج ۴۷۶ ج ۴۷۷ ج ۴۷۸ ج ۴۷۹ ج ۴۸۰ ج ۴۸۱ ج ۴۸۲ ج ۴۸۳ ج ۴۸۴ ج ۴۸۵ ج ۴۸۶ ج ۴۸۷ ج ۴۸۸ ج ۴۸۹ ج ۴۹۰ ج ۴۹۱ ج ۴۹۲ ج ۴۹۳ ج ۴۹۴ ج ۴۹۵ ج ۴۹۶ ج ۴۹۷ ج ۴۹۸ ج ۴۹۹ ج ۵۰۰ ج ۵۰۱ ج ۵۰۲ ج ۵۰۳ ج ۵۰۴ ج ۵۰۵ ج ۵۰۶ ج ۵۰۷ ج ۵۰۸ ج ۵۰۹ ج ۵۱۰ ج ۵۱۱ ج ۵۱۲ ج ۵۱۳ ج ۵۱۴ ج ۵۱۵ ج ۵۱۶ ج ۵۱۷ ج ۵۱۸ ج ۵۱۹ ج ۵۲۰ ج ۵۲۱ ج ۵۲۲ ج ۵۲۳ ج ۵۲۴ ج ۵۲۵ ج ۵۲۶ ج ۵۲۷ ج ۵۲۸ ج ۵۲۹ ج ۵۳۰ ج ۵۳۱ ج ۵۳۲ ج ۵۳۳ ج ۵۳۴ ج ۵۳۵ ج ۵۳۶ ج ۵۳۷ ج ۵۳۸ ج ۵۳۹ ج ۵۴۰ ج ۵۴۱ ج ۵۴۲ ج ۵۴۳ ج ۵۴۴ ج ۵۴۵ ج ۵۴۶ ج ۵۴۷ ج ۵۴۸ ج ۵۴۹ ج ۵۵۰ ج ۵۵۱ ج ۵۵۲ ج ۵۵۳ ج ۵۵۴ ج ۵۵۵ ج ۵۵۶ ج ۵۵۷ ج ۵۵۸ ج ۵۵۹ ج ۵۶۰ ج ۵۶۱ ج ۵۶۲ ج ۵۶۳ ج ۵۶۴ ج ۵۶۵ ج ۵۶۶ ج ۵۶۷ ج ۵۶۸ ج ۵۶۹ ج ۵۷۰ ج ۵۷۱ ج ۵۷۲ ج ۵۷۳ ج ۵۷۴ ج ۵۷۵ ج ۵۷۶ ج ۵۷۷ ج ۵۷۸ ج ۵۷۹ ج ۵۸۰ ج ۵۸۱ ج ۵۸۲ ج ۵۸۳ ج ۵۸۴ ج ۵۸۵ ج ۵۸۶ ج ۵۸۷ ج ۵۸۸ ج ۵۸۹ ج ۵۹۰ ج ۵۹۱ ج ۵۹۲ ج ۵۹۳ ج ۵۹۴ ج ۵۹۵ ج ۵۹۶ ج ۵۹۷ ج ۵۹۸ ج ۵۹۹ ج ۶۰۰ ج ۶۰۱ ج ۶۰۲ ج ۶۰۳ ج ۶۰۴ ج ۶۰۵ ج ۶۰۶ ج ۶۰۷ ج ۶۰۸ ج ۶۰۹ ج ۶۱۰ ج ۶۱۱ ج ۶۱۲ ج ۶۱۳ ج ۶۱۴ ج ۶۱۵ ج ۶۱۶ ج ۶۱۷ ج ۶۱۸ ج ۶۱۹ ج ۶۲۰ ج ۶۲۱ ج ۶۲۲ ج ۶۲۳ ج ۶۲۴ ج ۶۲۵ ج ۶۲۶ ج ۶۲۷ ج ۶۲۸ ج ۶۲۹ ج ۶۳۰ ج ۶۳۱ ج ۶۳۲ ج ۶۳۳ ج ۶۳۴ ج ۶۳۵ ج ۶۳۶ ج ۶۳۷ ج ۶۳۸ ج ۶۳۹ ج ۶۴۰ ج ۶۴۱ ج ۶۴۲ ج ۶۴۳ ج ۶۴۴ ج ۶۴۵ ج ۶۴۶ ج ۶۴۷ ج ۶۴۸ ج ۶۴۹ ج ۶۵۰ ج ۶۵۱ ج ۶۵۲ ج ۶۵۳ ج ۶۵۴ ج ۶۵۵ ج ۶۵۶ ج ۶۵۷ ج ۶۵۸ ج ۶۵۹ ج ۶۶۰ ج ۶۶۱ ج ۶۶۲ ج ۶۶۳ ج ۶۶۴ ج ۶۶۵ ج ۶۶۶ ج ۶۶۷ ج ۶۶۸ ج ۶۶۹ ج ۶۷۰ ج ۶۷۱ ج ۶۷۲ ج ۶۷۳ ج ۶۷۴ ج ۶۷۵ ج ۶۷۶ ج ۶۷۷ ج ۶۷۸ ج ۶۷۹ ج ۶۸۰ ج ۶۸۱ ج ۶۸۲ ج ۶۸۳ ج ۶۸۴ ج ۶۸۵ ج ۶۸۶ ج ۶۸۷ ج ۶۸۸ ج ۶۸۹ ج ۶۹۰ ج ۶۹۱ ج ۶۹۲ ج ۶۹۳ ج ۶۹۴ ج ۶۹۵ ج ۶۹۶ ج ۶۹۷ ج ۶۹۸ ج ۶۹۹ ج ۷۰۰ ج ۷۰۱ ج ۷۰۲ ج ۷۰۳ ج ۷۰۴ ج ۷۰۵ ج ۷۰۶ ج ۷۰۷ ج ۷۰۸ ج ۷۰۹ ج ۷۱۰ ج ۷۱۱ ج ۷۱۲ ج ۷۱۳ ج ۷۱۴ ج ۷۱۵ ج ۷۱۶ ج ۷۱۷ ج ۷۱۸ ج ۷۱۹ ج ۷۲۰ ج ۷۲۱ ج ۷۲۲ ج ۷۲۳ ج ۷۲۴ ج ۷۲۵ ج ۷۲۶ ج ۷۲۷ ج ۷۲۸ ج ۷۲۹ ج ۷۳۰ ج ۷۳۱ ج ۷۳۲ ج ۷۳۳ ج ۷۳۴ ج ۷۳۵ ج ۷۳۶ ج ۷۳۷ ج ۷۳۸ ج ۷۳۹ ج ۷۴۰ ج ۷۴۱ ج ۷۴۲ ج ۷۴۳ ج ۷۴۴ ج ۷۴۵ ج ۷۴۶ ج ۷۴۷ ج ۷۴۸ ج ۷۴۹ ج ۷۵۰ ج ۷۵۱ ج ۷۵۲ ج ۷۵۳ ج ۷۵۴ ج ۷۵۵ ج ۷۵۶ ج ۷۵۷ ج ۷۵۸ ج ۷۵۹ ج ۷۶۰ ج ۷۶۱ ج ۷۶۲ ج ۷۶۳ ج ۷۶۴ ج ۷۶۵ ج ۷۶۶ ج ۷۶۷ ج ۷۶۸ ج ۷۶۹ ج ۷۷۰ ج ۷۷۱ ج ۷۷۲ ج ۷۷۳ ج ۷۷۴ ج ۷۷۵ ج ۷۷۶ ج ۷۷۷ ج ۷۷۸ ج ۷۷۹ ج ۷۸۰ ج ۷۸۱ ج ۷۸۲ ج ۷۸۳ ج ۷۸۴ ج ۷۸۵ ج ۷۸۶ ج ۷۸۷ ج ۷۸۸ ج ۷۸۹ ج ۷۹۰ ج ۷۹۱ ج ۷۹۲ ج ۷۹۳ ج ۷۹۴ ج ۷۹۵ ج ۷۹۶ ج ۷۹۷ ج ۷۹۸ ج ۷۹۹ ج ۸۰۰ ج ۸۰۱ ج ۸۰۲ ج ۸۰۳ ج ۸۰۴ ج ۸۰۵ ج ۸۰۶ ج ۸۰۷ ج ۸۰۸ ج ۸۰۹ ج ۸۱۰ ج ۸۱۱ ج ۸۱۲ ج ۸۱۳ ج ۸۱۴ ج ۸۱۵ ج ۸۱۶ ج ۸۱۷ ج ۸۱۸ ج ۸۱۹ ج ۸۲۰ ج ۸۲۱ ج ۸۲۲ ج ۸۲۳ ج ۸۲۴ ج ۸۲۵ ج ۸۲۶ ج ۸۲۷ ج ۸۲۸ ج ۸۲۹ ج ۸۳۰ ج ۸۳۱ ج ۸۳۲ ج ۸۳۳ ج ۸۳۴ ج ۸۳۵ ج ۸۳۶ ج ۸۳۷ ج ۸۳۸ ج ۸۳۹ ج ۸۴۰ ج ۸۴۱ ج ۸۴۲ ج ۸۴۳ ج ۸۴۴ ج ۸۴۵ ج ۸۴۶ ج ۸۴۷ ج ۸۴۸ ج ۸۴۹ ج ۸۵۰ ج ۸۵۱ ج ۸۵۲ ج ۸۵۳ ج ۸۵۴ ج ۸۵۵ ج ۸۵۶ ج ۸۵۷ ج ۸۵۸ ج ۸۵۹ ج ۸۶۰ ج ۸۶۱ ج ۸۶۲ ج ۸۶۳ ج ۸۶۴ ج ۸۶۵ ج ۸۶۶ ج ۸۶۷ ج ۸۶۸ ج ۸۶۹ ج ۸۷۰ ج ۸۷۱ ج ۸۷۲ ج ۸۷۳ ج ۸۷۴ ج ۸۷۵ ج ۸۷۶ ج ۸۷۷ ج ۸۷۸ ج ۸۷۹ ج ۸۸۰ ج ۸۸۱ ج ۸۸۲ ج ۸۸۳ ج ۸۸۴ ج ۸۸۵ ج ۸۸۶ ج ۸۸۷ ج ۸۸۸ ج ۸۸۹ ج ۸۹۰ ج ۸۹۱ ج ۸۹۲ ج ۸۹۳ ج ۸۹۴ ج ۸۹۵ ج ۸۹۶ ج ۸۹۷ ج ۸۹۸ ج ۸۹۹ ج ۹۰۰ ج ۹۰۱ ج ۹۰۲ ج ۹۰۳ ج ۹۰۴ ج ۹۰۵ ج ۹۰۶ ج ۹۰۷ ج ۹۰۸ ج ۹۰۹ ج ۹۱۰ ج ۹۱۱ ج ۹۱۲ ج ۹۱۳ ج ۹۱۴ ج ۹۱۵ ج ۹۱۶ ج ۹۱۷ ج ۹۱۸ ج ۹۱۹ ج ۹۲۰ ج ۹۲۱ ج ۹۲۲ ج ۹۲۳ ج ۹۲۴ ج ۹۲۵ ج ۹۲۶ ج ۹۲۷ ج ۹۲۸ ج ۹۲۹ ج ۹۳۰ ج ۹۳۱ ج ۹۳۲ ج ۹۳۳ ج ۹۳۴ ج ۹۳۵ ج ۹۳۶ ج ۹۳۷ ج ۹۳۸ ج ۹۳۹ ج ۹۴۰ ج ۹۴۱ ج ۹۴۲ ج ۹۴۳ ج ۹۴۴ ج ۹۴۵ ج ۹۴۶ ج ۹۴۷ ج ۹۴۸ ج ۹۴۹ ج ۹۵۰ ج ۹۵۱ ج ۹۵۲ ج ۹۵۳ ج ۹۵۴ ج ۹۵۵ ج ۹۵۶ ج ۹۵۷ ج ۹۵۸ ج ۹۵۹ ج ۹۶۰ ج ۹۶۱ ج ۹۶۲ ج ۹۶۳ ج ۹۶۴ ج ۹۶۵ ج ۹۶۶ ج ۹۶۷ ج ۹۶۸ ج ۹۶۹ ج ۹۷۰ ج ۹۷۱ ج ۹۷۲ ج ۹۷۳ ج ۹۷۴ ج ۹۷۵ ج ۹۷۶ ج ۹۷۷ ج ۹۷۸ ج ۹۷۹ ج ۹۸۰ ج ۹۸۱ ج ۹۸۲ ج ۹۸۳ ج ۹۸۴ ج ۹۸۵ ج ۹۸۶ ج ۹۸۷ ج ۹۸۸ ج ۹۸۹ ج ۹۹۰ ج ۹۹۱ ج ۹۹۲ ج ۹۹۳ ج ۹۹۴ ج ۹۹۵ ج ۹۹۶ ج ۹۹۷ ج ۹۹۸ ج ۹۹۹ ج ۱۰۰۰ ج ۱۰۰۱ ج ۱۰۰۲ ج ۱۰۰۳ ج ۱۰۰۴ ج ۱۰۰۵ ج ۱۰۰۶ ج ۱۰۰۷ ج ۱۰۰۸ ج ۱۰۰۹ ج ۱۰۱۰ ج ۱۰۱۱ ج ۱۰۱۲ ج ۱۰۱۳ ج ۱۰۱۴ ج ۱۰۱۵ ج ۱۰۱۶ ج ۱۰۱۷ ج ۱۰۱۸ ج ۱۰۱۹ ج ۱۰۲۰ ج ۱۰۲۱ ج ۱۰۲۲ ج ۱۰۲۳ ج ۱۰۲۴ ج ۱۰۲۵ ج ۱۰۲۶ ج ۱۰۲۷ ج ۱۰۲۸ ج ۱۰۲۹ ج ۱۰۳۰ ج ۱۰۳۱ ج ۱۰۳۲ ج ۱۰۳۳ ج ۱۰۳۴ ج ۱۰۳۵ ج ۱۰۳۶ ج ۱۰۳۷ ج ۱۰۳۸ ج ۱۰۳۹ ج ۱۰۴۰ ج ۱۰۴۱ ج ۱۰۴۲ ج ۱۰۴۳ ج ۱۰۴۴ ج ۱۰۴۵ ج ۱۰۴۶ ج ۱۰۴۷ ج ۱۰۴۸ ج ۱۰۴۹ ج ۱۰۵۰ ج ۱۰۵۱ ج ۱۰۵۲ ج ۱۰۵۳ ج ۱۰۵۴ ج ۱۰۵۵ ج ۱۰۵۶ ج ۱۰۵۷ ج ۱۰۵۸ ج ۱۰۵۹ ج ۱۰۶۰ ج ۱۰۶۱ ج ۱۰۶۲ ج ۱۰۶۳ ج ۱۰۶۴ ج ۱۰۶۵ ج ۱۰۶۶ ج ۱۰۶۷ ج ۱۰۶۸ ج ۱۰۶۹ ج ۱۰۷۰ ج ۱۰۷۱ ج ۱۰۷۲ ج ۱۰۷۳ ج ۱۰۷۴ ج ۱۰۷۵ ج ۱۰۷۶ ج ۱۰۷۷ ج ۱۰۷۸ ج ۱۰۷۹ ج ۱۰۸۰ ج ۱۰۸۱ ج ۱۰۸۲ ج ۱۰۸۳ ج ۱۰۸۴ ج ۱۰۸۵ ج ۱۰۸۶ ج ۱۰۸۷ ج ۱۰۸۸ ج ۱۰۸۹ ج ۱۰۹۰ ج ۱۰۹۱ ج ۱۰۹۲ ج ۱۰۹۳ ج ۱۰۹۴ ج ۱۰۹۵ ج ۱۰۹۶ ج ۱۰۹۷ ج ۱۰۹۸ ج ۱۰۹۹ ج ۱۱۰۰ ج ۱۱۰۱ ج ۱۱۰۲ ج ۱۱۰۳ ج ۱۱۰۴ ج ۱۱۰۵ ج ۱۱۰۶ ج ۱۱۰۷ ج ۱۱۰۸ ج ۱۱۰۹ ج ۱۱۱۰ ج ۱۱۱۱ ج ۱۱۱۲ ج ۱۱۱۳ ج ۱۱۱۴ ج ۱۱۱۵ ج ۱۱۱۶ ج ۱۱۱۷ ج ۱۱۱۸ ج ۱۱۱۹ ج ۱۱۲۰ ج ۱۱۲۱ ج ۱۱۲۲ ج ۱۱۲۳ ج ۱۱۲۴ ج ۱۱۲۵ ج ۱۱۲۶ ج ۱۱۲۷ ج ۱۱۲۸ ج ۱۱۲۹ ج ۱۱۳۰ ج ۱۱۳۱ ج ۱۱۳۲ ج ۱۱۳۳ ج ۱۱۳۴ ج ۱۱۳۵ ج ۱۱۳۶ ج ۱۱۳۷ ج ۱۱۳۸ ج ۱۱۳۹ ج ۱۱۴۰ ج ۱۱۴۱ ج ۱۱۴۲ ج ۱۱۴۳ ج ۱۱۴۴ ج ۱۱۴۵ ج ۱۱۴۶ ج ۱۱۴۷ ج ۱۱۴۸ ج ۱۱۴۹ ج ۱۱۵۰ ج ۱۱۵۱ ج ۱۱۵۲ ج ۱۱۵۳ ج ۱۱۵۴ ج ۱۱۵۵ ج ۱۱۵۶ ج ۱۱۵۷ ج ۱۱۵۸ ج ۱۱۵۹ ج ۱۱۶۰ ج ۱۱۶۱ ج ۱۱۶۲ ج ۱۱۶۳ ج ۱۱۶۴ ج ۱۱۶۵ ج ۱۱۶۶ ج ۱۱۶۷ ج ۱۱۶۸ ج ۱۱۶۹ ج ۱۱۷۰ ج ۱۱۷۱ ج ۱۱۷۲ ج ۱۱۷۳ ج ۱۱۷۴ ج ۱۱۷۵ ج ۱۱۷۶ ج ۱۱۷۷ ج ۱۱۷۸ ج ۱۱۷۹ ج ۱۱۸۰ ج ۱۱۸۱ ج ۱۱۸۲ ج ۱۱۸۳ ج ۱۱۸۴ ج ۱۱۸۵ ج ۱۱۸۶ ج ۱۱۸۷ ج ۱۱۸۸ ج ۱۱۸۹ ج ۱۱۹۰ ج ۱۱۹۱ ج ۱۱۹۲ ج ۱۱۹۳ ج ۱۱۹۴ ج ۱۱۹۵ ج ۱۱۹۶ ج ۱۱۹۷ ج ۱۱۹۸ ج ۱۱۹۹ ج ۱۲۰۰ ج ۱۲۰۱ ج ۱۲۰۲ ج ۱۲۰۳ ج ۱۲۰۴ ج ۱۲۰۵ ج ۱۲۰۶ ج ۱۲۰۷ ج ۱۲۰۸ ج ۱۲۰۹ ج ۱۲۱۰ ج ۱۲۱۱ ج ۱۲۱۲ ج ۱۲۱۳ ج ۱۲۱۴ ج ۱۲۱۵ ج ۱۲۱۶ ج ۱۲۱۷ ج ۱۲۱۸ ج ۱۲۱۹ ج ۱۲۲۰ ج ۱۲۲۱ ج ۱۲۲۲ ج ۱۲۲۳ ج ۱۲۲۴ ج ۱۲۲۵ ج ۱۲۲۶ ج ۱۲۲۷ ج ۱۲۲۸ ج ۱۲۲۹ ج ۱۲۳۰ ج ۱۲۳۱ ج ۱۲۳۲ ج ۱۲۳۳ ج ۱۲۳۴ ج ۱۲۳۵ ج ۱۲۳۶ ج ۱۲۳۷ ج ۱۲۳۸ ج ۱۲۳۹ ج ۱۲۴۰ ج ۱۲۴۱ ج ۱۲۴۲ ج ۱۲۴۳ ج ۱۲۴۴ ج ۱۲۴۵ ج ۱۲۴۶ ج ۱۲۴۷ ج ۱۲۴۸ ج ۱۲۴۹ ج ۱۲۵۰ ج ۱۲۵۱ ج ۱۲۵۲ ج ۱۲۵۳ ج ۱۲۵۴ ج ۱۲۵۵ ج ۱۲۵۶ ج ۱۲۵۷ ج ۱۲۵۸ ج ۱۲۵۹ ج ۱۲۶۰ ج ۱۲۶۱ ج ۱۲۶۲ ج ۱۲۶۳ ج ۱۲۶۴ ج ۱۲۶۵ ج ۱۲۶۶ ج ۱۲۶۷ ج ۱۲۶۸ ج ۱۲۶۹ ج ۱۲۷۰ ج ۱۲۷۱ ج ۱۲۷۲ ج ۱۲۷۳ ج ۱۲۷۴ ج ۱۲۷۵ ج ۱۲۷۶ ج ۱۲۷۷ ج ۱۲۷۸ ج ۱۲۷۹ ج ۱۲۸۰ ج ۱۲۸۱ ج ۱۲۸۲ ج ۱۲۸۳ ج ۱۲۸۴ ج ۱۲۸۵ ج ۱۲۸۶ ج ۱۲۸۷ ج ۱۲۸۸ ج ۱۲۸۹ ج ۱۲۹۰ ج ۱۲۹۱ ج ۱۲۹۲ ج ۱۲۹۳ ج ۱۲۹۴ ج ۱۲۹۵ ج ۱۲۹۶ ج ۱۲۹۷ ج ۱۲۹۸ ج ۱۲۹۹ ج ۱۳۰۰ ج ۱۳۰۱ ج ۱۳۰۲ ج ۱۳۰۳ ج ۱۳۰۴ ج ۱۳۰۵ ج ۱۳۰۶ ج ۱۳۰۷ ج ۱۳۰۸ ج ۱۳۰۹ ج ۱۳۱۰ ج ۱۳۱۱ ج ۱۳۱۲ ج ۱۳۱۳ ج ۱۳۱۴ ج ۱۳۱۵ ج ۱۳۱۶ ج ۱۳۱۷ ج ۱۳۱۸ ج ۱۳۱۹ ج ۱۳۲۰ ج ۱۳۲۱ ج ۱۳۲۲ ج ۱۳۲۳ ج ۱۳۲۴ ج ۱۳۲۵ ج ۱۳۲۶ ج ۱۳۲۷ ج ۱۳۲۸ ج ۱۳۲۹ ج ۱۳۳۰ ج ۱۳۳۱ ج ۱۳۳۲ ج ۱۳۳۳ ج ۱۳۳۴ ج ۱۳۳۵ ج ۱۳۳۶ ج ۱۳۳۷ ج ۱۳۳۸ ج ۱۳۳۹ ج ۱۳۴۰ ج ۱۳۴۱ ج ۱۳۴۲ ج ۱۳۴۳ ج ۱۳۴۴ ج ۱۳۴۵ ج ۱۳۴۶ ج ۱۳۴۷ ج ۱۳۴



تخریج ہے، مؤلف) پس اس کو ان دنوں میں روزہ نہ رکھنا اور بعد میں ان کو قضا کرنا واجب ہے تاکہ امر وہی دونوں کی ذمہ داری سے بری ہو سکے اور اگر انہی دنوں میں روزے رکھے گا تو وہ اس نذر سے کافی ہو جائیں گے لیکن گنہگار ہوگا (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، مؤلف) اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ نذر ایام منہیہ سے پہلے واقع ہوئی ہو۔ . . . .

... اور اگر ایام منہیہ کے بعد نذر کی ہو تو گزرے ہوئے ایام کی قضا اس پر واجب نہیں ہے۔ پس اگر ایام شوال میں عید الفطر کا دن گزرنے کے بعد خلا دو شوال کو یہ نذر کی ہو تو اس پر عید الفطر کے دن کی قضا واجب نہیں ہے اور اسی طرح اگر ایام تشریق گزرنے کے بعد مثلاً چودھویں ذی الحجہ کو یہ نذر کی ہو تو اس پر عیدین اور ایام تشریق کے روزوں کی قضا واجب نہیں ہے۔ اور اس پر صرف سال کے باقی دنوں کے روزے یعنی نذر کے دن سے لیکر ذی الحجہ کے باقی دنوں کے روزے واجب ہوں گے یہی درست ہے، اس لئے کہ ہر عربی سال ایک معینہ مدت کا نام ہے جس کی ابتداء اور انتہا ہے اور یہ دنوں اہل عرب کے نزدیک مخصوص ہیں پس عربی سال کی ابتداء محرم سے ہے اور اس کی انتہا ذی الحجہ کے آخری دن پر ہے پس جب نذر کرنے والے نے اس سال کا لفظ کہا تو اس میں اشارہ ہے کہ اس سے سال رواں مراد ہے پس اس کے کلام کی حقیقت یہ ہے کہ اس نے نذر کے دن سے آئندہ کی مدت ذی الحجہ کے آخری دن تک کی نذر کی ہے اور شروع محرم سے نذر کرنے کے دن تا جو مدت گزر چکی ہے وہ زمانہ ماضی میں نذر ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائے گی جیسا کہ اگر کوئی یہ نذر کرے کہ اللہ کے واسطے میرے ذمہ گزشتہ کل کا روزہ واجب ہے تو یہ نذر لغو ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے رمضان سے پہلے کہا کہ مجھ پر اللہ کے واسطے اس سال کے روزے واجب ہیں۔ . . . تو اس پر نذر کے دن سے آخری ذی الحجہ تک کے روزے واجب ہوں گے اور وہ ایام منہیہ کے روزے نہ رکھے اور ان کی قضا دے۔ . . . لیکن رمضان کے روزے اگر اس نے رکھے ہیں تو ان کی قضا نذر کے روزوں کی قضا کی طرح اس پر واجب نہیں ہوگی کیونکہ نذر کی جہت سے ان کا واجب ہونا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ رمضان کے روزے تو پہلے ہی سے شرع کی طرف سے اس پر فرض ہیں لہذا یہ بیان مردوں کے متعلق تھا لیکن اگر کسی عورت نے نذر کی کہ اس سال کے روزے رکھوں یا کسی متعین سال کے روزوں کی نذر کی تو وہ ایام منہیہ کے روزوں کی قضا بھی کرے اور ایام حیض کے روزوں کی قضا بھی کرے اس لئے کہ وہ معین سال کبھی عورت کے حق میں حیض سے خالی بھی ہوتا ہے پس اس پورے سال کی نذر کا واجب کرنا صحیح ہوتا۔

پس ان دنوں کی نذر باطل ہو جائے گی

(۲) سال غیر معین کے روزوں کی نذر کی ہو لیکن ان کو پئے رہے رکھنے کی شرط کی ہو، اگر کسی نے عربی الفاظ میں ایک سال کے روزوں کی نیت کی اور سال کو نکرہ یعنی بغیر الف لام کے بیان کیا (یا کسی اور زبان میں غیر معین سال کے روزوں کی نذر کی، مؤلف) اور اس میں یہ شرط کی کہ لگاتار روزے رکھے گا تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو معین سال کے روزوں کی نذر کا بیان ہو چکا ہے کیونکہ لگاتار روزے رکھنے کی شرط کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ معین کر لینا پس اگر کسی نے

لہ در سہ فتح دہ بزادۃ عن ش وغیرہ سہ درہ بحر سہ فتح و بحر و دہات سہ فتح و بحر و دہات سہ فتح و بحر و دہات۔



یہ کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر ایک سال کے پتے درپے روزے واجب ہیں تو یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ یوں کہے کہ اللہ کے واسطے مجھ پر اس معین سال کے روزے واجب ہیں پس وہ شخص ایام منہیہ کے روزے نہ رکھے اور سال ختم ہوتے ہی دوسرے سال کے شروع میں متصل بغیر کسی فاصلہ کے قضا کرے تاکہ بقدر امکان پتے درپے ہونا متحقق ہو جائے۔ اور اگر ان ایام منہیہ میں روزے رکھ لے گا تو اس کے ذمہ سے واجب ادا ہو جائے گا اس لئے کہ جیسا اس نے اپنے اوپر ناقص لازم کئے تھے وہی ناقص ادا ہو گئے اور ان روزوں کے معین روزوں کے حکم میں ہونے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس پر یاہ رمضان کے روزوں کی قضا واجب نہیں ہے جبکہ ان کو یاہ رمضان میں رکھ چکا ہو جیسا کہ معین سال کی نذر میں واجب نہیں ہے اس لئے کہ سال معین کی طرح سال متتابع بھی رمضان سے خالی نہیں ہوتا اور رمضان کے روزے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فرض ہیں تو رمضان کے روزوں کی نذر باطل ہو جائے گی پس اس پر سال معین اور سال غیر معین متتابع کی نذر کرنے کی صورت میں گیارہ مہینے کے روزے واجب ہوں گے معین سال کے روزوں کی نذر اور غیر معین سال کے لگاتار روزوں کی نذر میں ایام منہیہ کے روزے قضا کرنے میں یہ فرق ہے کہ پہلی قسم میں ان روزوں کی قضا خواہ لگاتار رکھے یا منفرد طور پر رکھے دونوں طرح جائز ہے لیکن دوسری قسم میں حتی الامکان پتے درپے کی شرط کا لحاظ رکھتے ہوئے سال ختم ہونے پر متصل ہی پتے درپے رکھے۔ اور اسی طرح دونوں قسم کے روزوں میں ایک فرق یہ ہے کہ اگر ایام منہیہ کے روزوں کے سوا کوئی ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو دوسری قسم میں ان کا پتے درپے ہونا منقطع ہو جائے گا پس جس دن کا روزہ افطار کیا ہے اس سے پہلے جتنے دنوں کے روزے رکھے ہیں سال ختم ہونے کے متصل ہی ان سب کا اعادہ کرنے کا خواہ وہ روزہ سال کے آخری ایام میں چھوڑا ہو اگرچہ سارے روزے رکھ چکا ہو صرف آخری ایک روزہ ہی چھوڑا ہو بخلاف قسم اول یعنی معین سال کے روزوں کی نذر کے کہ اس میں ایام منہیہ کے روزوں کی قضا کا لگاتار لگے سال کے شروع میں متصل ہی ہونا واجب نہیں ہے اس لئے کہ اس میں پتے درپے ہونا تعیین وقت کی ضرورت کی وجہ سے لازم ہوا ہے اسی لئے اگر اس میں ایک دن کا روزہ افطار کر دیا تو صرف اسی ایک دن کی قضا لازم ہوگی۔ لیکن وہ شخص اس روزہ کو بلا عذر چھوڑ دینے کی وجہ سے گنہگار ہوگا جیسا کہ اگر رمضان کا روزہ بلا عذر چھوڑ دے گا تو اس پر صرف اس دن کی قضا لازم ہوگی اور گنہگار ہوگا کیونکہ رمضان میں پتے درپے روزے رکھنا ضرورت تعیین وقت کی وجہ سے واجب ہے اور قسم دوم میں پتے درپے ہونے کو چونکہ اس نے قصداً خود اپنے خلاف لازم کیا ہے پس جب اس صورت میں کوئی روزہ افطار کیا تو اس کو نئے سرے سے لگاتار رکھنا لازم ہوگا اگر کسی شخص نے کسی معین سال یا مہینے کے روزے اپنے اوپر واجب کئے تو خواہ وہ نذر کرتے وقت ان میں پتے درپے ہونے کی شرط کرے یا نہ کرے اگر وہ ایک یا زیادہ روزے افطار کر دے گا تو اس پر نئے سرے سے روزے رکھنا واجب نہیں ہوگا کیونکہ نذر معین میں

لے حیات تصرف لے حیات لے ش زیادہ عمر وغیرہ لے قح و حیات۔



ہے دہے ہونے کی شرط کرنا لغو ہے۔ یہ جو کچھ قسم دوم کے متعلق بیان ہوا اس وقت ہے جبکہ پے دہے ہونے کی شرط کو نذر میں بیان کیا ہو لیکن اگر پے دہے ہونے کو صراحتاً بیان نہ کیا ہو بلکہ دل میں اس کی نیت کی ہو تو اس کے متعلق بحر الرائق میں کہا ہے کہ پے دہے ہونے کی نیت کا بھی وہی حکم ہے جو نذر میں پے دہے کی شرط بیان کرنے کا ہے یہاں تک کہ اگر وہ ایک روزہ افطار کر دے گا تو نئے سرے سے روزے رکھنا لازم ہوگا۔ یہ جو کچھ بیان ہوا مردوں کے بارے میں ہے لیکن عورت کے بارے میں مزید یہ بات ہے کہ وہ اپنے ایام حیض کے روزوں کی بھی قضا دیگرمیسا کہ قسم اول میں بیان ہوا۔

(۳) غیر معین سال کی نذر کرنا اور اس میں پے دہے ہونے کی شرط نہ کرنا، اگر عربی زبان میں نذر کی اور سال کو نکرہ بیان کیا (یا کسی اور زبان میں غیر معین سال کی نذر کی، مؤلف) اور اس میں روزوں کے پے دہے ہونے کی شرط نہیں کی یعنی یوں کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر ایک سال کے روزے واجب ہیں اور سال کو معین نہیں کیا اور اس میں پے دہے ہونے کی شرط بھی بیان نہیں کی تو وہ چاند کے حساب سے (سوائے ایام منہیہ) ایک سال کے روزے رکھے اور اس کے بعد ہفتیس روزے اور قضا رکھے تیس روزے رمضان کے اور پانچ روزے ایام منہیہ کے یعنی دو عیدین کے اور تین ایام تشریق کے کیونکہ اگر وہ ایام منہیہ کے روزے رکھے گا تو ذمہ داری سے بری نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ روزے ناقص واپس لے گا جو کامل کی جگہ کافی نہیں ہوں گے اور رمضان کے مہینے کے روزے اپنی جگہ پر ادا ہوں گے نذر کی جگہ ادا نہیں ہوں گے پس ان کی تعداد روزے قضا کرنے واجب ہوں گے (مخلاف پہلی دو قسموں کے کہ ان میں ایام منہیہ کے روزے اذان ہی دنوں میں رکھے گا تو ذمہ داری سے بری ہو جائے گا اگرچہ گنہگار ہوگا اور بوجہ تین سال کے رمضان کے روزوں کی نذر لغو ہو جائیگی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) — اور چاہئے کہ ان قضا روزوں کو پہلے روزوں کے ساتھ متصل ہی رکھے اور اگر ان کے متصل نہیں رکھے بلکہ فاصلے سے رکھے تو بعض نے ذکر کیا ہے کہ وہ نذر اس کے ذمہ سے ادا نہیں ہوگی لیکن یہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے ذمہ سے واجب ادا ہو جائے گا۔ پس اس تیسری قسم کی نذر والے شخص پر ایسے بارہ مہینے کے روزے واجب ہوں گے جن میں ماہ رمضان اور پانچ ایام منہیہ شامل نہ ہوں اسی لئے لو پر بیان ہوا ہے کہ وہ چاند کے حساب سے (ایام منہیہ کے علاوہ) ایک سال کے روزے رکھے اور ہفتیس روزے اور قضا رکھے۔ عورت اپنے حیض کے دنوں کے روزے بھی قضا کرے جیسا کہ قسم اول دوم میں حکم ہے۔ اگر کسی نے اپنے اوپر لگایا تو روزے واجب کے پھر ان کو متفرق طور پر رکھا تو جائز نہیں ہے اور اگر اس کے برعکس کیا یعنی پے دہے کی شرط نہیں کی اور ان کو پے دہے رکھا تو جائز ہے۔

(خلاصہ) ان تینوں قسم کی نذرین کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی دونوں صورتوں میں اگر پانچ ممنوعہ دنوں کے روز نہیں رکھے تو صرف ان کی قضا اس پر واجب ہوگی اور اگر ان دنوں کے کسی دن سے رکھ لے تو اگرچہ گنہگار ہوگا لیکن اس پر یہ کسی دن کی قضا واجب نہیں ہوگی اور اس پر رمضان کے روزوں کی قضا واجب نہیں ہوگی جبکہ ان کو اپنی جگہ پر رکھ لیا ہو اور











دو یا زیادہ دن کے روزوں کی نذر کرنا  
اگر کسی نے دو دن یا زیادہ دنوں کے روزوں کی نذر تو اس کی بھی وہی تین  
صورتیں ہیں جو پہلے اور سال کے روزوں کی بیان ہوئی ہیں، ان کی  
تفصیل یہ ہے (مؤلف)

(۱) دو یا زیادہ معین دنوں کے روزوں کی نذر کرنا، اگر کسی نے اپنے اوپر معین دنوں کے روزوں کی نذر کی تو ان  
معین دنوں کے روزوں کو لگاتار رکھنا اس پر واجب ہوگا خواہ لگاتار ہونے کا ذکر کرے یا نہ کرے جیسا کہ اگر کسی معین پہلے یا  
معین سال کے روزوں کی نذر کرنے میں حکم ہے اگرچہ متعین کر لینے سے متعین نہیں ہو جاتے یعنی بعد میں رکھ سکتا ہے جیسا کہ  
آگے آئے گا لیکن معین وقت کے بعد وہ نذر کی قضا ہوگی اور اسی لئے اس میں رات کو نیت کا واقع ہونا لازمی ہے جیسا کہ  
نیت کے بیان میں گذر چکا ہے اور ادا یعنی معین وقت کے اندر روزے رکھنا قضا سے بہتر ہے، اور نذر معین کو جب اس کے  
وقت کے اندر ادا کرے تو ان روزوں کا لگاتار ہونا لازمی ہے اور جو بعض یا کل روزے وقت کے اندر نہیں رکھان کو قضا  
کرنے میں اس کو اختیار ہے، خواہ لگاتار رکھے یا متفرق طور پر رکھے۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ  
واجب ہے کہ شروع پہلے کے آخری دن کا اور آخر پہلے کے اول دن کا روزہ رکھوں تو اس پر پندرہ اور سولہ تاریخ کا  
روزہ واجب ہوگا۔

(۲) دو یا زیادہ غیر معین دنوں کے روزے لگاتار رکھنے کی نذر کرنا، اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر  
واجب ہے کہ لگاتار دس دن کے روزے رکھوں پھر اس نے پندرہ دن کے روزے رکھے اور درمیان میں ایک دن روزہ  
نہ رکھا اور اس کو معلوم نہیں کہ روزہ نہ رکھنے کا دن ان پانچ دن میں ہے یا دس دن میں تو اس کو چاہئے کہ پانچ دن اور  
ان کے متصل ہی لگاتار روزے رکھے تاکہ دس دن کے روزے لگاتار ہو جائیں۔ اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر واجب  
ہے کہ پہلے کے اول اور آخر ایام میں دو دن لگاتار روزے رکھوں تو اس پر واجب ہے کہ پندرہ اور سولہ تاریخ کے روزے  
لگاتار رکھے۔ اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر واجب ہے کہ میں دو دن کے یا یہ کہا کہ تین دن کے یا یہ  
کہا کہ دس دن کے روزے رکھوں اور نذر کرتے وقت لگاتار رکھنے کی نیت کی تو اب ان کا لگاتار رکھنا واجب ہوگا پس  
اگر ان کو لگاتار رکھنے کی نیت کی اور ان میں سے ایک دن کا روزہ نہ رکھا یا افطار کر دیا یا عورت کو ان روزوں کے ایام میں  
حیض آگیا تو نئے سرے سے رکھے اور اپنے اوپر متفرق طور پر رکھنا واجب کیا اور لگاتار رکھ دے تو جائز ہے جیسا کہ  
اوپر گذر چکا ہے۔

(۳) دو یا زیادہ غیر معین دنوں کے روزوں کی نذر کرنا اور ان میں لگاتار کی شرط نہ کرنا، اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ  
کے واسطے مجھ پر واجب ہے کہ میں دو دن یا تین دن یا دس دن کے روزے رکھوں تو اس پر اسی قدر روزے واجب  
سے مستفاد من ش سے مستفاد من وغیرہ سے بحروجات سے بحرود دفع سے ع۔



ہو جائیں گے اسودہ اپنی مرضی سے کوئی وقت معین کرے جس میں ان روزوں کو ادا کرے اور اس کو اختیار ہے خواہ  
ان کو جدا جدا رکھے یا لگاتار رکھے لیکن اگر ان کو لگاتار رکھنے کی نیت کی تھی تو اب ان روزوں کا لگاتار رکھنا واجب ہے  
پس اگر اس نذر میں لگاتار روزے رکھنے کی نیت کی تھی تو اب ان کا لگاتار رکھنا لازمی ہے (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے)۔  
اگر کسی نے عربی زبان میں یوں کہا اللہ علی صوم الایام یعنی اللہ کے واسطے میرے ذمہ صوم ایام (دنوں کے روزے) واجب  
ہیں تو اس پر تین دن کے روزے واجب ہوں گے کیونکہ یہ جمع کا کم سے کم عدد ہے لیکن اگر زیادہ کی نیت کی ہو اسی قدر واجب  
ہوں گے اور اگر یوں کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر صوم ایام کثیرہ (بہت دنوں کے روزے) واجب ہیں اور کچھ نیت نہیں کی تو  
امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر دس دن کے روزے واجب ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک سات دن کے روزے واجب  
ہوں گے اور اگر عربی زبان میں یوں کہا کہ اللہ علی صیام الایام یعنی اللہ کے واسطے مجھ پر صیام الایام واجب ہیں اور  
اس میں اس نے کچھ نیت نہیں کی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر دس دن کے روزے اور صاحبین کے نزدیک سات دن  
کے روزے واجب ہوں گے (یہ حکم عربی کے لفظ صوم الایام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ الف لام  
تعریف امام ابو حنیفہ کے نزدیک استغراق جنس کے لئے ہے اس لئے اکثر عدد کی طرف منسوب ہوگا اسودہ دس ہے اور  
صاحبین کے نزدیک الف لام عہد کے لئے ہے اس لئے مہود ہی سات دن ہیں جن میں چھینے اور سال دور کرتے رہتے  
ہیں اس لئے نذر میں یہ لفظ سات کی طرف منسوب ہوگا اور یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک  
حرف تعریف کا استغراق پر محمول کرنا عہد پر محمول کرنے پر مقدم ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کے برعکس ہے یعنی حرف  
تعریف کا عہد پر محمول کرنا مقدم ہے استغراق پر محمول کرنے سے۔ اگر کسی شخص نے روزوں کی نذر میں عربی میں صوم  
بضعة عشر یوماً دس اور چند دن) کہا تو اس پر تیرہ دن کے روزے واجب ہوں گے (یہ حکم بھی عربی زبان میں کہنے کے ساتھ  
مخصوص ہے) اور اسی طرح اگر یوں کہا کہ اللہ کے واسطے میرے ذمہ صوم کذا کذا (اتنے اتنے دن کے روزے) واجب ہیں تو  
گیارہ دن کے روزے واجب ہوں گے اور بحر میں کہلے کہ یہ مشکل ہے اور اس پر بارہ روزے واجب ہونے چاہئیں  
اس لئے کہ اس نے ایسے دو عددوں میں جمع کیا ہے جن میں حرف عطف نہیں ہے اور اس کا کم سے کم عدد بارہ ہے کیونکہ  
ایک کذا سے مراد دو کا عدد ہے کیونکہ وہ اسم العدد ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ یغلاب علی کذا اور نہ تھا تو اس پر  
دو عسیم لازم ہوں گے پس کذا کذا سے مراد یہاں بارہ کا عدد ہے۔ اور اگر صوم کذا کذا (اتنے اتنے دن کے روزے) کہا  
یعنی حرف عطف کے ساتھ کہا تو اکیس دن کے روزے واجب ہوں گے۔ اور اگر کسی نے عربی میں کہا اللہ علی صوم الجمع  
یعنی اللہ کے واسطے مجھ پر کئی جمعوں کا روزہ واجب ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر دس جمعوں کے روزے واجب  
ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک اس پر تمام عمر کے جمعوں کے روزے واجب ہوں گے۔



(فائدہ) اگر کسی نے عربی میں یہ کہا کہ علی صیام الشہور یعنی اللہ کے واسطے مجھ پر مہینوں کے روزے واجب ہیں تو اس پر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس مہینے کے روزے واجب ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک بارہ مہینے کے روزے واجب ہوں گے۔ اور اگر کسی نے عربی میں یہ کہا کہ اللہ علی صیام السنین یعنی اللہ کے واسطے مجھ پر سالوں کے روزے واجب ہیں تو اس پر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس سال کے روزے واجب ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک صیام الدہر یعنی تمام عمر کے روزے واجب ہوں گے مگر جب اس نے تین سال کی نیت کی ہو تو اتنے ہی واجب ہوں گے، یہ مسائل عربی زبان میں نذر کے الفاظ کہنے کے متعلق ہیں اور ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ نذر کرنے والا ایام کا ذکر کرے گا یا جمعہ کا ذکر جمع کے صیغے سے کرے گا یا مہینوں یا سالوں کا ذکر کرے گا اور پھر اس کو معرفت بالف لام کے صیغے سے ذکر کرے گا یا تنکیر کے صیغے سے یعنی بغیر الف لام کے کہے گا تو اگر تنکیر کے صیغے سے کہے گا تو تین کے عدد پر وہ نذر واقع ہوگی یعنی تین دن یا تین جمعے یا تین مہینے یا تین سال مراد ہوں گے کیونکہ صیغہ جمع کا کم سے کم عدد تین ہے اور اس میں کوئی حرف عہد نہیں ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کثرت پر دلالت کرے اور اگر اس کو صیغہ تعریف یعنی الف لام کے ساتھ ذکر کیا ہے تو ایام کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس روز پر اور صاحبین کے نزدیک سات روز پر نذر واقع ہوگی۔ غلط کی دلیل اور بیان ہو چکی ہے اور مہینوں کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس مہینے پر نذر واقع ہوگی کیونکہ دس کسی چیز کا اکثر عدد ہے اور صاحبین کے نزدیک بارہ مہینے پر واقع ہوگی کیونکہ مہینہ ہی ہے اس لئے کہ ہر سال بارہ مہینے میں دائر ہوتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا**۔ اور جمعوں اور سالوں کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس جمعے اور دس سال کے روزے واجب ہوں گے جیسا کہ مہینوں کے مسئلہ میں وجہ بیان ہو چکی ہے اور صاحبین کے نزدیک تمام عمر کے جمعوں اور تمام عمر کے سالوں کے روزے واجب ہوں گے کیونکہ ان کے لئے کوئی مہود مقدار نہیں ہے پس یہ الفاظ استغراق جنس کے لئے ہوں گے، اور حکم اس وقت ہے جبکہ ان الفاظ کے کہتے وقت اس کی کوئی نیت نہ ہو لیکن اگر کسی چیز کی نیت کی تو وہی واجب ہوگا جس کی نیت کی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے صوم ایام کی نذر کی اور اس میں تین دن سے زیادہ کی نیت کی تو جتنے دن کی نیت کی ہے اتنے دن کے روزے واجب ہوں گے اسی طرح اگر جمعوں کے روزوں کی نذر کی اور ایک مہینے کے جمعوں کی نیت کی یا اس مہینے کے جمعوں کی نیت کی تو اس پر صرف اسی قدر جمعوں کے روزے واجب ہوں گے اور اسی طرح اگر سالوں کے روزوں کی نذر کی تو اس میں کسی تعداد کی نیت کی تو جو قدر کی نیت کی ہے اسی قدر روزے واجب ہوں گے۔ اگر کسی نے عربی میں اللہ علی ان اصوم جمعۃ کہا (اللہ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ جمعہ کا روزہ رکھوں) تو اگر اس سے جمعہ (ہفتہ) کے دنوں کی نیت کی تھی یا کوئی نیت نہیں کی تھی تو اس پر سات دن کے روزے واجب ہوں گے اور اگر اس سے خاص جمعہ کے دن کی نیت











## متفرق جزئیات نذر

(۱) اگر کسی نے یہ نذر کی کہ فلاں شخص کے آنے کے دن سے دو مہینے کے پہلے روزے رکھے گا پھر شخص شعبان کے مہینے میں آیا تو جتنے دن وہ جائیں رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد ان کی بنا کرے یعنی عید الفطر کے بعد ان باقی روزوں کو متصل ہی لگاتا رکھے جیسا کہ عورت حیض سے پاک ہونے کے بعد متصل ہی رکھے (کسی کے آنے کے دن کے روزے کی نذر کے مسئلے شرائط کے بیان میں گذر چکے ہیں، مؤلف)

(۲) اگر کسی شخص نے اپنے اوپر دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنے کی نذر کی اور اس نے رجب و شعبان کے مہینے میں روزے رکھے اور ماہ شعبان ایک دن کم یعنی انیس دن کا ہوا تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ سفر کی نیت سے سفر شرعی پر روانہ ہو جائے اور رمضان کی پہلی تاریخ کو اپنی نذر کی نیت سے روزہ رکھے۔ تاکہ لگاتار دو مہینے پورے ہو جائیں کیونکہ مطلق مہینوں کی نذر میں دنوں کی تعداد سے یعنی ساتھ روزے پورے کرنے واجب ہیں اور مسافر کا روزہ رمضان میں نذر کی نیت سے ادا ہو جاتا ہے، مؤلف)

(۳) اگر کسی نے عربی میں یوں کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر صیام الزمن (زمانے کے روزے) یا صیام الحین واجب ہیں اور اس کی کوئی نیت نہیں ہے تو اس پر حجہ مہینے کے روزے واجب ہوں گے اور عرف میں زمین مثل میں کہے۔

(۴) اور اگر کسی نے عربی میں صیام دھڑ کی نذر کی تو امام ابو حنیفہ سے اس کے متعلق کوئی روایت معلوم نہیں ہے اور صاحبین نے کہا کہ حجہ مہینے کے روزے واجب ہوں گے، یعنی اگر عربی میں صیام دہر بغیر الف لام کے کہا تو حجہ مہینے کے روزے واجب ہوں گے اور اگر صیام الدر مع الف لام کے ساتھ کہا تو تمام عمر کے روزے واجب ہوں گے (یعنی لفظ صیام دہر بغیر الف لام کے اور صیام الدر مع الف لام ان دونوں کے حکم جدا ہیں)۔ (۵) اگر کسی نے کہا یتو علیّ ان تصوم کلّ

تو امام ابو یوسف سے روایت کی گئی ہے کہ حجہ مہینے کے روزے واجب ہوں گے اور امام محمد کے نزدیک ایک دن کا روزہ واجب ہوگا اور کہا گیا ہے کہ لفظ عمر لام تعریف کے ساتھ ظاہر روایت میں ابید کے حکم میں ہوگا کذا فی فتاویٰ الفتاویٰ اور خزانة الاکل میں ہے کہ اگر کسی نے کہا یتو علیّ صوم غمیر تو اس پر ایک دن کا روزہ واجب ہوگا اور اگر کہا یتو علیّ صوم الغنم تو اس پر ہمیشہ کے روزے لازم ہوں گے ام۔ (۶) اگر کسی نے صوم الابد (ہمیشہ کے روزے) کی نذر کی، پھر معاش روزی کر لے

میں مشغولیت کے باعث وہ ضعیف ہو گیا تو انظار کرے (یعنی روزے نہ رکھے) اور فدیہ دے، یعنی ہر روزے کے بدلے میں صدقہ فطر کی مانند کھانا دے جیسا کہ شیخ فانی کے بیان میں گذر چکا ہے۔ اور اسی کی مثل فتح القدیر میں ہے جیسا کہ اس میں کہا ہے کہ اگر قصل کے روزوں میں تاخیر کر دی حتیٰ کہ وہ شیخ فانی ہو گیا یا اس نے ہمیشہ کے روزوں کی نیت کی پھر ہمیشہ کے روزوں کو ہا پر ہو گیا یا معاش میں مشغولیت کے باعث نہیں رکھ سکا کیونکہ اس کا کام سخت محنت کا ہے تو اس کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار فدیہ دیدے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور اگر وہ تنگ دست ہونے کی وجہ سے

فدیہ دینے پر بھی قادر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرتا رہے کیونکہ اللہ پاک غفور رحیم و غنی و کریم ہے۔ اور اگر کوئی



شخص موسم کی شہت کے باعث روزوں پر قادر نہیں ہے مثلاً وہ سخت گرمی کے دنوں میں روزے نہیں رکھ سکتا، تو وہ ان دنوں میں روزے نہ رکھے اور سردی کا موسم آنے پر ان کی قضا دے۔ (۷) اگر کسی نے نذر کرنے وقت فارسی میں کہا کہ اس سال روزہ دارم تو اس پر ایک روزہ واجب ہوگا اور اگر اس سال روزہ دارم کہا تو اس پر اس وقت سے ایک سال کے باقی دنوں کے روزے واجب ہوں گے اور اگر کسی نے فارسی میں کہا خدائے راست برین روزہ یک سال تو اس پر ایک سال کے روزے واجب ہوں گے اور اگر یوں کہا خدائے راست برین روزہ یکساں تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ یکساں کہنے سے مراد سال گذشتہ ہے اور گذشتہ کی نذر تخیل الکون ہے۔ (۸) عکاف یا حج یا نماز باروزوں وغیرہ کی نذر غیر معلق اگرچہ معین ہو وہ کسی زینہ و جگہ و درہم (روپیہ و پیسہ) اور فقیر کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی، پس غیر معین معلق نذر بدرجہ اولیٰ ان میں سے کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی جیسا کہ کسی نے کوئی درہم صدقہ کرنے کی نذر کی اور اس کو مطلق بیان کیا، پس اگر کسی نے نذر کی کہ جمعہ کے دن مکہ معظمہ میں یہ درہم فلاں شخص پر صدقہ کرے گا پھر بعض یا کل امور میں ان کے خلاف کیا یعنی جمعہ کے علاوہ کسی اور دن میں مکہ معظمہ کے علاوہ کسی اور شہر میں اس درہم کے علاوہ کوئی اور درہم اس شخص کے علاوہ کسی اور شخص پر صدقہ کیا تو جائز ہے کیونکہ نذر میں وہ چیز داخل ہے جو عبادت ہے اور وہ کسی تعین کے بغیر محض صدقہ کرنا ہے پس تعین باطل ہوگئی اور قربت (اصل عبادت) لازم ہوگئی۔ پس اگر کسی شخص نے دو رکعت یا اس سے زیادہ نماز مکہ معظمہ یا مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یا مسجد اقصیٰ میں پڑھنے کی نذر کی تھی اور اس نے ان کو کسی اور شہر میں داکیا تو اس کے لئے جائز ہے کیونکہ نذر کا صحیح ہونا قربت (عبادت ہونے) کے اعتبار سے ہے مکان کے اعتبار سے نہیں کیونکہ نماز تمام بدن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہے اور اس لحاظ سے تمام جگہیں برابر ہیں اگرچہ فضیلت کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہے اور اسی طرح اس درہم کے بدلہ میں جس کو نذر کرنے والے نے معین کیا تھا اس درہم کا صدقہ کرنا جائز ہے جس کو نذر کرنے والے نے معین نہیں کیا تھا اور اسی طرح اگر مثلاً عمر فقیر پر صدقہ کرنے کی نذر کی تھی اور عمر فقیر کی بجائے زید فقیر پر صدقہ کیا تب بھی جائز ہے۔ اور نذر کی تاخیر کی صورت میں بھی حکم ہے یعنی اگر کسی نے نذر کی کہ آنے والی کل کار روزہ رکھوں گا پھر وہ اس نے آنے والی پرسوں کا یعنی ایک دن بعد کار کھا تو جائز ہے اور چاہئے کہ مؤخر کرنے سے اس میں کچھ برائی نہ ہو جیسا کہ کسی نے نذر کی کہ وہ ابھی اسی ساعت میں ایک درہم صدقہ کرے گا اور اس نے وہ درہم اس ساعت کے تھوڑی دیر بعد صدقہ کیا تو جائز ہے۔

..... اور اسی طرح اگر نذر کو وقت سے پہلے ادا کر دے تو جائز ہے پس اگر کوئی  
..... مہینہ اعتکاف یا روزوں کے لئے معین کیا پھر اس مہینے کی بجائے اس  
..... سے پہلے اس کو ادا کیا تو درست ہے اور اسی طرح اگر نذر کی کہ فلاں سال حج کروں گا پھر اس سال سے ایک سال پہلے

له نيم + حيات سه وره به ش و ط . سه سوش و ط له م كه ش زياده -















غائب واپس آجائے یا میرا مریض تندست ہو جائے یا میری حاجت پوری ہو جائے تو تیرے لئے اتنا سونا یا اتنی چاندی یا اتنا کھانا یا اتنا پانی یا اتنی موم بتیاں یا اتنا تیل صدقہ کرونگا تو یہ نذر بالاجل باطل و حرام ہے اور اس کا باطل و حرام ہونا کئی وجہ سے ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ نذر مخلوق کیلئے ہے اور مخلوق کیلئے نذر ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کیلئے نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کیلئے نذر کی گئی ہے وہ مردہ ہے اور مردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا تیسری وجہ یہ ہے کہ نذر کرنے والا لگان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مردہ ان امور میں تصرف کرتا ہے اور اس کا یہ اعتقاد کفر ہے (العیاذ باللہ) لیکن اگر نذر کرنے والا اولیٰ کہے یا اللہ میں تیرے لئے نذر کرتا ہوں کہ اگر تو میرے مریض کو شفا دے یا میرے غائب کو میری طرف پھر دے یا میری حاجت کو روا کر دے تو میں ان فیقول کو جو سیدہ نفیسہ یا کسی اور بزرگ کا نام لے کے دروازے پر بیٹھ یا امام شافعی یا امام لیث یا کسی اور امام کا نام لے کے دروازے پر بیٹھ یا ان کی مسجد کیلئے قرض یا قیادیاں وغیرہ یا وہاں روٹی کرنے کے لئے تیل خریدوں یا ان کی مسجد (وہ باطل و فحش) کے خدمت گزاروں کو اتنا دہ پیہ روں یا اس کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز کرنے کو کہ جس میں فقر کا نفع ہو اور نذر خاص خدائے تعالیٰ کیلئے ہو اور اس بزرگ کا ذکر صرف اسلئے ہو کہ اس جگہ کی رابطہ یا مسجد یا جامع میں جو سختی فقیر لوگ مقیم ہیں جو نذر کا مصروف ہیں تو اس اعتبار سے وہ نذر صحیح ہو جائیگی کیونکہ نذر کا مصروف فقیر ہیں اور وہ مصروف وہاں پایا جاتا ہے اور اس نذر کا کسی غنی غیر محتاج کو دینا جائز نہیں ہے اور اسی طرح کسی شریف منصب لئے یا زنی نسب پر اس کے نسب کی وجہ سے یا عالم پر اس کے علم کی وجہ سے اس کا مصروف کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ محتاج فقیر ہو کیونکہ ان کا اختیار کو نذر دینے کا حجاز شرع شریف سے ثابت نہیں ہے اور مخلوق کیلئے نذر کرنی بالاجل حرام ہے بلکہ یہ نذر منقذ ہوتی ہے اور نہ ذمہ پر لازم ہوتی ہے اور اس لئے کہ یہ حرام محض بلکہ شرم و عار کی موجب ہے اس بزرگ کے خادم کو اس کا لینا، کھانا اور اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے مگر جبکہ وہ خود فقیر ہو یا اس کے عیال فقیر اور کسب سے عاجز ہوں اور وہ اضطرار کی حالت میں ہوں تو ان کو ابتدائی صدقہ کے طور پر لینا جائز ہے اور اس کا لینا بھی مکروہ ہے جب تک نذر کرنے والے کا قصد اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے اور اس کو فقیر پر صرف کرنے کا نہ ہو اور اس بزرگ سے بالکل قطع نظر نہ کر لے، پس جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اکثر عوام جو کچھ دیتے ہیں اور موم بتیاں دیتے وغیرہ اولیٰ اللہ کی قرب پر پیکر جاتے ہیں تاکہ اس سے اولیاء اللہ کا تقرب حاصل ہو تو بالاجل علیہن حرام ہے جب تک کہ وہ ان کو نذر فقیر پر صرف کرنے کا قصد نہ کریں اللہ اور مال بقصد البصر فہا لم یعنی جب تک کہ ان کو نذر فقیر پر صرف کرنا قصداً نہ کریں سے مراد یہ ہے کہ نذر کا صیغہ اللہ تعالیٰ کیلئے اس تقرب کے واسطے ہوا نہ شرع کے ذکر سے اس فقر مراد ہوں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے اور یہ بات پر شیعہ نہیں ہے کہ اس شخص کو اس نذر کا فقر کرنا اس جگہ کے فقر کی بجائے کسی اور جگہ کے فقر پر بھی جائز ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور یہ بھی فریبی کہ سند اس شخص کی جو جس نذر کا کرنا صحیح ہے جیسے تمام وہ یہ وغیرہ کا قصد کرنا لیکن اگر شرع کی قبر پر یا میناؤں میں چھ اغل کرنے کیلئے تیل کی نذر کرے جیسا کہ عہد میں حضرت میر عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کیلئے تیل کی نذر کرتے کرتے ہیں اور اس کو مشرقی میناؤں میں روشن کرتے ہیں تو یہ باطل ہے اور اس کو بھی زیلہ قبیح (بڑا) میناؤں میں ملوث کر کے کی نذر کرنا یا کہ اس میں گانا اور لہو و لعب ہوتا ہے اور اس کو تواب حضرت علی المرتضیٰ سلم کو بخشا جاتا ہے۔ اور اس قسم کی برائیوں خرافات میں لوگ بہت مبتلا ہیں خاص طور پر اس زمانے میں ان بدعات و حرام نذر میں کا بہت رواج ہے اور اس کو علامہ قاسم نے شرح در البہار میں بطل سے بیان کیا ہے۔







## اعتکاف کی اقسام

اعتکاف تین قسم کا ہوتا ہے (۱) واجب اور وہ نذر کا اعتکاف ہے خواہ وہ نذر کسی شرط پر موقوف ہو یا نہ ہو۔ اور کسی شرط پر موقوف نہ ہونے یعنی غیر معلق کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص

یوں کہے اللہ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں اتنے دن کا اعتکاف کروں، اور شرط یعنی معلق کی مثال یہ ہے کہ یوں کہے اگر اللہ تعالیٰ نے میرے فلاں بیمار کو شفا دی تو میں اتنے دن کا اعتکاف کروں گا۔

(۲) سنت مؤکدہ اور وہ (ہر سال) رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ اور یہ سنت علی الکفایہ ہے (یہی صحیح ہے) پس اگر بعض لوگوں نے اس سنت کو ادا کر لیا تو باقی لوگوں سے اس کا مطالبہ ساقط ہو جائے گا اور اس صورت میں اگر وہ لوگ بلا عذر اس کے ترک پر ہمیشگی کریں گے تو گنہگار نہیں ہوں گے، اور اگر اہل بلدہ میں سے سب ہی اس کو ترک کر دیں گے اور کوئی ایک شخص بھی اس سنت کو ادا نہیں کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے، یعنی اگر اہل مسجد میں سے ایک نے بھی اعتکاف ادا کر لیا تو ادا ہو گیا ورنہ سب گنہگار ہوں گے شہ

(۳) مستحب اور وہ ان دونوں قسموں کے علاوہ ہے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے یعنی رمضان کے اخیر عشرہ اور نذر کے اعتکاف کے دنوں کے علاوہ جس وقت بھی چاہے مستحب اعتکاف کر سکتا ہے۔ اور مستحب کا مطلب سنت غیر مؤکدہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مستحب کو سنت بھی کہتے ہیں اور فقہاء کے کلام میں سنت کا اطلاق مستحب پر بھی ہوتا ہے۔ واجب اعتکاف کی کم سے کم مدت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک دن ہے کیونکہ اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے اور ایک دن سے کم کا روزہ مشروع نہیں ہے) اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دن کا اکثر حصہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک اکثر کے لئے کل کا حکم ہے پس اگر کسی شخص نے صبح کو روزہ رکھنے کے بعد ذوال (دوپہر شرعی) سے قبل اس دن کے اعتکاف کی نذر مانی تو امام صاحب کے نزدیک وہ نذر صحیح نہیں ہوگی اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہو جائے گی یعنی اگر کسی شخص نے صبح کو نفل روزہ کی نیت کی یا روزہ کی نیت نہیں کی پھر اس نے دن میں کسی وقت کہا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لئے واجب ہے کہ آج کے دن کا اعتکاف کروں تو امام صاحب کے نزدیک یہ نذر صحیح نہیں ہوگی خواہ اس نے ایسے وقت میں نذر کی ہو جبکہ روزہ کی نیت کرنا درست ہو اس لئے کہ وہ پورے دن کا اعتکاف نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک چونکہ اعتکاف واجب کی کم سے کم مدت دن کا اکثر حصہ ہے تو اگر اس نے دوپہر شرعی سے قبل یہ نذر کی ہوگی تو اس پر اس وقت سے اس دن کا اعتکاف واجب ہو جائے گا پس اگر وہ اس دن اعتکاف نہیں کرے گا تو اس پر اس کی قضا واجب ہوگی۔ اور اگر کسی شخص نے کہا کہ مجھ پر اللہ کے واسطے اعتکاف کرنا واجب ہے اور اس کی مدت متعین نہیں کی تو اس پر ایک دن کا اعتکاف لازم ہوگا اور اعتکاف واجب کیلئے زیادہ مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے پس تمام عمر کے اعتکاف کی نذر کرے تو جائز ہے۔

لے در لے دم دفع لے دم و در غیرا شہ حیات لے شہ حیات شہ عرف لے دفع لے موطا لے در  
لے شہ تصرف لے حیات و غیرہ لے جمع لے دفع لے شہ حیات لے دفع لے شہ حیات۔



























پس اگر اس نے نصف النہار شرعی سے قبل نذر کی ہوگی تو وہ اعتکاف اس پر لازم ہو جائے گا پس اگر وہ اس اعتکاف کو ادا نہیں کرے گا تو اس پر اس کی قضا واجب ہوگی۔

(۴) مسلمان ہونا، اس لئے کہ کافر عبادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

(۵) اقل ہونا، کیونکہ مجنون نیت کی اہلیت نہیں رکھتا، کیونکہ نیت اسلام اور عقل کے بغیر صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ دونوں یعنی مسلمان اور عاقل ہونا نیت کے لئے شرط ہیں اور چونکہ اعتکاف میں نیت شرط ہے اس لئے ان دونوں کو اعتکاف کی شرطیں کہنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بحر میں مذکور ہے، اور بحر کی عبارت یہ ہے کہ اسلام اور عقل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں نیت کی شرطوں میں سے ہیں اور کافر و مجنون دونوں نیت اہل نہیں ہیں۔

(۶) خابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا کیونکہ خابت اور حیض و نفاس کی حالت میں مسجد میں آنا منع ہے

(۶) جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا کیونکہ جنابت اور حیض و نفاس کی حالت میں مسجد میں آنا منع ہے اور اعتکاف کی عبادت مسجد کے بغیر ادا نہیں ہوتی۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں سے پاک ہونا اعتکاف کے حلال ہونے کی شرط ہے اور حیض و نفاس سے پاک ہونا اعتکافِ نذر میں صحت کی شرط بھی ہے کیونکہ روزہ جو اس کیلئے شرط ہے حیض و نفاس کی حالت میں نہیں ہوگا، اور اسی طرح جس روایت میں نفلی اعتکاف میں بھی روزہ شرط ہے اس کی بنا پر نفلی اعتکاف کے لئے بھی حیض و نفاس سے پاک ہونا اس کی صحت کی شرط ہے بخلاف جنابت کے کیونکہ جنابت کی حالت میں روزہ دار ہونا ممکن ہے اس لئے جنابت سے پاک ہونا صحتِ اعتکاف کی شرط نہیں ہے اور رحمتی نے فقہاء کی اس تصریح کے بارے میں بحث کی ہے کہ اعتکاف کے مشروع ہونے کا اصلی مقصد جماعت کی نماز کی انتظار میں مسجد میں بیٹھنا ہے اور چونکہ حیض و نفاس والی عورتوں میں نماز کی اہلیت نہیں ہوتی پس ان کا اعتکاف بھی صحیح نہیں ہوا بخلاف جنبی کے کیونکہ اس کا پاک ہونا اور پھر نماز ادا کرنا ممکن ہے اھ اور اس سے لازم آتا ہے کہ جنبی شخص جب تک پاک نہ ہو جائے اور نماز نہ پڑھے اس کا اعتکاف درست نہیں ہے اور اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ نماز کا باجماعت ہونا بھی اعتکاف کی صحت کی شرطوں میں سے ہو اور اس کو کسی نے بیان نہیں کیا غور کر لیجئے، اور بالغ ہونا اعتکاف کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے پس مجھ والے لڑکے کا اعتکاف صحیح ہوگا اس لئے کہ وہ عبادت کا اہل ہے جیسا کہ اس کا نفلی روزہ درست ہو جاتا ہے اور نذر ہونا اور آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے پس عورت کا اعتکاف اس کے خاوند کی اجازت سے جبکہ وہ خاوند والی ہو اور غلام کا اعتکاف اس کے مالک کی اجازت سے صحیح ہے اگرچہ وہ اعتکاف واجب ہی ہو، کیونکہ وہ دونوں عبادت کے اہل ہیں اور امرِ مانع خاوند اور مالک کا حق ہے پس جب ان کی اجازت پائی گئی تو مانع جاتا رہا، اور جب عورت کو اس کے خاوند نے اعتکاف کی اجازت دیدی تو پھر اس کے بعد اس کو منع کرنے کا

له فتح وش علم و پرائے علم و پرائے علم شہ بخرویات علم و حیات شہ پرائے علم شہ فتح و علم و علم پرائے -  
 لہ پرائے علم و علم پرائے -

۴۰ اختیارات ہیں جو کورس منع کرے۔











بھی اپنے رب کے گھر کو لازم پکڑتا ہے تاکہ وہ اس کو بخش دے۔

(۷) اگر اعتکاف اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے تو یہ آخرت الاعمال میں سے ہے۔ اس لئے کہ وہ نماز کی انتظار میں رہتا ہے اور گویا کہ وہ نمازیں ہے اور یہ سب سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے کی حالت ہے۔

(۸) اور اعتکاف ... سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے گھر کو لازم

پکڑتا ہے اور دنیا سے منہ پھیر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تاکہ اس کی رحمت طلب کرے اس سے مغفرت چاہے یہاں تک کہ عطا فرمائی نہ کہا ہے کہ اعتکاف کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے بخش نہیں دے گا اسی حالت میں رہوں گا یعنی جیسا کہ کوئی شخص بادشاہ یا وزیر اعظم یا امام اعظم کے دروازے پر اپنی کسی حاجت کے لئے جس کو وہ عادی پورا کر سکتا ہے ٹھہرا ہے۔ پس اعتکاف کرنے والا اگرچہ قول کی زبان سے کچھ نہیں کہتا لیکن زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ میں اپنے مولیٰ کے دروازے پر ہمیشہ کھڑا رہوں گا اور اپنے تمام مقاصد حاصل ہونے، مصیبتوں کے دور ہونے اور اس کا قرب حاصل ہونے کا سوال کرتا رہوں گا اور اس کے لئے اپنے عزیز بھائیوں بلکہ اصلی قرابت داروں سے الگ رہوں گا یہاں تک کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے جو کہ اللہ تعالیٰ سے میری دوری اور مصیبتوں کے نازل ہونے کا سبب ہیں پھر وہ اپنے احسانات مجھ پر جاری فرمائے جو اس کی شان کریمہ کے شایاں ہیں اور مجھ کو ایسی عزت بخشے جو اس کی حفاظت کے ٹھکانے اور اس کی حرمت کی حمایت کی طرف التجا کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔

(۹) اور چونکہ یہ اعتکاف کرنا عبادت ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب جگہ کو لازم پکڑنے سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے بندہ ہونے کا اظہار کرنا ہے اور بقدر امکان قیام مسجد کے ساتھ عبادات میں عزیمت ہے اور حرج ضرع میں دور کیا گیا ہے اور اسی لئے بعض اوقات میں اس کے ترک کی اجازت دی گئی ہے پس اعتکاف میں مشغول ہونا عزیمت میں مشغول ہونا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی اعتکاف کی تندر کے لئے اعتکاف کا پورا کرنا لازمی ہو جائے گا اور اس کے ترک کی اجازت نہیں ہوگی واللہ اعلم

اعتکاف کے آداب و مستحبات یہ ہیں: (۱) نیک باتوں کے سوا اور کوئی کلام نہ کرے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَخَلَّ لِعِبَادِي يَقُولُوا آمَنَ بِاللَّهِ (سنن ابی داؤد)

(ترجمہ) اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اچھی بات کہیں، اور یہ حکم عام ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ مسجد کے باہر بھی نیک باتوں کے سوا اور کلام نہ کرے پس مسجد میں یہ حکم بدرجہ اولیٰ ہے اور نیک باتوں کے سوا اور کلام کرنا اعتکاف نہ کرنے والے کے لئے بھی مکروہ ہے پس معتکف کے لئے بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے اور لفظ ہر نیک باتوں سے مراد یہاں وہ باتیں ہیں جن میں







نکل گیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا خواہ وہ جان بوجھ کر نکلا ہو یا بھول کر نکلا ہو اور عورت اپنے گھر کی مسجد اعتکاف سے گھر میں کسی دوسری جگہ نہ نکلے اور اگر عورت مسجد میں معتکف تھی اور اسی حالت میں اس کو طلاق دی گئی تو اس کو چاہئے کہ اپنے گھر میں چلی آئے اور اسی اعتکاف پر بنا کر کے اپنے گھر میں معتکف ہو جائے یعنی اعتکاف کرنے والا اپنے اعتکاف کی جگہ (مسجد) سے نہ نکلے خواہ عورت کے حق میں وہ گھر کی مسجد ہو پس اگر وہ اس سے باہر نکل گئی اگرچہ وہ اپنے گھر میں ہی دوسری جگہ گئی ہو، اگر اس کا اعتکاف واجب ہے تو باطل ہو جائے گا اور اگر وہ اعتکاف نفل ہے تو پورا (ختم) ہو جائے گا۔ وہ عذرات جن کی وجہ سے اعتکاف والے کو مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے ان میں سے ایک عذرات انسان کی طبیعتی حاجت ہے یعنی وہ حاجت جس سے انسان کو چارہ نہیں ہے اور وہ اس حاجت کو مسجد میں پورا نہیں کر سکتا مثلاً پیشاب، پاخانہ اور ان دونوں کے متعلقات یعنی استنجا و وضو اور اگر احرام ہو جائے تو غسل کرنا جبکہ مسجد میں غسل کرنا ممکن نہ ہو لیکن اگر مسجد میں اس طرح پر غسل کر لینا ممکن ہو کہ مسجد ملوث نہ ہونے پائے تو مضائقہ نہیں مثلاً مسجد میں کوئی تالاب (حوض) ہو یا مسجد میں طہارت کے لئے کوئی جگہ بنائی ہوئی ہو یا کوئی بڑا برتن تنہا وغیرہ رکھ کر۔۔۔۔۔ اس میں اس طرح نہائے کہ مستعمل پانی سے مسجد ملوث نہ ہونے پائے لیکن اگر مستعمل پانی سے مسجد ملوث ہوتی ہو تو مسجد میں غسل کرنے سے منع کیا جائے کیونکہ مسجد کو پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنا واجب ہے پس اگر مسجد میں غسل کرنا جس طرح سے کہ بیان ہوا ممکن ہو تو مسجد سے باہر نکلنے سے اس شخص کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ پس جب پیشاب یا پاخانہ کے لئے مسجد سے نکلا تو اس کو گھر میں داخل ہونے کا کوئی مضائقہ نہیں ہے اور وضو سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں آجائے۔ طہارت یعنی استنجا و وضو کے بعد وہاں نہ ٹھہرے، اگر طہارت کے بعد وہ اپنے گھر میں ایک ساعت بھی ٹھہرا یا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا، اور اگر مسجد کے قریب اس کے کسی دوست کا گھر ہو تو اس اعتکاف کرنے والے پر یہ ضروری نہیں کہ قضائے حاجت کیلئے اس کے گھر جائے اور اگر اعتکاف والے کے دو گھروں ایک قریب ہو اور دوسرا دور ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ دور والے مکان میں جانا جائز نہیں ہے اگر وہاں جائے گا تو اعتکاف باطل ہو جائیگا اور بعض نے کہا کہ اس کو دور والے مکان میں جانا جائز ہے اور اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ اگر مسجد کے ساتھ بیت الخلاء ہے جو کہ اس کے گھر کی بہ نسبت قریب ہے اور اعتکاف کرنے والے شخص نے اس کو ترک کر دیا اور اپنے گھر آیا تو اس کا حکم بھی ان دونوں قولوں کی بنا پر تخریج کیا جائے گا، یعنی ایک قول کی بنا پر اس کا اعتکاف فاسد ہو جائیگا اور دوسرے قول کی بنا پر فاسد نہیں ہوگا (مولف) اور ان دونوں قولوں میں زیادہ فرق نہیں ہے کیونکہ انسان بعض وقت دوسرے شخص کے گھر سے مانوس نہیں ہوتا ہے یعنی جب وہ دوسرے کے گھر سے مانوس نہیں ہے اور اس کو



رفع حاجت کرنا اپنے گھر کے سوا حاصل نہیں ہے تو اس کے لئے اپنے گھر آنا بلا خلاف جائز ہونا بعید نہیں ہے اور جب کسی حاجت کے لئے نکلے تو اس کو جائز ہے کہ وقار اور سکون کے ساتھ آہستہ آہستہ چلے اور کھانا پینا اور سونا اپنے اعتکاف کی جگہ میں کرنا چاہئے کیونکہ یہ حاجات مسجد میں پوری ہو سکتی ہیں اس لئے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ایک عذر شرعی حاجت کے لئے نکلنا ہے مثلاً اذان دینے کے لئے یا جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے نکلنا، پس اگر اذان کے لئے مسجد سے باہر نکلا خواہ وہ مؤذن نہ ہو اور اذان کے مینارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس بارے مؤذن اور غیر مؤذن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اذان کے مینارہ کا دروازہ مسجد کے اندر ہو تو بدرجہ اولیٰ اس پر چڑھنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ بجز اس ہے کہ اذان دینے کی جگہ (مینارہ اذان) پر چڑھنے سے جبکہ اس کا دروازہ مسجد کے اندر ہے ہو تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور اگر اس کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تب بھی ظاہر الروایت میں یہی حکم ہے اور بعض فقہانے کہا ہے کہ یہ حکم مؤذن کے بارے میں ہے کیونکہ اس کا اذان کے لئے مسجد سے نکلنا ایجاب (مسجد میں رہنا واجب ہونے) سے مستثنیٰ ہے لیکن اگر وہ شخص غیر مؤذن ہو تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور صحیح یہ ہے کہ سب فقہا کا قول مؤذن و غیر مؤذن سب کے بارے میں یکساں ہے اس لئے کہ وہ نماز کی سنت قائم کرنے (اذان دینے) کے لئے باہر نکلا ہے اور سنت اپنی جگہ پر قائم کی جاتی ہے پس وہ باہر نکلنا نہیں سمجھا جائے گا۔ بدائع میں ہے کہ اگر مینارہ اذان پر چڑھا تو بلا خلاف اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اگرچہ مینارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو کیونکہ مینارہ مسجد میں شامل ہے، پیشاب وغیرہ جو افعال مسجد میں منع ہیں مینارہ مسجد میں بھی منع ہیں اور مسجد کی طرح مینارہ مسجد میں بھی خرید و فروخت منع ہے پس مینارہ بھی مسجد کے گوشوں میں سے ایک گوشہ کی مانند ہے۔ اور بدائع سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مینارہ پر چڑھنے کے لئے اذان بھی شرط نہیں ہے لیکن جب مینارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو اس میں یہ قید ہونی چاہئے کہ اذان کے لئے نکلے کیونکہ مینارہ اگرچہ مسجد میں داخل ہے لیکن جب مسجد سے نکل کر مینارہ کے دروازہ تک چلے گا تو یہ نکلنا عذر ہوگا۔ اور جمعہ کی نماز کے لئے سورج کے زوال کے وقت نکلے یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس کے اعتکاف کی مسجد جامع مسجد سے قریب ہو یعنی اتنے فاصلہ پر ہو کہ اگر زوال کے وقت نکلے تو خطبہ اور جمعہ فوت نہ ہو اور اگر جامع مسجد وہاں سے دور ہو اور خطبہ و جمعہ فوت ہونے کا خوف ہو تو زوال کا انتظار نہ کرے لیکن اندازاً ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر چار رکعتیں خطبہ کی اذان سے پہلے پڑھ لے اور اس بارے میں اپنی رائے سے فیصلہ کرے۔ اور اس بارے میں آخری (اٹکل) کرے اور محض اندازے پر منحصر نہ رکھے کیونکہ اندازہ بہت کم ٹھیک نکلنا ہے۔ اور ترجمۃ المسیور پڑھنے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ قول ضعیف ہے جیسا کہ فقہانے اس کی تصریح کر دی ہے کہ جب کسی آدمی نے مسجد میں آکر فرض نماز شروع کر دی تو وہ نماز تہمتہ المسجد کی بجائے بھی کافی ہو جائے گی کیونکہ مسجد



میں داخل ہو کر نماز پڑھنا اس سے حاصل ہو گیا اس کو علیحدہ نتیجہ مسجد پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی اور یہی حکم اس وقت تک جبکہ سنتیں شروع کر دی ہوں جیسا کہ بحرائق میں فتح القدیر کا اتباع کرتے ہوئے ہے، پس نتیجہ مسجد کی روایت جو کہ امام حسنؑ سے مروی ہے یا تو یہ ضعیف قول ہے یا اس بات پر مبنی ہے کہ چونکہ قطع مسافت کے بعد اتنے وقت پر جامع مسجد میں پہنچنا جس میں خطبہ سے پہلے صرف چار رکعت سنت مؤکدہ ہی پڑھی جاسکیں یہ اندازہ پر موقوف ہوگا قطعی نہیں ہوگا اس لئے ہو سکتا ہے کہ اندازہ کی عدم مطابقت کی وجہ سے کبھی وہ زوال سے قبل جامع مسجد میں داخل ہو جائے اور اس کو اس وقت مؤکدہ سنتوں کا شروع کرنا ممکن نہ ہو تو وہ نتیجہ مسجد شروع کر سکتا ہے پس اس کو تقدیر پر اکتفا کرنا چاہئے کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اندازہ صحیح نکلے لیکن علامہ خیر الدین ربی نے علامہ مقدسی کے خط سے نقل کیا ہے کہ نتیجہ مسجد کا مستقل طور پر ادا کرنا اس کے کسی فرض نماز کے ضمن میں ادا ہو جانے سے افضل ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جو شخص اعتکاف کرے اور کریم کے دروازے کو لازم پکڑے اس کو زیادہ سے زیادہ فضیلت و تکریم کے کام کرنے چاہئیں پس سمجھ لیجئے چونکہ ایسے وقت پر مسجد اعتکاف سے نکلنا کہ جامع مسجد میں پہنچ کر خطبہ سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ پڑھ سکے یہ اندازہ سے ہوگا اس لئے قطعاً اتنے ہی وقت پر پہنچنا ہر دفعہ ممکن نہیں ہوگا لہذا کبھی وہ اتنے وقت سے بھی پہنچ سکتا ہے کہ جس میں خطبہ سے پہلے دو رکعت نتیجہ مسجد پڑھ کر چار رکعت سنت مؤکدہ با فراغت پڑھ سکے ایسی صورت میں اس کو نتیجہ مسجد بھی پڑھ لینا چاہئے تاکہ امام حسنؑ کی روایت پر عمل ہو جائے اور ممکن ہے وہ ایسی ہی حالت پر مبنی ہو اگرچہ فقہانے عموماً اس کو ضعیف کہا ہے وانشاء اللہ بالصواب (مؤلف)

اور نماز فرض جمعہ ادا کرنے کے بعد اتنا ٹھہرے کہ چار یا چھ رکعتیں پڑھ لے اور یہ سنت بعد النجمہ کے بارے میں امام صاحبؒ اور صاحبین کے اختلاف کی بنا پر ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک چار رکعت پڑھے اور صاحبین کے نزدیک چھ رکعت پڑھے (کیونکہ امام صاحب کے نزدیک فرض جمعہ کے بعد کی مؤکدہ سنتیں چار رکعت ہیں اور صاحبین کے نزدیک چھ رکعت ہیں یعنی پہلے چار رکعت ایک سلام سے پھر دو رکعت ایک سلام سے پڑھے) اور اعتکاف کرنے والے کو ان سنتوں کا جامع مسجد میں ہی پڑھنا لازمی نہیں ہے بلکہ اپنے اعتکاف کی مسجد میں واپس آکر بھی پڑھ سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ جمعہ کے پہلے کی چار سنتیں اور بعد کی چار یا چھ سنتیں جامع مسجد میں ہی ادا کرے کیونکہ جمعہ کی سنتیں بھی فرض جمعہ کے تابع ہیں اس لئے اس کے ساتھ ملتی ہوں گی۔ اور یہ استحباب کا بیان تھا لیکن اگر اس سے زیادہ دیر جامع مسجد میں ٹھہرا ہوا مثلاً ایک دن رات وہاں ٹھہرا یا باقی اعتکاف وہیں پورا کیا تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا مگر مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ جامع مسجد اعتکاف کی جگہ ہے لیکن اس کا وہاں ٹھہرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ شروع میں جس مسجد کو اعتکاف کے لئے لازم کیا تھا یہ بلا ضرورت اس کی مخالفت ہے۔ نیز کیونکہ اس نے



ایک مسجد میں اعتکاف ادا کرنا چاہتے اور پر لازم کیا تھا تو بلا ضرورت اس کو دوسری مسجدوں میں پورا نہ کرتے۔ اور اس لئے بھی کہ جب اس نے ایک مسجد میں اعتکاف شروع کر دیا تو گویا اس نے اس کے لئے اس مسجد کو معین کر لیا ہے تو اس میں اعتکاف کا پورا کرنا ممکن ہونے کی ضرورت میں اس کو بدلنا مکروہ ہوا، پس اولیٰ یہ ہے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں ادا کرنے کے بعد اپنی مسجد اعتکاف کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اور اگر مسجد سے کسی عذر کی وجہ سے نکلا مثلاً مسجد گر گئی یا زبردستی کسی نے نکال دیا اور اسی وقت دوسری مسجد میں داخل ہو گیا تو استحسان یہ ہے کہ اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، یعنی جبکہ اس کا ارادہ یہ ہو کہ اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جا کر اعتکاف کرے گا اور وہ اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد تک جانے میں سوائے چلنے کے کسی اور چیز میں مشغول نہ ہو۔ اور اسی طرح اگر اپنی جان یا مال کے خوف سے نکلے تب بھی یہی حکم ہے، یعنی جبکہ اس کو اپنی جان یا اپنے مال پر جنگ کرنے والوں اور غلبہ پانے والوں کی طرف سے خوف ہو، اور اسی طرح اگر اس مسجد کے لوگ منتشر ہو گئے ہوں اور اب وہاں پانچویں وقت کی نماز جماعت سے نہ ہوتی ہو تو اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، اور اگر پیشاب یا پاخانہ کے واسطے نکلا تھا اور قرض خواہ نے اس کو ایک ساعت روک لیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف فاسد ہو گیا اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوا، کیونکہ یہ رکنا اس کے قصد سے نہیں ہوا بلکہ دوسرے شخص نے قرض خواہ کی حیثیت سے اس کو روکا ہے) صاحبین کے قول میں مسلمانوں پر زیادہ آسانی ہے، عبادت مریض کے واسطے بھی نکلے، اگر خازنہ کے واسطے نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اسی طرح اگر خازنہ کی نماز کے لئے نکلا تب بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا اگرچہ اس کے سوا اور کوئی شخص نماز پڑھانے والا نہ ہو، اور اگر ڈوبتے یا جلنے ہوئے کو بولنے کے لئے نکلا تب بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اگر جہاد کے واسطے نکلا جبکہ پکار (اعلان) سب کو عام ہو یا گواہی دینے کے واسطے نکلا تب بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا، اور اسی طرح اگر بیماری کے عذر سے ایک ساعت باہر نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ پس عذر سے مراد وہ عذر ہیں جو اکثر واقع ہوتے ہوں جیسا کہ ان مواقع کا ذکر ہو چکا ہے (یعنی حاجت انسانی پیشاب پاخانہ و غسل جنب جن کا مسجد میں کرنا ممکن نہیں ہے اور حاجت شرعی اذان و نماز جمعہ، تولد ورنہ اگر مطلق عذر مراد لیا جائے تو بھولے سے یا کسی کے زبردستی کرنے سے مسجد سے نکلنے پر اعتکاف فاسد نہ ہو نا چاہئے کیونکہ شرعی عذر ہے (یعنی شرع نے بعض احکام میں ایسا کرنے کے ساتھ ان کے صیغ ہونے کا حکم دیا ہے) جیسا کہ روزہ کا بھول کر کھانا وغیرہ) حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے (اگرچہ ایک ساعت کے لئے ہی نکلا ہو) جیسا کہ فقہانے اس کی تصریح کر دی ہے پس یہ اصول کہ اگر عذر اکثر واقع ہونے والا ہو تو اس سے اعتکاف فاسد

الحمد لله الذي جعل الدنيا دار فناء  
والآخرة دار بقا



نہیں ہوتا اور اگر اکثر واقع ہونے والا نہ ہو تو اس کی وجہ سے مسجد سے نکلنے پر اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مسجد گرنے کی وجہ سے باہر نکلا یا اس کے نمازی متفرق ہو جانے کی وجہ سے نکلا یا کسی ظالم نے اس کو نکالا یا اپنے سامان کے خوف کی وجہ سے نکلا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں و ظہیر وغیرہ میں ہے اور زیلعی شارح کتر نے اس کے خلاف کہا ہے یا جائزہ کے لئے نکلا اگرچہ وہ اس کے لئے متعین یعنی کوئی اور شخص نہ ہو یا جہاد کے لئے نفیر عام (عام اعلان) ہونے پر نکلا یا گواہی دینے کے لئے نکلا یا بیماری کی وجہ سے نکلا یا ڈوبتے ہوئے یا جلتے ہوئے کو بچانے کے لئے نکلا تو امام زیلعی شارح کتر نے یہاں ان مسائل میں فرق بیان کیا ہے اس طرح پر کہ بعض کو اعتکاف کا توڑنے والا قرار دیا ہے اور بعض کو نہیں اور اس میں صاحب بدائع کا اتباع کیا ہے لیکن یہ فرق ہونا نہیں چاہئے، ہاں ان تمام عذرات کی وجہ سے اعتکاف کی مسجد سے نکلنے میں گناہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یعنی وہ نکلنے سے گنہگار نہیں ہوگا بلکہ اگر وہ نماز جائزہ کے لئے متعین ہو جائے یعنی کوئی دوسرا نہ ہو یا گواہی دینے کے لئے متعین ہو جائے اس طرح پر کہ اگر وہ گواہی نہیں دے گا تو اس کا حق ضائع ہو جائے گا یا کسی ڈوبتے ہوئے یا جلتے ہوئے کو بچانے کے لئے ہو تو اعتکاف کی مسجد سے نکلا اور اعتکاف فاسد کر دینا اس پر واجب ہو جائے گا۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ ان سب صورتوں میں اعتکاف فاسد ہو جائے گا لیکن وہ گنہگار نہیں ہوگا بلکہ اگر نماز جائزہ وغیرہ کے لئے وہی شخص متعین ہو تو اب اس کو مسجد سے باہر نکلنا واجب ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان موقعوں میں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کتب فقہ میں کافی بحث کی گئی ہے (مؤلف) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پیشاب و پاخانہ و غسل جنب کے لئے اور اذان و جمعہ کی نماز کے لئے نکلنے کے سوا باقی سب صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک اعتکاف فاسد ہو جائے گا (خواہ ایک ساعت کے لئے ہی نکلا ہو) جیسا کہ اس کی صراحت اوپر گزردہ کی ہے اور بعض مشائخ نے بعض مسائل میں عدم فساد کو استحسان قرار دیا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک جب تک آدمی دن و زیادہ مسجد اعتکاف سے باہر نہ رہے اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ پس صاحبین کے نزدیک بلا عذر بھی مسجد سے باہر نصف دن سے کم رہنے پر اعتکاف ہرگز فاسد نہیں ہوگا۔ اگر بشری حاجت پیشاب یا پاخانہ وغیرہ کے لئے مسجد سے باہر نکلا پھر اسی ضمن میں مریض کی عیادت کے لئے یا نماز جائزہ کے لئے چلا گیا تو جائز ہے جبکہ اس کا مسجد سے نکلنا خاص اسی مقصد کے لئے نہ ہو لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ راستہ سے نہ پھرے اور نماز جائزہ کی مقدار سے زیادہ وہاں نہ ٹھہرے اور راستہ سے گزرنے والے کے طور پر مریض کی عیادت کرے وہاں ٹھہرے نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاجت بشریہ کے لئے اعتکاف کی مسجد سے باہر تشریف لاتے ہوئے کسی مریض کے پاس سے گزرتے تو اس کی مزاج پرسی فرماتے اور اس کے پاس کھائے نہ پیتے تھے (رواہ ابو داؤد) بخلاف اس کے کسی بشری حاجت کیلئے نہ پھرے نہ دفع تصرف نہ شہد نہ صرف نہ ہایہ مع تہ شہد و بصرہ حیات شہد مشکوٰۃ و حیات۔



نکلا اور اس سے فراغت کے بعد کچھ دیر وہاں (بلا وجہ) ٹھہرا تا اس کا اعتکاف امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسد ہو جائے گا خواہ تھوڑی دیر ٹھہرا ہو یا زیادہ دیر اور صاحبین کے نزدیک جب تک آدمی دن سے زیادہ نہ ٹھہرا ہو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور یہ استحان ہے اس لئے کہ تھوڑی دیر تک لئے نکلنے میں ضرورت ہے اور یہ بات صاحبین کے قول کو ترجیح ہونے کی مقتضی ہے اور محقق ابن کمال نے فتح القدیر میں امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے اور صاحبین کے قول کے بالضرورة استحان ہونے سے انکار کیا ہے اس لئے کہ جس ضرورت پر تخفیف موقوف ہے وہ ایسی ضرورت ہے جو لازمی اور غالب طور پر واقع ہونے والی ہو اور صورت مذکورہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ صاحبین بلا ضرورت نصف روز سے کم کے لئے نکلنا جائز قرار دیتے ہیں اور مسئلہ بذاتیں بھی نصف روز سے کم نکلنے کا حکم بیان ہوا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا استحان ہونا مسلم نہیں ہے جو یہ کہا جائے کہ یہ بھی استحان پر قیاس کو ترجیح ہونے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے جیسا کہ رحمتی نے افادہ کیا ہے۔ پس یہ صورت بھی ان مواقع میں سے ہے جن میں قیاس پر عمل کیا جائے۔ اور اکثر کتب فقہ میں اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے (مؤلف) اور اس سے معلوم ہو گیا کہ کسی مباح ضرورت کی وجہ سے نکلنے کے بعد مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں ٹھہرنا جبکہ عبادت کے لئے نہ ہو اعتکاف کے لئے نقصان دہ ہے اور اگر نذر التزام کے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ مریض کی عبادت یا نماز جنازہ یا مجلس علم میں حاضر ہونے کے لئے نکلے گا تو اس کے لئے جائز ہے اور حاصل یہ کہ اکثر واقع ہونے والے عذرات تو حکماً مستثنیٰ ہو گئے اگر چنان کی شرط نہ کی ہو اور جو عذرات غالب الوقوع نہیں ہیں وہ مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن نذر التزام کرتے وقت شرط کر لی ہو تو ایسے عذرات بھی مستثنیٰ ہو جائیں گے اور ان کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنے پر اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مسجد سے نکلنے کا مطلب اس کے قدموں کا مسجد سے باہر نکلنا ہے پس اگر اپنا سراپے گھر کی طرف (جو مسجد سے متصل ہو) باہر نکالنے سے اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ اگر کوئی شخص حلف (قسم) کرے کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلے گا اور وہ سر باہر نکالے تو وہ قسم توڑنے والا نہیں ہوگا۔ پس اگر اپنا سر مسجد سے باہر کسی اپنے گھر والے کی طرف نکال دے تاکہ وہ اس کا سر دھوے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اور یہ سب احکام اعتکاف واجب کے ہیں لیکن اعتکاف نفل میں اگر غندے یا بغیر غندے کے نکلے تو ظاہر الروایت کے بموجب کچھ مضائقہ نہیں اور اگر وہ مریض کی عبادت کو جائے یا جنازہ میں حاضر ہونے کے لئے نکلے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور اگر نفل اعتکاف شروع کیا پھر ٹوڑ دیا تو اس کی قضا لازم نہیں ہے کیونکہ اس کی کم سے کم مدت کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے یہاں تک کہ اگر مسجد میں داخل ہوا اور یہ نیت کر لی کہ جب تک مسجد سے باہر نہ نکلوں تب تک اعتکاف ہے (یا مثلاً غری میں یوں کہے نویت الاعتکاف ما دممت فی هذا المسجد) تو صحیح ہے، اور یہ

لے بگوش دفع و بایع متقطعا لے ش لے ط لے ش لے ع و در لے ش لے ع بحر لے ع لے ع و لے ع دروش



امام صاحب سے ظاہر المذہب ہے اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے پس اگر نفل اعتکاف ایک ساعت تک شروع کیا اور پھر ترک کر دیا تو یہ اعتکاف کو توڑ دینا نہیں ہے بلکہ ختم کر دینا ہے پس اس کی قضا لازم نہیں ہوگی اور نفل اعتکاف سنت مؤکدہ یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے اعتکاف کو بھی شامل ہے لیکن اس کے عشرہ اخیرہ رمضان کے ساتھ مقدر ہونے کی وجہ سے اس پر روزہ شرط ہے اور اسی لئے یہ شروع کر دینے سے لازم ہو جاتا ہے اور محقق ابن کمال نے کہا کہ مقتضائے نظر یہ ہے کہ اگر مسنون اعتکاف یعنی عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کو اس کی نیت کر کے شروع کر دیا پھر اس کو فاسد کر دیا تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر تخریج کرتے ہوئے اس کی قضا واجب ہوگی کیونکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت سنت مؤکدہ شروع کر کے فاسد کر دینے سے اُن چار رکعت کی قضا اس پر لازم ہوگی طرفین کے قول پر نہیں۔ پس ابن ہمام کی بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتکاف مسنون شروع کر دینے سے لازم ہو جاتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی بنا پر تمام دنوں کی یا باقی دنوں کی قضا واجب ہوگی اور طرفین کے قول پر صرف اس دن کے اعتکاف کی قضا واجب ہوگی جس دن کا اعتکاف فاسد کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اعتکاف کا ہر دن مستقل جدا گانہ ہے اور یہ ادھر کہا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کی بنا پر باقی دنوں کے اعتکاف کی قضا دے گا تو یہ حکم اس بنا پر ہے کہ اعتکاف شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ نذر کرنے سے لازم ہوتا ہے اور اگر عشرہ (دس دن) کے اعتکاف کی نذر کی تو ان سب دنوں کا لگانا اعتکاف کرنا لازم ہوگا اور اگر ان میں سے بعض دنوں کا اعتکاف فاسد کر دے گا تو ان باقی دنوں کی قضا لازم ہوگی جیسا کہ معین چینی کے روزوں کی نذر میں بیان ہو چکا ہے اور حاصل یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک جس دن کا اعتکاف شروع کیا توڑ دینے پر صرف اسی دن کے اعتکاف کی قضا دے گا کیونکہ صرف اسی دن کا روزہ اس پر لازم ہوگا بخلاف باقی دنوں کے کیونکہ ہر دن ایسا ہے جیسا کہ چار رکعت والی نمازیں ہر دو گانہ، اگرچہ مسنون اعتکاف پورے عشرہ کا ہی ہے بخور کر لیجئے شیخ



صورت یہ ہے کہ اعتکاف والا شخص کسی بشری ضرورت کے لئے مسجد سے باہر نکلا تو اس وقت بھی اس کو وطی (جماع) کرنا حرام ہے، شروع زمانہ اسلام میں بعض صحابہ اعتکاف کی حالت میں مسجد سے نکلے تھے اور اپنی جماع کی حاجت پوری کر کے غسل کرتے پھر اعتکاف کی جگہ میں چلے جاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَبْتَغُوا زِينَةً وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا كَانَتْ تَرْتَابُ فِي الْمَسَاجِدِ (سورة البقرة ۲۲) یعنی جبکہ تم مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو اپنی عورتوں سے محبت نہ کرو اور شیخ اسماعیل نے کہا کہ اس میں نظر ہے کیونکہ مسجد میں وطی (جماع) ممکن تو ہے اگرچہ مسجد میں بحالت جنابت رہنا منع ہونے کی وجہ سے جماع حرام ہے اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں متکلف ہو اور اس کا اخلاوند اس سے مباشرت کرے تو اس عورت کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ پس اس طرح سے مسجد کے باہر وطی ممکن ہے۔ اور جماع حقیقی کے علاوہ (لوازم جماع یعنی صرف صورتہ جماع یا صرف معنی جماع کی صورت میں، مؤلف) اگر انزال ہو تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور اگر انزال نہ ہو تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا (جیسا کہ روزہ کا حکم ہے) کیونکہ ان صورتوں میں انزال کے بغیر معنی جماع نہیں ہوگا لیکن اعتکاف میں ایسا کرنا حرام ہے اور اسی طرح بوسہ دینے معاف کرنے اور چھونے سے اگر انزال ہو گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا ورنہ فاسد نہیں ہوگا لیکن اعتکاف میں ایسا کرنا حرام ہے بخلاف روزہ کے کیونکہ روزہ کی حالت میں اگر دعائی جماع کے کرنے سے اپنے نفس پر روزہ توڑنے سے امن میں ہو تو یہ دعائی حرام نہیں ہیں (اور جن صورتوں میں نہ صورتہ جماع پایا جائے اور نہ معنی ہو تو انزال ہونے سے بھی اعتکاف نہیں ٹوٹتا صورتہ و معنی جماع کی تشریح مفسدات روزہ میں بیان ہو چکی ہے، مؤلف)۔ پس اگر خیال باندھنے (تفکر) سے یا صورت دیکھنے (نظر کرنے) سے انزال ہو گیا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا کیونکہ نہ صورتہ جماع پایا گیا ہے اور نہ معنی پایا گیا ہے احتلام ہو جانے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے (خلاصہ یہ ہے کہ جماع اور اس کے لوازم سے جن صورتوں میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے اعتکاف بھی فاسد ہو جاتا ہے اور جن صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوتا، فرق صرف یہ ہے کہ اعتکاف میں دن اور رات اس حکم میں برابر ہے جبکہ روزہ میں دن کے وقت یعنی روزہ کی حالت میں یہ چیزیں روزے کی مفسد ہیں اور جماع اور اس کے لوازم کے علاوہ دوسرے مفسدات روزہ سے واجب و سنت مؤکدہ اعتکاف اس وقت ٹوٹ جائے گا جبکہ کوئی روزہ توڑنے والی چیز روزہ کی حالت میں پانی جائے کیونکہ روزہ اس اعتکاف کے لئے شرط ہے جب روزہ ٹوٹ گیا تو اعتکاف بھی ٹوٹ گیا، مؤلف) پھر جن صورتوں میں انزال ہو جائے سے روزہ واعتکاف فاسد نہیں ہوتا مثلاً احتلام وغیرہ سے انزال کی صورت میں تو اگر اس کو مسجد میں غسل اس طرح ممکن ہو کہ مسجد مستعمل پانی سے خراب نہ ہوگی تو مصنائفہ نہیں نیکن اگر مسجد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ مسجد سے باہر نکلے اور غسل کرے اور پھر مسجد میں آجائے جیسا کہ بیان ہو چکا، مؤلف)



اور اگر مسجد کے اندر کسی برتن میں وضو کیا تو اس کا حکم بھی اسی تفصیل کے ساتھ ہے۔ بخلاف غیر معتکف کے کہ اس کے لئے مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے خواہ وہ کسی برتن میں ہی کرے لیکن اگر مسجد میں کوئی جگہ وضو کے لئے بنائی گئی ہو اور وہاں نماز پڑھی جاتی ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

(۳) اعتکاف کو توڑنے والی تیسری چیز بیہوشی اور جنون ہے، صرف بیہوشی اور جنون سے بلا اتفاق اعتکاف فاسد نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی وجہ سے اعتکاف کا لگاتار ہونا منقطع نہ ہو جائے اور جب اس کو افاقہ ہو جائے تو اعتکاف کا نئے سرے سے شروع کرنا لازم نہیں ہے۔ اگر کسی روز تک بیہوشی یا جنون رہا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اس پر واجب ہے کہ جب افاقہ ہو جائے تو نئے سرے سے اعتکاف کرے اس لئے کہ اس پر اعتکاف کا لگاتار کرنا واجب ہوا تھا اور اس سے اعتکاف کا لگاتار ہونا فوت ہو گیا ہے پس اس کو نئے سرے سے اعتکاف کرنا لازم ہوگا۔ پس بیہوشی یا جنون سے اعتکاف اس وقت باطل ہوتا ہے جبکہ وہ کسی دن تک رہے (یعنی جبکہ روز دن یا زیادہ تک رہے، مؤلف) اور کسی دن اس لئے کہا کہ ان دنوں میں نیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا روزہ فوت ہو جائے لیکن پہلے دن کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا جبکہ وہ مسجد میں رہا ہو اور اس نے وہ دن مسجد میں ہی پورا کیا ہو (کیونکہ نیت موجود ہے مؤلف) لیکن اگر وہ مسجد سے باہر نکل گیا تو اس پر اس دن کی بھی قضا لازم ہوگی کیونکہ رکن یعنی مسجد میں رہنا نہیں پایا گیا اور بیہوشی یا جنون کے باقی دنوں کا اعتکاف جنون و بیہوشی دور ہونے کے بعد قضا کرے اگرچہ وہ جنون بہت لمبا ہو گیا ہو یہ حکم استحسانا ہے۔ پس اگر وہ اعتکاف واجب ہو تو جب اس کی قضا پر قادر ہو فوت شدہ کی تلافی کے لئے اس کی قضا دے اور اس کو روزہ کے ساتھ قضا کرے کیونکہ وہ روزہ کے ساتھ فوت ہوا ہے پس روزہ ہی کے ساتھ قضا کیا جائے گا لیکن اگر وہ نذر کا اعتکاف کسی معین چھینے کا ہوگا تو اعتکاف ہونے کے دن سے جس قدر دن باقی ہوں گے صرف اتنے ہی دن کے اعتکاف کو قضا کرے اس کے سوا اور کچھ نہیں اور اس کو نئے سرے سے اعتکاف شروع کرنا لازمی نہیں ہے جیسا کہ کسی معین چھینے کے روزوں کی نذر کرنے کی صورت میں حکم ہے کہ اگر وہ کسی ایک دن کا روزہ افطار کر دے تو صرف اسی دن کے روزہ کی قضا دے گا اور اس کو نئے سرے سے تمام روزے لازم نہیں ہوں گے جیسا کہ رمضان المبارک کے روزوں کا حکم ہے جو کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور اگر وہ واجب اعتکاف غیر معین چھینے کا ہو تو فاسد کر دینے کے بعد اس کو نئے سرے سے شروع کرنا لازم ہوگا اس لئے کہ وہ لگاتار ادا کرنا لازم ہوا ہے پس اس میں لگاتار ہونے کی صفت کی رعایت کی جائیگی خواہ اس کو اپنے فعل سے بغیر کسی عذر کے فاسد کیا ہو مثلاً مسجد سے باہر نکلا جملہ کرے یا دن میں کھانا پینا کرے یا اپنے فعل سے کسی عذر کی وجہ سے فاسد کیا ہو مثلاً ایسا بیمار ہو گیا ہو کہ اس کو مسجد سے نکلنے کی ضرورت لاحق ہو گئی ہو اور وہ مسجد سے نکل گیا ہو یا بالکل اس کے







(۲) اگر اعتکاف طالع شخص نے دن میں بھول کر کچھ کھا لیا تو کوئی حرج نہیں ہے (یعنی اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا) کیونکہ اس کا روزہ باقی ہے بخلاف عمرہ کھانے کے۔ (کیونکہ عمرہ کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس کی وجہ سے اعتکاف بھی ٹوٹ جاتا ہے مؤلف) اور اس لئے کہ دن میں کھانا روزے کی وجہ سے حرام ہے اعتکاف کی وجہ سے نہیں، اور اس میں اصل یہ ہے کہ جو چیز اعتکاف کی وجہ سے اعتکاف کی حالت میں منع ہو روزے کی وجہ سے منع نہ ہو اس کو عمرہ یا سہوا یا رات یا دن میں کرنا برابر ہے جیسا کہ جماع کرنا یا مسجد سے باہر نکلنا اور جو چیزیں روزہ کی وجہ سے منع ہیں۔

..... ان میں عمد اور سہوا اور بات اور دن کا حکم مختلف ہے مثلاً کھانا پینا۔

(۳) اور رات کو نشہ کے استعمال سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا یعنی اگر معتکف رات میں کوئی نشہ لانی والی چیز کھالے تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ دین کی ممنوعات میں سے ہے اعتکاف کی ممنوعات میں سے نہیں جیسا کہ غیر کا مال کھانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا بلکہ معتکف کھانا اور دوسری ضروری چیزیں بیچے اور خریدے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر خرید و فروخت تجارت کے ارادہ سے کرے تو مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے، مؤلف) اور معتکف کے جائز ہے کہ نکاح کرے اور طلاق سے رجعت کرے اور لباس پہنے اور خوشبو اور سر میں تیل لگائے اور اعتکاف والے شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا سونا اور اپنے اہل و عیال کے لئے جس خرید و فروخت و نکاح وغیرہ کے عقد کی ضرورت ہو مسجد میں کرے یعنی اس کو یہ کام کھانا پینا وغیرہ مسجد میں ہی کرنے چاہئیں اس کو یہ کام مسجد کے علاوہ کسی جگہ جا کر نہیں کرنے چاہئیں یہاں تک کہ اگر ان کاموں کے لئے مسجد سے باہر نکلا تو بلا ضرورت نکلنے کی وجہ سے اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ کھانے پینے کے لئے غروب آفتاب کے بعد نکلے، تو اس کو اس صورت پر محمول کرنا چاہئے جبکہ اس کے پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو کہ کھانا پیچھا دے پس اس وقت اس کا مقصد کے لئے نکلنا بھی بیشاب وغیرہ کی طرح حوائج ضروریہ میں سے ہو جائے گا لیکن اس کو کھانا وغیرہ لے کر فوراً مسجد میں آجانا چاہئے اور وہاں آکر کھانا چاہئے، مؤلف) اور جانا چاہئے کہ جس طرح اعتکاف واجب والے کو (مسجد میں) کھانا پینا وغیرہ مکروہ نہیں ہے اسی طرح نقلی اعتکاف میں بھی مکروہ نہیں ہے۔ اعتکاف والے شخص کے علاوہ کسی اور کو مسجد میں سونا یا کھانا مکروہ ہے لیکن اگر وہ مسافر ہو تو غیر معتکف کے لئے بھی مکروہ نہیں ہے جیسا کہ اشیاء میں ہے لیکن ابن کمال نے جامع الاسبیجانی سے نقل کیا ہے کہ غیر معتکف شخص خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر مسجد میں سو سکتا ہے خواہ لیٹ کر سوئے یا کسی چیز سے ٹیک لگا کر سوئے الخ یہ یہ دو قول ہیں (اور پہلے قول کو

له ع الله در سكه ع سكه بدائع و ر قن سكه در سكه ع و حیات عن قاضی خاں شه ع و بحر شه ع و بیله ع در  
سكه ش الله موطوعه سكه بحر دین و حیات سكه ش دعا سقطاً و تصرفاً.



ترجیح معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب، مؤلف اگر کوئی شخص مسجد میں سونے یا کھانے وغیرہ کا اہلادہ کرے تو مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لے اور مسجد میں داخل ہو کر کچھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا نماز پڑھے پھر کھانا یا سونا وغیرہ کیے۔

(۵) اعتکاف والے کو مسجد میں عقد تجارت کرنا مکروہ ہے، خواہ سامان تجارت وہاں حاضر کیا جائے یا نہ کیا جائے کیونکہ اعتکاف کرنے والا دنیا سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اس کو ان دنیاوی امور کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے۔ اسی لئے مسجد میں دزدی کا کام اور اسی طرح کے دوسرے کام مثلاً خرید و فروخت کرنا اور اجرت پر تعلیم دینا و کتابت وغیرہ کرنا مکروہ ہے اور جو چیز مسجد کے اندر رکروہ ہے اس کا مسجد کی چھت پر کرنا بھی مکروہ ہے اور دنیاوی امور میں مشغول ہونے سے اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوتا اگرچہ وہ دستکاری وغیرہ ہو۔ اور اسی طرح یہ چیزیں غیر معتکف کیلئے بھی مکروہ ہیں لیکن بعض فقہانے اجرت پر تعلیم دینے وغیرہ کو اس صورت میں کراہت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جبکہ یہ مسجد کی حفاظت کی ضرورت کیلئے ہو، اور غیر معتکف کے لئے مسجد میں خرید و فروخت کرنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ سامان تجارت حاضر ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ اپنے لئے یا اپنی اہل و عیال کے لئے اس کی طرف محتاج ہو یا نہ ہو اور خواہ تجارت کے لئے ہو یا بغیر تجارت کے ہو۔

(۶) اور مسجد میں سامان تجارت کو موجود کرنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ مسجد کو حقوق العباد سے بچایا گیا ہے اور سامان تجارت کے وہاں لانے سے وہ اس کے ساتھ مشغول ہوگا پس وہ مسجد کو دکان بنائے، اور جو کھانا مستحکم نے خریدا اس کو کھانے کے لئے مسجد میں لانے میں کوئی گراہت نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ ظاہر ہے کیونکہ اس کو کھانے کے لئے وہاں لانا ضروری ہے اور اس لئے کہ یہ تھوڑا سا سامان ہے جس سے اس کو کوئی مشغولیت نہیں ہوگی اور فقہانے کہا ہے کہ جو نقدی (قیمت) اور سامان تجارت مسجد کو مشغول نہیں کرتا اس کو مسجد میں لانا جائز ہے، اس لئے کہ جو سامان تجارت مسجد کی جگہ کو مشغول نہیں کرتا (یعنی جگہ نہیں گھیرتا) اس کو مسجد میں لانا مکروہ نہیں ہے مثلاً کچھ دینار و دسم (دسم و اشرفی) یا کتاب وغیرہ۔

(۶) اور اگر اعتکاف کرنے والا مسجد میں اپنا سر دھوئے تو اگر ایسی صورت ہو کہ مسجد مستعمل پانی سے آلودہ نہیں ہوگی تو کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر مسجد آلودہ ہوتی ہو تو اس سے منع کیا جائے گا اس لئے کہ مسجد کی پاکیزگی دھفائی واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(۸) مسجد میں وطی اور اس کے لوازم یعنی بوسہ و لمس و معانقہ وغیرہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَقْرَبُوا

شده ش شده م و غیره شده بحروش دم شده داد بحرو حیات شده حیات شده یکر تصرف و زیاده شده م و ط زیاده نش شده م و ش و بکر-  
شده بحروش شده ش تصرف شده بحروش و حیات تصرف شده بکر-



وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ یعنی تم مسجد میں اعتکاف کرنے کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو الا یہ کہ جیسا کہ پہلے مفصلات میں گزر چکا ہے۔

(۹) گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا کیونکہ ان افعال کی حرمت اعتکاف کی وجہ سے نہیں ہے اعتکاف کے علاوہ بھی حرام ہیں لیکن ان کی وجہ سے اعتکاف اس لئے فاسد نہیں ہوگا کہ ان سے اعتکاف کا رکن یعنی مسجد میں ٹھہرنا فوت نہیں ہوا اور اعتکاف کی شرط روزہ بھی فاسد نہیں ہوا۔ لیکن یہ افعال مسجد میں اعتکاف کے خلاف ہیں اس لئے ان سے اعتکاف کا ثواب کم ہو جائے گا اور ربط اعتکاف بھی ممنوع و حرام ہیں اور مسجد کے باہر بھی ممنوع ہیں پس مسجد میں بدرجہ اولیٰ ممنوع ہیں اس لئے ان امور سے بچنا ہر وقت ضروری ہے (مؤلف)

(۱۰) چند عادتیں مسجد کے باہر میں نہیں ہونی چاہئیں وہ یہ ہیں کہ مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے اور اس میں ہتھیار نہ پھیلائے اور رکمان کو چلنے نہ چڑھائے اور تیرہ پھیلائے اور کچا گوشت لے کر اس میں سے ٹکڑے اور مسجد میں کسی پر صوباری نہ کی جائے اور مسجد کو بار بار نہ بنائے۔ اس کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

## متفرق مسائل

(۱) جب کوئی شخص اپنے اوپر اعتکاف واجب کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ زبان سے بھی کہے صرف دل سے نیت کرنا اعتکاف واجب کرنے کیلئے کافی نہیں ہے اور صرف دل سے نیت کر لینے سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

(۲) اور یہاں دو اصول (کلیہ قاعدے) ہیں اول یہ کہ جب ایام (دنوں) کو جمع یا تثنیہ کے صیغے کے ساتھ ذکر کرے گا تو اس میں راتیں بھی شامل ہوں گی اور اسی طرح لیالی یعنی راتوں کے ذکر کرنے میں دن بھی شامل ہو جائیں گے پس اگر دو دن یا تین یا زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر کی یاد دو راتوں یا تین یا زیادہ راتوں کے اعتکاف کی نذر کی تو ان دنوں کے ساتھ ان کی راتوں کا اعتکاف اور ان راتوں کے ساتھ ان کے دنوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جائے گا یہ اس وقت ہی جبکہ کچھ نیت نہ کی ہو (یاد دن اور رات دونوں مراد لئے ہوں) اور اگر دنوں کی نذر میں خالص دنوں کی اور راتوں کی نذر میں خالص راتوں کی نیت کی ہو تو نیت صحیح ہے اور دنوں کی نذر کی نیت میں ان دنوں کا اعتکاف لازم ہوگا ان کی راتوں کا نہیں اور خالص راتوں کے اعتکاف کی نذر میں اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے حقیقت لغوی کی نیت کی ہے پس جبکہ اس نے نذر میں خالص دنوں کے اعتکاف کی نیت کی ہو تو اس کو بغیر راتوں کے صرف دنوں کا اعتکاف لازم ہوگا اور اس کو اختیار ہے کہ اس اعتکاف کو متفرق طور پر ادا کر دے کیونکہ اب یہ عبادت ایام (دنوں) سے متعلق ہوئی

لے بحرہ ع ۳۰ حیات ۳۰ نفع بحرہ ع ۳۰ بحرہ ع ۳۰ بحرہ ع ۳۰ بحرہ ع ۳۰ بحرہ ع ۳۰ بحرہ ع ۳۰ بحرہ ع ۳۰ بحرہ ع ۳۰ بحرہ ع ۳۰







واجب اعتکاف میں داخل نہیں ہوگی اس کو فجر شروع ہونے سے پہلے مسجد میں داخل ہونا اور مغرب کے بعد مسجد سے نکلنا چاہئے اور اگر دن کے ساتھ رات کی بھی نیت کی ہوگی تو رات بھی اس کے ساتھ لازم ہو جائیگی یعنی رات اور دن دونوں کا اعتکاف لازم ہوگا اور اگر کسی نے دن کے اعتکاف کی نیت کی اور اس میں رات کی نیت کی یعنی مجاز کے طور پر رات کا ارادہ کیا تو اس کی نیت صحیح نہیں ہوگی اور جب اس کی نیت صحیح نہ ہوئی تو ایسا ہو گیا کہ اس نے اصلاً کوئی نیت نہیں کی پس اس پر صرف اس دن کا اعتکاف لازم ہوگا۔ اور اگر ایک رات کے اعتکاف کی نیت کی تو یہ نذر درست نہیں ہوگی خواہ اس نے صرف رات کی نیت کی ہو یا نیت میں کچھ تعین نہ کیا ہو اور اگر رات کے ساتھ دن کی بھی نیت کی تب بھی درست نہیں ہے کیونکہ جب اس کی اصل یعنی رات کے اعتکاف کی نیت صحیح نہیں ہوئی تو جو اس کے تابع ہے یعنی دن کے اعتکاف کی نیت بھی صحیح نہیں ہوگی اور امام ابو سفیان سے روایت ہے کہ اگر رات کے اعتکاف کی نیت اس کے دن کے ساتھ کی تو وہ اعتکاف اس پر لازم ہو جائیگا اور اس مسئلہ کی صورت یہ ہوگی گویا کہ اس نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر لازم ہے کہ ایک رات کا اعتکاف اس کے دن کے ساتھ کروں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف روایت ہے۔ اور یہ جو فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ اگر رات کے اعتکاف کی نیت کی اور اس میں فقط دن کی نیت کی (یعنی اپنے دل میں اس سے دن مراد لیا، مؤلف) تو اس کو (صرف دن کا) اعتکاف لازم ہو جائے گا اور اگر اس میں دن کی نیت نہیں کی تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ میں اور ادھر والے مسئلہ میں جو اس سے پہلے بیان ہوا ہے کہ اگر رات کے ساتھ دن کے اعتکاف کی بھی نیت کی تو درست نہیں ہے کوئی معارضہ نہیں ہے اس لئے کہ اس پہلے مسئلے میں اس نے دن کو رات کے تابع کر دیا ہے اور تبصرہ یعنی رات میں نذر باطل ہو گئی ہے (کیونکہ رات روزے کا محل نہیں ہے اور روزہ اعتکاف واجب کے لئے شرط ہے، مؤلف) پس تابع یعنی دن میں بھی نذر باطل ہو گئی (کیونکہ تابع کے لئے وہی حکم ہے جو متبوع کے لئے ہے، مؤلف) اور دوسرے مسئلہ میں رات کا لفظ کہہ کر دن کی نیت کی ہے یعنی رات کو مطلق کہا اور مجاز مرسل کے طور پر اس سے ارادہ دن کا کیا۔ اب ان چوبیس صورتوں کو ایک جدول کی شکل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ باسانی تمام صورتیں اور ان کے احکام معلوم ہو سکیں (مؤلف)۔

جدول :- امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک دنوں و راتوں کے اعتکافِ نذر کی جو بیس حدیں مہ احکام (مترجم مؤلف)















اس پر قادر ہوا اور اس کو قضا کیا یہاں تک کہ مرگیا تو ہر روز کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دینے کی وصیت کرے اور اگر اس کے بعض دنوں کی قضا پر قادر ہوا تو اگر وہ نذر کرتے وقت تندرست تھا تب بھی یہی حکم ہے اور اگر نذر کرنے کے وقت بیمار تھا تو اگر ایک دن بھی تندرست ہو گیا تو اس کا حکم اسی طرح مختلف فیہ ہے جیسا کہ روزے کے متعلق بیان ہو چکا ہے اور اگر ایک دن بھی تندرست نہیں رہا اور مرگیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اور ان صورتوں کی تفصیل مندرجہ اعتکاف کے بیان میں پیشروشی وجنون کے ضمن میں گذر چکی ہے (مؤلف)۔

## شبِ قدر اور اس کے احکام

وجہ تسمیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ علماء نے قدر کے معنی میں اختلاف کیا ہے جس کی طرف لیلۃ (رات) کو مصاف کیا گیا ہے بعض نے کہا کہ قدر کے معنی یہاں پر تعظیم کے ہیں پس اس سے مراد یہ ہے کہ یہ رات تعظیم والی ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یا اس لئے کہ اس میں نزول ملائکہ ہوتا ہے یا اس لئے کہ اس میں رحمت و برکت و مغفرت نازل ہوتی ہے یا اس لئے کہ جو شخص اس رات کو شب بیداری کرتا ہے وہ صاحب تعظیم ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ قدر کے معنی یہاں تنگی کے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اس رات میں نزول ملائکہ کی وجہ سے زمین تنگ ہو جاتی ہے یا دنیا کو اس رات کے پلینے سے تنگ کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ رات پوشیدہ ہے بعض نے کہا کہ قدر کے معنی یہاں پر تقدیر اور قضا کے ہیں پس اس رات کو لیلۃ القدر اس لئے کہتے ہیں کہ اس رات میں بندوں کے رزق اور مخلوقات کی عمروں کے متعلق سال بھر کے احکامات مقدر کر دیے جاتے ہیں اور فرشتے ان کو لکھ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَبِمَا يُعْرِقُ كُلَّ أَمْرٍ حَكِيمٌ اَللّٰہِ بِمَا نَفِیْ فِیْہِ قَدَرٌ کَرِیْمٌ (اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کا قدر ہے اور وہ بڑا حکیم ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ مَبَارَکَۃٍ اور ایک نام لیلۃ السلام بھی ہے قال تعالیٰ سلام ہی اس کو لیلۃ النجیۃ بھی کہتے ہیں اس رات میں فرشتے مومنوں کو نجات و سلام کہتے ہیں۔

**فضائل لیلۃ القدر** لیلۃ القدر (شبِ قدر) بہت فضیلت اور بڑے مرتبہ والی رات ہے (اس کے فضائل کتبِ تفسیر و احادیث میں بکثرت مروی ہیں، سورۃ قدر کی تفسیر میں خاص طور پر مفسرین نے لکھے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں، مؤلف) اس کو تلاش کرنا مستحب ہے اور وہ سات سال کی تمام راتوں میں افضل رات ہے۔ قرآن مجید میں اس کو ہزار مہینے سے افضل فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا أَزْدَاكَ مَالِيكَ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ اس میں ہر نیک عمل دوسرے دنوں کے ہزار عمل کے برابر ہے۔ یعنی شبِ قدر میں کوئی نیک عمل کرنا ہزار مہینے کی دوسری راتوں میں اس عمل کرنے سے بھی بہتر ہے۔ اور ہزار مہینے کے تراسی سال چار مہینے ہوتے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام



کو اس فضیلت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ پس صحیح و مشہور روایات کی بنا پر پہلی امتوں کے لئے یہ فضیلت نہیں تھی، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ و علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں دلائل قویہ سے اس قول کو رد کیا ہے فلیتدبرہ اور لیلۃ القدر کی فضیلت قیامت تک باقی ہے۔ یعنی مشہور احادیث سے آخذ نہ کرنے تک اس کا جحد اور مدعا ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص شب قدر کی عشا کی نماز میں شامل ہوا تو اس نے شب قدر میں بے حصہ پایا، اور امام شافعی رحمہ اللہ سے عشا اور صبح دونوں کی روایت ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں سے جس کو چاہتا ہے شب قدر دیکھنے کی دولت نصیب فرماتا ہے اور جو حضرت ہلب مالکی فقیہ سے روایت ہے کہ شب قدر کا حقیقی طور پر دیکھنا ممکن نہیں ہے یہ بات غلط ہے اور جو شخص اس کو دیکھے اس کو چاہئے کہ اس کو چھپائے اور اللہ تعالیٰ سے اخلاص کے ساتھ دعا

لیلۃ القدر کے تعین کے متعلق اقوال

شب قدر کے تعین کے بارے میں علماء کا بہت اختلاف ہے ان سب اختلافات کا حاصل چھالیس اقوال ہیں جن کو علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں مفصلاً ذکر فرمایا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک شب قدر بالاتفاق رمضان المبارک میں ہوتی ہے (اور یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسی رات ہے) لیکن صاحبین کے نزدیک وہ ہمیشہ رمضان کی ایک معین رات میں ہوتی ہے اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوتی اور امام صاحب کے نزدیک اس کی کوئی رات متعین نہیں ہے بلکہ آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے اور یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسی رات ہے۔ اور اس اختلاف کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جبکہ کسی شخص نے اپنے غلام کو کہا کہ تو شب قدر میں آزاد ہے یا اپنی عورت کو کہا کہ شب قدر میں تجھ کو طلاق ہو تو اگر اس نے رمضان داخل ہونے سے پہلے کہا ہے تو جب رمضان کے بعد شوال کا چاند نظر آئے گا تو بلا خلاف وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی عورت کو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر رمضان کی ایک رات یا زیادہ گزرنے کے بعد کہا ہے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک آئندہ سال کا رمضان گزار کر شوال کا چاند نظر نہ آئے وہ غلام آزاد نہیں ہوگا اور اس کی عورت کو طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ شاید پہلے رمضان کی پہلی تاریخ میں شب قدر ہو چکی ہو اور دوسرے سال کی آخری تاریخ میں ہو۔ پس پہلے سال کے رمضان کا آخری دن گذرنے پر احتمال اول کی وجہ سے غلام آزاد نہیں ہوگا یعنی یہ احتمال ہے کہ شب قدر اس سال رمضان کی پہلی رات میں ہو چکی ہو اور عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور دوسرے سال کے رمضان کا آخری دن ختم ہونے سے پہلے دوسرے احتمال کی وجہ سے غلام آزاد نہیں ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی یعنی یہ احتمال ہے کہ دوسرے سال رمضان کے آخری دن شب قدر واقع ہوئی ہو پس جب دوسرے سال کا رمضان ختم ہو گیا تو اب اس شب قدر کا جحد جس پر عتق (غلام آزاد ہونا) و طلاق معلق تھے

لے طاق النوافل وحاشیۃ النکح ۳۰ حیات ۳۰ حاشیۃ التاج ۳۰ طاق النوافل ۳۰ شرح منہج الدلایۃ وحیات ۳۰ حیات ۳۰ حیات ۳۰ درویش و فتح و تغیر و تصرف ۳۰ بحر و درویش و حیات ۳۰



ان دونوں سالوں میں سے کسی ایک سال میں متحقق ہو گیا پس اب عتق و طلاق واقع ہو جائیں گے۔ اور صاحبین کے نزدیک جب آنے والے سال کی وہی تاریخ گزر جائے گی جس تاریخ میں یہ بات کہی ہے تو عتق و طلاق واقع ہو جائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک شب قدر مقدم و مؤخر نہیں نہیں ہوتی۔ یعنی اگر اس نے رمضان کی پہلی رات کو ایسا کہا تھا تو آنے والے سال کی پہلی رات کو دونوں امر واقع ہو جائیں گے اور اگر دوسری یا تیسری یا چوتھی یا آخر ماہ تک کوئی تاریخ تھی اقد احتمال ہے کہ وہ شب قدر یا ماضی میں گزر چکی ہے تو صاحبین کے نزدیک آئندہ سال کی اسی تاریخ کو شب قدر کا وجود قطعی طور پر متحقق ہو جائے گا۔ اور فتویٰ امام ابو حنیفہ کے قول پر ہے لیکن صاحب محیط نے اس میں یہ قید بیان کی ہے کہ وہ حلف کرنے والا شخص تہیہ ہو اور شرط کے بارے میں اختلاف فقہاء کو جانتا ہو لیکن اگر وہ عوام میں سے ہو اوردہ اس بارے میں اختلاف فقہاء کو نہ جانتا ہو تو اس کے لئے لیلۃ القدر تا یسویں شب قرار دی جائے گی، کیونکہ اول تو عوام اسی کو شب قدر کہتے ہیں تو اس کا حلف امام صاحب کے نزدیک اسی کی طرف لگایا جائے گا جس کو عوام پہچانتے ہیں اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا دوسرے یہ کہ شب قدر کے متعلق جو اقوال وارد ہوئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ شب قدر تا یسویں شب رمضان المبارک کو ہوتی ہے اور بہت سی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں اور امام صاحب نے ان احادیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس سال میں لیلۃ القدر اسی تاریخ میں تھی اور جو شخص احادیث کے طریقوں اور ان کے الفاظ میں غور کرتا ہے اس کو احادیث کے سیاق و اس بات پر دلالت کرتے ہیں مثلاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ جس چیز کی تو تلاش کرتا ہے وہ تیرے آگے ہے اور بیشک اس سال لیلۃ القدر تلاش کی جا رہی تھی۔ (اور اس کی مزید تفصیل شروح احادیث سے معلوم کی جائے، مؤلف) اور اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اکیسویں شب ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک تا یسویں شب ہوتی ہے صحیح حدیث میں وارد ہے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور اس کو طاق راتوں میں تلاش کرو، اور اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ رمضان المبارک کی پہلی رات کو ہوتی ہے اور امام حسنؒ نے کہا کہ سترہویں رات کو ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ انیس شب کو ہوتی ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چوبیسویں شب ہے اور عمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پچیسویں شب ہے اور بعض نے کہا کہ انیسویں شب ہوتی ہے اور جانا چاہئے کہ شب قدر کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ رمضان میں ہے پھر بعض نے کہا کہ وہ پھرتی رہتی ہے (کسی سال کسی رات کو اور کسی سال کسی دوسری رات کو ہوتی ہے) بعض نے کہا کہ ایک معین تاریخ میں ہوتی ہے پھر اخیر عشرہ میں اس کی امید کی گئی ہے پھر اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں امید کی گئی ہے اور اکیسویں یا تیسویں یا چوبیسویں یا ستائیسویں یا انیسویں شب کی امید کی گئی ہے اور اب امت میں مشہور یہ ہے کہ شب قدر تا یسویں شب ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ اور دیگر علماء و فقہاء

عہدِ نبویؐ میں مدیات عہد ش و منہ ستہ بخوش ش و ش و فح دبر م ش و فح دم لقطا ش عرف۔ عہد ش



کی بھی یہی رائے ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک قول یہی ہے اور ۱۰۰۰ غوام کے حق میں ستائیسویں شب کے قول پر ہی فتویٰ دیا جائے۔ اور یہ جو امام صاحبؒ سے روایت کی گئی ہے کہ شب قدر رمضان میں ہوتی ہے اور اس مہینے میں آگے پیچھے ہوتی رہتی ہو یہ بھی امام صاحبؒ کا ایک قول ہے یعنی یہ امام صاحبؒ سے غیر مشہور روایت ہے اور امام صاحبؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ شب قدر تمام سال میں گھومتی رہتی ہے کبھی رمضان میں ہوتی ہے اور کبھی کسی اور مہینے میں ہوتی ہے اور اس بارے میں حدیث شریف بھی ہے جو طحاویؒ میں ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس شخص نے تمام سال قیام اللیل کیا اس نے لیلۃ القدر کو پایا اللہ اور شیخ عمر النسفی نے اپنی نظم میں کہا ہے ۵

وليلة القدر بكل الشهر دائرة وعينها نادر

یعنی لیلۃ القدر ہر مہینے میں گھومتی ہے اور اس کو معین کرنا عجیب بات ہے اور اس قول کی تائید معانی الآثار میں ۶ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ اور اس کی تائید شیخ اکبر سلطان العارفين سيدنا محي الدين ابن العربيؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو فتوحات مکبہ میں ہے کہ لوگوں نے شب قدر کی تاریخ میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ تمام سال میں دائر ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کیونکہ میں نے اس کو شعبان میں بھی دیکھا ہے اور ماہ ربیع الاول میں بھی اور ماہ رمضان میں بھی دیکھا ہے اور اکثر میں نے اس کو ماہ رمضان میں دیکھا ہے اور رمضان کے اخیر عشرہ میں دیکھا ہے اور ایک دفعہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں بھی دیکھا ہے اور کبھی جفت راتوں اور کبھی طاق راتوں میں دیکھا ہے پس مجھے یقین ہے کہ وہ سال بھر میں دائر یعنی پھرتی رہتی ہے، مہینے کی الفست راتوں میں بھی ہوتی ہے اور طاق میں بھی انتہی کلامہ الشریف، اور اس بارے میں علماء کے اور بھی اقوال ہیں جو شمار میں چھالیس ہوتے ہیں ۷

شب قدر کی علامات یہ ہیں کہ وہ رات نورانی چمکدار اور پرسکون ہوتی ہے (اور اس رات کو علامات لیلۃ القدر) ستارے واضح طور پر روشن ہوتے ہیں (نہ زیادہ گرم ہوتی ہے نہ زیادہ سرد ہوتی ہے بلکہ معتدل ہوتی ہے، اس رات کی صبح کو سورج شعاعوں کے بغیر طلوع ہوتا ہے گویا کہ ایک نقال ہے اور اس کی ایک علامت یہ ہے کہ اس رات بارش ہرستی ہے۔ علامہ ابو عمر نے استزکار میں کہا ہے کہ یہ علامت اسی سال کے لئے تھی جس سال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اور ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس رات میں ہرگز کوئی ستارہ نہیں ٹوٹے گا۔ ایک علامت یہ ہے جس کو طبری نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ اس رات میں درخت زمین پر جھکتے ہیں اور پھر اپنی جڑوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہر چیز اس رات میں سجدہ کرتی ہے پیہقی نے عبدہ ابن ابی لبابہ سے روایت کی ہے کہ اس رات میں کھاری پانی میسے ہو جاتے ہیں

۱۔ حاشیۃ الناج ۲۔ حیات ۳۔ شہد بتصرف ۴۔ فتح و بکروش و طوع و عرف تصرفا ۵۔ عرف طالع ۶۔ عرف شہ شہ

۷۔ حیات ۸۔ رواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ عن جابر مرفوعاً و رواہ احمد فی مسندہ عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً ۹۔ رواہ مسلم فی صحیحہ عن ابیہن کعب رضی اللہ عنہ و احمد عن عبادۃ بن الصامت ۱۰۔ رواہ ابن الزبیری فی مسندہ عن جابر بن سمرہ مرفوعاً (حیات)



اسی طرح ابو عمر نے زہر بن معبد سے روایت کی ہے اور حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے کہ اس رات میں کسی گتے کی آواز نہیں سنی جاتی اور اس رات کے عجائبات ارباب قلوب و اصحاب ولایت و طاعت مؤمنین میں سے جن پر حق تعالیٰ شاء چاہتا ہے کشف فرماتا ہے اور یہ ان کے احوال اور منازلِ قرب بحق تعالیٰ کے مطابق ہوتا ہے۔  
- ۱۱۰ -

اور بیشک اس رات کو پوشیدہ کر دیا گیا ہے تاکہ جو شخص اس کی تلاش میں کوشش کرے وہ اس کی وجہ سے عبادت میں کوشش کرنے والوں کا اجر حاصل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقت کو پوشیدہ رکھا ہے تاکہ لوگوں کے اچانک قائم ہونے کی وجہ سے خوف کھاتے رہیں واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز کی مقبولیت کی ساعت کو پوشیدہ کر دیا ہے تاکہ جمعہ کے دن کے تمام وقت میں عبادت کی کوشش کی جائے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو عام مخلوق میں پوشیدہ کر دیا ہے تاکہ ہر مسلمان شخص کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے اور اس کے ساتھ برکت حاصل کی جائے۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی راتوں کو جاگنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے

احکام لیلة القدر روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں کو شب بیداری فرماتے

احکام لیلۃ القدر

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی راتوں کو جاگنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں کو شب بیداری فرماتے تھے اور اپنے اہل کو بھی شب بیداری کراتے تھے اور عبادت میں کوشش و مجاہدہ فرماتے تھے کیونکہ اس رات میں کوئی نیک عمل کرنا اور دوسری راتوں کی جن میں شب قدر ہو ایک ہزار چوبیس کی عبادت سے بہتر ہے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، مؤلف) اور اسی طرح حدیث کی کتاب التلج اور مشکوٰۃ شریف میں ہے اور ان دونوں کتابوں میں حدیث ہے اس کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے لئے کمر بستہ یعنی زیادہ تیار ہو جاتے اور راتوں کو شب بیداری فرماتے اور اپنے اہل کو بھی شب بیداری کراتے تھے۔ اور ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اور دونوں سے زیادہ مجاہدہ و عبادت فرماتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت میں ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ بخاری و مسلم و ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے اور نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو۔ اس کو بخاری و مسلم و ترمذی نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شبِ قدر کو ایمان کی حالت میں ثواب کے لئے قائم کیا (یعنی عبادت کی) اس کے گزرے ہوئے زمانے کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اس کو صحاح کی پانچوں کتابوں نے روایت کی ہے اور احمد و سنائی میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اس کے آئندہ زمانہ کے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور اس کا قیام عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

له حيات منه فنع وبجود حيات منه طامعه وطان النوافل شهام وحاشيتا تلج له متفق عليه بشكوة شريفا بها الخمسة التلج عنه التلج له طامعية التلج.



یعنی یہ قیام لیل کا ادنیٰ درجہ ہے) لیکن اس کا اکل درجہ یہ ہے کہ تمام رات یا اس کا بیشتر حصہ شب بیداری کرے اور نماز و تلاوت قرآن مجید و حدیث و سماعت قرآن و حدیث و تسبیح و تہلیل و ذکر و دود و شریف و غیرہ عبادات میں گزارے یعنی جس نے اس رات کو عشا اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو اس نے اس رات کا ثواب حاصل کر لیا اور جس نے . . . اس سے زیادہ کیا اس کو اللہ تعالیٰ اور زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے عشا کی نماز جماعت سے پڑھی تو اس نے گویا نصف رات عبادت کی اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے پڑھی تو اس نے گویا تمام رات عبادت کی، اس کو مسلم نے روایت کیا ہے یعنی جس نے عشا اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھیں تو اس نے گویا کہ تمام رات عبادت میں گذاری پس ان میں ہر ایک نماز آدھی رات کی عبادت کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں رات کا فریضہ ہیں اور مغرب کی نماز دن کی وتر (طاق) نماز ہے۔

اور لیلۃ القدر کے بعد آنے والے دن کو بھی عبادت میں گزارنا چاہئے کیونکہ اس دن کی فضیلت بھی شب قدر کی مانند ہے جیسا کہ ابو نعیم کی حدیث میں ہے کہ چار دن ایسے ہیں کہ ان کی راتیں ان کے دنوں کی مانند ہیں اور ان کے دن ان کی راتوں کی مانند ہیں ان میں رزق میں فراخی کی جاتی ہے اور دلوں کو آزاد کیا جاتا ہے اور ان میں بہت بڑی خیر و بھلائی دی جاتی ہے، شب قدر اور اس کی صبح، شعبان کی پندرہویں شب اور اس کی صبح، عرفہ کی شب اور اس کی صبح، جمعہ کی شب اور اس کی صبح، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔ فقہاء و علمائے ذکر کیلئے کہ شب قدر کی رات اور اس کے دن میں دعا و عبادات مقبول ہیں پس اگر کسی شخص نے اس کی رات کو فوت کر دیا تو وہ اس کے دن کو حاصل کرے۔ اور مرقاة شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ یہ جو شب قدر کی علامت حدیثوں میں آئی ہے کہ انھا تظلم یومئذ لا شعاع لھا یعنی اس روز سورج اس حالت پر نکلے گا کہ تیز نورانی شعاعیں نہیں ہوں گی۔ علامہ ابن حجر کی رحۃ اللہ علیہ نے فرمایا رات کے گزرنے کے بعد دن کی نشانی بیان فرمانے کا فائدہ یہ ہے کہ رات کی طرح اس دن کو بھی زندہ رکھنا یعنی عبادات و طاعات میں گزارنا سنت ہے (پس رات کے جاگنے والے اس دن میں غافل ہو کر نہ سوئیں اس کی قدر بھی شب قدر کی طرح کریں مولف) اور لیلۃ القدر تمام عمر کے گناہوں کے لئے کفارہ ہوتی ہے اور اس رات میں لوگوں کے رزق اور عمریں اور مالدار و فقیر ہونا اور عزت یا ذلت ملنا اور زندگی و موت اور حج کرنے والوں کی تعداد مقرر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس رات میں بہت زیادہ خیر و برکت عطا فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فرمادیجئے کہ اگر مجھ کو شب قدر معلوم ہو جائے تو میں اس حال میں کیا دعا کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہو اَللّٰهُمَّ اِنِّکَ عَفُوٌّ تَحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ، یعنی اے اللہ! آپ معاف فرمانے والے ہیں میں معاف فرمانے کو پسند فرماتے ہیں پس آپ مجھے معاف فرمادیجئے، احمد و ابن ماجہ اور



ترمذی سے اس کو روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے۔ پس مستحب ہے کہ اس رات میں اس دعا کی کثرت کرے۔  
 (اس رات میں اور اس کے دن میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرے اور کثرت سے استغفار اور اذکار پڑھے اور  
 اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگے، مؤلف) شب قدر میں غل کرنا بھی مستحب ہے۔

بعض کتابوں مثلاً مقدمہ غزوی اور اس کی شرح اور مجموعہ خانی فارسی اور شرح شرعۃ الاسلام تصنیف مولانا  
 حسن تنویری رحمہ اللہ وغیرہ میں جن نوافل و اورداد وغیرہ کا ذکر ہے وہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہیں اور شب قدر میں  
 خصوصیت سے کسی معین کیفیت کے ساتھ نماز پڑھنا یا کسی معین مقدار تک قرأت قرآن پاک کرنا کاتب حدیث و کتب  
 اذکار نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض آیات و متروک سورتوں  
 کا مطلق طور پر رات کے اورداد میں پڑھنا ثابت ہے پس ان آیات و سورتوں کا یا ان میں سے بعض کا... رمضان کی  
 ستائیسویں شب کو پڑھنا اچھا و بہتر ہے کیونکہ قول جمہور کے مطابق ستائیسویں شب ہی شب قدر ہے اگر ان آیتوں یا  
 سورتوں کو نماز نوافل میں پڑھا جائے تو فضیلت قرأت قرآن و فضیلت اذکار نبویہ کو جمع کرنے کی فضیلت بھی حاصل  
 ہوگی۔ اور بغیر نماز کے بھی قرأت قرآن پاک کرے اور درود شریف و استغفار و دیگر اذکار پڑھے اور حب تو فبق حسب قدر  
 حصہ شب میں زیادہ سے زیادہ شب بیداری کر سکے کرے اور وہ تمام وقت عبادت میں گزارے (مؤلف)

(فائدہ) بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے اور ہر مکان میں انوار چمکتے ہیں اور  
 ملائکہ کرام سے سلام و خطاب سنا جاتا ہے اور یہ باتیں بعض اہل کشف و ارباب قلوب اکابر پر ظاہر ہوتی ہیں ان میں سے  
 سے کسی چیز کا ظاہر ہونا شرط نہیں ہے اگر ان چیزوں کا ظاہر ہونا کلی یا اکثری امر ہوتا تو اس کے پوشیدہ کردیئے جانے کی  
 بابت جو شریعت میں آیا ہے وہ متصور نہیں ہو سکتا تھا خاص طور پر صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین و اکابر اولیائے  
 امت پر اس کا مخفی رہنا منصوبہ ہوتا لیکن شب قدر کا ثواب حاصل کرنے کے لئے اس رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا  
 شرط ہے جیسا کہ اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے کہ جس نے شب قدر میں ایمان کی حالت میں  
 قیام کیا انہی پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اس شخص پر جو کھڑے یا بیٹھے یا  
 کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر و عبادت کرتا ہے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں۔ شب قدر کے علاوہ سال کی کچھ اور  
 راتیں بھی ہیں جن کی فضیلت سال کی دوسری راتوں سے بہت زیادہ ہے چنانچہ مراقی الفلاح میں ایک حدیث ہے کہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ان پانچ راتوں کو زندہ رکھا اس کے لئے جنت واجب ہوگی وہ پانچ  
 راتیں یہ ہیں ذی الحجہ کی آٹھویں و نویں رات و عید الاضحی و عید الفطر کی رات اور پندرہویں شعبان کی رات۔ اسی کتاب میں  
 ایک دوسری حدیث ہے کہ شب براءت کا روزہ رکھنا سال بھر کا کفارہ ہے اور جمعہ کی رات کا جاگنا ایک ہفتے کے گناہوں کا

سلف المشکوۃ علیہ تفسیر منہری و حیات ملکہ حیات درکن دین صوم ملکہ حیات ملکہ تفسیر منہری۔



اور شب قدر میں جاگنا عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے اور پانچ راتوں میں دعا رخصت نہیں ہوتی، جمعہ کی رات، اول رجب کی رات، شب برات اور عیدین کی رات۔ اور اسی کتاب میں ہے کہ عشرہ ذی الحجہ کی ہر رات کا قیام شب قدر کے قیام کی برابری ہے۔ پس حقیقی شب قدر کے علاوہ یہ تیرہ راتیں اور افضل ہوئیں جن میں ذی الحجہ کے اول عشرہ کی دس راتیں حکماً شب قدر ہیں اور تین افضل راتیں شب برات و شب عید الفطر و شب جمعہ ہیں۔ غنیۃ الطالبین میں محرم کی اول شب و شب عاشورا و رجب کی اول شب و رجب کی پندرہویں شب اور رجب کی ستائیسویں شب ان پانچ راتوں کا اور اضافہ ہے پس رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی پانچ طاق راتوں ایکس تیس پچیس ستائیس انتیس کو بلا کر سال کی کل افضل راتیں تیس ہو گئیں ان میں شب بیداری کرنے اور نماز تبیع و تہلیل، ذکر و مراقبہ، تلاوت قرآن مجید و مستحبات حدیث اور درود شریف پڑھنے میں مشغول رہے اور صبح کے وقت کثرت سے استغفار پڑھے اگر تمام رات نہ ہو سکے تو حسب مقدور جب قدر زیادہ سے زیادہ ہو سکے کرے بلکہ تمام سال حسب استطاعت ہر رات میں شب بیداری اور عبادت کی پابندی کرتا رہے تاکہ وہ ضرور شب قدر کا ثواب حسب توفیق پالے کیونکہ جو شخص تمام سال اس بات کا حسب توفیق اہتمام کرے گا تو ضرور شب قدر اس کو حاصل ہو جائے گی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

اے یار چہ جوئی ز شب قدر نشانی ہر شب شب قدر ست اگر قدر بدانی

لیکن ان راتوں میں شب بیداری کے لئے مساجد وغیرہ میں جمع ہونا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرامؓ سے یہ فعل ثابت نہیں ہے پس حجاز مقدس کے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سب بدعت ہے اور یاہ شعبان کی پندرہویں شب کو شب بیداری کے لئے جمع ہونے کی کیفیت میں علما نے شام کا اختلاف ہے اور اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اکابر تابعین کے ایک گروہ مثلاً خالد بن معدان و لقمان ابن عامر وغیرہ نے مسجد میں جماعت کے ساتھ اس رات میں شب بیداری کرنے کو مستحب کہا ہے اور اسحاق بن راہویہ نے بھی ان سے موافقت کی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس رات میں مساجد کے اندر جمع ہونا مکروہ ہے یہ اہل شام کے امام اور ان کے فقیہ و عالم امام اوزاعی و حاکم کا قول ہے۔ مزید تفصیل کتب احادیث و شرح احادیث و کتب فقہ سے معلوم کریں (مؤلف)

اللہم ادرنا لیلۃ القدر و ادرنا قیامہا و صیامہا و ایماننا و احتسابنا با بحرمۃ سید الانبیاء  
و المرسلین علیہ و علی الہ افضل الصلوات و التسلیمات و التحیات آمین یا رب العالمین۔



(بند سترن ص ۲۸۰)

تارا وائرلیس، خط اور ٹیلیفون کے ذریعہ ثبوت ہلال کا حکم (۱) وائرلیس یعنی لاسکی پیغام اور ٹیلیگراف (تار) کی خبروں کا ثبوت ہلال وغیرہ امور دینیہ میں کسی حال

میں کوئی اعتبار نہیں، نہ شہادت کے درجے میں آسکتے ہیں نہ خبر شرعی کے اور نہ ان سے ہلال رمضان ثابت ہو سکتا ہے نہ ہلال عیدین، اگر بہت سے تار ایک شہر سے موصول ہوں تو وہ بھی خبر مستفیض کے حکم میں نہ ہوں گے جیسا کہ علامہ شامی نے بحوالہ رحمۃی خبر مستفیض کی تحریف میں بتلایا ہے کہ جب تک شائع کنندہ کا علم نہ ہو کہ کون ہے اس وقت تک اس کا اعتبار نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ وائرلیس اور تار میں اس کے علم کا کوئی معتد بہ ذریعہ نہیں ہے۔

(۲) خط اگر بخوبی شناخت ہو جائے کہ فلاں شخص کا لکھا ہوا ہے اور وہ خط لکھنے والا مسلمان عادل یا مستور الحال ہو تو ہلال رمضان میں خط کی خبر معتبر ہے اور ٹیلیفون کے ذریعہ جو خبر موصول ہو اگر اس میں سننے والوں کو خبر دینے والوں کی آواز پوری طرح شناخت میں آجائے اور یہ یقین ہو جائے کہ اسی شخص کی آواز ہے تو خط پر قیاس کر کے ہلال رمضان میں اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ خبر دینے والا فاسق و کافر نہ ہو، اور اگر آوازیں کچھ تردد ہے تو جائز نہیں لیکن ٹیلیفون میں بہ نسبت خط کے تردد اشتباہ زیادہ ہے اس لئے اس میں ایک پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ جب متعدد مقامات سے بذریعہ ٹیلیفون دریافت کر کے اطمینان حاصل ہو جائے تب عمل کریں۔

(۳) ہلال عید وغیرہ کا ثبوت خط اور ٹیلیفون سے نہیں ہو سکتا اگرچہ آواز پہچان لی جائے کیونکہ اس میں شہادت کی ضرورت ہے اور یہ خبر شہادت کے لئے کافی نہیں ہیں۔

خلاصہ جواب: تارا اور وائرلیس کی خبر نہ ہلال رمضان میں معتبر ہے اور نہ ہلال عیدین وغیرہ میں، اور خط اور ٹیلیفون کی خبر ہلال رمضان میں اس شرط کے ساتھ اعتماد جائز ہے کہ لکھنے والا عادل ثقہ یا مستور الحال ہو۔ اور ٹیلیفون میں یہ بھی لحاظ رکھا جائے کہ ایک خبر پر اعتماد نہ ہو بلکہ دو تین جگہ سے خبر آنے پر اعتماد کیا جائے۔ ہلال عیدین میں ان شرطوں کے باوجود بھی خط اور ٹیلیفون پر اعتماد جائز نہیں۔ الغرض ہلال رمضان کے علاوہ کسی ہلال میں ان آلات جدیدہ کی خبروں پر اعتماد جائز نہیں ہے اور ہلال رمضان میں بھی شرائط مذکورہ کے ساتھ خط اور ٹیلیفون پر اعتماد کرنے کی گنجائش ضرور ہے مگر اس میں بھی احتیاط ادنیٰ ہے۔ فقط لہ

عن کشف الظنون عن حکم الخط والتلفون: مختصاً، کتبہ مفتی محمد شفیع، صاحب مدظلہ العالی

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند، رجب ۱۳۵۷ھ

حال مقیم کراچی



رویت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی مزید تحقیق | جانا چاہیے کہ معاملات دو قسم کے ہوتے ہیں اول دنیوی معاملات دوم دینی معاملات، اسی طرح شہادت اور خبر دو جدا جدا امور ہیں

شہادت میں غیر الزام اور خبر میں اپنے نفس کے لئے کسی واقعہ کا تیقن حاصل ہونا ہے، شہادت میں شاہد کا قاضی کے پاس مجلس قضا میں حاضر ہونا اور شہد کا لفظ کہنا اور عدو عدالت وغیرہ من الشرائط المبسوطة فی کتب الفقہ ضروری ہیں، مگر خبر کے لئے یہ شرائط ضروری نہیں ہیں، پس (۱) شاہد کے قاضی کے پاس مجلس قضا میں حاضر ہونے کی شرط سے معلوم ہو گیا کہ شہادت میں خط، ٹیلیگراف، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں۔

(۲) خبر میں ان شرائط کا پایا جانا ضروری نہ ہونے سے معلوم ہو گیا کہ دنیوی معاملات میں بشرط اطمینان قلب خط وغیرہ مذکورہ نکتہ کی خبر معتبر ہے۔

(۳) دینی معاملات میں اگر حروف و آواز کا امتیاز ہو اور خبر دینے والا مسلمان اور عادل ہو تو خط، ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر معتبر ہے لیکن ٹیلیگراف کی خبر معتبر نہیں اس لئے کہ اس میں امتیاز صوت نہیں ہو سکتا۔

(۴) ہاگ خط، ریڈیو، ٹیلیگراف، ٹیلیفون وغیرہ کسی خاص ایسے ضابطہ اور قانون کے تحت ہوں کہ کسی معتبر مسلم اور عادل شخص کی اجازت کے بغیر ان کے ذریعہ سے کوئی دوسرا شخص خبر نہ دے سکتا ہو تو اس صورت میں خط، ریڈیو اور ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کی خبر بہر کیف مقبول و معتبر ہے خواہ اس تحریر اور آواز کا امتیاز ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ پس اس حالت میں ٹیلیگراف (تار) کی خبر بھی معتبر ہے اس کلیہ قاعدہ کے مطابق رویت ہلال کے متعلق یہ احکام ہیں۔

(۱) ہلال عیدین کے ثبوت کے لئے ٹیلیگراف، ٹیلیفون، خط اور ریڈیو وغیرہ کی خبر کا اعتبار نہیں، اگر بذریعہ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا کسی مقررہ ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریق شہادت خیر) نشر کی گئی تو یہ خبر بھی اس مفتی یا ہلال کمیٹی کی حدود ولایت سے خارج معتبر نہیں، اس لئے کہ عیدین کے ثبوت کے لئے شہادۃ علی المؤمنین یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی قضاہ الحاکم الشرعی یا زائد موجودہ میں کسی مفتی کے فیصلہ پر شہادت ضروری ہے اور ریڈیو وغیرہ سے کسی قسم کی شہادت بھی معتبر نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

(۲) ہلال رمضان میں خط، ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر اس شرط سے قبول ہوگی کہ سامع اس تحریر یا آواز کا کامل امتیاز کر سکے یعنی کاتب اور حکم کو پہچان سکے خواہ اس کی آواز اور اس کے خط کو پہچان کر ہو یا دوسرے قرائن سے یہ معرفت حاصل ہو جائے نیز یہ بھی ضروری ہے کہ خبر اپنی رویت کی خبر سے مبہم خبر (مثلاً یہاں چاند دیکھا گیا ہے یا روزہ دکھا گیا ہے وغیرہ) کا کوئی اعتبار نہیں، اور ٹیلیگراف کی خبر کسی حال میں بھی معتبر نہیں البتہ اگر ٹیلیگراف یا ٹیلیفون اور ریڈیو خط وغیرہ کسی خاص ضابطہ کے تحت ہوں کہ ان کے ذریعہ کوئی شخص بلا اذن مسلم عادل کے کوئی خبر نہ دے سکتا ہو تو ان کی خبر بلا امتیاز صوت و خط بھی معتبر ہے۔

(۳) اگر جماعت علماء کے مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں یا کتب







مفسد و مفسد صوم نہیں قرار دیا جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دعا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے بالاتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا، اور فقہاء کی عبارتوں سے غذا و دعا وغیرہ کا جس جوف میں پہنچنا مفسد صوم ہے وہ جوفِ معدہ اور جوفِ دماغ ہے مطلقاً جوف مراد نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مفسد صوم وہ چیز ہے جو جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں پہنچ جائے اور انجیکشن کے ذریعہ جو دوا پہنچائی جاتی ہے وہ رگوں کے اندر رہتی ہے جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں نہیں جاتی اس لئے مفسد نہیں ہے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انجیکشن سے جس طرح دوا دوسرے اعضا میں پہنچائی جاتی ہے اسی طرح دماغ اور معدہ میں بھی پہنچائی جاتی ہے کیونکہ معدہ اور دماغ میں بذریعہ انجیکشن دوا پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ جرم معدہ و دماغ میں جو شرائین و اوودہ (رگیں) ہیں ان کے اندر دوا پہنچتی ہے قعر معدہ یا جوفِ دماغ میں نہیں پہنچتی جو مفسد صوم ہوتی و اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

رکتہ مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حال مفتی اعظم پاکستان و علیہ تصدیق علماء دارالعلوم دیوبند و حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے جو کسی منہذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے انجیکشن میں دوا بذریعہ منہذ نہیں جاتی بلکہ عروق و مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہے لہذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، واللہ اعلم و علیہ اتم و احکم۔

صیام اربعین (چولہ) کی حقیقت

صیام اربعین کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص چالیس روز تک روزانہ روزہ رکھے، اور اس عرصہ میں اپنے ظاہری و باطنی اعضاء کو منہیات شرعیہ سے باز رکھے اور ان کو عبادات و اذکار میں مشغول رکھے، اور یہ نیت رکھے کہ اس کا نفس اس مدت میں اخلاقی حسنہ پر عمل کرنے اور اعمالِ قبیحہ کے ترک کرنے کا عادی ہو جائے اس لئے اس قدر مدت تک کسی چیز پر پیشگی کرنے سے وہ چیز انسان کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے، پس اس نیت سے چولہ کھانا اپنی اہل کے اعتبار سے جائز ہے بلکہ حسن ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے کوہِ طور پر چولہ کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذ ذاعذنا موسیٰ

الربعین لیلۃ الآء، اور حدیث شریف میں ہے ان النبۃ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخلو بغار حراء من شہر حتی یاتاہ الوحی والنبوۃ ینزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من اخلص العبادة لله تعالى لربعین لیلۃ ظهرت یناہم الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ ذراہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی یوسف الانصاری رضی اللہ عنہ لیکن چولہ کے جائز ہونے کا حکم اس وقت ہے جبکہ اس عمل میں اخلاص ہو اور فاسد شرعیہ مثلاً یا وحمہ وحبیب کبر و نخوت اور ایسی ریاضت شاقہ جو تمام عبادتوں میں داخل نہ ہو پختا ہے، لیکن اگر کوئی شخص اخلاص حاصل کرنے اور شیطانِ بعین کے مکروں سے بچنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کے حق میں چولہ رکھنا مکروہ ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ و حقائق شرح منظومہ میں ہے کہ جاہلِ عالم لوگ جو چولہ کے روزے رکھتے ہیں یہ مکروہ ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ والخود عنوانان الحمد للہ رب العالمین۔

الحمد للہ والتمنہ کہ عمدة الفقہ حصہ سوم ختم ہو گئی باب اثنا عشر فی الغریزہ حصہ چہارم میں حج کے مسائل بیان ہوں گے (مؤلف)

نہت





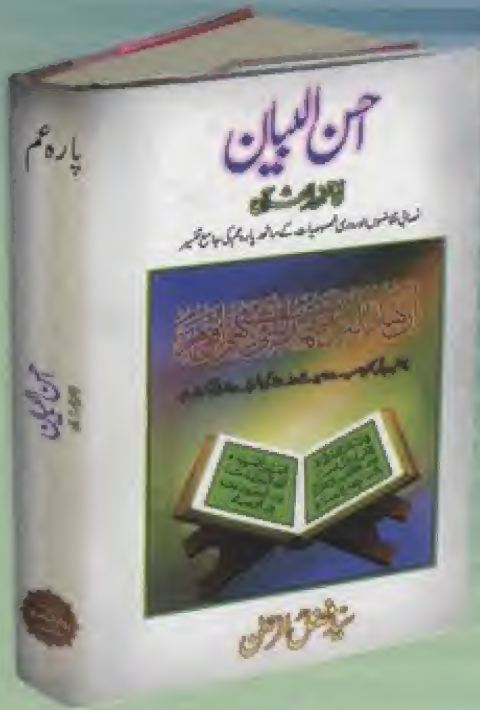












# حسن التبیان

فی تفسیر القرآن

سید فضل الرحمن

قرآن حکیم کی عام فہم، مستند، مختصر اور جامع تفسیر

✽ ہر سورت کا تعارف اور آیت وار خلاصہ

✽ سلیس ترجمہ

✽ مشکل الفاظ کی تشریح

✽ مختصر مگر جامع تفسیر

✽ علماء، طلبہ، عوام الناس خصوصاً درس قرآن دینے والے حضرات کے لئے انتہائی مفید

تکمیل سیٹ ۸ جلدیں  
صفحہ ۳۰۷۷

زوارا کیڈمی پبلی کیشنز



۱۷۷۳، ناظم آباد ٹیسر، کراچی۔ ۷۳۶۰۰ فون: ۷۶۸۳۷۹۰  
www.zawwaracademy.org